معارفِ رضا

سالنامہ 2006

مدیر اعلیٰ

سید وجاہت رسول قادری

مدیر

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

محرم الحرام تا ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
فروری تا اپریل 2006ء

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی)

اسلامی جمہوریہ پاکستان

www.imamahmadraza.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلسل اشاعت کا چھبیسواں سال

ماہنامہ ﴿سالنامہ ۲۰۰۶ء﴾ کراچی

معارفِ رضا

شمارہ نمبر 2,3,4 جلد نمبر 26 صفر المظفر ۱۴۲۷ھ / مارچ ۲۰۰۶ء

ہدیہ شمارۂ خاص:	=/150 روپے
سالانہ:	عام ڈاک سے: -/200
	رجسٹرڈ ڈاک سے: -/350
رکنیت برائے ماہانہ لٹریچر:	-/100 روپے ماہانہ
بیرون ممالک:	-/15 ڈالر سالانہ
لائف ٹائم ممبر شپ:	-/400 ڈالر

دائرے میں سرخ نشان ممبر شپ ختم ہونے کی علامت ہے۔

زرِ تعاون ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔

نوٹ: رقم دستی یا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ بنام 'ماہنامہ معارف رضا' ارسال کریں، چیک قابلِ قبول نہیں۔

ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر: کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 45-5214۔حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، کراچی۔

نوٹ: ادارتی بورڈ کا مراسلہ نگار / مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ ﴿ادارہ﴾

25۔جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، کراچی 74400۔ پوسٹ بکس نمبر 489

فون: 0091-21-2725150 فیکس: 0091-21-2732369

ای۔میل: marifraza_karachi@yahoo.com

ویب سائٹ: www.imamahmadraza.net

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل سے شائع کیا)

مشمولات

تجھے حمد ہے خدایا

از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

تمہیں حاکمِ برایا تمہیں قاسمِ عطایا
تمہیں دافعِ بلایا تمہیں شافعِ خطایا
کوئی تم سا کون آیا

وہ کنواری پاک مریم وہ نَفَختُ فِیہِ کا دم
ہے عجب نشانِ اعظم مگر آمنہ کا جایا
وہی سب سے افضل آیا

یہی بولے سدرہ والے، چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یہ ملا ہے تم کو منصب
جو گدا بنا چکے اب اٹھو وقتِ بخشش آیا
کرو قسمتِ عطایا

وَاِلٰی اِلٰہِ فَارْغَبْ کرو عرض سب کے مطلب
کہ تمہیں کو تکتے ہیں سب کرو ان پر اپنا سایا
بنو شافعِ خطایا

ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا

ہمیں اے رضا ترے دل کا پتا چلا بہ مشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا؟

تمہارے ذرّے کے پرتو ستارہائے فلک

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان

تمہارے ذرّے کے پرتو ستار ہائے فلک
تمہارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک

اگرچہ چھالے ستاروں سے ؛ پڑگئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

سرِ فلک نہ کبھی تابہ آستاں پہنچا
کہ ابتدائے بلندی تھی انتہائے فلک

یہ مٹ کے ان کی رَوِش پر ہوا خود اُنکی روش
کہ نقشِ پاہے زمیں پر نہ صوتِ پائے فلک

تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بند دید ہائے فلک

نہ جاگ اٹھیں کہیں اہلِ بقیع کچی نیند
چلا یہ نرم نہ نِکلی صَدائے پائے فلک

یہ اُن کے جلوہ نے کیں گرمیاں شبِ اسرا
کہ جب سے چرخ میں ہیں نقرہ و طلائے فلک

مِرے غنی نے جواہر سے بھر دیا دامن
گیا جو کاسۂ مہ لے کے شب گدائے فلک

رہا جو قانعِ یک نانِ سوختہ دن بھر
ملی حضور سے کانِ گہر جزائے فلک

تجملِ شبِ اسرا ابھی سمٹ نہ چکا
کہ جب سے ویسی کوتل ہیں سبز ہائے فلک

خطابِ حق بھی ہے دربابِ خلق مِنْ اَجلِکَ
اگر ادھر سے دمِ حمد ہے صدائے فلک

یہ اہلِ بَیت کی چکی سے چال سیکھی ہے
رواں ہے بے مدد دستِ آسیائے فلک

رضا یہ نعتِ نبی نے بلندیاں بخشیں
لقب زمینِ فلک کا ہوا سمائے فلک

فیضِ اتّباعِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری

دنیا میں ہے معارفِ احمد رضا کی دُھوم
اُس کے کمالِ علم کا چرچا ہے جابجا

فقرِ غیور و عشقِ خود آگاہ کا نشان — تصویرِ حق پرستی و تمثیلِ اتقا
توحید کا فدائی، رسالت کا جاں نثار — وہ بندۂ خدائے عظیم، عبدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
تھا واقعی وہ منتخبِ بزمِ روزگار — وہ بیسیوں علوم میں یکتائے دہر تھا
اُس نے دیا محبتِ خیرُ الورا کا درس — ہے منزلِ نجات کا واحد جو راستہ
اُس نے کہی جو سرورِ کون و مکاں کی نعت — اُس کی مثال لا نہ سکا کوئی دُوسرا
جو منکرانِ شانِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے — اُن سے وہ آن بان سے مردِ جری لڑا
اُس پر تھے شاہِ کوثر و تسنیم مہرباں — اُس پر خصوصی لطف و کرم تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا
دائم کرے گی اُس کی ستائش زبانِ وقت — "ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما"

طارق فروغِ جان ہے اُس کا سنِ وصال
خورشیدِ معرفت وہ مہِ علم و اہتدا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

چل لکھالائیں ثناخوانوں میں چہرہ تیرا

بقلم
صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
مدیر اعلیٰ

محترم قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ ہماری خوش بختی ہے کہ آج ہم آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے عاشقِ صادق، عارف باللہ، عالمِ یگانہ، عبقریِ زمانہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے علمی آثر کی یادگار کے طور پر "معارفِ رضا" سالنامے کا ۲۶واں شمارہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ اس طرح خود امام صاحب علیہ الرحمہ کے الفاظ میں ہم ؏

چل لکھالائیں ثناخوانوں میں چہرہ تیرا

کی سعی مشکور میں مشغول ہوکر فکرِ رضا کا اجالا ہر آنگن تک پہنچانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس کوشش میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ گذشتہ ۲۶ سال سے معارفِ رضا کا مطالعہ کرنے والے گرامی قدر علماء و محققین اور رضویات سے شغف رکھنے والے اسکالرز کرسکتے ہیں۔

امام احمد رضا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ افقِ علم و فضل کے وہ نیرِ تاباں ہیں کہ جن کے علمِ لدنّی و نورانی کی شعاعوں نے ایک عالم کو منور و تابندہ کررکھا ہے اور وہ اب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ علم و فن کے جس میدان میں آپ نے قدم رکھا، خواہ وہ فقہ و حدیث ہو یا دیگر علومِ نقلیہ، علومِ قدیمہ ہو یا جدیدہ، نثری ادب کا میدان ہو یا شاعری کا، آپ مرتبۂ امامت پر فائز ہوئے۔ عرب و عجم کے صاحبِ علم و بصیرت آپ کے کلام اور نگارشات میں بلندیٔ افکار اور عمقِ علمی کے حوالے سے نئے نئے زاویئے تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی تعلیمات اور فکری کارناموں کو عام کرنے اور ان کی بلند پایہ تحقیقات اور علمی نگارشات کو دورِ حاضر کے اہلِ علم و محقق حضرات تک ابلاغ کے لئے ۱۹۸۰ء میں مولانا سید ریاست علی قادری نوری علیہ الرحمۃ کی قیادت میں کراچی میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی بنیاد رکھی گئی۔ ادارہ نے اب تک امام صاحب کی ۲۵ سے زیادہ تصانیف اور ان پر لکھی ہوئی پچاس سے زیادہ اردو، عربی، انگریزی کتب پونے دولاکھ کی تعداد میں شائع کرکے علمائے عرب و عجم اور عالمی جامعات کے اساتذہ اور ریسرچ اسکالرز کے ہاتھوں تک پہنچانے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ اس کے علاوہ برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش اور قاہرہ، مصر کے بعض اشاعتی اور تحقیقی اداروں اور محقق شخصیات کے تعاون کے ساتھ بھی پچاس سے زیادہ کتب کی اشاعت کی گئی ہے۔ ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۰ء تک معارفِ رضا سالنامہ کی حیثیت سے شائع ہوتا رہا، جس میں ملک اور بیرونِ ملک کے نامور علماء و محققین، ماہرینِ تعلیم اور کالج، یونیورسٹی کے اساتذۂ کرام اور ریسرچ اسکالرز کے تحقیقی مقالہ جات شائع ہوئے۔ دوسرے ہزارے کی ابتداء یعنی جنوری ۲۰۰۰ء سے بحمد اللہ معارفِ رضا کا ماہنامہ صورت میں اجراء ہوا جبکہ سالانہ امام احمد رضا کانفرنس پر معارفِ رضا سالنامہ کا اجراء حسبِ سابق جاری رہا اور ان شاء اللہ اب صبحِ قیامت تک بطورِ ماہانہ اور سالانہ اس کی اشاعت جاری و ساری رہے گی۔ ۱۹۸۶ء سے معارفِ رضا سالنامہ میں ایک علیحدہ سیکشن کے طور پر انگریزی مقالات شائع

ہوئے۔ کبھی کبھی ایک دو مضامین عربی میں بھی شائع ہوتے رہے لیکن امام احمد رضا کی حیات و کارناموں پر انگریزی اور عربی زبان میں لٹریچر کی بڑھتی ہوئی مانگ نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ انگریزی اور عربی مقالات پر مشتمل معارفِ رضا علیحدہ طور پر شائع کروا کر انگریزی داں طبقے اور بلادِ عرب کے علماء اور وہاں کی جامعات کے اساتذۂ کرام کو بھیجا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے اب ۲۰۰۳ء سے عربی اور انگریزی کے معارفِ رضا علیحدہ علیحدہ طور پر شائع ہو رہے ہیں۔ معارفِ رضا کے مقالہ جات کی تفصیل اور ادارہ کی جانب سے دیگر شائع شدہ کتب کی تفصیل ادارہ کی سلور جوبلی کانفرنس (۲۰۰۵ء) کے موقع کی کارکردگی رپورٹ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی یہ واحد شخصیت ہے جس کی یاد میں مسلسل ۲۶ برسوں سے پابندی اور تسلسل کے ساتھ ان کی یاد میں ایک علمی کانفرنس میں منعقد ہوتی چلی آرہی ہے۔ ہمیں یقینِ کامل ہے کہ امام احمد رضا کی اُس محبت و شیفتگی کے صدقے جو ان کو سید عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ تھی، ان شاء اللہ یہ محفل یونہی تا صبحِ قیامت سنورتی اور سجتی رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی شرفِ محبوبیت سے نوازتا ہے جو اس کے محبوب ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور ان کا بھی ذکر بلند کرتا ہے جو اس کے حبیب ﷺ کا چرچا کرتے ہیں۔ امام احمد رضا کی وسعتِ علمی اور عبقریت کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ دنیا کی واحد عالم اور اسلامی اسکالر شخصیت ہے جس پر اب تک دنیا بھر کی ۳۵ سے زیادہ جامعات میں کام ہو چکا ہے، ۱۸ سے زائد افراد آپ کی حیات کے مختلف گوشوں پر پی۔ ایچ۔ ڈی کر چکے ہیں اور مزید ۱۰۔۱۲ افراد پی۔ ایچ۔ ڈی کے کام میں مشغول ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عمدہ علمی تحقیق اور جودتِ فکر کی شوخی فردِ واحد میں جمع نہیں ہوتیں لیکن جب ہم امام احمد رضا کی عبقری اور ہمہ جہت شخصیت اور ان کے علم کے بحرِ بیکراں کا نظارہ کرتے ہیں تو یہ روایتی نظریہ دم توڑتا نظر آتا ہے۔ جہاں وہ ایک عظیم فقیہ، محدث، مفسر، فلسفی، منطقی، نحوی، ریاضی داں، ماہر ہیئت وفلکیات تھے وہیں ایک نازک خیال شاعر بلکہ فنِ شاعری کے حوالے سے استاذ الاساتذہ، صاحبِ طرز ادیب اور ایک ہزار سے زیادہ کتب کے مصنف بھی تھے۔ ان کے علوم وفنون اور فضائل و کمالات دیکھ کر زبان گنگ ہوجاتی ہے اور قلم یہ کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْم

یہ ایک حقیقت ہے کہ امام احمد رضا کی تمام زندگی تبلیغ و اشاعتِ دین، مسلمانوں کے درمیان اتحاد و وداد کا درس اور اصلاحِ معاشرہ کی خدمات انجام دیتے ہوئے گزری۔ مسلمانوں کا آپس میں اتحاد و اتفاق اور غیروں سے احتیاط و اجتناب کا درس ان کے کردار و گفتار اور تحریر و تقریر کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہمیشہ امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کو نقصان پہنچانے والے افراد، گروہ، اداروں اور نام نہاد تحریکوں کا بھرپور تعاقب اور کھل کر رد کیا ہے اور حمیتِ دین کے ضمن میں انہوں نے اپنوں اور غیروں میں کوئی امتیاز نہیں برتا۔ وہ شانِ الوہیت اور عظمت و مقامِ رسالت کے معاملے میں بھی حد سے زیادہ غیرتمند تھے۔ قرآن نے مومن کی یہی شان بتائی ہے اور بلاشبہ وہ صحیح معنوں میں ایک حق پرست مردِ درویش تھے، جو گذشتہ ایک صدی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

سردست حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں آج ہم امام احمد رضا کی فکر کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

تاریخ سقوطِ سلطنتِ مغلیہ (۱۸۵۷ء) سے لے کر بیسویں صدی عیسوی کے ربع کے اختتام تک مسلمانانِ برصغیر کے لئے کئی نازک مرحلے آئے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے وقت امام احمد رضا کی عمر بمشکل ایک سال تھی لیکن ان کے والدِ ماجد اور جدِّ امجد علامہ نقی علی

خان اور علامہ رضا علی خان نے جنگِ آزادی کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے حتی المقدور اپنے تمام وسائل استعمال کئے۔ اس کے بعد جنگِ بلقان اور پہلی جنگِ عظیم کی تباہ کاریاں سامنے آئیں۔ سلطنتِ عثمانیہ کو تباہ و برباد اور مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے عالمی سطح پر بے دست و پا بنانے کے لئے برطانیہ، یورپ اور امریکہ نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ہندوستان کا غلام مسلمان ابھی ان صدموں سے جانبر بھی نہ ہوسکا تھا کہ انگریزوں کی ایماء پر کانگریس اور ہندوؤں کے امام گاندھی نے خلافت بچاؤ کے نام پر تحریک چلانے کا اعلان کردیا اور اس طرح مسلمانوں کو ورغلا کران کی قیادت ہاتھ میں لے لی اور گاندھی کی اس آندھی میں بڑے بڑے مسلمان لیڈر اور صاحبِ جبّہ و دستار بہہ گئے، لیکن امام احمد رضا کی ایک واحد آواز تھی جس نے مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ مصطفیٰ پیارے (ﷺ) کی بھولی بھالی بھیڑو، آنکھیں کھولو، کیا کررہے ہو، کس کو تم اپنی قیادت سونپ رہے ہو، بھلا ایک مشرک کو اسلام اور اس کے نظامِ خلافت سے کیا واسطہ؟ یہ تو تمہارے جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہارے چندے بٹور رہا ہے اور انگریزوں کے سامنے اپنی سیاسی قوت کا مظاہرہ کررہا ہے کہ دیکھو ہندو تو ہماری سیوا کرتے ہی ہیں، مسلمان بھی ہمیں خاتم اولیاء مانتے ہیں (نعوذ باللہ)۔

اس تحریک کے اختتام سے پہلے ہی گاندھی نے انگریزوں پر سیاسی پریشر ڈالنے کے لئے ''تحریکِ ترکِ موالات'' کے نام سے ایک اور تحریک چلائی اور اس میں بھی قربانی کا بکرا مسلمانوں کو بنایا۔ یہ ابھی ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ گاندھی نے کانگریسی مسلم رہنما ابو الکلام آزاد سے ایک فتویٰ دلوادیا کہ ہندوستان دارالحرب یعنی جہاد کی جگہ ہے لہٰذا انگریزوں سے جہاد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام مسلمان افغانستان ہجرت کر جائیں، بڑے بڑے علماء خصوصاً دارالعلوم دیوبند سے وابستہ اور اہلِ حدیث علماء نے اس فتویٰ پر دستخط کردیئے اور یہ بھی کہا گیا کہ جونکہ ہندوستان دارالحرب ہے، اس لئے یہاں سودی کاروبار کرنا جائز ہے۔

اس نازک موقع پر بھی امام احمد رضا کی گرجدار آواز ہی تھی جس نے مسلمانوں کو سنبھالا دیا اور بہت سے بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر گامزن کیا اور ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو خانماں برباد ہونے سے بچالیا۔ امام ممدوح نے اپنی فراستِ ایمانی سے بھانپ لیا تھا کہ گاندھی مسلمانوں کو انگریز گورنمنٹ سے لڑوا کر اپنی سیاست چمکانا چاہتا ہے اور دوسری طرف حکومتِ برطانیہ کی نظر میں مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتا ہے، لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ تمہارے پاس نہ اقتدار و سلطنت کی قوت ہے اور نہ ہی وسائل و دولت اور نہ تعلیم کا ہتھیار ہے، تم توڑ پھوڑ اور تشدد کی تحریک کے بجائے متحد و متفق ہو کر ایک سیاسی پلیٹ فارم سے اپنی آزادی کے لئے علیحدہ جدوجہد کرو۔ غالباً امام احمد رضا کی اسی آواز پر لبیک کہتے ہوئے علامہ اقبال اور محمد علی جناح نے بھی گاندھی اور کانگریس کی توڑ پھوڑ کی سیاست سے علیحدگی کا اعلان کیا اور پھر مسلم لیگ کے متحدہ پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کی سیاسی اور آئینی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ ادھر امام احمد رضا کے وصال (۱۹۲۱ء) کے بعد ان کے صاحبزادگان، خلفاء، تلامذہ اور متوسلین علماء اور عوام اہلِ سنت نے ''سنّی کانفرنس'' کے سیاسی پلیٹ فارم سے اسی مہم کا آغاز کیا اور مسلم لیگ کی تحریکِ پاکستان مہم میں ہر طرح سے قوت و تقویت پہنچائی جبکہ علمائے دیوبند نے الا ماشاء اللہ من حیث الجماعت گاندھی اور کانگریس کا ساتھ دیا۔

آج مسلمانانِ عالم کے حالات سقوطِ سلطنتِ عثمانیہ کے دور کے حالات سے کچھ زیادہ مختلف نہیں بلکہ اس سے زیادہ سنگین ہیں۔ افغانستان، عراق، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، کشمیر میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کی استعماری طاقتیں

مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی ہر اعتبار سے اپنا دستِ نگر بنانے اور نام نہاد جمہوریت اور آزاد معیشت کی آڑ میں مسلم ممالک کو اپنا غلام بنانے کے لئے ہر حربے استعمال کررہی ہیں۔ ادھر ۱۱/۹ کے نیویارک کے ایک منصوبہ بند حادثے کے پسِ منظر میں عالمی سطح پر مسلمانوں کو دہشت گرد اور اسلام کو ایک تشدد پسند مذہب قرار دینے کی بھرپور مہم چلائی جارہی ہے۔ عالمی میڈیا میں آزادیِ صحافت کے نام پر اسلام اور پیغمبرِ اعظم، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کردارکشی کی سوچی سمجھی کھلم کھلا تحریک چلا کر مسلمانوں کی غیرت وحمیتِ دینی کو للکارا جارہا ہے۔ حال ہی میں اس کا بدترین مظاہرہ ڈنمارک، جرمنی، اٹلی، ہنگری اور فرانس کے اخبارات میں آقائے کائنات ﷺ کا ذلت آمیز کارٹون شائع کرکے پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے قلبی اذیت کا سامان مہیا کیا گیا اور مسلمانوں کی کھلے عام تذلیل کی گئی اور اس ناپاک عمل پر متعلقہ اخبارات اور ان کی حکومتوں نے مسلمانوں کے احتجاج پر رسماً یا دکھاوے کے لئے بھی معافی مانگنے یا اظہارِ افسوس سے انکار کیا۔ اس انسانیت سوز عمل سے ہمارے دل جل رہے ہیں اور آنکھیں خون کے آنسو رو رہی ہیں۔ مسلمانانِ عالم یہ صورتحال کسی طور برداشت نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری مسلم دنیا اس وقت سراپا احتجاج بنی ہوئی ہے۔ ہر اس ملک میں جہاں مسلمان آباد ہیں، حتیٰ کہ خود ڈنمارک، فرانس، جرمنی، انگلینڈ اور دیگر یورپی ممالک اور امریکی ریاستوں میں احتجاجی مظاہرے ہوئے اور اب بھی ہورہے ہیں، یورپی ممالک اور امریکہ کے خلاف مسلمانوں میں نفرتیں بڑھ رہی ہیں۔ کہیں کہیں تشدد، جلاؤ گھیراؤ اور توڑ پھوڑ کے بھی واقعات ہوئے ہیں۔ افغانستان اور عراق میں تو یہ پہلے ہی سے روزمرہ کا معمول تھا، اب توہین آمیز خاکوں کے بعد ان میں مزید شدت آگئی ہے۔

یہ سب اپنی جگہ بجا، لیکن اس وقت مسلمانوں کی بے پری، دیکھنے کے قابل ہے، آپس میں ناچاقی، ایک دوسرے کے ساتھ یکجہتی اور تعاون کا فقدان، جماعت کو چھوڑ کر فرقوں اور گروہوں میں تقسیم، سیاسی، معاشی اور فوجی اعتبار سے دوسروں کی دست نگری اور صیہونی اور صیہونیت نواز قوتوں کی جدید تعلیم، ٹیکنالوجی، معیشت اور صنعت و حرفت میں غلبہ کی حدت تک برتری، یہ ایسے حقائق ہیں کہ مسلمانانِ عالم خصوصاً مسلم ملکوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ انہیں جلد مل بیٹھ کر اپنی کمزوریوں کا جائزہ لینا ہے اور جذباتیت کو پسِ پشت ڈال کر موضوعاتی طور پر ایک منصوبہ بند پروگرام کے ساتھ ''پس چہ باید کرد'' کا فیصلہ کرنا ہے۔ اس سے قبل کہ زمانہ ہمارے ساتھ قیامت کی چال چل جائے، آج کے اس صیہونی، صلیبی اور ترشولی دور میں وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ آج سے سو سال قبل تقریباً انہیں حالات میں امام احمد رضا کا پڑھایا ہوا سبق یاد کیا جائے اور نئی مسلمان نسلوں کے دلوں میں عشقِ رسول ﷺ اور فکرِ رضا کی معنویت کے اجالے بھر دیئے جائیں۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اکیسویں صدی کے اسلام مخالف داخلی اور خارجی فتنوں کے سدّ باب کے لئے آج بھی امام احمد رضا کی شخصیت ایک علامتی مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توہینِ رسالت کے خلاف اور تحفظ ناموسِ رسالت کی تحریک کے پردے میں عالمی میڈیا میں اپنا احتجاج ریکارڈ کرانے کے لئے آج وہ گروہ اور ملک بھی سامنے آگئے کہ جن کے بڑوں کے زبان وقلم سے ''مقامِ مصطفیٰ ﷺ'' کے لئے توہین آمیز کلمات صادر ہوئے اور جنہوں نے اپنے دلوں کی خباثتوں کے ناپاک دھویں سے ناموسِ رسالت کی طاہر طیب ردا کو داغدار کرنے کی اپنی سی سعیِ لاحاصل کی۔

سچ پوچھئے تو یہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے مؤقف کی حقانیت کی دلیل، ان کے فکری کمال اور عشقِ رسول ﷺ کے نور میں ڈوبی ہوئی تحریر کا اعجاز ہے کہ کل تک جو امام احمد رضا کو ''امینِ تحریکِ تحفظِ ناموسِ

رسالت'' ہونے کی بناء پر اپنی ملامتوں کا نشانہ بنائے ہوئے تھے، آج وہ خود ''لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم'' کا نعرہ بلند کرتے، ''سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی'' کا علم اٹھائے کاروانِ عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کی اگلی صفوں میں دراندازی کرتے نظر آرہے ہیں اور مسلمانانِ عالم کو فریب دینے کے لئے امام احمد رضا ہی کا یہ مصرعہ گنگناتے ہیں ؏

چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا

یہ محض شاعری یا لفاظی نہیں، الیکٹرونک میڈیا اور پرنٹ میڈیا میں محفوظ نقوش موجود ہیں، تحفظِ ناموسِ رسالت کے سلسلہ میں نکالے گئے احتجاجی جلسوں اور جلوسوں میں ان کے چہرے دیکھے اور اس کے اندر لگائے گئے نعرے سنے جاسکتے ہیں۔ نیز ان جلوس اور جلسوں میں ان کے ہاتھوں میں اُٹھائے ہوئے بینرز، پوسٹرز پر درج بالا نعرے پڑھے جاسکتے ہیں اور پھر کوئی بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ ؏

یہ رضاؔ کے نیزے کی مار ہے!

برادرم علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب زید مجدہٗ نے یومِ رضا کے موقع پر ہمارے نام اپنے تحریری پیغام میں ایک بڑی فکر انگیز اور تاریخ ساز بات کہی ہے، مناسب سمجھتا ہوں کہ اسے اہلِ علم کے استفادے کی خاطر یہاں نقل کردوں، فرماتے ہیں:

''مغربی سازشوں کے نتیجے میں مسلم آبادیوں میں جو فکری ارتداد کا شور اٹھا تھا، اگر امام احمد رضا کے عشق و فکر نے بند نہ باندھا ہوتا تو فکری طور پر ہم اپنی بنیادوں سے اکھڑ گئے ہوتے، اگر چہ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ جہاں جہاں مغربی سازشوں کو پیر جمانے کا موقع ملا، مدنی تاجدار ﷺ سے امت کے رشتوں میں کمزوری آئی ہے اور جہاں نبی کریم ﷺ سے امت کی غلامی کا رشتہ کمزور ہوا، اس امت کا مرکزِ کمال سے فاصلہ بڑھتا چلا گیا ہے اور یہ بھی ایک عجیب و غریب حقیقت ہے کہ برصغیر کے جن مقامات میں مدنی تاجدار ﷺ سے عشق و وارفتگی کے رشتوں میں اضمحلال آیا ہے، انہیں مقامات پر امام احمد رضا قدس سرہٗ کو بآں فضل و کمال ایک دشمن کی نظر سے دیکھا جارہا ہے۔''

غرض کہ امام احمد رضا نے ہمیشہ مسلمانوں کو جوش کی بجائے ہوش اور تدبر سے کام لینے کا مشورہ دیا ہے۔ آج سے تقریباً سو سال قبل ایک سوال کے جواب میں کہ مسلمان ایسی کسمپرسی کے حالات میں اپنی عزت وقار اور بحیثیت مسلم قوم اپنی شناخت برقرار رکھنے کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کریں، آپ نے مسلمانوں کی نجات و فلاح و اصلاح کے لئے ایک جامع چار نکاتی ایجنڈا پیش کیا تھا کہ جس پر اگر صدق دلی، استقامت اور محنت کے ساتھ عمل کیا جاتا تو مسلمانوں کی سیاسی، معاشی حالت کب کی سدھر گئی ہوتی اور وہ آج صنعت و حرفت اور ٹیکنالوجی میں اگر مغربی ممالک سے زیادہ نہیں تو ان کے ہم پلہ ضرور ہوتے۔ آج بھی اگر ان پر عمل پیرا ہوا جائے تو مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار اور غلبۂ وسلطہ دوبارہ جلد حاصل کرسکتے ہیں۔ امام احمد رضا نے سائل کے جواب میں ایک رسالہ تحریر کیا جس کا عنوان ہے: ''تدبیر فلاح و نجات و اصلاح''۔ یہ رسالہ کلکتہ اور رامپور سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا۔ امام احمد رضا نے اس میں مسلم امۃ کے لئے چار نکاتی لائحۂ عمل پیش کیا۔ اس رسالہ سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی اعلیٰ مدبرانہ صلاحیت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان نکات میں انہوں نے مسلمانوں کو جن ضروری باتوں پر عمل پیرا ہونے کا مشورہ دیا ہے، وہ آج کے دور میں بھی مسلمانوں کی حکمتِ عملی کے لئے نہایت اہم ہیں، ان کے پیش کردہ نکات کا مفہوم درج ذیل ہے:

۱۔ مسلم امہ اپنا بینکنگ سسٹم اور نیٹ ورک خود بنائے۔

۲۔ مسلمان اپنی صنعت و تجارت اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیں اور مسلم ممالک اپنے تمام مالی افرادی اور قدرتی وسائل کے مالک خود بنیں اور اس سے ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائیں، غیر مسلموں کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرکے آپس میں تجارت کو فروغ دیں۔

۳۔ غیر ضروری مصارف میں کمی اور پیداواری صلاحیتوں میں

اضافہ کریں تاکہ بے روزگار مسلم نوجوانوں کو روزگار کے مواقع اپنے ہی ملک میں میسر ہوں۔ اس سے بیداروی اور افرادی وسائل انگریزوں اور دیگر اسلام دشمن قوتوں کے ہاتھوں میں جانے سے بچ جائیں گے۔

۴۔علمِ دین کے حصول کے ساتھ ساتھ ایسے تمام مفید جدیدہ اور قدیمہ علوم کا حصول ممکن بنایا جائے جس سے تبلیغِ دین اور مسلمانوں کی فلاح کو فروغ حاصل ہوتا کہ ایک طرف آنے والی نسل کا تعلق اپنے آقا ومولیٰ سید عالم ﷺ سے مضبوط تر ہو، وہ اپنی درسگاہوں سے حصولِ تعلیم کے بعد اسوۂ حسنہ کا پیکر بن کر نکلیں، دوسری جانب تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم کی وجہ سے عصری تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کی ان کی صلاحیتوں میں اضافہ ہو اور وہ صنعت وحرفت اور معیشت و تجارت میں اسلام دشمن قوموں کے دستِ نگر بننے کے بجائے ان پر حاوی ہو کر عزت ووقار کی زندگی بسر کرسکیں۔

غور کریں تو مغربی استعماری ممالک کی جانب سے توہینِ رسالت کی اس مذموم حرکت نے ایک بار پھر مسلمانانِ عالم کو امت کے مرکزِ کمال سید عالم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے رشتہ دوبارہ جوڑ کر ایک مرکز پر لا کھڑا کیا۔ گویا یہ حادثہ امتِ مسلمہ کے لئے ایک خیر مستور ثابت ہوا۔ آج ہر طرف سے مسلمان یہ مطالبہ کررہے ہیں کہ یورپی اور امریکی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے لئے یہی عمل سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہوسکتا ہے۔ آج سے تقریباً سو سال قبل پیش کئے گئے امام احمد رضا کے چار نکاتی لائحۂ عمل میں اسے اولیت حاصل ہے۔ لہٰذا آج کا یہ نعرہ امام احمد رضا کی صدائے حق کی بازگشت ہے، جس پر عمل پیرا ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

درحقیقت ملک وملت میں آج جس قدر رفتہ رفتہ فساد اور انتہا پسندی سراعت کرگئی ہے، اس کے ازالہ کے لئے ضروری ہے کہ دورِ جدید کے تمام میڈیا اور وسائل کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے فکر وتعلیماتِ رضا کا نہایت چابکدستی اور حکمتِ عملی کے ساتھ ابلاغ کیا جائے۔ قوموں کی تاریخ میں علمِ نافع اور تعمیری سوچ سے بڑھ کر کوئی ہتھیار نہیں ہوتا۔ عالمِ اسلام خصوصاً پاکستان میں نصابِ تعلیم سمیت ایسے ذاتی کرداروں کی ضرورت ہے جو فکرِ رضا، ملکی وملی تقاضوں اور فکر وذکرِ آخرت سے ہم آہنگ ہوں۔ یہی جدوجہد عرصۂ زندگانی میں فطری آزمائش پر پورا اترنے اور دینِ حق پر استقامت اختیار کرنے کی عملی سعی ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی گذشتہ ۲۶ سال سے امام احمد رضا کے اسی فکر وتعلیمات کے ابلاغ اور علمی آثر کی بازیافت ونشر واشاعت کی کوشش میں مصروف ہے۔

ہم نے حسبِ سابق زیرِ نظر معارفِ رضا (سالنامہ ۲۰۰۶ء) میں متنوع موضوعات پر معیاری مقالہ جات کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ قارئینِ کرام امام احمد رضا کی ہمہ جہت اور عبقری شخصیت کی ایک جھلک ملاحظہ کرسکیں اور اہلِ علم وقلم حضرات کو امام ممدوح کی شخصیت کے مختلف زاویوں پر تحقیق وتصنیف کی ترغیب وتشویق ملے جبکہ آنے والے برسوں میں رضویات پر تحقیق کے مزید نئے گوشے سامنے آئیں۔ ہمارے اس دعوے پر معارفِ رضا کی فہرست میں شامل برصغیر پاک وہند اور عرب وعجم کے نامور علماء کے نام شاہد عدل ہیں۔

ہم اپنے تمام کرم فرما مقالہ نگار حضرات کے شکر گذار ہیں کہ جنہوں نے اپنی مشغولیاتِ علمی سے قیمتی وقت نکال کر معارفِ رضا کے لئے مقالات تحریر فرمائے اور فکرِ رضا کے ابلاغ میں ہمارے ممد ومعاون بنے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ عرب وعجم کے علماء ومحققین اسی طرح ہم سے قلمی تعاون بھی فرماتے رہیں گے اور فکرِ رضا اور تعلیماتِ رضا کے فروغ کے لئے اپنے قیمتی محققانہ مقالہ جات معارفِ رضا کو بھیجتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ ہم ان کے رشحاتِ قلم کی عالمی سطح پر اشاعت کرکے عالمِ اسلام کے اہلِ فکر ونظر اور اربابِ علم وادب کے نقد ونظر کے لئے اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں ان تک منتقل کرتے رہیں گے اور اس طرح تا صبحِ قیامت ان شاء اللہ امام احمد رضا کے علمِ نافع کے چراغ

سے چراغ جلتے رہیں گے اور پھر
کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد

۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۶ء کا ہمارا ایک کارنامہ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی ویب سائٹ کا اجراء ہے۔ شروع شروع یہ ویب سائٹ اوکاڑہ سے ریاض شاہد اور راؤ سلطان مجاہد نامی دو افراد چلا رہے تھے لیکن ہماری ہدایات اور منصوبہ بندی کی خلاف ورزی کی بناء پر ان کو علیحدہ کردیا گیا۔ اب مرکزی دفتر کراچی سے ہم خود یہ ویب سائٹ کنٹرول کررہے ہیں۔ اس کے نئے نگران اور ڈیزائنر جناب ریحان خان قادری ہیں۔

آپ ہماری ویب سائٹ پر معارفِ رضا سالنامہ ۲۰۰۶ء (اردو، عربی، انگریزی) کے علاوہ امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۶ء کے موقع پر شائع شدہ تمام مطبوعات بھی مطالعہ کرسکتے ہیں۔ ہم نے ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۶ء کی تمام مطبوعات کو ڈیجیٹل لائبریری میں منتقل کردیا ہے۔ نیز اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے مخطوطات کی ایک علیحدہ سی۔ڈی بھی تیار کی ہے جو اہلِ علم و محقق حضرات کے لئے ادارہ کی طرف سے ایک انمول تحفہ ہے۔ ہمارا آئندہ پروگرام گذشتہ چھبیس برسوں میں شائع شدہ تمام مطبوعات بشمول اعلیٰ حضرت کے تمام حاصل کردہ مخطوطات کو سی۔ڈی اور ڈیجیٹل لائبریری میں منتقل کرنا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اہلِ علم اسے خوب سے خوب تر کی راہ پر گامزن رکھنے کے لئے اپنی مفید آراء اور تجاویز سے آگاہ فرمائیں گے اور کوتاہیوں اور غلطیوں کی اصلاح میں تعاون کریں گے۔

ہم معارفِ رضا سالنامہ اور کانفرنس ۲۰۰۶ء کے موقع پر دیگر مطبوعات کی اشاعت کے لئے ان تمام احباب کے بھی سپاس گذار ہیں جنہوں نے دامے درمے قدمے سخنے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ ایسے محترم احباب کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے ہم سے مالی تعاون فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۶ء کے مجلّہ میں ہم ان کے شکریہ کے ساتھ علیحدہ سے شائع کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ ادارہ کے عملے نے بھی جن میں کمپوزنگ انچارج عزیزی محمد عمّار ضیاء خاں قادری، معاون کمپوزر مبشر خاں اور ویب سائٹ آرگنائزر محبی محمد ریحان خاں قادری صاحب، آفس سکریٹری وزیر احمد شان القادری صاحب، سرکولیشن منیجر جناب ریاض احمد قادری صاحب، اکاؤنٹنٹ شاہنواز قادری صاحب، آفس اسٹنٹ ارشد قادری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو ہمارے شکریہ کے بجا طور پر مستحق ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کارِ رضا میں ان کی لگن کو اور بڑھائے اور انہیں اس کی جزائے جزیل عطا فرمائے (آمین)۔ اس سلسلے میں صابری پریس کے جناب خرم صاحب کے بھی ہم خصوصی طور پر سپاس گذار ہیں کہ انہوں نے جذبۂ حمیتِ دینی کے تحت دن رات کام کر کے معارفِ رضا اور ہماری دیگر مطبوعات کی خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ بروقت اشاعت کو ممکن بنایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اخلاص فی اللہ کے ساتھ اس عاشقِ صادق، ولی کامل، علمِ لدنی کے حامل، صاحبِ تصنیفِ کثیرہ، مجدّدِ ملّتِ طاہرہ، امام احمد رضا خاں قادری برکاتی حنفی قدس سرہٗ السامی کے تجدیدی، علمی، دینی اور کارناموں کے ابلاغ اور نشر و اشاعت میں زندگی کی آخری سانسوں تک مشغول رکھے اور اسے ہمارے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

قارئینِ کرام! انسان خطا کا پتلا ہے۔ ہم نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ معارفِ رضا میں کوئی غلطی نہ رہ جائے لیکن اس کے باوجود آپ اس میں کسی قسم کا کوئی سہو یا فروگذاشت ملاحظہ فرمائیں تو ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ مستقبل میں اسکی تلافی کی جاسکے۔

ز شوق سر بدر آرند ماہیان از آب
اگر سفینۂ حافظ رسد بدریائی

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد وعلی اله واصحابه وبارك وسلم۔

خدماتِ علومِ حدیث

تفسیر بالحدیث اور امام احمد رضا خان قادری محدثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مفتی مولانا منظور احمد سعیدی*

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

الم ذلك الكتب لاريب فيه هدى للمتقين ☆

﴿اثباتِ تفسیر القرآن بالقرآن﴾

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا يأتونك بمثل الا جئناك بالحق واحسن تفسيرا ☆ (۱)

﴿ترجمہ﴾ اور (وہ) کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے، مگر ہم حق، اور اُس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔ کنزالایمان۔

اللہ تعالیٰ نے اور ارشاد فرمایا:

ان علينا جمعه و قرانه ☆ فاذا قرأنٰه فاتبع قرانه ☆ ثم ان علينا بيانه ☆ (۲)

﴿ترجمہ﴾ بیشک اُس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ تو جب ہم اُسے پڑھ چکیں، اُس وقت اُس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ پھر اُس کی باریکیوں کا بیان تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے۔ کنزالایمان

کلام اللہ عزوجل کی سب سے پہلے تفسیر کلام الٰہی جل مجدہ سے ہوتی ہے؛ کیونکہ خود متکلم ہی اپنے کلام کے مفہوم کو کما حقہٗ بیان کر سکتا ہے؛ اِس لئے یہ اُسی کا حق ہے۔ قرآن مجید نے اپنے کئی مجمل و مبہم مقامات کو دوسرے مقامات پر شرح وبسط سے ذکر فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث وسنن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، آپ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ عرض کیا: کتاب اللہ سے۔ فرمایا: اگر اسمیں نہ پاؤ؟ تو عرض کیا کہ: اسکے رسول ﷺ کی سنت سے۔ فرمایا: اگر اسمیں نہ پاؤ؟ تو عرض کیا کہ:

اجتهد برائي و لاآلو۔ قال : فضرب رسول الله ﷺ على صدره۔ و قال : الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله ﷺ لما يرضى به رسول الله ﷺ ۔ (۳)

ترجمہ: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا (اور کمی نہیں کروں گا۔ سعیدی)۔ راوی نے فرمایا کہ: پس حضور علیہ السلام نے انکے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: اس خدا (جل مجدہ) کا شکر ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اسکی توفیق دی جس سے رسول اللہ ﷺ راضی ہیں۔ (۴)

﴿تحقیقِ صحتِ حدیث﴾

سنن دارمی کے حاشیہ میں ہے:

وانتصر بعضهم لصحته۔ انظر كلام شيخ الاسلام ابن القيم فى اعلام الموقعين، ۱/۴ ۔ جـ ۱/۔ ص: ۲۰۲۔ فانه قد انتصر لهذا الحديث و صححه۔ والله اعلم۔ (۵)

ترجمہ: بعض نے اس حدیث کی صحت کو بھرپور طریقے سے ثابت کیا ہے۔ اعلام الموقعین، ۱/۴، جہ ۱/۔ ص: ۲۰۲، میں ابن قیم کے کلام کو دیکھیں! انہوں نے پوری قوت سے اس حدیث کی تائید کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام حافظ ابن العربی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی تصحیح کے بارے میں طویل کلام کیا ہے۔ امام مالک اور امام بخاری رضی اللہ عنہما کی

---

* ریسرچ اسکالر، جامعہ حامدیہ رضویہ، کراچی

دوسری حدیثیں شواہد کے طور پر پیش کی ہیں۔(۶)

﴿اثبات تفسیر القرآن بالحدیث﴾

اللہ نے اپنے کلام کی تفسیر کا اپنے محبوب ﷺ کو بھی حق عطا فرمایا ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ کے فرائض رسالت میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کلام اللہ کے مبہم و مجمل مقامات کو واضح فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وانزلنآ الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلهم یتفکرون ۔(۷)

شرح السنۃ میں ہے:

اوتی مثله من البیان ؛ فان بیان الکتاب الی الرسول (۸)

ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۷۰ھ/ ۹۸۰ء فرماتے ہیں:

فما بینه الرسول ﷺ ، فهو عن الله عزوجل ، وهو عن تبیان الکتاب له ؛ لا مر الله ایانا بطاعته واتباعه (۹)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۰۴ھ/ ۱۲۰۷ء، ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

ان القران منه محکم، ومنه متشابه، والمحکم یجب کونه مبینا ؛ فثبت ان القران لیس کله مجمل بل فیه ما یکون مجملاً، فقوله تعالی ﴿لتبین للناس ما نزل الیهم﴾ محمول علی المجملات ۔(۱۰)

ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۵۴ھ/ ۱۳۵۳ء لکھتے ہیں:

(ما نزل الیهم) من المشکل والمتشابه ؛ لان النص والظاهر لا یحتاجان الی بیان۔ وقال الزمخشری: "بمآ امروا به، ونهوا عنه، ووعدوا، واوعدوا"۔ وقال ابن عطیة: "لتبین بسرد ك بنص القران (ما نزل الیهم) ویحتمل ان یرید لتبین بتفسیر ك المجمل وشرحك ما اشکل، فیدخل فی هذا ما تبینه السنة من امر الشریعة "۔ وهذا قول مجاهد ۔ (۱۱)

روح المعانی میں بھی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ م ۱۰۳ھ/ ۷۲۱ء سے، اسی طرح مروی ہے۔(۱۲)

الجامع لاحکام القرآن میں ہے:

فی هذا الکتاب من الاحکام والوعد والوعید بقولك وفعلك ؛ فالرسول ﷺ مبین عن الله عزوجل ، مراده مما اجمله فی کتابه من احکام الصلوة والزکوة وغیر ذلك مما لم یفصله ۔(۱۳)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن کی تفسیر سب سے پہلے قرآن سے کرتے تھے، پھر سنت رسول ﷺ سے، پھر اصولِ شرعیہ میں غور و فکر کر کے قرآن کے معانی و مفاہیم بیان کرتے تھے۔

اثبات تفسیر القرآن باحادیث الصحابۃ رضی اللہ عنہم

حدیثِ مذکور سابق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قیاسِ صحابی رضی اللہ عنہ حجت ہے، تو جب کتاب و سنت سے قرآن کا بیان نہ ملے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں بیانِ قرآن کو تلاش کرے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نسائی شریف جلد دوم کتاب القضاء، باب الحکم باتفاق اہل العلم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاضی شریح رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثِ موقوف قیاس کے ثبوت پر، حدیثِ مرفوع مذکورہ بالا کے ماتحت نقل فرمائی۔ اور حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تصحیح امام نسائی رضی اللہ سے نقل فرمائی، ان حدیثوں میں کتاب و سنت سے احکام کے اثبات علاوہ قیاسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اثباتِ احکام کیلئے حجت قرار دیا ہے۔(۱۴)

سنن دارمی میں یہی مکتوبِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ فرق سے ہے۔(۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے افتاء کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے

کتاب اللہ سے، پھر سنتِ رسول اللہ ﷺ سے، پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال سے دلیل اخذ کرتے تھے، اور فتوی دیتے تھے، اور آخر میں اِن کی عدمِ دستیابی اپنی رائے سے فتوی دیتے تھے۔ (میں نے ترجمہ میں کچھ تغیر کیا ہے۔) (۱۶)

اِس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صغار صحابہ رضی اللہ عنہم کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے قیاس کو اپنے قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ ائمۂ احناف رضی اللہ عنہم بھی کبار اور مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم کو صغار اور غیر فقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ترجیح دیتے ہیں۔

اِس لئے مفسر کیلئے سب سے پہلے یہ لازم ہے کہ کلام اللہ کے معانی و مفاہیم پر من حیث کلام اللہ دست رس رکھتا ہو، اور کلام اللہ سے کلام اللہ کی تفسیر کرے اور اگر کلام اللہ میں اس کی تفسیر نہ ملے، تو اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسکی تفسیر کرے اور اگر اِن کے اقوال میں اس کی تفسیر نہ ملے، تو اقوالِ ائمۂ تابعین رضی اللہ عنہم سے تفسیر کرے۔

امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ نے مستقل علمِ تفسیر پر نہیں لکھا، لیکن بیشمار آیات کی تفسیر فقہی، اعتقادی، اور اخلاقی وغیرہ مسائل کی تحقیق کے دوران تحریر کی۔ بلکہ فقہی، اعتقادی اور صوفیانہ مسائل کی تمام آیات کی تفسیر قلمبند کی۔

﴿تعریف﴾

مفسرین کے نزدیک تفسیر سے مراد وہ توضیح ہے، جو قرآن کے معنی کو ظاہر کردے، اور جو اسکے پڑھنے کے طریقوں اور آداب کو بتا دے۔

امام ابوحیان، اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف اندلسی غرناطی رحمۃ اللہ علیہ ۶۵۴ھ - ۷۵۴ھ نے اسکی تعریف یہ تحریر کی:

ور سموه بانه علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالفاظ القران و مدلولتها و احكامها الافرادية والتركيبية ، ومعانيها التى تحمل عليها حالة التركيب وتتمات لذلك ۔

امام تاج الدین ابومحمد احمد بن عبدالقادر القیسی الحنفی النحوی رحمۃ اللہ علیہ ۶۸۲ھ - ۷۴۹ھ نے بھی یہی تعریف تحریر کی۔ (۱۷۶)

علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی التوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں یہ اضافہ کیا:

كمعرفة النسخ ، وسبب النزول ، وقصة توضح ما ابهم في القرآن و نحوذلك ۔ (۱۷)

لیکن یہ تفسیر میں اضافہ نہیں، بلکہ تمثیل ہے۔

﴿علوم محتاج الیہم﴾

علم تفسیر پر قلم اٹھانے والے کیلئے کئی علوم میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، علامہ آلوسی م ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء رحمۃ اللہ علیہ نے یہ علوم سات قرار دئے ہیں:

اول، علم اللغہ:

کیونکہ اس سے وضعی طور پر الفاظِ مفردہ کی شرح اور ان کے بارے میں معلومات کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اور تھوڑی معرفت کافی نہیں ہے؛ کیونکہ بعض اوقات لفظ مشترک ہوتا ہے اور مفسر اس ایک معنی کو جانتا ہے جو مراد نہیں ہوتا۔ تو جو لغات العرب کا عالم نہیں اس کیلئے تفسیر حلال نہیں۔ (۱۸)

ثانی، علم النحو:

اس سے مفرد و مرکب ہونے کی جہت سے عربی کلام کے احکام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

ثالث، علم المعانی، بیان اور بدیع:

پہلے علم سے تراکیبِ کلام کے خواص کی معرفت انکے افادۂ معنی کی جہت سے حاصل ہوتی ہے، دوسرے علم سے انکے خواص کی معرفت انکے اختلاف کی حیثیت سے، اور تیسرے علم سے کلام کی وجوۂ تحسین کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

رابع، الحدیث:

اس علم سے تعین مبہم، تبیین مجمل، سبب نزول اور بیانِ نسخ

حاصل ہوتے ہیں۔

خامس، اصولِ فقہ:

اس علم سے اجمال وتبین، عموم وخصوص، اطلاق وتقیید اور دلالۃ امر ونہی وغیرہ جیسے دوسرے امور کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

سادس، علمِ کلام:

اسمیں جو اللہ تعالیٰ پر جائز ہے، جو اس کیلئے واجب ہے اور جو اسپر مستحیل ہے، اور نبوت میں نظر بھی اسی علم سے ماخوذ ہوتے ہیں۔

سابع، علم القرأت:

کیونکہ اس سے قرآن پاک کو پڑھنے کی کیفیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اسکی قرآتوں سے بعض وجوہ محتملہ کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے علاوہ اور علوم کو بھی شمار کیا ہے۔

ثامن، علم الصرف وعلم الاشتقاق۔(۱۹)

امام ابوحیان، اندلسی غرناطی رحمۃ اللہ علیہ ۶۵۴ھ-۷۵۴ھ نے اسکو دوسری قسم کے ساتھ ذکر کیا ہے اور علامہ آلوسی نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۲۰)

تاسع، فقہ:

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو بھی علم تفسیر کے محتاج الیہم میں شمار کیا۔

عاشر، علم الموہبہ:

یہ وہ علم ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ علم اسکو عطا فرماتا، جو علم پر عمل کرتا ہے۔
اس کو بھی سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم محتاج الیہم میں شمار کیا۔(۲۱)

حادی عشر، علوم حکمۃ وغیرہم:

امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات سے انکے علاوہ دوسرے علوم کے محتاج الیہم کے واضح اشارات ملتے ہیں۔ لکھا ہے:

اما منطق الا سلا مین الذی مقد ما ته قوا عد اسلا میة ، فلا وجه للقول بحر مته ، بل سما ه الغزا لی " معیار العلوم " وقد الف فیه علماء الا سلام ،منهم المحقق ابن الهمام فانه اتیٰ منه ببیان معظم مطالبه فی مقدمة کتابه " التحریر الا صولی " - (۲۲)

اور جگہ لکھا ہے:

ہاں آلات ووسائل کیلئے حکم مقصود کا ہوتا ہے کہ جس کے یہ آلات ہیں، اسکا جو حکم ہوگا ان کا بھی وہی ہوگا، مگر اسی وقت تک کہ بقدرِ توسل بقصدِ توسل سیکھے جائیں، اسطرح پر یہ بھی مورد فضائل ہیں۔(۲۳)

بہت اجزائے حکمت مثل ریاضی، ہندسہ، وحساب، وجبر ومقابلہ، وارثماطیقی، وسیاحت، ومناظرہ، جرثقیل کروی، وعلمِ مثلث مسطح، وسیاستِ مدنی، وتدبیر منزل، مکائدِ حروب، وطب وغیرہ شریعتِ مطہرہ سے مضادت نہیں رکھتے، بلکہ ان کے بعض بلا واسطہ اور بعض بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین۔ فرائض کیلئے ضروری حساب، اور ہمیں معرفت صحیحہ اوقاتِ طلوعِ فجرِ کاذب، وصادق، وشمس، وضحوہ کبریٰ وغیرہا امور دینیہ ومسائل شرعیہ میں انکی سخت حاجت ہے۔ بروجہ تحقیق بقدرِ قدرتِ بشری بے علم زیجات یا آلات رصد یہ نامتصور۔(۲۴)

امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ اور علومِ قرآن وحدیث

میں نے تحقیق کی ہے کہ آپ تین سو چھ سے زائد علوم میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، یہ وہ علوم ہیں کہ جن سے آپ نے قرآن و حدیث کی خدمت کی ہے۔ وہ یہ ہیں:

آپ سے استفاء جس انداز سے اور جس علم وفن سے کیا گیا، آپ نے اسی اسلوب اور علم وفن سے جواب عنایت فرمایا۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس سلسلہ میں پچپن علوم کی فہرست دی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے علوم سائنسیہ میں ۱۶ علوم کا اضافہ کیا ہے، تو یہ ۵۵ سے ۷۱ تک پہنچ گئے۔(۲۵)

علوم عربیہ یعنی علومِ قرآن وحدیث اور علومِ آلیہ جو احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے ہیں، یہ ایک اجمالی فہرست ہے۔ تفصیلی فہرست میں یہ مزید بڑھ جائیں گے۔ ان میں ۹ علومِ عربیہ کا میں نے اضافہ کیا ہے۔ یہ اسی ۸۰ سے اوپر علوم بنتے ہیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حازمی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

انواعِ علوم حدیث ایک سو تک ہیں، جن میں ہر نوع ایک مستقل علم ہے۔(۲۶)

تو صرف علوم حدیث ایک سو ہوئے، دوسرے علوم کے ساتھ ملائیں، تو کل ایک سو ستر اور اسی کے درمیان پہنچیں گے۔

حاجی خلیفہ چلپی مصطفیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۰۱۷ھ - ۱۰۶۷ھ صاحب مفتاح السعادہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

۳۰۵ علوم ہیں۔(۲۷)

یہ ان ایک سو ستر، اسی علوم کی تفصیل ہے، جو تین سو پانچ تک پہنچ گئے ہیں۔

یہ تفصیل صاحب مفتاح السعادہ کے زمانہ تک کی ہے، اس کے بعد کتنے علوم کا اضافہ ہوا؟ وہ ان میں نہیں ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انواعِ علوم حدیث میں کم از کم ایک علم کا اضافہ کیا۔(۲۸) اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق کے بعد یہ علوم تین سو پانچ سے زائد ہوگئے، تو ان علوم کو بھی احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ جانتے تھے، بلکہ ان میں مہارت تامہ اور کاملہ رکھتے تھے۔

اِس کی مکمل فہرست میرے مقالہ "احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ" باب سوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

﴿ترتیبِ تفسیرِ قرآن﴾

تو تفسیر قرآن کی ترتیب اس طرح ہوگی:

(۱) تفسیر القرآن بالقرآن ،
(۲) تفسیر القرآن بالحدیث ،
(۳) تفسیر القرآن باقوال الصحابة رضی الله عنهم ،
(٤) تفسیر القرآن باقوال التابعین رضی الله عنهم
(٥) تفسیر القرآن باللغة العربية ،
(٦) تفسیر القرآن بالنحو ،
(۷) تفسیر القرآن بالصرف و الاشتقاق ،
(۸) تفسیر القرآن بالمعانی و البیان و البدیع ،
(۹) تفسیر القرآن باصول الفقه ،
(۱۰) تفسیر القرآن بالكلام ،
(۱۱) تفسیر القرآن بالفقه ،
(۱۲) تفسیر القرآن بعلم القرأت و التجوید ،
(۱۳) تفسیر القرآن بعلم الموهوبة ،
(١٤) تفسیر القرآن بعلوم الحكمية (العلوم العقلية القديمة و الحديدة) ،
(۳۰٦) تنتهی فهارسها الی ۳۰٦ ۔

امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی و رسائل میں تمام علوم سے تفسیر قرآنِ کریم پوری تحقیق و تدقیق سے پائی جاتی ہے۔

﴿الف۔ ترجمہ: مختصر ترین تفسیر﴾

مختصر ترین تفسیر کا دوسرا نام ترجمۂ قرآن ہے، بلکہ قرآن شریف کا ترجمہ لکھنا تفسیر لکھنے سے مشکل ہے؛ کیونکہ یہ کوزہ میں سمندر کو بند کرنا ہے؛ اِس لئے کہ یہ تمام علوم کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھا جاتا ہے۔ وہ ترجمہ کہ جس کے مترجم کے سامنے دو چار علوم ہونگے، اِس کیلئے ترجمہ کرنے میں کوئی دِق بھی نہیں ہوگی اور نہ اُس کے ترجمہ میں جامعیت ہوگی، اور جس کے پیشِ نظر سولہ علوم ہونگے، تو اُس کے ترجمہ میں کسی حد تک جامعیت ہوگی۔ اور جس کے علوم ۳۰۶ سے زائد ہونگے، اُس کے ترجمہ کی جامعیت کا کیا عالم ہوگا؟ اِس کا تصور ما و شما نہ کر سکتے اور نہ کر سکیں گے۔

اردو زبان میں قرآن مجید کے کثیر تراجم لکھے گئے ہیں۔ انسان کی فہم و ادراک ان معانی و مفاہم تک پوری طرح پہنچ جائے، یہ اسکی طاقت سے ماوراء ہے۔ مسلمان پر اتنا لازم ہے کہ وہ عقل و خرد سے پوری طرح کام لیتے ہوئے علومِ قرآنیہ (یعنی تفسیر، اصول تفسیر، اسباب

نزول، حدیث، اصولِ حدیث وغیرہم) کی طرف پوری توجہ مبذول کرتے ہوئے، قرآن پاک کا ترجمہ کرنے کی کوشش کرے، تو شاید وہ ترجمۂ قرآن کے منصبِ فرضی سے کسی حد تک سبکدوش ہو جائے۔

امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۂ قرآن اس فرض کو پورا کرنے کے لئے لکھا، جو ہر اس عالمِ قرآن پر ہے، جو ترجمۂ قرآن کی کسی حد تک استعداد رکھتا ہے؛ جس طرح کہ ہر عالمِ دین کا فرض ہے کہ وہ اپنے حلقۂ اثر میں قرآن وسنت کی تبلیغ کرے اور کرتا رہے۔

محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۂ قرآن پر اس وقت قلم اٹھایا، جب تمام علوم پر آپ کی گرفت بہت مظبوط ہو چکی تھی۔ یہ ترجمۂ قرآن صرف ترجمہ نہیں ہے، بلکہ ایک جامع تفسیر ہے، بلکہ ایک ایسی جامع تفسیر ہے، جس کی مثال پیش کرنا مشکل ترین ہے۔ مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی لکھتے ہیں:

> ترجمہ کا یہ طریقہ تھا کہ امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ زبانی طور پر آیات کا ترجمہ بولتے جاتے اور مولانا امجد علی خان رحمۃ اللہ علیہ مصنفِ بہارِ شریعت اس کو لکھتے جاتے۔ لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتبِ تفسیر ولغت کو ملاحظہ فرماتے، بعدہ آیات کے معنی کو سوچتے، پھر ترجمہ بیان کرتے، بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے؛ جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فرفر، فرفر پڑھتا جاتا ہے۔ پھر جب مولانا امجد علی خاں اور دیگر علمائے حاضرین امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا کتبِ تفاسیر سے تقابل کرتے، تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ احمد رضا کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔ (۲۹)

یہ ترجمۂ قرآن ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں آپ کے وصال سے دس سال قبل منظرِ عام پر آ گیا تھا۔

آپ کے ترجمہ قرآن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن اور دیگر معروف اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ'' کے عنوان سے کراچی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، اس مقالہ میں کنز الایمان کا تقابلی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ (۳۰)

تفسير القرآن بعلوم العقلية الجديدة و القديمة

احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ صرف علوم عقلیہ قدیمہ پر مہارت نہیں رکھتے تھے، بلکہ علوم جدیدہ بھی آپکی دسترس سے باہر نہیں تھے، بلکہ آپ کو ان پر کلی عبور حاصل تھا۔

ترجمہ قرآن پاک آپ نے اس انداز سے فرمایا کہ قرآنی مفاہیم ومعانی کی صحیح ترجمانی ہو جاتی ہے، آپ ہر آیت کے صحیح معنی کو بیان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگر کسی آیت میں سائنسی حقیقت موجود ہوتی ہے، تو آپ اسکے اسی حقیقی معنی کو بیان کرتے ہیں۔ آپ کے ترجمۂ قرآن میں یہ خوبی واضح طور پر پائی جاتی ہے۔ جب کہ دوسرے تراجم اس انداز سے کئے ہیں، گویا کہ قرآن سائنسی حقائق کے خلاف ہے، جب کہ وہ صرف ان انسانی تخلیقی سائنسی حقائق کا جو کہ خالق کائنات کے تخلیق کردہ سائنسی حقائق کے خلاف ہیں، کا رد کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسکا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان چاند پر قدم رکھ چکا ہے اور آگے کی طرف سفر کیلئے تیاری کر رہا ہے۔ قرآن پاک وہ آخری کتاب ہے، جو رہتی دنیا تک تمام مسائل کا حل رکھتی ہے۔ کیا انسان آسمان اور زمین کے کناروں اور سرحدوں سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیا انسان کسی سیارے پر پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ یہ انسان کا فر ہو گا یا مسلمان؟ انکا جواب قرآن پاک دیتا ہے، لیکن صرف احمد رضا خاں کے ترجمہ سے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یٰـمعشر الجن والانس ان اسطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطٰن ☆ (۳۱)

اے جن وانس کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے کہ آسمان وزمین کے

کناروں سے نکل جاؤ، تو نکل جاؤ، جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔(۳۲)

آپ نے قرآن پاک سے یہ ثابت کیا کہ زمین و آسمان کے کناروں اور سرحدوں سے جن و انس کیلئے نکل کر جانا ممکن ہے، لیکن زمین و آسمان کے علاوہ بھی اور جہاں ہیں اور وہ بھی معبود برحق کی سلطنت میں ہیں؛ اس لئے اسکی سلطنت سے نکل کر باہر نہیں جاؤ گے، بلکہ اسی کی سلطنت ہی میں رہو گے۔ انسان کا کسی بھی سیارے پر جانا ممکن ہے؛ کیونکہ تمام سیارے اس کی سلطنت میں ہیں اور انسان مسلم ہو، یا کافر کسی کیلئے کوئی آڑ نہیں ہے کہ وہ آسمان و زمین کی سرحدوں کو عبور نہیں کرسکتا۔ اگر چہ چاند پر قدم رکھنے والے دونوں غیر مسلم تھے۔

اللہ تعالی کا ازل سے یہ ارادہ تھا کہ انسان کائنات میں غور و فکر کرے اور کائنات کی وسعتوں کو ناپے اور اسکی حدوں کو معلوم کرنے کی کوشش کرے تاکہ خالق کائنات کی غیر متناہی قدرتوں کا اندازہ لگا سکے؛ اس لئے اللہ تعالی نے انسانی فکروں کو خلاؤں میں سفر کرنے کی طرف متوجہ فرمایا، پہلی فکری حرکت چاند تک ہوئی، اب مریخ تک پہنچنے کیلئے دوسری فکری کوشش کی جارہی ہے۔ اگر اللہ تعالی کا ارادہ نہ ہوتا، تو کوئی انسان ایک قدم بھی زمین سے اوپر کی طرف نہ جاسکتا۔

یہ سائنسی حقیقت صرف امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن سے واضح ہوتی ہے، دوسرے تراجم سے اسکے برعکس بات سامنے آتی ہے۔

انسانی خلائی سفر کا راستہ اور اسکے اسٹیشنوں کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے، لیکن یہ بات صرف امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۂ قرآن سے ثابت ہوتی ہے، قرآن پاک میں ہے:

والقمر اذا تسق ☆ لتركبن طبقا عن طبق ☆ فمالهم لا يؤمنون ☆ (۳۳)

اور چاند کی قسم! جب کامل ہوجائے، ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے۔ تو کیا ہوا انہیں ایمان نہیں لاتے؟ (۳۴)

آپ نے ''ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے'' ترجمہ کرکے یہ بتایا کہ انسان جب خلاؤں میں سفر کرتا ہوا باہر نکلنے کی کوشش کرے گا، تو اس کی کئی منزلیں ہونگی، کئی جگہوں پر اسکو ٹھہر کر آگے کا سفر کرنا ہوگا۔ تو اس سفر کے ذکر کو چاند سے شروع فرما کر یہ اشارہ کیا کہ زمین کے باہر پہلی منزل اور اسٹیشن چاند ہوگا، زمین و چاند کے درمیان دوسری کوئی منزل نہیں ہوگی۔

اگر چہ چاند پر پہلے پہنچنے والے امریکی خلا باز نیل آرم اسٹرانگ اور ایڈن ایلڈرن کافر تھے، لیکن مسلمان بھی یہ سفر ضرور کریں گے؛ کیونکہ اس آیت کے مخاطب مسلمان ہیں۔ پہلی آیت مطلق ہے کہ تمام انسان اسکے مخاطب ہیں، اس آیت میں مسلمانوں کی ترقی کا بھی اشارہ ہے، بلکہ یہ اشارہ ہے کہ ترقی میں کافروں سے آگے نکل جائیں گے۔

دوسرے تراجم سے اسکے برعکس بات ثابت ہوتی ہے۔

آپ کے ترجمہ قرآن سے بے شمار آیات سے جدید سائنسی مسائل پر واضح اشارات پائے جاتے ہیں، ہم نے ان پر اکتفاء کیا ہے۔

﴿ب۔ تفسیرِ قرآن﴾

امام احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ قرآن پر گہری نظر رکھتے تھے۔ شاید قرآن پاک کی ایسی کوئی آیت ہو، جس کی آپ نے تفسیر بیان نہ فرمائی ہو۔ آپ کی ایک ہزار سے زائد کتب اس سے بھری ہوئی ہیں۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر کی کتاب ''تفسیرِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما'' وہ کتاب ہے، جو آپ نے نہیں لکھی تھی، بلکہ آپ سے مروی تفاسیر کو جمع کردیا گیا تھا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو اِس کتابِ تفسیر کی وجہ سے ترجمان القرآن نہیں کہا جاتا ہے؛ تو ثابت ہوا کہ مفسرِ قرآن ہونے کیلئے مصنفِ کتابِ تفسیر ہونا ضروری نہیں۔ امام احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد آیات کی تفاسیر لکھیں اور متعدد آیات کی تطابیق ذکر فرمائیں۔ آپ نے ان تطابیق میں سیر حاصل بحث فرمائی۔

(۱) ''الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ'' میں علم رب العالمین اور علم رحمت اللعالمین میں وارد آیات کی تطابیق ذکر فرمائیں۔ یہ رسالہ بمع ترجمہ ۲۳۹ صفحات پر مشتمل ہے۔(۳۵)

(۲) " حیات الموات فی بیان سماع الاموات "

آیات:

انك لا تسمع الموتی ولا تسمع الدعآء اذا ولوا مد برین ☆ ومآانت بهاد العمی عن ضلا لتهم ط ان تسمع الا من يؤمن بأياتنا فهم مسلمون ☆ (۳٦)

کی تفسیر میں لکھی۔ اس رسالہ میں ۷۵/احادیث، ۲۹/اقوال صحابہ، ۲۱/اقوالِ تابعین، ۴/اقوالِ تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ۱۵۱/اقوال ان کے بعد کے ائمہ اور علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ یہ رسالہ ۲۹۷ صفحات پر مشتمل ہے۔(۳۷)

(۳) ''الامن والعلیٰ'' ایک ایسے سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ پر کچھ خاص الفاظ سے درود شریف پڑھنے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ امام احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آیت:

ان الله وملئكته يصلون على النبى يآيها الذين امنوا صلوا عليه وسلموا تسليما ☆ (۳۸)

پیش فرمائی اور فرمایا: ''یہ آیت صیغہ، وقت اور عدد میں مطلق ہے؛ اس لئے دافع البلاء وغیرہ صیغوں کو شرک کہنا ناپاک قول ہے۔'' آپ اطلاقِ صیغ کو پیش نظر رکھتے ہوئے، اس پر لکھتے چلے گئے، حتیٰ کہ ایک ضخیم رسالہ تحریر میں آیا۔ اس کی تمہید ۱۶ صفحات میں تحریر فرمائی۔ صیغہائے "دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم" کے ثبوت میں چھ آیتیں اور ۲۱۸ حدیثیں ذکر فرمائیں۔ (۳۹)

اِس آیت پاک پر ایک جہت کے اطلاق کے حوالے سے آپ نے تفسیر لکھی اور دو جہتیں یعنی وقت اور عدد پر اگر تحریر فرماتے، تو رسالہ کتنا ضخیم ہوجاتا؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یہ تین کتابیں مزید تفسیر کی فہرست میں شامل ہوں گی۔

آپ کی کتب تفاسیر میں مندرجہ ذیل فہرست پیش کی جاتی ہے۔

(٤) انباء الحيئ ان كتابه المصون تبيان لكل شيئ- عربی ، مطبوعه اهلِسنت بريلوی ۱۳۲٦ھ ۔

(٥) الزلال الانقى من بحر سبقته الا تقى۔

(٦) الصمصام على مشكك فى اية علوم الارحام ۔ مطبوعه اهلسنت و جماعت مرادآباد ۱۳۱٥ھ ۔

(٧) الحجة المؤتمنة فى اية الممتحنة ۱۳۳۹ھ ۔

(٨) تفسير باء بسم الله عربی ۔ مكتبه رضويه كراچى

(٩) تفسير بر كنز الايمان عربی ۔

(١٠) النفحة الفاتحة من مسك سورة الفاتحة عربی ۔ ۱۳۱٥ھ ۔

(١١) تفسير سورة والضحى ۔

(١٢) تفسير نائل الراح فى فرق الريح والرياح ۔ فارسی

(١٣) انوار الحكم فى معانى ميعاد واستجب لكم۔ فارسی ۔

(١٤) حاشية تفسير بيضاوی ۔ عربی ۔

(١٥) حاشية تفسير خازن ۔ عربی ۔

(١٦) حاشية تفسير الد رالمنثور ۔ عربی ۔

(١٧) حاشية تفسير عناية القا ضى ۔ عربی ۔

(١٨) حاشية تفسير معالم التنزيل ۔ عربی ۔

(١٩) حاشية تفسير الاتقان فى علوم القر آن ۔ عربی ۔ (٤٠)

آپ نے کتب تفاسیر پر جو حواشی لکھے ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے، تو یہ بھی کافی بڑا ذخیرہ ہوجائیگا۔

حافظ فیض احمد اویسی نے چند اور کتابوں کو بھی تفسیر میں شمار فرمایا

ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۲۰) تحلی الیقین،

(۲۱) انباء المصطفی ﷺ، اور

(۲۲) مشعلة الارشاد۔ (۴۱)

یہ اصول مسلم ہے کہ عقیدہ کا ثبوت نص قطعی سے ہوتا ہے، احادیث اخبارِ احاد ہونے کی وجہ سے عقیدہ کو ثابت نہیں کرتیں، یہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ ہاں اگر احادیث متواترہ ہوں، تو پھر اُن سے بھی عقیدہ ثابت ہوجاتا ہے۔ بعض اوقات عقائد کو عقلی دلائل سے بھی ثابت کیا جاتا ہے۔ اسی سلسلۂ تفسیر میں سید شبیر شاہ زاہد نے دو اور کتابوں کا ذکر کیا ہے، وہ یہ ہیں:

(۲۳) السمین ختم النبین۔ ایک سوال کے جواب میں آپ نے یہ فتوی لکھا اور آیتِ ختم نبوت کی تشریح وتوضیح لغوی انداز سے کی۔

(۲٤) جزآء الله عدوه باباًئه ختم النبوة۔ اس میں آپ نے آیتِ قرآن عظیم اور ایک سو دس حدیثوں اور تیس نصوصِ (ائمہ رضی اللہ عنہم) سے رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبین ہونا ثابت کیا۔ (۴۲)

بلکہ میرے نزدیک اس دوسرے رسالہ میں آیتِ ختم نبوت کی تفسیر ماثور انداز سے فرمائی۔

میرے نزدیک عقائد کی بہت ساری کتب ورسائل بھی علم تفسیر کے زمرہ میں آئیں گی؛ کیونکہ عقیدہ کے ثبوت کے لئے دلیل کا قطعی ہونا ضروری ہے اور ادلۂ قطعیہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ متواترہ ہیں۔ بلکہ فضائل ومناقب، سیر وتاریخ، تصوف وسلوک، اذکار واخلاق، اور پند ونصائح وغیرہم میں نفیس تفسیری مباحث پائے جاتے ہیں؛ اسلئے کہ جو شعبہ علوم قرآن سے خالی ہوگا، وہ کسی طرح راہِ حق نہیں ہوگا۔

آپ نے صرف علومِ قدیمہ عقلیہ ونقلیہ سے خدمتِ قرآن سر انجام نہیں دی، بلکہ علومِ عقلیہ جدیدہ سے بھی قرآن کی خدمت کی ہے؛ اس لیے آپ جن ۳۰۶ سے زائد علوم پر دسترس رکھتے تھے، ان سب میں آپ کی تفسیری مباحث پائی جاتی ہیں۔

اعداد سے تفسیر

آپ نے اچھوتے انداز سے تفسیر قرآن بھی لکھ بتائی، جو شاید کسی نے نہیں لکھی ہوگی۔ آپ نے یہ تفسیر اعداد سے کی۔ کسی بدمذہب نے کہا: "انا من المجرمین منتقمون"۔ کے عدد بارہ سو دو ہیں اور یہی عدد ابوبکر، عمر اور عثمان کے ہیں۔ معاذ اللہ! امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اسکے جواب میں لکھا:

اولاً: ہر آیتِ عذاب کے اعداد، اسمائے اخیار سے مطابقت کر سکتے ہیں اور آیتِ ثواب کے، کفار سے، کہ اسماء میں وسعتِ وسیعہ ہے۔ بدمذہب نے آیت کو اُدھر پھیرا، کوئی دوسرا بدمذہب اِدھر پھیر دے گا۔

(۱) ہاں بد مذہب! بارہ سو دو عدد کا ہے کہ ہیں'' ابن سباء رافضیہ'' کے۔

(۲) ہاں بد مذہب! بارہ سو دو عدد کا ہے کہ ابلیس، یزید، ابن زیاد، شیطان......

(۳) ہاں بد مذہب! اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے:

ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیٔ ☆ (٤۳)

بیشک جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور گروہ در گروہ ہو گئے، اے نبی تمھیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔

اس آیت کریمہ کے عدد ۲۸۲۸ ہیں اور یہی عدد ہیں ایک خاص بدعقیدہ، مذہب کے۔

(۴) ہاں او بدمذہب! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لھم اللعنة ولھم سوء الدار ☆ (۴۴)

ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

اس کے عدد ۶۴۴ ہیں اور یہی عدد ہیں ایک مشہور بدمذہب کے

نام کے۔

(۵) نہیں او بد مذہب! بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اولٓئک ھم الصدیقون والشھدآء عند ربھم لھم اجرھم ☆ (۴۵)

وہی اپنے رب کے ہاں صدیق اور شہید ہیں، انکے لئے ان کا ثواب ہے۔

اس کے اعداد ۱۴۴۵ ہیں اور یہی اعداد ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، سعید رضی اللہ عنہم کے۔

(۶) نہیں او بد مذہب! بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا:

اولٓئک ھم الصد یقون والشھدآء عند ربھم لھم اجرھم ونو رھم☆

وہی اپنے رب کے حضور صدیق اور شہید ہیں ان کیلئے ہے ان کا ثواب، اور ان کا نور۔

اسکے اعداد ۱۷۹۲ ہیں اور یہی عدد ہیں ابوبکر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعید رضی اللہ عنہم کے۔

(۷) نہیں او بد مذہب! بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

والذین امنوا باللہ ورسلہ اولٓئک ھم الصد یقون ☆ (۴۶)

جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اسکے رسولوں پر، وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق ہیں۔

آیت کریمہ کے عدد ہیں ۳۰۱۶، اور یہی عدد ہیں صدیق، فاروق، ذوالنورین، علی، طلحہ، زبیر، سعید، ابوعبیدہ، عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے۔

آخر میں امام احمد رضا خان قادری محدثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

الحمد للہ آیت کریمہ کا تمام، کمال جملہ مدح بھی پورا ہو گیا اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسماء طیبہ بھی سب آ گئے، جس میں اصلاً تکلف و تصنع کو دخل نہیں۔ یہ تمام آیاتِ عذاب و اسمائے اشرار، اور آیاتِ مدح و اسمائے اخیار کے عدد محض خیال میں مطابق کئے، جس پر صرف چند منٹ سرف ہوئے، اگر (پوری تحقیق و تفصیل سے) لکھ کر اعداد جوڑے جاتے، تو مطابقتوں کی بہار نظر آتی، مگر بعونہ تعالیٰ اس قدر بھی کافی ہے۔

یہ جواب آپ نے زبانی ارشاد فرمایا تھا، مستفتی نے لکھا ہے: چند لمحوں میں ان تمام آیات و اعداد کی مطابقت زبان فیض والہام ترجمان سے فرمائی۔ یہ رات کا وقت تھا، قریب نصف گزر چکی تھی، واللہ باللہ عدد اخیار و اشرار کے اسماء بلا سوچے اور بے تامل کئے، فرما دیئے۔ (۴۷)

﴿۲۵ الحجۃ المو تمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ﴾

﴿۱﴾ اس رسالہ میں سورہ ممتحنہ کی ایک آیت کی تفسیر بڑی شرح وبسط سے کی، یہ تفسیر قرآن، حدیث، شروحِ حدیث، تفاسیر اور فقہی کتب وغیرہ سے کی۔

آیت یہ ہے:

لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقا تلوکم فی الدین ولم یخر جوکم من دیا رکم ان تبرو ھم وتقسطوآ الیھم ☆ (۴۸)

(۱) پورا رسالہ صرف اس آیت کی تفسیر میں ہے، جو کہ: ۹۱-۲۱۲ پر ایک سو اکیس صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲) تفسیر بالقرآن کی جہت سے اِس آیت کی تفسیر کئی آیات سے فرمائی۔

(۳) تفسیر بالحدیث کے اعتبار سے اس آیت کی تفسیر ۴۵ ر احادیث وآ ثارِ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کی۔

(۴) تفسیر باللغۃ کے لحاظ سے اِس آیت کی مکمل جامع تفسیر ہے۔

(۵) تفسیر بالفقہ کی حیثیت سے بے شمار فقہی جزیات سے اِس آیت

کی تفسیر کی ہے۔

(۶) اس آیت کے علاوہ دوسری کئی آیات کی بھی ضمناً تفسیر کی، بعض آیات کی تفسیر صرف ایک جملہ سے بھی کی۔

(۷) کئی آیات کی تفسیر آیاتِ قرآنیہ سے کی گئی ہے۔

(۸) بعض آیات کی تفسیر تشریحات احادیث سے کی گئی ہے۔

(۹) کچھ آیات کی تفسیر کتب فقہ سے کی گئی ہے۔

(۱۰) بعض آیات کی تفسیر میں کوئی حوالہ نہیں بلکہ وہ ایک مفہوم ہے جو قرآن وحدیث اور فقہی عبارات سے ماخوذ ہے، جو اردو عبارت میں پیش کر دیا گیا ہے۔

(۱۱) آیاتِ ممتحنہ کی تفسیر میں شافعی مذہب کو بھی ذکر کیا ہے۔

(۱۲) اس آیت کی تفسیر میں حنفی مذہب کو ترجیح دی ہے۔

(۱۳) اس آیت کی تفسیر بالحدیث میں حدیث، شروح حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہم کی ۴۸ کتب سے احادیث ذکر کیں۔ جبکہ دوسرے عنوانات کے اعتبار سے اس رسالہ کے مآخذ اس سے زائد ہیں۔

(۱۴) کئی احادیث پر محدثانہ جرح تعدیل فرمائی ہے۔

(۱۵) اس رسالہ میں اس وقت کی سیاسی صورت حال پر قرآن، حدیث اور فقہ سے پوری تحقیق سے بحث کی۔

﴿ب﴾ شروعِ رسالہ میں ''توجہ سے بات'' سننے کے بارے میں ایک آیت تحریر فرمائی، پھر اسکی تفسیر میں تین آیات لکھیں، وہ یہ ہیں:

(۱) رب عزوجل فرماتا ہے:

فبشر عبادہ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه اولئك الذین ھدیٰ ھم الله واولئك ھم اولوا الالباب ☆ (۴۹)

خوشخبری دو میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنتے ہیں پھر سب میں بہتر کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی اور یہی عقل والے ہیں۔ (۵۰)

اس آیت کی تفسیر قرآن سے کرتے ہوئے، لکھتے ہیں:

من وتو کی کیا حقیقت؟ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ معاندین کے چند طریقے رہے ہیں:

اول: سرے سے بات نہ سننا کہ:

لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیه لعلکم تغلبون ☆ (۵۱)

دوم: سن کر مکابرانہ تکذیب کا منہ کھول دینا کہ:

ان انتم الا تکذبو ن ☆ (۵۲)

سوم: ہدایت کو معلل بالغرض بتانا کہ:

ان ھذا الشئ یراد ☆ (۵۳)

چہارم: حق کا باطل سے معارضہ کرنا:

ویجادل الذین کفروا بالباطل لیدحضوا به الحق واتخذو آایتی وماانذروا ھزوا ☆ (۵۴)

ان آیات کی تحریر کے بعد ان سب کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں:

مسلمان پر فرض ہے کہ ان سب طرق باطلہ سے پرہیز کرے، اور اس پر عامل ہو جو راستہ پہلی آیت بشارت میں اسکے رب نے بتایا، ہر تعصب وطرفداری سے خالی الذہن ہو کر کان لگا کر بات سنے، اگر انصافاً حق پائے اتباع کرے کہ بارگاہِ عزت سے ہدایت ودانشمندی کا خطاب ملے۔ (۵۵)

﴿ج۔ تفسیر بالحدیث﴾

میں اس آیت پر صرف تفسیر بالحدیث کی حیثیت سے بحث کرونگا۔

آیتِ ممتحنہ کی تفسیر میں مندرجہ ذیل چار اقوال ہیں:

امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

اول اکثر اہل تاویل جن میں سلطان المفسرین سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، فرماتے ہیں:

اس سے مراد بنوخزاعہ ہیں جن سے حضور اقدس ﷺ کا ایک مدت تک معاہدہ تھا۔ رب عزوجل نے فرمایا:

ان کی مدت عہد تک ان سے بعض نیک سلوک کی تمہیں ممانعت نہیں۔

دوم امام مجاہد تلمیذ اکبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ ان کی تفسیر بھی تفسیرِ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمجھی جاتی ہے، فرماتے ہیں:

اس سے مراد وہ مسلمان ہیں، جنہوں نے مکہ مکرمہ سے ابھی تک ہجرت نہ کی تھی۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

ان کے ساتھ نیک سلوک منع نہیں۔

سوم بعض مفسرین نے کہا:

مراد کافروں کی عورتیں اور بچے ہیں، جن میں لڑنے کی قابلیت نہیں۔(۵۶)

چہارم آیۂ کریمہ میں ایک قول یہ ہے کہ مطلق کفار مراد ہیں، جو مسلمان سے نہ لڑیں۔ ان کے نزدیک وہ ضرور آیاتِ قتال و غلظت سے منسوخ ہے۔ اجلہ ائمہ تابعین مثل امام عطاء بن ابی رباح استاذِ امام اعظم ابوحنیفہ، وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولی امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم، وقتادہ تلمیذ خاص حضرت انس خادم خاص حضور سید عالم ﷺ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے اس کے منسوخ ہونے کی تصریح فرمائی۔ جلالین شریف میں بتایا کہ یہی صحیح ہے۔(۵۷)

﴿قول دوم۔ امام مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دلائل﴾

مراد وہ مسلمان ہیں، جو مکہ سے ہجرت نہ کر سکے۔

مولانا احمد رضا خاں محدثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

﴿۱: اثر﴾

تفسیر درِ منثور میں ہے:

اخرجه حميد وابن المنذر عن مجاهد في قوله تعالى: لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم، الاية، قال: ان تستغفروا لهم وتبروهم وتقسطوا اليهم، هم الذين امنوا بمكة ولم يهاجروا۔(۵۸)

﴿قول سوم پر دلائل﴾

کافروں کی عورتیں اور بچے مراد ہیں، جن میں لڑنے کی طاقت نہیں۔

اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ نہیں لکھا، صرف مذہب نقل فرمایا۔

﴿قول اول۔ معاہدین پر دلائل﴾

مولانا احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہی راجح ہے، لکھتے ہیں:

یہی قولِ اکثر جمہور ہے، آیۂ کریمہ میں نسخ ماننے کی کوئی حاجت نہیں، لاجرم اکثر اہل تاویل اسے محکم مانتے ہیں۔(۵۹)

﴿۲: حدیث﴾

قولِ اکثر کی حجت حدیث بخاری و مسلم، واحمد، وائمۂ کثیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے، سیدتنا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

قدمت على امي، وهي مشركة في عهد قريش اذا عاهدهم، فاستفتيت رسول الله ﷺ، قلت: قدمت على امي، وهي راغبة، افاصل امي؟ قال: نعم، صلي امك۔(۶۰)

﴿۳: حدیث﴾

تفسیر کبیر میں ہے:

عن عبد الله بن زبير رضي الله تعالى عنهما: انها نزلت في اسماء بنت ابي بكر رضي الله تعالى عنهما، قدمت امها قتيلة عليها وهي مشركة بهدايا، فلم تقبلها ولم تاذن للدخول۔ فامرها النبي ﷺ ان تدخلها

وتقبل منها وتكرمها وتحسن اليها ۔ (۶۱)

﴿۴: حدیث﴾

جمل میں قرطبی سے ہے:

وقال اكثر اهل التاويل : هي محكمة ، واحتجو بان اسماء بنت ابى بكر رضى الله تعالى عنهما سالت النبى ﷺ هل تصل امها حين قدمت عليها مشركة ؟ قال : نعم ۔ خرجه البخارى ومسلم ۔ (۶۲)

﴿۵: حدیث﴾

حکم غلظت اہل عہد وذمہ اور حربیوں سب کی عورتوں اور بچوں کو شامل ہے، اگرچہ حکم قتال شامل نہیں۔

قال تعالى :

من ذكر او انثى بعضكم من بعض ☆

صحاح ستہ میں صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے نبی ﷺ نے زنان وصبیان کفار کے بارے میں فرمایا:

هم منهم ۔ (۶۳)

﴿۶: حدیث﴾

اعتراض کہ حضور ﷺ نے کفار کی مدد کی، اعتراض یہ ہے: شرح سرخسی میں یہ استدلال کہ قحطِ مکہ معظمہ میں حضور رحمت عالم ﷺ نے پانچ سو اشرفیاں ابوسفیان وصفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا فرمائیں کہ فقرائے مکہ پر تقسیم کریں؟

جواب میں لکھا ہے:

اقول: (۱) واقعہ عین کیلئے عموم نہیں ہوتا، (۲) ممکن کہ وہ زمانہ، صلح ومعاہدہ ہو، (۳) معہذا ابوسفیان وصفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہما مولفۃ القلوب سے تھے، ممکن کہ اس مد سے عطا فرمائی ہو ں ۔ (۶۴)

﴿۷: اثر﴾

موالات کی تقسیم اور اسکے احکام:

تقسیم اول میں دو قسم ہیں، حقیقیہ اور صوریہ، اور تقسیم دوم میں ان دونوں کی کل نو قسمیں ہیں، ایک اور قسم مجرد معاملت ہے، تو یہ کل دس قسمیں ہیں۔ انمیں سے بعض پر کتب تفاسیر سے استدلال کیا اور بعض پر آیات قرآنیہ سے اور بعض پر احادیث وآثار سے۔

صوریہ کہ دل اسکی طرف اصلاً مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت ومیلان کا پتہ دیتا ہو، یہ بحالت مجبوری جائز ہے، ابنائے جریر ومنذر وابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

نهى الله المؤمنين ان يلاطفوا الكفار ويتخذوهم وليجة من دون المؤمنين الاان يكون الكفار عليهم ظاهرين اولياء فيظهرون لهم اللطف و يخالفونهم فى الدين ، وذلك قوله تعالى :

الا ان تتقو منهم تقٰة ☆ (۶۵)

﴿۸: اثر﴾

آیاتِ ممتحنہ میں بر ومعاملات سے کیا مراد ہے؟

بر سے صرف صورت اوسط مراد ہے کہ اعلیٰ معاہد سے بھی حرام اور ادنیٰ غیر معاہد سے بھی جائز (اظہارِ برصورۃً حقیقۃً جنگی چال ہے۔) اور آیت فرق کے لئے اتری ہے۔

تنویر المقیاس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

(انما ينهكم الله عن الذين) ان صلة الذين (ان تولوهم) ان تصلوهم ۔ (۶۶)

﴿۹، ۱۰: اثر﴾

معنیٔ اقساط کی تحقیق:

تنبیہ چہارم:

معنیٔ اقساط میں مفسرین تین وجہ پر مختلف ہوئے۔

دوم: عدل سے صرف وفائے عہد مراد ہے، اسے کبیر میں مقاتل

سے نقل کیا۔ اور یہی تنویر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

(ان تقسطوا علیھم) تعدلوا بینھم بوفا العھد (ان اللہ یحب المقسطین) العادلین بوفاء العھد ۔ (٦٧)

﴿قولِ چہارم۔ نسخ پر دلائل﴾

﴿۱۱: اثر﴾

تفسیر جامع البیان میں بسند صحیح ہے:

حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وھب قال، قال ابن زید، وسألته عن قول اللہ عزوجل "لا ینھاکم اللہ" الایة ؟فقال: ھذا قد نسخ، نسخه القتال ۔

﴿۱۲: اثر﴾

تفسیر درمنثور میں ہے:

اخرج ابوداؤد فی تاریخه، وابن المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنھما عن قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنه "لا ینھاکم اللہ" الایة، نسختھا "اقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" ۔

﴿۱۳: اثر﴾

اسی میں ہے:

ابن ابی حاتم، وابوالشیخ رضی اللہ تعالیٰ عنھما عن مقاتل رضی اللہ تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ "وقاتلوا المشرکین کافة" قال: نسخت ھذ الایة کل ایة فیھا رخصة ۔ (٦٨)

﴿۱۴: اثر﴾

تفسیر ارشاد العقل میں زیر کریمہ:

یا یھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم ☆

ہے،

قال عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنه: نسخت ھذہ الایة کل شئ من العفو والصفح ۔ (٦٩)

اور لکھا ہے:

﴿۱۵: حدیث﴾

فتح القدیر میں ہے:

صریح قوله ﷺ فی الصحیحین وغیرھما: امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا: "لا الٰہ الا اللہ" (٧٠)

﴿۱۶: حدیث﴾

نیز اسی میں زیر حدیث:

"رای ﷺ امرة مقولة، فقال: ھاہ ماکانت تقاتل" ہے:

الحدیث صحیح علی شرط الشیخین، فقدعلل ﷺ القتل بالمقاتلة ۔ فثبت انه معلول بالحرابة، فلزم قتل ماکان مظنة له بخلاف مالیس ایاہ ۔ (٧١)

﴿۱۷: حدیث﴾

تمام مشرکین ہند محارب بالفعل ہیں:

فاقتلوھم حیث ثقفتموھم ☆ (٧٢)

اور حکم ہوا:

وقاتلوا المشرکین کافة کمایقاتلونکم کافة ☆ (٧٣)

گاندھی صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانیِ گاؤ نہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑا دیں گے۔ اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین ہند دین میں ہم سے محارب ہیں؟ محاربہ مذہبی ہر قوم کا اس بات پر ہوتا ہے، جسے وہ اپنے دین کی رو سے زشت و منکر جانے، اسی کے ازالہ کے لئے لڑائی ہوتی ہے۔

ازالۂ منکر تین قسم ہے: (۱) موقع ہو تو ہاتھ سے، (۲) ورنہ زبان سے، (۳) ورنہ دل سے، نبی ﷺ فرماتے ہیں:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانه، فان لم یستطع فبقلبه ۔ (٧٤)

﴿۱۸: حدیث﴾

اور جگہ جہاد ومحاربہ کے بارے میں لکھا ہے:

اگر گمراہان فرقہ بندی کریں اور اسے بزور زبان معروف شرعی کا جامہ پہنائیں اور اس کیلئے آیات واحادیث واقوالِ ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تحریف وتصحیف منائیں، احکامِ الٰہیہ کے حرام کو حلال، اور حلال کو حرام دکھائیں، تو اس وقت ان منکرات کبری ووہیات عظمیٰ کا ازالہ فرض اعظم ہوگا۔ خطیب بغدادی جامع میں راوی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اذاظهرت الفتن ، او قال : البدع ، فليظهر العالم علمه ، ومن لم يفعل ذلك ، فعليه لعنة الله والملٰكة والناس اجمعين ، لايقبل الله منه صرفا ولاعدلا ۔ (٧٥)

﴿١٩: حدیث﴾

یہ سعی شبہات کے کشف کو ہے، اس امید پر کہ مولیٰ عز وجل چاہے، تو جو دھوکے میں آگئے، حق کی طرف واپس آئیں، حضور پرنور سید یوم النشور ﷺ فرماتے ہیں:

والله لان يهدى بك رجلا واحد اخير لك من ان يكون لك حمرانعم ۔رواه البخارى و مسلم عن سهل بن سعد رضى الله تعالىٰ عنه ۔(٧٦)

﴿٢٠: اثر﴾

تنبیہ جلیل میں آیتِ کریمہ " و قاتلوا المشركين كافة " الاية ، میں چار احتمال ذکر کئے، لکھتے ہیں:

سوم پہلا ''کافۃ'' ''مشرکین'' سے حال ہو اور دوسرا ''مؤمنین'' سے، یعنی تم بھی سب مشرکوں سے لڑو، جس طرح وہ تم (سب) سے لڑتے ہیں، یہ قول عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے، مفاتیح الغیب میں ہے:

فى قوله تعالىٰ " كافة " قولان ، (الاول) : ان يكون المراد : قاتلوهم با جمعكم مجتمعين على قتالهم كما انهم يقاتلونكم على هذه الصفة ۔ يريد : تعاونوا و تناصروا على ذلك ولاتتخاذلوا و لاتتقاطعوا وكونوا عباد الله مجتمعين متوافقين فى مقاتلة الاعداء۔ (الثانى) : قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما : قاتلو هم بكليتهم ولا تحا بوا بعضهم بترك ا لقتال كما انهم يستحلون قتال جميعكم ۔(٧٧)

﴿٢١: اثر﴾

قرآن عظیم کے صفحات مشرکین سے اتحاد ووداد حرام کرنے سے گونج رہے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لاتتخذوابطانة من دونكم لايألونكم خبالا ودوا ماعنتم ☆ (٧٨)

امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

الاعداء ثلثة : (١) عدوك ، و (٢) عدو صديقك ، و (٣) صديق عدوك ۔ (٧٩)

﴿٢٢: حدیث﴾

کافروں کا حلیف بنا حرام ہے، حالانکہ حلیف بنانا منسوخ ہو چکا ہے، رسول ﷺ فرماتے ہیں:

لا تحدثوا فى الاسلام حلفاً ۔ رواه الامام احمد فى المسند و محمد بن عيسى فى الجامع رضى الله تعالىٰ عنهما عن عمرو بن العاص رضى الله تعالىٰ عنه بسند حسن ۔((٨٠)

﴿٢٣: حدیث﴾

فقہ وحدیث کے امام اجل ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشکل الآثار میں یہ تحقیق فرمائی کہ مشرکوں سے استعانت حرام ہے، کتابی سے ہو سکتی ہے۔ اس پر حدیث سوم کہ فائدہ ثانیہ میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن ابی منافق کے چھ سو حلیف یہودیوں کو واپس کر دیا اور انہیں مشرکین فرمایا۔ تو مشرک کے حلیف ہو کر وہ کتابی نہ

رہے، مرتد ہوگئے۔

امام ابوالولید باجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختصر اور پھر علامہ یوسف دمشقی حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معتصر میں اسے مقرر رکھا۔(۸۱)

﴿۲۴: حدیث﴾

قرآن کریم نے منعِ موالاتِ کفار کو بکثرت آیات میں ارشاد فرمایا، وہ سب ان کو مددگار بنانے سے مانعات ہیں۔(۸۲)

استعانت بمشرکین کے حرام ہونے پر آیات قرانیہ:

آیت:۱

یٰۤا ایھا الذین امنوالا تتخذوا بطا نة من دو نکم ، الآية ☆ (۸۳)

آیت:۲

بشر المنٰفقين بان لهم عذابا اليما☆ الذين يتخذون الكفرين اولیآء من دون المؤمنين ايبتغون عند هم العزة فان العزة لله جميعا ☆ (۸٤)

آیت:۳

لا يتخذ المؤمنون الكفرين اولیآ ء من دون المؤمنين ومن يعفل ذلك فليس من الله في شيء ☆ (۸٥)

اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تفسیر لباب التاویل میں ہے:

ان عبادة بن الصامت رضی الله تعالیٰ عنه كان له حلفاء من يهود ، فقال يوم الاحزاب : يارسول اللّٰه ﷺ معی خمس مائة من اليهود ، وقد رايت ان استظهر بهم على العدو؟ فنزلت هذه الاية ـ (۸٦)

آیت:۴

فان تولوا فخذوهم واقتلوهم حيث ثقفتوهم ولا تتخذوا منهم وليا ولا نصيرا ☆ (۸۷)

ان آیات کے بعد مذکورہ سابقاً عنوان ہی سے احادیث ذکر کیں جوان آیات کی تفسیر ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

﴿۲۵: حدیث﴾

صحیح مسلم وسنن اربعہ ومشکل الآثار امام طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:

(طویل حدیث پورے ایک صفحہ سے، چند جملے) ایک شخص جنگ بدر میں شریک ہونے کیلئے حاضر ہوا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

اتؤ من با لله ورسوله ؟ کہا: ''لا! '' فرمایا: '' فارجع ، فلن نستعين بمشرك ۔ تیسری بار حاضر ہونے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوچھنے پر عرض کی: ''ہاں!'' فرمایا: '' فنعم! اذن '' ۔ (۸۸)

﴿۲۶: حدیث﴾

امام احمد واسحٰق بن راہویہ مسانید اور امام بخاری تاریخ اور ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں خبیب بن اساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

حضور اقدس ﷺ غزوہ بدر کو تشریف لے جاتے تھے، میں اور میری قوم سے ایک شخص حاضر ہوئے، میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی معرکہ میں جائے اور ہم نہ جائیں''، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم دونوں مسلمان ہوئے؟ کہا: ''نہ''، فرمایا:

فا نا لا نستعين با لمشر كين على المشر كين۔

ہم دونوں اسلام لاکر شریک جہاد ہوئے۔

﴿تصحیح حدیث﴾

امام حاکم رضی الله تعالیٰ عنه نے کہا:

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، یونہی تنقیح میں اسکے رجال کی توثیق کی۔

﴿۲۷: حدیث﴾

امام واقدی مغازی، اور امام اسحٰق بن راہویہ مسند، اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر واوسط میں رضی اللہ تعالیٰ عنہم ابوحمید

ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

رسول اللہ ﷺ روزِ احد تشریف لے چلے، ثنیۃ الوداع سے آگے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا، ارشاد ہوا: ''یہ کون ہیں''؟ عرض کی گئی: ''یہود بنی قینقاع حلفائے عبداللہ بن ابی ہیں''، فرمایا: ''کیا اسلام لائے ہیں''؟ عرض کی: ''نہ، وہ اپنے دین پر ہیں''، فرمایا:

قل لهم : فلير جعو افا نا لا نستعين با لمشر كين على المشر كين۔(۸۹)

﴿تحسین وتصحیح حدیث﴾

اقول: یہ حدیث بھی حسن صحیح ہے،

اور لکھا ہے:

یہ حدیث طبرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معجم کبیر واوسط میں بسند صحیح روایت کی۔

مسند امام اسحٰق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اسکی سند یوں ہے:

اخبر نا الفضل بن مو سی عن محمد بن عمر و بن علقمة عن سعد بن المنذر عن ابی حمید السا عدی رضی الله تعالی عنه۔

﴿توثیق وتعدیل﴾

فضل بن موسیٰ، محمد بن عمرو بن علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں رجال، جمیع صحاح ستہ سے ہیں، ثقہ، ثبت وصدوق، اور یہ سعد بن منذر بن ابی حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، کمافی مشکل الآثار، ابن حبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں ثقات میں ذکر کیا۔ تقریب میں کہا: ''مقبول ہیں''۔

تہذیب التہذیب میں ہے:

روی عن جده ، وحمزة بن ابی اسيد ، وعنه محمد بن عمروبن علقمة ، وعبد الرحمن بن سليمٰن بن الغسيل رضی الله تعالیٰ عنهم۔ ذكره ابن حيا ن رضی الله تعالیٰ عنه فی الثقا ت۔

لاجرم زرقانی علی المواہب میں ہے:

قدروی الطبرانی رضی الله تعالیٰ عنه فی الكبيرو الاوسط برجال ثقات عن ابی حميد الساعدی رضی الله تعالیٰ عنه۔

﴿۲۸: حدیث﴾

عبد بن حمید، وابویعلی، وابنائے جریر ومنذر، وابی حاتم اور بیہقی شعب الایمان میں رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے راوی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتستضيؤا بنار المشركين ۔(۹۰)

﴿تشریح وتوضیح حدیث﴾

امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کے معنی پوچھے گئے؟ فرمایا:

لاتستشيروا المشركين فی شئ من امور كم، قا ل الحسن : وتصديق ذ لك فی كتاب الله:

يٰايها الذ ين أمنوا لاتتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالا ☆ (۹۱)

﴿تحسین حدیث﴾

اقول: یہ حدیث بھی اصولِ حنفیہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر حسن ہے۔

﴿اسنادحدیث﴾

طبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں اسکی سند یہ ہے:

حدثنا ابو كر يب ويعقوب بن ابر ا هيم ، قا لا : حد ثنا هشيم ،اخبر نا العوا م بن حوشب ،عن الا زهر بن را شد رضی الله تعالیٰ عنهم ، عن انس بن ما لك رضی الله تعا لی عنه۔

﴿توثیق وتضعیفِ رجال سند﴾

ابوکریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عوام بن حوشب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک سب اجلہ مشاہیر ثقہ عدول رجال جملہ صحاح ستہ سے ہیں۔ اور ازہر بن راشد رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجال سنن نسائی وتابعین سے ہیں، انپر کسی امام معتمد سے کوئی جرح ثابت نہیں۔ اور یہ کہ ان سے راوی صرف عوام بن حوشب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جس کی بناپر تقریب میں حسبِ اصطلاحِ محدثین مجہول کہا، ہمارے نزدیک اصلاً جرح نہیں خصوصا تابعین میں۔ مسلم الثبوت میں ہے:

لا جرح بان له راو یا واحد اوهو مجهول العین ۔ (۹۲)

فواتح الرحموت میں ہے:

وقیل : لایقبل عند المحدثین ، وهو تحکم ۔

فصول البدائع میں ہے:

العدالة فیما بین رواة الحدیث هی الاصل ببرکته وهو الغالب بینهم فی الواقع کما نشاهده فلذا قبلنا مجهول القرون الثلثة فی الروایة ۔ (۹۳)

﴿تجریح﴾

تضعیفِ ابن معین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توضیح اور ازدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجریح کی تضعیف، منہیہ میں لکھا ہے:

اما تضعیف ابن معین فلا زهر بن راشد الکاهلی ، لا فی هذا البصری الراوی عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ، وقد فرق بینهما ابن معین، فضعف الکاهلی لا هذا ؛ کما بینه الحافظ المزی فی تهذیبه ، والحافظ العسقلانی فی تقریبه ، واما قول الازدی" منکر الحدیث "۔فالازدی نفسه مجروح بشدید التعنت فی الرجال معروف ، ثم قوله :" منکر الحدیث "۔جرح مبهم غیر مفسر ؛کما نصوا علیه ۔ (۹۴)

﴿تحقیق احادیثِ متعارضہ﴾

وہ احادیث کہ ظاہر میں سابقہ احادیث کی معارض ہیں، امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

معارض احادیث یہ ہیں:

﴿۲۹: حدیث﴾

(ا) کتاب الاعتبار ابوبکر حازمی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے:

استعان رسول الله ﷺ بعد بدر فی غزوة خیبر بیهود من بنی قنیقاع کانوا اشداء ۔ (۹۵)

﴿۳۰: حدیث﴾

اسی کتاب الاعتبار میں ہے:

واستعان رسول الله ﷺ فی غزوة حنین سنة ثمان بصفوان بن امیة وهو مشرك ۔

مشکل الآثار میں ہے:

ابن شهاب کان یحدث : سار مع رسول الله ﷺ فشهد حنینا والطائف، وهو کافر ۔ (۹۶)

اور نووی میں ہے:

ان النبی ﷺ استعان بصفوان بن امیة قبل اسلامه ۔ (۹۷)

امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں حدیثوں کی تردید وتوضیح ائمۂ احناف وشوافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم دونوں سے ذکر کی۔ شوافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال سے یہ مترشح ہوتا ہے، کہ کفار سے استعانت جائز ہے اور احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تصریحات اسپر واضح وظاہر ہیں کہ استعانت جائز نہیں۔

﴿نسخ کے قائل شوافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم﴾

شوافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک ان احادیث کی تشریح یہ ہے کہ یہ عدمِ استعانت کی حدیثوں کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ یہ تشریح بھی تمام شوافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک نہیں بلکہ

صرف امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہے اور امام ابوبکر حازمی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک نہیں ہے۔

امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

یہاں دو واقعے پیش کئے جاتے ہیں، جن سے احادیثِ منع کو منسوخ بتاتے ہیں،

اول: کہ واقعہ بدر واحد ہیں اور نبی ﷺ نے غزوہ خیبر میں انکے کئی برس بعد ہے بعض یہود بنی قینقاع سے یہود خیبر پر استعانت فرمائی۔

دوم: پھر ۸ ہجری غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ سے اور وہ اس وقت مشرک تھے۔

تو اگر ان پہلے واقعات میں نبی ﷺ کا مشرک یا مشرکوں کو رد فرمانا اس بنا پر تھا کہ حضور کو رد و قبول کا اختیار تھا، جب تو حدیثوں میں کوئی مخالفت ہی نہیں۔ اور اگر اس وجہ سے تھا کہ مشرک سے استعانت نا جائز تھی، تو ظاہر ہے کہ بعد کی حدیث نے منسوخ کر دیا۔ تو یہ تمام و کمال کلام امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کا ہے کہ ان سے فتح (القدیر) اور فتح (القدیر) سے ردالمحتار میں نقل کیا، یہ بعینہ کتاب الاعتبار امام ابوبکر حازمی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ (۹۸)

نصب الرایہ سے بھی امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا۔ (۹۹)

امام حازمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا:

خود امام ابوبکر حازمی شافعی نے کتاب الاعتبار میں حدیث صحیح مسلم (یعنی حدیث بنی قینقاع) در بارہ ممانعت روایت کر کے کہا:

ومايعارضه لايوازيه في الصحة والثبوت فتعذر ادعاء النسخ۔ (۱۰۰)

﴿ترجیحِ احادیث کے قائل ائمہٗ احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم﴾

ائمہٗ احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک یہ ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین سے استعانت لینے میں فرق ہے۔ مشرکین میں تو عدمِ استعانت کی احادیث کو ترجیح ہے، اور اہل کتاب میں کچھ شرائط کے ساتھ جواز ہے، اگر شرائط نہ پائے جائیں، تو پھر عدمِ استعانت کی احادیث کو ترجیح ہے۔

﴿یہود سے استعانت کے پانچ جواب﴾

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ استعانت یہود کے پانچ جواب دیئے ہیں، ان میں سے تین سند پر جرح کے اعتبار سے ہیں اور دو حدیث کے مفہوم کے تعین کے اعتبار سے ہیں۔

امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا:

واقعۂ یہودِ بنی قینقاع کا جواب تو واضح ہے، جو محقق علی الاطلاق اور خود حازمی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ذکر کیا کہ وہ روایت کیا اس قابل ہے کہ احادیث صحیحہ کے سامنے پیش کی جائے؟ (۱۰۱)

امام احمد رضا خان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محقق علی الاطلاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتح القدیر کی عبارت اِس سے پہلے ذکر کی ہے، وہ یہ ہے:

ولا شك ان هذه لا تقاوم احاديث المنع في القوة، فكيف تعارضها؟ (۱۰۲)

امام حازمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت بھی پہلے ذکر کی۔ اور میں نے وہی عبارت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ذکر کی ہے کہ یہ صحیح حدیثوں کی معارض نہیں ہوسکتی اور نسخ کا ادعاء بھی متعذر ہے۔ یعنی یہ حدیث صحت کے معیار پر پوری نہیں بیٹھتی۔

﴿سند و تخریج پر جرح﴾

مولانا احمد رضا خان محدث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف امام ابن ہمام اور امام حازمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ تفصیلی جرح کی؛ کیونکہ مبہم جرح غیر مقبول ہے۔

﴿جواب اول﴾

آپ لکھتے ہیں:

اسکامخرج: الحسن بن عمارة ، عن الحکم ، عن مقسم ، عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهم ، ہے، قطع نظر انقطاع سے، حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنیں، جن میں یہ نہیں۔ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک منقطع مردود ہے۔ حسن بن عمارہ متروک ہے، کمافی التقریب۔

﴿جواب دوم﴾

(۲) اور مرسل زہری مروی جامع ترمذی، و مرسل ابی داؤد۔ ایک تو مرسل کہ امام شافعی کے یہاں مہمل۔ اقول: اور سند مرسل میں ایک انقطاع حیوہ بن شریح و زہری کے درمیان ہے، تہذیب التہذیب میں امام احمد سے ہے:

لم یسمع حیو ة من الز هری ۔

دوسرے مرسل بھی زہری کا ہے، جسے محدثین ''پا بر ہوا'' کہتے ہیں۔

﴿جواب سوم﴾

تیسرے ضعیف بھی کمافی الفتح، یونہی بیہقی نے کہا:

اسناده ضعیف و منقطع۔

نصب الرایہ میں ہے: انها ضعیفة ۔

﴿جواب چہام﴾

امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

اقول: اور کچھ نہ ہو تو اس میں یہی تو ہے کہ:

اسهم النبی ﷺ لقوم من الیهود قاتلوا معه ۔

اس سے استعانت کہاں ثابت؟ ممکن ہے کہ انہوں نے بطور خود قتال کیا ہو۔ اور

﴿جواب پنجم﴾

﴿۳۱: اثر﴾

پانچواں جواب امام طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آتا ہے کہ سرے سے قاطع استناد ہے۔ (۱۰۳)

وہ یہ ہے، امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

امام احمد طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشکل الآثار میں استعانت بہ یہود کی حدیث کے جواب فرمایا:

ابو حنیفة و اصحا به رضی ا الله تعا لی عنهم یقولون: لا بـاس بـا لا ستعا نة با هل الکتاب فی قتا ل من سوا هـم اذا کـان حـکمنا هو الغا لب ۔ ویکر هون ذلك اذا کان احکامنا بخلاف ذلك ۔ (۱۰۴)

﴿۳۲: حدیث﴾

اور لکھا ہے:

غزوہ خیبر میں حسب روایت واقدی صرف دس یہود کو ہمراہی کا حکم فرمایا۔ (۱۰۵)

صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استعانت کے بارے میں امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا ہے:

صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استعانت کے روشن جواب:

صفوان رضی اللہ تعا عنہ کا قبل از اسلام غزوہ حنین میں ہمراہ رکاب اقدس ﷺ ہونا ضرور ثابت، مگر ہرگز نہ ان سے قتال منقول، نہ یہی کہ حضور اقدس ﷺ نے ان سے قتال کو فرمایا ہو ......امام ابن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ طبقات، پھر حافظ الشان عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصابہ فی تمیز الصحابہ میں انہیں صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرماتے ہیں:

لم یبلغنا انه غزا مع النبی ﷺ

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ مشکل الآثار میں فرماتے ہیں:

حدثنا ابو امیة، قال: حدثنا بشر بن الزھرانی، قال: قلت لمالك: الیس ابن شھاب کان یحدث ان صفوان بن امیة سار مع رسول اللہ ﷺ فشھد حنیناً والطائف وھو کافر؟

قال: بلی! ولکن ھو سار مع رسول اللہ ﷺ ولم یامرہ رسول اللہ ﷺ۔ (۱۰۶)

علامہ جلال الدین ابو المحاسن یوسف حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، معتصر میں فرماتے ہیں:

لا مخالفة بین حدیث صفوان، وبین قولہ ﷺ "لا نستعین بمشرك" لان صفوان قتالہ کان باختیارہ دون ان یستعین بہ النبی ﷺ۔ (۱۰۷)

﴿تحقیقِ مقام﴾

استعانت کے اقسام اور احکام،

اقسام تین ہیں: التجاء، اعتماد اور استخدام، پہلی دونوں صورتوں میں کفار واہل کتاب سے استعانت حرام ہے۔

﴿۳۲: اثر﴾

استخدام: یہ کہ کافر ذمی واہل کتاب ہم سے دبا ہوا ہو، اس کی چٹیا ہمارے ہاتھ میں، کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو۔ سیر صغیر میں امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا:

لاباس بذلك اذا کان حکم الاسلام ھو الظاھر الغالب۔ (۱۰۸)

﴿۳۳-۳۶: حدیث﴾

اسی میں ہے:

(۱) ذلیل وقلیل کافروں سے استعانت کی اجازت ہوگی نہ کہ انبوہ کثیر سے کہ بڑا گروہ ہوا، تو ممکن کہ میدان میں پہنچ کر کافروں کا لشکر دیکھ کر شرارت پر آئے اور پھن دکھائے، ممکن کہ یہی حکمت ہو کہ: روز احد چھ سو یہود کو واپس فرما دیا کہ یہ بڑا جتھا ہوا، خصوصاً اس حالت میں کہ مسلمان صرف سات سو۔

(۲) اور مغلطائی کی روایت میں چھ سو ہی تھے۔

(۳) اور غزوہ خیبر میں حسب روایت واقدی صرف دس یہود کو ہمراہ ہی کا حکم ہوا کہ مسلمان ایک ہزار چار سو تھے۔

(۴) اور غزوہ حنین تو صفوان جیسے ستراسی بھی مان لیجئے، تو کچھ نہ تھے کہ الٰہی لشکر بارہ ہزار تھا، جس کی کثرت کا ذکر خود قرآن عظیم میں ہے۔ (۱۰۹)

﴿استخدام کی چار صورتیں اور انکے احکام﴾

کافر کو راز دار بنانا مطلقاً حرام ہے:

اس کیلئے پہلی آیتِ کریمہ ﴿لا تتخذوا بطانة من دونکم﴾ بس ہے۔ نیز فرماتا ہے جل وعلا:

ام حسبتم ان تترکوا ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ولم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المؤمنین ولیجة واللہ خبیر بما تعلمون ☆

اس آیت کی تفسیر میں لکھا:

ولہذا احدیثِ چہارم (لا تستضیؤا بنار المشرکین) میں ان سے مشورہ لینا ناجائز فرمایا۔

﴿۳۷: اثر﴾

اور اس آیت اور اس کے علاوہ دوسری آیت کی تفسیر میں لکھا:

کافر کو محرری پر نوکر رکھنے کی ممانعت ہے:

تفسیر کبیر میں کریمۂ اولیٰ کے تحت میں ہے:

ان المسلمین کانوا یشاورونھم فی امورھم ویوانسونھم، لما کان بینھم من الرضاع والحلف ظناً منھم، انھم وان خالفوھم فی الدین فھم ینصحون لھم فی اسباب المعاش، فنھاھم اللہ تعالی بھذہ

الایة عنه ، فمنع المؤمنین ان یتخذوا بطانة من غیر المؤمنین ۔ فیکون نهیا عن جمیع الکفار ، وقال تعالی ﴿ یاایها الذین امنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیآء ﴾ ومما یوکد ذلك ما روی انه قیل لعمر رضی الله تعالی عنه : ههنا رجل من اهل الحیرة نصرانی لایعرف اقوی حفظا ولااحسن خطا منه ، فان رایت ان تتخذه کاتبا ؟ فامتنع عمر من ذلك ، وقال: اذن اتخذت بطانة من غیر المؤمنین ۔ (۱۱۰)

﴿۳۸:اثر﴾

عنوانِ سابق ہی کے ماتحت، لیکن تفسیر آیت مذکور سابق اور اسکے علاوہ دوسری آیت دونوں کی ہے۔

امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

لباب التاویل وغیرہ پارہ:۶ میں ہے:

روی ان ابا موسی الاشعری رضی الله تعالی عنه قال : قلت لعمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه : ان لی کاتبا نصرانیا ، فقال : مالك وله ؟ قاتلك الله الا اتخذت حنیفا یعنی مسلما ۔ اما سمعت قول الله عزوجل ﴿ یاایها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود والنصری اولیآء ﴾ قلت : له دینه ولی کتابته ، قال:لااکرمهم اذا اهانهم الله ، ولااعزهم اذ اذلهم ، ولاادنیهم اذاابعدهم الله ، قلت : لایتم امر البصرة الابه ، فقال : مات النصرانی ۔ والسلام ۔ (۱۱۱)

﴿۳۹:اثر﴾

آیت مذکورہ سابق اور اسکے علاوہ دوسری آیت کی تفسیر میں امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا ہے:

﴿ کافر کی تعظیم حرام ہے ﴾

اسے کوئی عہدہ ومنصب دینا جس میں مسلم پر اسکا استعلاء ہو، مثلاً مسلمان فوج کے کسی دستے کا افسر بنانا یہ بھی حرام ہے۔ کتبِ حدیث میں یوں ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے محرری پر رکھا، امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں فرمان لکھا:

لیس لنا ان نأتمنهم وقد خونهم الله ، ولاان نرفعهم وقد وضعهم الله ، ولاان نعزهم وقد امرنا بان یعطوا الجزیة عن یدوهم صغرون ۔ (۱۱۲)

﴿ مساجد میں مشرک کو لے جانے کا رد ﴾

آیاتِ کریمہ، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

انما المشرکون نجس ☆ (۱۱۳)

اور فرماتا ہے:

اولئك هم شر البریة ☆ (۱۱۴)

﴿۴۰:اثر﴾

انکی تفسیر میں لکھا ہے:

ذمی کا مسجد میں جانا جائز ہے، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جامع صغیر میں ارشاد ہے:

محمد عن یعقوب ، عن ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنهم : لا باس بان یدخل اهل الذمة المسجد الحرام ۔ (۱۱۵)

مستامن (ذمی مراد نہیں) کیلئے دخول مسجد حرام ہے، لکھتے ہیں:

وان احد من المشرکین استجارك فاجره حتی یسمع کلام الله ثم ابلغه مأمنه ☆ (۱۱۶)

﴿۴۱: حدیث﴾

اس سے پہلے عدمِ جوازِ دخولِ مسجد پر اقوالِ علمائے احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم تردید کی صورت میں ذکر کئے، جن میں جوازِ دخول مسجد کی حدیث بھی ذکر کی، وہ یہ ہے:

علامہ سید احمد طحطاوی وعلامہ سید محمد شامی رضی اللہ تعالیٰ عنہما محشیان درمختار کی کتابوں کی عبارت یہ ہے:

انظر اهل المستا من ورسول اهل الحرب مثله ؟ ومقتضى استدلالهم على الجواز بانزال رسول الله ﷺ وفد ثقيف في المسجد جواز ه ، ويحر ر ۔ (۱۱۷)

آیتِ مذکورہ کی تفسیر اس حدیث سے کی، اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے، لکھا ہے:

اقول: مستامن کیلئے خود قرآن سے اشارہ نکال سکتے ہیں کہ:

ان احد من المشر كين ۔الا ية ☆

حضورانور ﷺ کیلئے کوئی مجلس نہ تھی سواء مسجد کریم کے، ولہذا وفود یہیں حاضر ہوتے۔

﴿۴۲: حدیث﴾

ذمیوں میں بھی جواز صرف کتابی کیلئے ہے، مشرک حربی نہیں،
امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:
عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قال ابو حنيفة رضي الله تعالىٰ عنه : يجوز لكتا بي دون غير ه ، واحتج بما رواه احمد رضي الله تعالىٰ عنه في مسند ه بسند جيد عن جا بر رضي الله تعالى عنه، قا ل: قال رسو الله ﷺ :لا يد خل مسجد نا هذا بعد عا منا هذا مشرك الا اهل العهد وخدمهم ۔(۱۱۸)

﴿جرح وتعدیل﴾

امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسکی سند کے بارے میں لکھا ہے:

قول الامام العيني رضي الله تعالىٰ عنه بسند جيد ۔
اقول : اى على اصولنا ، ومالنا ان نترك اصولنا الى اصول المحدثين ، فضلاً عن قول عالم متا خر شا فعي ؟ فلا عليك مما في التقريب ، وذلك ان مخرجه اشعث بن سوا ر ، عن الحسن ، عن جا بر رضي الله تعا لى عنه، اشعث من شيو خ شعبة والثورى ، ويزيد بن ها رون وغيرهم من الا جلا ء ، وانتقا ء شعبة فى من يا خذ عنه معلوم ۔

قا ل الذهبي : وجدث عن اشعث بجلا لته شيخه ابو اسحاق السبيعي ۔
وقد قا ل سفيان : اشعث اثبت من مجا لد۔
وقال ا بن مهدى : هوارفع من مجالد ، ومجا لد من رجال صحيح مسلم ۔
وقال ابن معين : اشعث احب الى من اسمعيل بن مسلم۔
وقال الا مام احمد والعجلى : هوا مثل فى الحديث من محمد بن سالم ۔
وروى ابن الدورقي عن ابن معين : انه ثقة ۔
وقال عثمن بن ابي شيبة : صدوق وذكره ابن شا هين في الثقات ۔
وقال ابن عدى : لم اجدله فيمايرويه متنا منكرا ۔
وقال البزار : لانعلم احدا ترك حديثه الامن هو قليل المعرفة ۔ واختلاف قول ابن معين فى رجل يكون انه دون الثقة وفوق الضعيف وهذا هوشرط الحسن ۔
قال الذ هبي فى محمد بن ابي حفصة : فيه شئ ، ولهذا وثقه ا بن معين مرة وقال مرة : صا لح ، ومرة ليس با لقوى ومرة ضعيف ۔اه ،
ومحمد هذا من رجال الصحيحين ۔وبا لجملة قدوثق اشعث ولم يرم بقادح قط ، بل ليس فيه جرح مفسر اصلا ۔ فحد يثه حسن ، ولا شك لا جرم ان حكم

العینی علی اسنادہ انہ جید ـ واللہ تعالی اعلم ـ (۱۱۹)

﴿۴۳: حدیث﴾

اس حدیث پر اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

اگر کہئے: حدیث میں تو مطلق ذمی کا استثناء فرمایا، کتابی کی تخصیص کہاں ہے؟

اقول: مشرکین عرب کو ذمی بنانا روانہ تھا، ان پر صرف دو حکم تھے: (۱) اسلام لائیں، ورنہ (۲) تلوار۔ تو وہاں ذمی نہ تھے مگر کتابی، تو استثناء منقطع ہے۔ بلکہ ہم نے مسند احمد میں دیکھا، حدیث مذکورہ سابق سے ۲۷ ورق پہلے مسند حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یوں ہے:

لا یدخل مسجدنا ھذا مشرک بعد عامنا ھذا غیر اھل لکتاب وخدمھم ـ (۱۲۰)

﴿۴۵: حدیث﴾

﴿ادنیٰ درجہ کی تکریم بھی ممنوع﴾

ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں جابر بن عبداللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

نھی النبی ﷺ ان یصافح المشرکون اویکنوا او یرحب بھم ـ (۲۲۱)

فتاوی رضویہ اور آپ کے دوسرے رسائل میں احکام القرآن پر بڑی تفاصیل ملتی ہیں۔ بلکہ اگر کسی کو احکام القرآن میں پوری تحقیق و تدقیق دیکھنی مقصود ہو، تو فتاوی رضویہ اور آپ کی دوسری کتب اور رسائل کا مطالعہ کرے۔

آیت (لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم الایۃ) کی تفسیر بالحدیث کے مآخذ کتب حدیث، شروح حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہم: ۴۸ کتب ہیں، اور تفسیر باصولِ فقہ، فقہ اور تاریخ وغیرہ کے مآخذ ومراجع ۷۳ کتب ہیں، کل مآخذ ۱۲۱ کتب ہیں۔ مکمل تفصیل میرے مقالہ ﴿احمد رضا خان کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ﴾ میں ہے۔

حوالہ جات

(۱) القرآن، الفرقان، الآیت: ۳۳ ـ

(۲) القران، القیمۃ، الآیت: ۱۷ - ۱۹

(۳) الجامع الصحیح للترمذی مع عارضۃ الاحوذی، ۶/۸ ۶۔۶۹، حدیث: ۱۳۳۱۔ اور سنن الدارمی، ۱/۱۷۔۲۷، حدیث: ۱۶۸ اور (الترمذی، ابوداؤد اور دارمی) مشکوٰۃ مع شرح مرقات، ۷/۳۰۸۔۳۰۹، حدیث: ۳۷۴۷۔ اور جاء الحق، ۱/۴۳، مفتی احمد یار خان نعیمی، مکتبہ اسلامیہ لاہور۔

(۴) (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ، باب ماعلی الولاۃ اور ترمذی جلد اول شروع ابواب الاحکام اور دارمی) جاء الحق، ۱/۴۳۔

(۵) سنن الدارمی، ۱/۲۷

(۶) عارضۃ الاحوذی ۶/۷۲۔۷۳۔

(۷) القرآن، النحل، الآیت: ۴۴۔

(۸) شرح السنۃ، ۱/۲۰۲، البغوی، ابومحمد الحسین محی الدین والسنۃ بن مسعود، المکتب الاسلامی، اور شرح السنۃ، ۱/۱۳۹، دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

(۹) احکام القرآن ۳/۱۸۹، الجصاص الرازی، ابوبکر احمد بن علی، سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء، ثانیہ۔

(۱۰) تفسیر کبیر و مفاتیح الغیب، ۲۰/۳۹۔

(۱۱) تفسیر البحر المحیط، ۵/۴۱۴۔

(۱۲) روح المعانی، ۱۴/۱۵۰۔

(۱۳) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۱۰/۷۲۔

(۱۴) جاء الحق، ۱/۴۳۔۴۴۔

(۱۵) سنن الدارمی، ۱/۱۷، حدیث: ۱۲۷۔

(۱۶) سنن الدارمی، ۱/۱۷، حدیث: ۱۶۶۔

(۱۷) العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ ۱۹/۵۷۷-۵۷۸، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۱۸) تذکرہ: ۱/۱۴۴-۱۴۵۔

(۱۹) تدریب: ۱/۲۸۷۔

(۲۰) میزان الاعتدال: ۴/۱۹۵۔

(۲۱) العطایاالنبویہ فی الفتاوی الرضویہ ا/ ۷۰۴-۷۰۸،رضا فاؤنڈیشن لاہور۔
(۲۲) التاریخ الکبیر ۷/ ۴۶۵۔ دارالکتب العلمیہ ۔بیروت۔
(۲۳) میزان الاعتدال:۴/۴۱۲۔
(۲۴) العطایاالنبوی فی الفتاوی الرضویہ ۲/ ۹۳،رضافاؤنڈیشن لاہور۔
(۲۵) قرآن،سائنس اورامام احمد رضا،ص:۱۴-۱۵۔
(۲۶) امام سیوطی تدریب،۱/۵۳۔
(۲۷) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون،۱/ ۱۴-۱۸چلپی،مصطفیٰ بن عبداللہ حاجی خلیفہ کاتب،مکتبۃ المثنی بغداد۔
(۲۸) شاہ ولی اللہ نے ایک کا اضافہ کیا،فتاوی رضویہ،۵/ ۵۳۸-۵۴۵۔
(۹۲) سوانح اعلیٰ حضرت،ص:۳۴۳-۳۴۴۔
(۳۰) کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن اور دیگر معروف اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ ،قادری،پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ،مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔اسلام آباد ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔
(۳۱) قرآن،سائنس اورامام احمد رضا۔
(۳۲) القرآن،الانشقاق،الایۃ:۱۸-۲۰۔
(۳۳) کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن،ص:۱۰۷۔
(۳۴) القرآن الانشقاق الایۃ:۱۷،۱۸،۱۹،سائنس اورامام احمد رضا،ص: ۲۸۔
(۳۵) الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ،البریلوی احمد رضا۔
(۳۶) القرآن ، النحل :۸۰-۸۱، حیات الموات فی بیان اسماع الاموات ، البریلوی احمد رضا۔
(۳۷) القرآن ،الروم :۵۲-۵۳،حیات الموات فی بیان اسماع الاموات ، البریلوی احمد رضا۔
(۳۸) حیات الموات فی بیان اسماع الاموات،البریلوی احمد رضا۔
(۳۹) القرآن،الاحزاب،الایت:۵۶(الامن والعلی)فقیہ اسلام،ص: ۱۹۳-۱۹۴۔
(۴۰) فقیہ اسلام،ص:۱۹۳-۱۹۴۔
(۴۱) معارف رضا شمارہ ۸۶ء،ص:۱۵۳،۱۵۵،۱۵۷،ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔
(۴۲) معارف رضا شمارہ،دہم ۱۹۹۰ء ص:۶۰۔
(۴۳) القرآن،الانعام :۲۰،معارف رضا شمارہ ۸۶ء،ص:۱۵۳،۱۵۵، ۱۵۷،ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔
(۴۴) القرآن ،الرعد :۳،معارف رضا شمارہ ۸۶ء،ص:۱۵۳،۱۵۵،۱۵۷،ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔
(۴۵) القرآن ،الحدید :۱۹،معارف رضا شمارہ ۸۶ء،ص:۱۵۳،۱۵۵، ۱۵۷،ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔
(۴۶) القرآن ،الحدید :۱۹ ،معارف رضا شمارہ ۸۶ء،ص:۱۵۳،۱۵۵، ۱۵۷،ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔
(۴۷) معارف رضا شمارہ ۸۶ء،ص:۱۶۰-۱۶۲،ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔
(۴۸) الممتحنۃ،الایۃ:۸۔
(۴۹) الزمر،الآیۃ:۱۷-۱۸۔
(۵۰) رسائل رضویہ:۲/۹۱۔
(۵۱) حٰم السجدۃ،الایۃ:۲۶۔
(۵۲) یٰسین،الایۃ:۱۵۔
(۵۳) ص،الایۃ:۶۔
(۵۴) الکھف،الایۃ:۵۶۔
(۵۵) رسائل رضویہ:۲/۹۱۔
(۵۶) رسائل رضویہ:۲/۹۹۔
(۵۷) رسائل رضویہ:۲/۱۰۴۔
(۵۸) رسائل رضویہ:۲/۱۰۶-۱۰۷۔
(۵۹) رسائل رضویہ:۲/۹۹۔
(۶۰) رسائل رضویہ:۲/۱۰۶۔
(۶۱) رسائل رضویہ:۱۰۴-۱۰۵۔
(۶۲) رسائل رضویہ:۲/۱۰۶۔
(۶۳) رسائل رضویہ:۲/۱۲۲۔
(۶۴) رسائل رضویہ:۲/۱۲۸۔

(۶۵) رسائل رضویہ:۲/۱۲۹-۱۳۲۔

(۶۶) رسائل رضویہ:۲/۱۳۴۔

(۶۷) رسائل رضویہ:۲/۱۳۴-۱۳۵۔

(۶۸) رسائل رضویہ:۲/۱۰۷۔

(۶۹) رسائل رضویہ:۲/۱۰۸۔

(۷۰) رسائل رضویہ:۲/۱۱۳۔

(۷۱) رسائل رضویہ:۲/۱۱۴۔

(۷۲) القران

(۷۳) القران

(۷۴) رسائل رضویہ:۲/۱۱۷-۱۱۸

(۷۵) رسائل رضویہ:۲/۲۰۶۔

(۷۶) رسائل رضویہ:۲/۲۰۶-۲۰۷۔

(۷۷) رسائل رضویہ:۲/۱۱۹-۱۲۰۔

(۷۸) رسائل رضویہ:۲/۱۴۵۔

(۷۹) رسائل رضویہ:۲/۱۴۶۔

(۸۰) رسائل رضویہ:۲/۱۵۲۔

(۸۱) رسائل رضویہ:۲/۱۵۳۔

(۸۲) رسائل رضویہ:۲/۱۵۵۔

(۸۳) آلِ عمران، الایۃ:۱۱۸، رسائل رضویہ:۲/۱۵۵-۱۵۶۔

(۸۴) النساء، الایۃ:۱۳۹، رسائل رضویہ:۲/۱۵۷۔

(۸۵) آلِ عمران، الایۃ:۲۸، رسائل رضویہ:۲/۱۵۸۔

(۸۶) رسائل رضویہ:۲/۱۵۸۔

(۸۷) النساء، الایۃ:۸۹، رسائل رضویہ:۲/۱۵۹-۱۶۰۔

(۸۸) رسائل رضویہ:۲/۱۶۲۔

(۸۹) رسائل رضویہ:۲/۱۶۳-۱۶۴۔

(۹۰) رسائل رضویہ:۲/۱۶۴۔

(۹۱) رسائل رضویہ:۲/۱۶۴-۱۶۵۔

(۹۲) رسائل رضویہ:۲/۱۶۵۔

(۹۳) رسائل رضویہ:۲/۱۶۶۔

(۹۴) حاشیہ رسائل رضویہ:۲/۱۶۵۔

(۹۵) رسائل رضویہ:۲/۱۶۷۔

(۹۶) رسائل رضویہ:۲/۱۷۱۔

(۹۷) رسائل رضویہ:۲/۱۸۱-۱۸۲۔

(۹۸) رسائل رضویہ:۲/۱۶۷۔

(۹۹) رسائل رضویہ:۲/۱۶۹۔

(۱۰۰) رسائل رضویہ:۲/۱۶۶۔

(۱۰۱) رسائل رضویہ:۲/۱۶۹۔

(۱۰۲) رسائل رضویہ:۲/۱۶۶۔

(۱۰۳) رسائل رضویہ:۲/۱۶۹-۱۷۰۔

(۱۰۴) رسائل رضویہ:۲/۱۷۳-۱۷۴۔

(۱۰۵) رسائل رضویہ:۲/۱۷۷۔

(۱۰۶) رسائل رضویہ:۲/۱۷۰-۱۷۱

(۱۰۷) رسائل رضویہ:۲/۱۷۲۔

(۱۰۸) رسائل رضویہ:۲/۱۷۵-۱۷۶۔

(۱۰۹) رسائل رضویہ:۲/۱۷۷۔

(۱۱۰) رسائل رضویہ:۲/۱۷۷-۱۷۸۔

(۱۱۱) رسائل رضویہ:۲/۱۷۹۔

(۱۱۲) رسائل رضویہ۲/۱۸۰۔

(۱۱۳) التوبہ، الایۃ:۲۸، ۱۸۵

(۱۱۴) البینۃ، الایۃ:۶، رسائل رضویہ:۲/۱۸۵۔

(۱۱۵) رسائل رضویہ:۲/۱۸۹۔

(۱۱۶) التوبہ، الایۃ:۶، رسائل رضویہ:۲/۱۹۰۔

(۱۱۷) رسائل رضویہ:۲/۱۸۹۔

(۱۱۸) رسائل رضویہ:۲/۱۹۰-۱۹۱۔

(۱۱۹) حاشیہ رسائل رضویہ:۲/۱۹۰-۱۹۱۔

(۱۲۰) رسائل رضویہ:۲/۱۹۲۔

(۱۲۱) رسائل رضویہ:۲/۱۹۴۔

توحید اور فکر رضا

علامہ محمد حنیف خاں رضوی بریلوی*

الحمد للمتوحد بجلالہ المتفرد

وصلاتہ دوما علی خیر الانام محمد

عالم اپنے تمام اجزا کے ساتھ حادث ومخلوق ہے، اہل اسلام کے علاوہ ہر زمانہ میں دوسرے مذاہب کے عقلا اور دانشمند بھی اس بات کے معتقد رہے، اور آج بھی معدودے چند کو چھوڑ کر سبھی اس بات کو جانتے اور مانتے ہیں۔

اس امر پر اتفاق کے بعد ضروری ہے کہ اس بات کو بھی تسلیم کیا جائے کہ کوئی اس کا صانع اور خالق ہے، جس نے اس کو پردۂ عدم سے نکال کر وجود بخشا اور نیست سے ہست کیا، اسی لئے اہل اسلام کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ ہے کہ یہ عالم اپنے وجود وبقا میں کسی ایسی ہستی کا محتاج ہے جس کا وجود ضروری ہے، اور اس پر عدم محال ہے، کیونکہ جس نے وجود بخشا اگر وہ خود ہی صفت عدم کا صانع ہوگا تو پھر وہ اپنی حد ذات میں بھی کسی کا محتاج نظر آئے گا اور یہ اس کے صانع اور خالق ہونے کے منافی ہے۔

چونکہ صانع عالم کا وجود واجب ہے اور وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں، اسی طرح وہ واحد بھی ہے کہ تخلیق عالم میں کوئی اس کا سہیم وشریک نہیں، نہ اختیاراً اور نہ مجبوراً۔ اہل اسلام اسی لئے جہاں اس کے وجود کو ضروری مانتے ہیں وہیں اس کو اپنی ذات وصفات میں تنہا اور یکتا جانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس پر عیان وبرہان سب شاہد ہیں۔

قرآن کریم بہت سے مقامات پر اس کی نشاندہی فرماتا اور خالق عالم کے واجب الوجود اور یک وتنہا ہونے کی معرفت حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم ٥ ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وماانزل اللہ من السماء من ماء فاحیابہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون٥[1]

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا مہربان، بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات ودن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان وزمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔ (کنز الایمان)

مطلب واضح ہے کہ وجود واجب کو جاننے کے لئے کسی ایسی دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں جس تک رسائی صرف اہل نظر وفکر ہی کو حاصل ہے، بلکہ قرآن کریم نے ایسے دلائل کو پیش فرمایا جو کائنات کے کھلے صفحات پر جلی قلم سے ثبت اور تحریر ہیں، اور یہ ایسے واضح اور روشن ہیں کہ ہر شخص اپنی استعداد وقابلیت کے مطابق بآسانی سمجھ سکتا ہے، ان دلائل میں سنجیدگی کے ساتھ جو شخص بھی غور وفکر کرے گا وہ یقین وآگہی اور اعتقاد وتصدیق کی روایت سے مالا مال ہوگا۔

تفسیر ضیاء القرآن سے ایک دلچسپ وضاحتی اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"آسمان کی نیلی وسیع چھت اس میں لٹکے ہوئے ان گنت ستارے،

☆ پرنسپل جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج، بریلی شریف، انڈیا۔

چاند اور سورج، پھر ان کا مقررہ وقت پر طلوع وغروب جن میں ایک سیکنڈ کے برابر کبھی فرق نہیں ہوتا، ان کی گردش کے متعین راستے جس سے سورج کا کبھی انحراف نہیں ہوتا، زمین کا یہ کشادہ صحن، اس میں رواں دواں ندیاں اور دریا، رات دن کی پہروں گردش، ان کا بڑھنا گھٹنا، بیکراں سمندروں کے سینوں پر مسافروں سے بھری اور سامان سے لدی ہوئی کشتیاں اور جہازوں کا خراماں خراماں آنا جانا، گھنگور گھٹائیں اور ان کا موسلا دھار برسنا، پھر مردہ زمین کا دیکھتے دیکھتے سر سبز وشاداب ہوجانا، کرۂ ہوا میں بادلوں کا منڈلاتے پھرنا، کبھی برسنا اور کبھی ترساتے ترساتے آن واحد میں ناپید ہوجانا۔ ایسی چیزیں تو نہیں جسے عالم تو جانتے اور بے علم نہیں جانتے ہوں۔ جسے دانشمند سمجھ سکتے ہوں اور کم عقل کی سمجھ سے بالاتر ہوں، بلکہ کائنات کی کتاب کا ہر ورق ہر کہہ ومہہ کے لئے یکساں طور پر روشنی کا مینار ہے، اور اس کے باوجود لطف یہ ہے کہ اتنا واضح ہونے کے باوجود اتنا سطحی بھی نہیں کہ اہل فکر ودانش کے لئے اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہ ہو۔ بلکہ انہیں دعوت ہے کہ اپنے نشتر تحقیق سے ذرّے کا دل چیریں اور دیکھیں کہ ان میں اسرار ورموز اور قوت وطاقت کے وہ سمندر موجزن ہیں جن کا انہیں تصور تک نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ہر لحہ مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کا ذکر فرمانے کے بعد قرآن نے بارہا ''افلا تتفکرون، افلا تتدبرون'' کے جملے ارشاد فرمائے، کیا تم غور نہیں کرتے، کیا تم تدبر نہیں رکھتے۔ اور ان چبھتے ہوئے فقروں سے اہل خرد ودانش کو للکارا ہے۔ کاش! یہ الفاظ اس اُمت کے نوجوانوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کردیں جن کی آسمانی کتاب نے انہیں واضح طور پر بتادیا ہے۔

هو الذی خلق لکم مافی الا رض جمیعا.[۲]

ان ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ (کنزالایمان)

وہی روزمرہ دکھائی دینے والی چیزوں میں اگر آپ غور کریں گے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ تنوع میں یکسانیت، اختلاف میں توافق، کثرت میں وحدت اور یہ بے مثال نظم وضبط بغیر کسی علیم وحکیم اور قدرت والے خالق کے ظہور پذیر نہیں ہوسکتا، لیکن یہ روشن دلیلیں صرف ان کو فائدہ دیتی ہیں جن کی عقل کی آنکھ بینا ہے اور جو اس سے کام لینا پسند کرتے ہیں۔[۳]

توحید واجب کی ایک عظیم وجلیل دلیل یہ بھی ہے کہ اگر اس کا کوئی شریک ہوتو خلق عالم اور اس کی بقا میں یہ حسن نظام ہرگز برقرار نہ رہ سکے اور عالم تہ وبالا ہوجائے۔ قرآن حکیم نے اس کی بھی نشاندہی فرمائی:

لو کان فیهما آلهة الا الله لفسد تا.[۴]

اگر آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ (آسمان وزمین) تباہ ہوجاتے۔ (کنزالایمان)

علما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دو دلیلیں وجود واجب کی وحدت بتارہی ہیں، اول اشارۃً ہے، اس کا نام برہان تمانع ہے اور یہ قطعی ہے۔ دوسری عبارۃً، اس کو خطابی وعادی کہتے ہیں۔ بعض نے اس کو ظنی کہا: جیسے علامہ سعد الدین تفتازانی اور بعض نے اس کو بھی قطعی بتایا جیسے امام ابن ہمام وغیرہ۔[۵]

اس آیت مبارکہ میں جتنا غور کیا جائے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی توحید پر یقین محکم اور ایمان پختہ ہوگا۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ایک ملک میں دو فرماں روا اور بادشاہ ہوں اور ان کے اختیارات بھی مساوی درجہ رکھتے ہوں تو پھر وہ ملک تباہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ایسی بات ہے کہ جس کو ہر لکھا پڑھا بھی جانتا ہے اور وہ ان پڑھ جاہل بھی جس کی عمر سیاسی ہنگاموں سے دور جنگلوں اور کوہستان میں جانور چرانے میں بسر ہوئی ہے۔

تو اس سے کہیں بڑھ کر الٰہ یعنی خدا کے بارے میں سوچو، کیونکہ الٰہ سے مراد وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہو، تمام صفات کمال سے متصف اور جملہ عیوب ونقائص سے پاک ہو، ایسے دو یا زیادہ الٰہ کا وجود نہ تو ممکن ہے اور نہ متصور۔ یعنی ایک سے زائد خدا مان لئے جائیں تو ان کی باہمی حیثیت کیا ہوگی؟ اگر سب ناقص ہیں تو محتاج ہوئے اور یہ بلاشبہ الوہیت کے منافی۔ اور ایک کامل ہو اور دوسرے سب ناقص تو یہ

اس دائرہ ہی سے خارج۔ اور اگر سب با اختیار اور قدرت وارادہ میں مستقل تو ان میں باہمی اختلاف لازم، جو فساد نظام کا موجب ہوگا۔

ہاں کوئی یہ فرض کر لے کہ سب نے آپس میں مصالحت کر لی ہے اور باہمی اتفاق سے نظام کائنات چل رہا ہے، تو سوال یہ ہوگا کہ کیا ان میں ایک تنہا وہ کام انجام دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر باقی کی ضرورت ہی نہیں، تو ان کو کسی طرح دخل کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی، لہذا یہ سب معطل ہوں گے اور یہ ربوبیت کے منافی اور ایک اکیلا انجام نہیں دے سکتا تو پھر عاجز و مجبور ہوا اور اس کا منافی الوہیت ہونا ظاہر و باہر۔

غرض کہ الٰہ کا مفہوم ذہن نشین کرنے کے بعد آیت میں غور کیا جائے تو عقل وفہم کی دنیا میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ آیت اس بات کی وضاحت فرما رہی کہ مشاہدہ اہل عالم اس بات پر گواہ ہے کہ نظام عالم استوار راہوں پر گامزن ہے تو پھر بلاشبہ چند آلہہ کا وجود منتفی اور محال ہے اور ایک معبود کا وجود ضروری۔ جس کی الوہیت کاملہ تمام عالم کو محیط ہے اسی لئے قرآن کریم نے دوسرے مقام پر فرمایا:

یاایھا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقونo الذی جعل لکم الا رض فراشاًو السمآء بنآءً وانذل من المسمآء مآء فاخرج به من الثمرات رزقالکم ، فلا تجعلوالله اند اداو انتم تعلمون o ۲۲

اے لوگو! اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا، یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے، جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے کھانے کو، تو اللہ کے لئے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ۔ (کنزالایمان)

ان آیات میں توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال قائم کیا جا رہا ہے، نعمت ایجاد و بقا کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ وہ وحدہ لا شریک ہے، یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو، کیونکہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا، اگر وہ کرم نہ فرماتا تو تم عدم کی دنیا سے وجود کی دنیا میں کیسے آسکتے تھے، پھر اس نے مزید کرم یہ فرمایا کہ تمہیں پیدا کر کے تمہارے آرام وآسائش اور حیات وبقا کے سارے سامان خود فراہم کر دیئے، اگر وہ تمہیں صرف پیدا کر کے چھوڑ دیتا اور اپنے لطف وعنایت سے تمہارے رزق اور آسائش کا انتظام نہ فرماتا تم پیدا ہوتے ہی ہلاک ہو جاتے۔ اب جب کہ تمہارا وجود بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے، اور تمہاری زندگی اور بقا بھی اسی کی نظر رحمت کی محتاج ہے اور کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں، لہذا ایجاد وربوبیت میں وہ وحدہ، لاشریک ہے تو الوہیت میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے۔

چنانچہ جب "لاخالق الا اللہ" اور "لارب الا اللہ" کو تسلیم کرنے میں انکار کی گنجائش نہیں تو لامحالہ "لا الہ الا اللہ" پر بھی یقین راسخ ہو جائے گا۔ تو ثابت ہوا کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات پاک ہے جو ہر لحاظ سے وحدہ، لاشریک ہے۔

توحید کے نازک اور پیچیدہ مسئلہ پر قرآن کا استدلال آپ نے ملاحظہ فرمالیا، کتنا فطری، کتنا سادہ ہے، اس کے باوجود کتنا موثر اور یقین پرور ہے۔ ایک ان پڑھ عامی، ایک عالم، ایک محقق اور اسرار کائنات کے سمندر کا ماہر غواص سب یکساطور پر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں فلسفہ وحکمت کے صحائف میں توحید کے دلائل پڑھئے، موشگافیوں، پیچیدہ اصطلاحات، مقدمات کی ترتیب کا پریشان کن چکر آپ کو مرعوب تو کر دے گا، لیکن یقین کی دولت سے آپ کا دامن خالی ہی رہے گا۔ یہی قرآن کا اعجاز ہے جس نے چودہ صدیوں سے دانشوران عالم کو حیرت واستعجاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ے

اس تمہید سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اہل اسلام کے یہاں توحید کے دلائل ان حقائق پر مبنی ہیں جو شکوک وشبہات سے بالاتر ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ توحید کی یہ دولت خاص اسلام ہی کا حصہ ہے، ورنہ مختلف ادیان ومذاہب اور نوزائیدہ مکاتیب فکر جو

توحید کے علم بردار ہیں ان کی توحید۔ ع

نام ہی نام ہے جو کچھ ہے حقیقت کے سوا.........کا مصداق ہے

امام احمد رضا قدس سرہ الغریز کا دور ایسا پُرفتن دور تھا کہ اسلام کو غیروں سے زیادہ کلمہ گو نقصان پہونچانے کے درپے تھے، توحید و رسالت پر حملے کئے جا رہے تھے، قرآن وحدیث کے خلاف توحید و رسالت کا نظریہ لوگوں نے اپنی اپنی خواہشات کے مطابق گڑھ لیا تھا اور اس کا خوب پرچار کیا جا رہا تھا۔ بلکہ تنقیص رسالت کو بہت سے لوگوں نے خالص توحید کا نام دیکر الگ ہی راگ الاپ رکھا تھا۔

امام احمد رضا نے منصب رسالت کی عظمتوں سے تو لوگوں کو آگاہی بخشی ہی لیکن ساتھ ہی انہوں نے عقیدۂ توحید کی ایسی ترجمانی فرمائی جو قرآن وحدیث کی عمدہ تعبیر وتشریح اور اہل حق کی فکر ونظر کی صحیح عکاس تھی۔ آپ نے تمام لوگوں کو متوجہ فرما کر ایک اعلان عام سنایا:

جانا جس نے جانا، اور جس نے نہ جانا وہ اب جانے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کو جاننا بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، کوئی کافر کسی قسم کا ہو ہرگز اسے نہیں جانتا، کفر کہتے ہی جہل باللہ کو ہیں۔

یہاں ناواقفوں کو ایک شبہ گذرتا ہے جس کا جواب کاشف صواب ورافع حجاب والتوفیق من اللہ الوہاب۔

تقریر شبہ: کافروں کے صدہا فرقے اللہ تعالیٰ کو جانتے بلکہ مانتے بھی ہیں۔

فلاسفہ تو اس کی توحید پر دلائل قائم کرتے ہیں، یہود ونصاریٰ توراۃ وانجیل، اور مجوس اپنے زعم میں ژند واستا کو اسی کا کلام جان کر اعتقاد رکھتے ہیں۔

آریہ اگرچہ وید کو اس کا کلام نہیں جانتے مگر بزعم خود اسی کا الہام مانتے اور اسی کو مالک وخالق کل اعتقاد کرتے اور توحید کا محض جھوٹا دم بھرتے ہیں، ہنود وغیرہ بت پرست تک کہتے ہیں کہ سارے جہان کا مالک، سب خداؤں کا خدا ایک ہی ہے، عرب کے مشرک کہا کرتے تھے۔

ما نعبد هم الا ليقر بو نا الى الله زلفاً۔ ۸

ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں۔ (کنز الایمان)

اور لبیک میں کہا کرتے:

لبیک لا شریک لک الا شریکاً هو لک تملکه وما ملک۔ ۹

ہم تیری خدمت کو حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک کہ تیرا ہی مملوک ہے، تو اس کا بھی مالک اور اس کی مِلک کا بھی مالک۔

جب وہ ''لا شریک لک'' تک پہونچتے کہ تیرا کوئی شریک نہیں، حضور اقدس ﷺ فرماتے:

ویلکم قِدِ قِد۔ ۱۰

تمہیں خرابی ہو، بس بس، یعنی آگے نہ بڑھو، استثنانہ گڑھو۔

رب عزوجل فرماتا ہے:

ولئن سألتم من خلق السموات والارض ليقولن الله۔ ۱۱

اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ (کنز الایمان)

اور کلمہ گو فرقوں میں جو مرتد ہیں، وہ تو نبی وقرآن سبھی کو جانتے، **قال الله وقال الرسول** سے سند لاتے، نمازیں پڑھتے، روزے رکھتے ہیں۔ جیسے قادیانی، نیچری، چکڑالوی، رافضی، وہابی، دیوبندی، غیر مقلد خذلہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

پھر کیونکر کہا جائے کہ یہ اللہ عزوجل کو جانتے ہی نہیں؟ ہاں نرے دہریوں کی نسبت یہ کہنا ٹھیک ہے جو اللہ کو مانتے ہی نہیں۔

تقریر جواب بعون الوہاب، اقول وباللہ التوفیق۔ ایجاب وسلب متناقض ہیں، جمع نہیں ہو سکتے۔ وجود شی اُس کے لوازم کے وجود کا مقتضی اور ان کے نقائض ونافیات کا نافی ہے۔ کہ لازم کا منافی موجود ہو تو لازم نہ ہو، اور لازم نہ ہو تو شی نہ ہو تو ظاہر ہوا کہ سلب شیٔ کے تین طریقے ہیں

''اول'' : خود اس کی نفی، مثلاً کوئی کہے: انسان ہے ہی نہیں۔

''دوم'' : اس کے لوازم سے کسی شئی کی نفی، مثلاً کہے: انسان تو ہے لیکن وہ ایک ایسی شئی کا نام ہے جو حیوان یا ناطق نہیں۔

''سوم'' : اس کے منافیات سے کسی شئی کا اثبات، مثلاً کہے: انسان حیوان ناہق یا صاہل سے عبارت ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں پچھلوں نے اگر چہ زبان سے انسان کو موجود کہا، مگر حقیقۃً انسان کو نہ جانا، وہ اپنے زعم باطل میں کسی ایسی چیز کو انسان سمجھے ہوئے ہیں جو ہرگز انسان نہیں، تو انسان کی نفی اور اس سے جہل میں یہ دونوں اور وہ پہلا جس نے سرے سے انسان کا انکار کیا سب برابر ہیں، فقط لفظ میں فرق ہے۔[۱۲]

اس عبارت میں امام احمد رضا نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اہل اسلام کے سوا جو بھی خدا کو جاننے کا دعوی کرتا ہے وہ جہل مرکب کا شکار ہے، درحقیقت خدا جس ذات اقدس کا نام ہے اس کی معرفت سے سب کے دامن خالی ہیں۔ اور جب ایسا ہے تو پھر ان کی توحید اسلامی توحید نہیں، کیونکہ یہ توحید تو اپنے مفہوم میں خاص طور پر یہ معنی بھی رکھتی ہے کہ مولیٰ عزوجل کو صفات کمالیہ سے متصف ماننے کے ساتھ عیوب و نقائص سے منزہ مانا جائے، بلکہ ان صفات سے بھی پاک تصور کیا جائے جو اپنے اندر نہ کمال رکھتی ہوں اور نہ نقصان۔ انہیں چیزوں کی نشاندہی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

مولیٰ عزوجل کو جمیع صفات کمال لازم ذات، اور جمیع عیوب ونقائص اس پر محال بالذات کہ اس کے کمال ذاتی کے منافی ہیں، کفار میں ہرگز کوئی نہ ملے گا جو اس کی کسی صفت کمالیہ کا منکر، یا معاذ اللہ اس کے عیوب ونقائص کا مثبت نہ ہو، تو وہ اگر قسم اول کے منکر ہیں کہ نفس وجود سے انکار رکھتے ہیں، باقی سب کفار دو قسم اخیر کے منکر ہیں، کہ کسی کمال لازم ذات کے نافی یا کسی عیب منافی ذات کے مثبت ہیں بہر حال اللہ وجل کو نہ جاننے میں وہ اور دہریے برابر ہوئے، وہی لفظ وطرز ادا کا فرق ہے۔ دہریوں نے سرے سے انکار کیا، اور ان قہریوں نے اپنے اوہام تراشیدہ کا نام خدا رکھ کر لفظ کا اقرار کیا۔ مولی سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

افرأیت من اتخذ الٰہ ھوٰہ۔[۱۳]

بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا۔ (کنزالایمان)

ولھذا کریمۂ لیقو لن اللہ کے تتمہ میں ارشاد ہوا:

قل الحمد للہ بل اکثر ھم کا یعلمون۔[۱۴]

تم فرماؤ سب خوبیاں اللہ کو بلکہ ان میں اکثر جانتے نہیں۔ (کنزالایمان)

قل الحمد للہ، تم کہو حمد اللہ کو، کہ اس کے منکر بھی ان صفات میں اسی کا نام لیتے ہیں، اپنے معبودان باطل کو اس لائق نہیں جانتے، مگر کیا اس سے کوئی یہ سمجھے کہ وہ اللہ کو جانتے ہیں، نہیں نہیں **بل اکثر ھم لا یعلمون**. بلکہ اکثر اسے جانتے ہی نہیں۔

ان ھم الا یخر صون۔[۱۵]

وہ تو یوں ہی اپنی سی اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ جیسے اور بہتیرے معبود گڑھ لئے کہ **ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و آبائکم، ماانزل اللہ بھا من سلطن۔**[۱۶]

وہ تو نرے نام ہیں کہ تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے دھر لئے، اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری۔ (کنزالایمان)

یونہی اپنی اندھی اٹکل سے ایک سب سے بڑی ہستی خیال کر کے اس کا نام اللہ رکھ لیا ہے حالانکہ وہ اللہ نہیں، کہ جس کی صفات اسے بتاتے ہیں اللہ عزوجل ان سے بہت بلند وبالا ہے۔ **تعالیٰ اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا ٥ سبحان رب العرش عما یصفون٥**[۱۷]

امام احمد رضا نے تمام مدعیان توحید کے نظریات کو طشت ازبام فرمایا اور ان کے معتقدات سے ثابت کر دیا کہ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ رب العزت جل مجدہ کو کما حقہ جانتا اور مانتا ہو۔ خواہ وہ فلاسفہ

ہوں یا ہنود، نصاری ہوں یا یہود، مجوس ہوں یا چکڑالوی، نیچری ہوں یا قادیانی، رافضی ہوں یا وہابی، غیر مقلد ہوں یا دیوبندی۔ یا ان کے علاوہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے دیگر فرقے، سب کے یہاں توحید الوہیت وربوبیت کے ساتھ خداوند قدوس کی شان اقدس میں ایسے عقائد کی تصریح موجود ہے جو ان دونوں کے منافی ہیں۔ آپ نے ہر ایک کو تفصیل سے بیان فرمایا جس کا اختصار کچھ اس طرح ہے۔

فلاسفہ کا تصور الہٰ: فلاسفہ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو صرف ایک عقل اول کا خالق ہے دوسری چیز بنا ہی نہیں سکتا۔ تمام جزئیات عالم سے جاہل ہے۔ اپنے افعال میں مختار نہیں، سب کو معدوم کر کے پھر بنا ہی نہیں سکتا۔ لہذا حشر اجساد کے منکر ہیں، آسمان اس نے نہ بنائے بلکہ عقول نے، اور ایسے مضبوط گڑھے کہ فلسفی خدا انہیں شق نہیں کر سکتا، لہذا قیامت کے منکر ہیں وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ حاشا للہ، سبحان رب العرش عما یصفون.

آریہ کا تصور الہٰ: آریہ ایسے کو ایشور (خدا) کہتے ہیں جس کے برابر ہم عمر اور واجب الوجود اور ہیں، روح اور مادہ: ایشور نہ ان کا خالق اور نہ ان کا مالک اور ناحق ناروا انہیں دبا بیٹھا۔ ان پر ظالمانہ حکم چلا رہا ہے۔ ایسے کو جس کا اصلاً کوئی ثبوت نہیں، آریہ نے زبردستی مان رکھا ہے، جب روح ومادہ بے کسی کے بنائے آپ ہی ازل سے موجود ہیں تو کیا آپ ہی اپنا میل نہیں کر سکتے۔ ایسے کو جو ماں رکھتا ہے اور وہ اس کی جان کی حفاظت کرتی ہے، تو باپ بھی ضرور ہوگا، کہ خود آریہ ولادت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پر کہتے ہیں کہ بے باپ ولادت نرا مضحکہ ہے۔ جب ایشور کے ہوتے ہوئے بے باپ ولادت نہیں ہوسکتی، تو جب ایشور بھی نہ تھے تو ان کی ماتا آپ سے کیسے گربھ لاتی۔ کیا انہوں نے خدا کو جانا۔ حاشاللہ، سبحان اللہ رب العرش عما یصفون.

مجوس کا تصور الہٰ: مجوس ایسے کو خدا کہتے ہیں جس کے برابر کی چوٹ کا دوسرا خالق شیطان ہے، پھر بعض کے نزدیک تو شیطان اس کا مخلوق ہی نہیں، اسی کی طرح واجب الوجود ہے، خود بخود موجود ہے، جب تو شیطان کا اس کے مقابل وہمسر ہونا ظاہر اور جن کے نزدیک وہ بھی اسی سے پیدا ہوا وہ اور سخت اعجوبہ ہے، یزداں سے کوئی جزئی شر تو اس لئے نہ بن سکا کہ وہ خیر محض ہے، اس سے شر کیونکر پیدا ہو، مگر اہرمن کہ ہر شر کی جڑ اور کلی شر ہے اس سے پیدا ہو گیا، اور جب سب شر اہرمن سے پیدا ہیں اور اہرامن یزداں سے، تو جملہ شرور کا ٹیکا یزداں ہی کے ماتھے رہا۔ ایسے کو جسے بیٹھے بٹھائے ایک دن فکر ہوئی کہ اگر کوئی میرا مخالف ہو تو کیسا ہو، اس خیال فاسد سے ایک دھواں اٹھا جو شیطان بنا اور اس نے قوت پکڑی یہاں تک کہ لشکر جوڑ کر یزداں کے مقابل ہوا، مجوس کا یزداں اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگا اور جنت میں قلعہ بند ہوا، اہرمن تین ہزار برس جنت کا محاصرہ کئے رہا، یزداں طول محاصرہ سے عاجز آچکا تھا قہراً قبول کیا، اور اب اس سے دعا فضول، کہ وہ دنیا کی سلطنت سے معزول۔ کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ حاشاللہ، سبحان رب العرش عما یصفون.

یہود کا تصور الہٰ: یہود ایسے کو خدا کہتے ہیں جو آسمان وزمین بنا کر اتنا تھکا کہ عرش پر جا کر پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹ گیا۔ ایسے کو جو ان میں بعض کے نزدیک عزیر کا باپ ہے۔ ایسے کو جو ایک حکم دے کر اس کا پابند ہو جاتا ہے، زمانہ ومصالح کتنے ہی بدلیں اس کے بدلے دوسرا حکم نہیں بھیج سکتا، لہذا نسخ کے منکر ہیں اور شریعت موسوی کو ابدی کہتے ہیں اور اس طرح کذب کا افترا اپنے معبود کے سر دھرتے ہیں۔ ایسے کو جس نے آپ ہی قوم نوح پر طوفان بھیجا، پھر اپنی اس حرکت پر ایسا نادم ہوا اور اتنا رویا کہ آنکھیں دکھ آئیں، نسخ تو پچتانا ٹھہر کر محال، حالانکہ اسے پچتانے سے کوئی تعلق نہیں، رات کو دن کرتا ہے پھر دن کو رات کر دیتا ہے کوئی مجنون ہی اسے پچتانا کہے، جب احکام تکوینیہ میں یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں کون مانع ہے، خیر وہ تو پچتانے کے خوف سے نہ بدل سکے مگر آدم کو پچتایا، اور طوفان بھیج کر تو پچتانے کا وہ طوفان آیا کہ جس نے رلا رلا کر یہ..............

ایسے کو جس نے یہودی کے لئے اس کی سگی بہن حلال کی اور تورایت میں اس کی حرمت غلط لکھ دی، اس لئے کہ شریعت آدم میں یقیناً حلت تھی، اب حرام کرے تو منسوخی حکم سے پچتانا ٹھہرے۔ ایسے کو جس نے خلیل واسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول کی اور ان سے کہا: میں نے اسمٰعیل و اولاد اسمٰعیل کو برکت دی اور تمام خیر وخوبی ان میں رکھی عنقریب تمام امتوں پر انہیں غالب کردونگا اور ان میں انہیں میں سے اپنا رسول اپنے کلام کے ساتھ بھیجونگا۔ پھر کیا کچھ نہیں بلکہ ان کا عکس کیا جو یہود بکتے ہیں۔ ایسے کو کہ نہ تورات اس کی کتاب، نہ موسیٰ سے اس کا کلام، یہ سارے کرشمے ایک فرشتے کے ہیں۔ کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ **حاشا لله ،سبحان ربّ العرش عما یصفون.**

نصاریٰ کا تصورالہٰ:۔ نصاریٰ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے، اور مزہ یہ ہے کہ اس کے بھائیوں کا بھی باپ ہے، اس کے شاگردوں کا باپ ہے، ہر عیسائی کا باپ ہے، پھر ہر مصلح کا باپ ہے، خود آدمیوں کے باپ آدم کا باپ ہے، تو ہر بشر کا باپ ہے، یہاں تک کہ حکم ہے کہ زمین پر ہر کسی کو اپنا باپ مت کہو، کیونکہ تمہارا ایک ہی باپ ہے جو آسمان پر ہے، یہ کچھ تو نات بودہ پھیلی ہوئی ہے اور پھر اکیلا مسیح اس کا اکلوتا۔ ایسے کو جو اپنے اکلوتے کو سولی سے نہ بچا سکا۔ ایسے کو جب اس کا بے گناہ اکلوتا یہاں کی مصیبت جھیل کر، ہاں ہاں، عیسائیوں کا خدا مخلوق کی مار سے دم گنوا کر باپ کے پاس گیا، اس نے اکلوتے کی یہ عزت کی، اس کی مظلومی و بے گناہی کی یہ داد دی کہ اسے دوزخ میں جھونک دیا، اوروں کے بدلے اسے تین دن جہنم میں بھونا، ایسے کو جو روٹی اور گوشت کھاتا ہے اور سفر سے آکر اپنے پاؤں دھلوا کر درخت کے نیچے آرام کرتا ہے، درخت اونچا اور وہ نیچا ہے۔ ایسے کو جو فقط زندوں کا خدا ہے مردوں کا نہیں، جو جو مرتے جاتے ہیں اس کی خدائی سے نکلتے جاتے ہیں، جب دیکھا کہ میں اس پر غالب نہیں آتا اس کے پاؤں کی نس چڑھا کر کمزور کیا۔ وغیرہ وغیرہ ملعونہ، کیا انہوں نے خدا کو جانا۔ **حاشالله، سبحان الله ربّ العرش عما یصفون .**

نیچریوں کا تصورالہٰ: نیچری ایسے کو خدا کہتے ہیں جو نیچری کی زنجیروں میں جکڑا ہے، اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا، اور نیچر بھی اتنا جو نیچری کی سمجھ میں آئے جو اس کی عقل ناقص سے روا ہے معجزہ ہو یا قدرت سب پادر ہوا ہے ۔ ایسے کو جس نے (خاک بدھن ملعوناں) جھوٹا دین اسلام بھیجا کہ اس میں باندی غلام حلال کیا، اور وہ دین جس میں باندی غلام بنانا حلال ہوا ہو نیچری کے نزدیک خدا کی طرف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ایسے کو جس نے مدتوں اسلام میں اپنی خلاف مرضی باتیں ناپاک چیزیں، اصلی ظلم، ٹھیٹ ناانصافی، روا رکھیں۔ ایسی بدباتیں، بہائم کی حرکتیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات مانی نہیں جاسکتی کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو اس میں ایسے امور جائز ہوں۔

ایسے کو جو ان سخت ظالموں، ٹھیٹ ناانصافوں، جانور سے بدتر وحشیوں کو جن کا چھوٹا بڑا اول سے آج تک ان ناپاکیوں پر اجماع کئے ہوئے ہے خیرالامم کا خطاب دیتا اور اپنے چنے ہوئے بندے کہتا ہے۔ ایسے کو جس نے کہا تو یہ کہ روشن آیتیں بھیجتا ہوں، تمہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہوں، اور کیا یہ کہ جو کہی کہہ مکرنی کہی، تمثیل، داستان، پہیلیاں، چیستاں، لفظ کچھ مراد کچھ، جولغۃً عرفاً کسی طرح اس کا مفہوم نہ ہو، آسمان، جن، شیطان، بہشت، دوزخ، حشر اجساد، معراج، معجزات، سب باتیں بتائیں، اور بتائیں بھی کیسی ایمانیات ٹھہرائیں، اور من میں یہ کہ درحقیقت یہ کچھ نہیں، یوں ہی طوطا مینا کی سی کہانیاں کہہ سنائیں، وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ، کیا انہوں نے خدا کو جانا؟ **حاشا لله، سبحاب ربّ العرش عما یصفون .**

چکڑالوی کا تصورالہٰ: چکڑالوی ایسے کو خدا کہتا ہے کہ جس کے رسول کی قدر ایک ڈاکئے زیادہ نہیں، جس نے اپنے نبی کا اتباع کچھ نہ رکھا، ایسے کو جس نے کہا تو یہ کہ میری کتاب میں ہر شئی کا روشن بیان ہے۔ ہر چیز کی پوری تفصیل ہے، ہم نے اس میں کوئی بات اٹھا نہ رکھی، اور حالت یہ کہ نماز فرض اور یہ بھی نہ بتایا کہ کتنے وقت کی، یہ بھی نہ بتایا

کہ ہر وقت میں کتنی رکعتیں، یہ بھی نہ بتایا کہ اس کے پڑھنے کی ترکیب کیا ہے۔ سب سے بڑا فرض ایمان اس میں تو یہ گول مجمل بے سود بیان جس سے کچھ پتہ ہی نہ چلے، اور دعوی وہ ہے کہ جملہ اشیاء کا روشن بیان، مزہ یہ کہ متواترات کی جڑ کاٹ دی کہ سوا میری کتاب کے کچھ حجت نہیں، اپنی کتاب کیا وہ خود ہمارے ہاتھ میں دے گیا، یہ بھی تو ہم کو تواتر سے ملی، جب تواتر حجت نہیں، یہ بھی حجت نہیں، غرض ایمان اسلام سب برباد ونا کام وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ کیا اس نے خدا کو جانا؟ **حاشالله، سبحان رب العرش عما یصفون.**

قادیانی کا تصور الٰہ: یہ ایسے کو خدا کہتا ہے جس نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی کیا، ان سے جھوٹی پیشین گوئیاں کہلوائیں، جس نے ایسے کو ایک عظیم الشان رسول بتایا جس کی نبوت پر اصلا دلیل نہیں، بلکہ اس کی نفی نبوت پر دلائل قائم، جو (خاک بدہن ملعونان) ولد الزنا تھا۔ ایسے کو جس نے ایک بڑھئی کے بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا، کہ ہم نے بن باپ کے بنایا۔ اور اس پر فخر کی جھوٹی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے۔ ایسے کو جس نے ایک بدچلن عیاش کو اپنا نبی کہا جس نے ایک یہودی فتنہ گر کو اپنا رسول کر کے بھیجا جس کے پہلے ہی فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ یہ ہے قادیانی اور اس کا ساختہ خدا، کیا وہ خدا کو جانتا تھا یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں؟ **حاشالله، سبحان رب العرش عما یصفون.**

رافضیوں کا تصور الٰہ: ایسے کو خدا کہتے ہیں جو حکم کر کے پچھتاتا ہے۔ جو مصلحت سے جاہل رہ کر ہر ایک حکم کرتا ہے جب مصلحت کا علم آیا اسے بدل دیتا ہے۔ ایسے کو جو وعدہ کا جھوٹا یا بندوں سے عاجز ہے کہ اپنا کلام اتارا اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنا مگر عثمان غنی وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم واہل سنت نے اس کی آیتیں الٹ پلٹ کر دیں، سورتوں کی سورتیں کتر لیں، اور وہ یا تو وعدہ خلافی سے چپکا دیکھا کیا اور کچھ نہ کہا، یا گھٹانے والوں کے آگے کچھ نہ چل سکی، دم سادھ گیا، ایسے کو جو بندوں سے عاجز تر ہے۔ وہ بندے سے نیکی چاہے اور بندہ بدی چاہے تو بندہ ہی کا چاہا ہوتا ہے، اس کی یکسر نہیں چلتی، ایسے کو کہ ہر چمار کافر ہر کتا ہر سوئر خالقیت میں اس کا شریک ہے، وہ اعیان گڑھتا ہے یہ اپنی قدرت سے اپنے افعال، اور اس پر یہ دعوی کہ ہے میرے سوا کوئی خالق نہیں وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ یہ ہے رافضیوں کا خدا، کیا خدا ایسا ہے، تعالیٰ اللہ۔ کیا یہ خدا کو جانتے ہیں؟ **حاشالله، سبحان رب العرش عما یصفون.**

وہابیوں کا تصور الٰہ: وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جسے مکان، زمان، جہت، ماہیت، ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے ہے، اور صریح کفروں کے ساتھ گننے کے قابل ہے، جس کا سچا ہونا کوئی ضرور نہیں جھوٹا بھی ہوسکتا ہے، ایسے کو جس کی بات پر اعتبار نہیں، نہ اس کی کتاب قابل استناد، نہ اس کا دین لائق اعتماد، ایسے کو جن میں ہر عیب ونقص کی گنجائش ہے، جو اپنی مشیخت بنی رکھنے کو قصدا عیبی بننے سے بچتا ہے، چاہے تو ہر گندگی میں آلودہ ہو جائے۔ ایسے کو جس کا بہکنا بھولنا، سونا، اونگھنا، غافل رہنا، ظالم ہونا، حتی کہ مرجانا، سب کچھ ممکن ہے، کھانا پینا، وغیرہ کوئی اس کی شان کے خلاف نہیں، اس کی ماں باپ جورو بیٹا سب ممکن ہیں۔ ایسے کو جس کا کلام فنا ہوسکتا ہے، جو بندوں کے خوف کے باعث جھوٹ سے بچتا ہے کہ کہیں وہ مجھے جھوٹا نہ سمجھ لیں، بندوں سے چراچھپا کر پیٹ بھر کر جھوٹ بول سکتا ہے، ایسے کو جس کی خبر کچھ ہے اور علم کچھ۔ خبر سچی ہے تو علم جھوٹا، علم سچا ہے تو خبر جھوٹی، ایسے کو جو سزا دینے پر مجبور ہے، نہ دے تو بے غیرت ہے، معاف کرنا چاہے تو حیلے ڈھونڈتا ہے، خلق کی آڑ لیتا ہے۔ ایسے کو جس کی خدائی کی اتنی حقیقت کہ جو شخص ایک پیڑ کے پتے گن دے، اس کا شریک ہو جائے۔ جس نے اپنا سب سے بڑھ کر مقرب ایسوں کو جو بنایا جو اس کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں، جو چوڑھوں چماروں سے لائق تمثیل ہیں۔ ایسے کو جس نے اپنے کلام میں خود شرک بولے اور جابجا بندوں کو شرک کا حکم دیا۔ کیا یہ خدا کو جانتے ہیں؟ **حاشالله، سبحان رب العرش عما یصفون.**

دیو بندیوں کا تصور الٰہ: دیو بندی ایسے کو خدا کہتے ہیں جو وہابیوں کا خدا ہے، اور اتنے وصف اور زائد رکھتا ہے کہ وہ بالفعل جھوٹا ہے، جس کے لئے وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے۔ جو اسے جھٹلائے مسلمان ہے۔ ہاں دیو بندی خدا وہ ہے کہ علم میں شیطان اس کا شریک ہے، سب سے بدتر مخلوق شیطان ہے علم اس کے سب سے اعلیٰ رسول کے علم سے وسیع تر ہے، اور ان کے نزدیک ہونا ہی چاہئے کہ رسول اس کے برابر کیسے ہو سکے جو خدا کا شریک ہے، اس نے جیسا علم اپنے حبیب کو دیا اور اسے اپنا بڑا فضل کہا اور اس پر اعلیٰ درجہ کا احسان جتایا اس کی حقیقت اتنی ہے کہ ایسا تو ہر پاگل ہر چوپائے کا ہوتا ہے۔ ہاں دیو بندی خدا وہ ہے کہ جس دلیل سے اس کے خاتم النبین کے سوا چھ خاتم النبیین اور ماننا خاتم کی شان بڑھانا ہے، یونہی اسے تنہا خدا کہنا اس کی شان گھٹانا ہے، اس کی بڑی بڑائی یہ ہے کہ بہت سے خداؤں کا خدا ہے۔ کیا خدا ایسا ہو سکتا ہے؟ **حاشالله ، سبحان رب العرش عما یصفون.**

غیر مقلدوں کا تصور الٰہ: غیر مقلد کا خدا یہ سب کچھ ہے جو دیو بندی وہابی کا، قال اللہ تعالیٰ: **بعضهم من بعض**، اور وہ بعض نزاکتیں اور زیادہ رکھتا ہے۔ ایسا کہ جس کے دین میں کتا حلال، سوئر کی چربی حلال، سوئر کے گردے حلال، سوئر کی تلی حلال، وغیرہ وغیرہ۔ گندی خبیث شراب سے نہا کر سارے کپڑے اس میں رنگ کر نماز پڑھنا حلال، ایک وقت میں ایک عورت متعدد مردوں پر حلال، وہ جس نے آپ ہی تو حکم دیا کہ خود نہ جانو تو جاننے والوں سے پوچھو، اپنے علما کی اطاعت کرو، نیکوں کی پیروی کرو، جب پوچھا اور اطاعت و پیروی کی تو شرک کی جڑ دی، وہ جس نے ائمہ دین کی تقلید حرام و شرک ٹھہرائی، اور پوربی بنگالی و پنجابی بھوپالی کی فرض، وہ جس نے اپنے اور رسولوں کے سوا کسی کی بات حجت نہ رکھی، اور بیچ میں چند محدثوں اور جارحوں معدلوں کو کھڑا کر کے ان کے قول کو کتاب و سنت کے برابر ٹھہرا کر حجیت دی، یعنی یہ شریک الوہیت نہیں تو شریک رسالت ضرور ہیں، نہیں نہیں بلکہ شریک الوہیت ہی ہیں کہ

اتخذ وا احبار هم ورهبا نهم ار بابا من دون الله.

انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا۔

ہاں وہ جس نے آپ ہی تو اتباع ظن حرام اور افادۂ حق میں محض ناکام کیا، پھر ان چیدہ کی ظنی روایات، ظنی جرح و چند تعدیلات کا اتباع عین دین کر دیا، تو بات کیا وہی کہ یہ مثل انبیاء معصوم ہیں، نہیں نہیں بلکہ دین غیر مقلدی کے اربابا من دون اللہ، جھوٹے خدا ہیں۔ وہ جس نے چند جاہلان عالم نما کے سوا (جو ابو حنیفہ و شافعی پر منہ آتے اور ان کے احکام پر کھنے کی اپنے میں طاقت بتاتے ہیں) تمام عالم کو بے نتھا بیل کہا ہے، کیونکہ وہ آپ دلیل نہیں سمجھ سکتے، اور دوسرے کی کہی ہوئی اگرچہ بنگالی بھوپالی دہلوی اور امرتسری کی مان لیں کہ دلیل سے یہ ثابت ہے یہ تو وہی تقلید ہوئی جو شرک ہے لہذا ضرور نتھے بیل ہیں، وہ کہ عام جہاں پر جس کے لئے کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی کہ حجت قائم ہو دلیل سے، دلیل وہ خود سمجھ نہیں سکتے اور دوسرے کی سمجھ پر اعتماد شرک۔ وہ جس نے (خاک بدہن خبثا) کھلے مشرکوں کو خیر امت کہا اور ان کے تین قرنوں کو خیر القرون کہلوایا، جن کے روز اول سے یہ ہی معمول کہ عامی کو جو مسئلہ پوچھنا ہو عالم سے پوچھے، عالم نے حکم بتادیا سائل نے مانا اور کاربند ہوا صحابہ سے آج تک کبھی دلیل بتانے اور اسے عامی کے اس قدر ذہن نشین کرنے کا کہ وہ خود سمجھ لے کہ واقعی یہ حکم قرآن و حدیث سے ثابت بروجہ صحیح غیر معارض و غیر منسوخ ہے، ہرگز نہ دستور تھا نہ ہوا نہ ہے، تو پوچھنے والے بے علم دلیل تفصیلی ان کے فتوے مانا کئے اور یہ ہی تقلید ہے اور تقلید شرک تو عہد صحابہ سے آج تک سب عامی مشرک ہوئے، اور وہ مفتی بے القائے دلیل اسی لئے فتوی دیتے رہے کہ یہ مانیں اور عمل کریں، تو صحابہ سے آج تک سب مفتیان علماء مشرک گر و شرک دوست ہوئے، اور ہر مشرک گر خود شرک اور مشرکوں سے بدتر، تو غیر مقلد کے دھرم میں صحابہ سے اب تک تمام امت مشرک، لیکن غیر مقلد کا خدا انہیں کو خیر الامۃ کہتا اور خیر القرون کہلواتا ہے۔

پھر اس کی کیا شکایت کہ ایسوں کو کہا جو غیر مقلدی دھرم میں فـرقـوا دینـھـم و کانوا شیعا تھے، جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور جدا جدا گروہ ہو گئے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتباع ان سے فتوئی لیتے اور اس پر چلتے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اتباع ان کی طرف تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اتباع ان کے ساتھ تھے اور وہ اختلاف آج تک قائم ہے، سب فریق مشورہ کر کے ایک بات پر عامل نہ ہونے تھے نہ ہوئے۔ قرآن عظیم میں ہمیشہ پڑھا کئے: فـان تنا زعتم فی شی فر دو ہ الی اللہ و الرسول. جب تم میں کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو۔ اس پر عمل نہ کرنا تھا نہ کیا، اس پر عمل کرتے تو سب ایک نہ ہو جاتے کہ اللہ و رسول کا حکم ایک تھا، مگر وہ اپنے ہی عالموں کے قول پر اڑے رہے، دین کے ایسے ٹکڑے کرنے والوں کو خیر امت اور خیر قرون ٹھہرایا وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ کیا انہوں نے خدا کو جانا، حاشا للہ، مـالھـم بـذلک مـن علم، ان ھم الا یخر صون، سبحان رب العـر ش عـما یصفون ۔ انہیں اس کی حقیقت کچھ معلوم نہیں، یوں ہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں، پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں۔

مسلمانو! تم نے دیکھا یہ ہیں گمراہ فرقے اور یہ ہیں ان کے ساختہ خدا، مـا قد روا اللہ حق قدرہ، انہوں نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی۔ انتہی ملخصاً ۱۸

جب ان فرقوں کو اللہ رب العزت کی صحیح معرفت ہی نہیں تو پھر توحید پر ایمان کہاں سے آئے گا، کہ توحید پر ایمان معرفت خدا پر موقوف، اور یہ ان سب کے یہاں مفقود، چنانچہ وہابیہ (خذلھم اللہ) کے پیشوا دہلوی نے کذب الٰہی کو ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر مانا اور اسی کو کمالات حق سبحانہ سے گنا اور صاف اقرار کیا کہ

''اگر کذب الٰہی محال ہو، اور محال پر قدرت نہیں تو اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہوگا، حالانکہ اکثر آدمی اس پر قادر ہیں، تو آدمی کی قدرت اللہ سے بڑھ گئی اور یہ محال ہے، تو واجب کہ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہو۔'' ۱۹

اب امام احمد رضا کی فکر رسا اور جودت طبع کے جوہر اسلامی توحید کے بیاں میں ملاحظہ کیجئے۔ اور ملائے دہلوی کا اغوائے عوام اور طغوائے تمام کی دھجیاں لیجئے۔ فرماتے ہیں:

''بنظر انصاف غور کرو کہ اس بِس کی گانٹھ میں کیا کیا زہر کی پڑیاں بندھی ہیں۔

اولاً: دھوکا دیا کہ آدمی تو جھوٹ بولتے ہیں، خدا نہ بول سکے تو قدرت انسانی اسکی قدرت سے زائد ہو، حالانکہ اہلسنت کے ایمان میں انسان اور اس کے تمام اعمال و اقوال و اوصاف و احوال سب جناب باری عزوجل کے مخلوق ہیں۔ قـال الـمـو لیٰ سبحـا نہ و تعالیٰ واللہ خلقکم وما تعملون.

تم اور جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

انسان کو فقط کسب پر ایک گونہ اختیار ملا ہے، اس کے سارے افعال مولیٰ عزوجل ہی کی سچی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، آدمی کی کیا طاقت کہ بے اس کے ارادہ و تکوین کے پلک مار سکے، انسان کا صدق وکذب، کفر و ایمان، طاعت و عصیان جو کچھ ہے سب اسی قدیر مقتدر جل وعلا نے پیدا کیا، اور اسی کی عمیم قدرت عظیم ارادت سے واقع ہوتو ہے،

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العلمین .

تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو پروردگار ہے سارے جہاں کا۔

اس کا چاہا ہوا ہمارا نہ ہوا۔

ما شئت کان وما تشاء یکون

لا ما یشاء الدھر و الا فلاک

جو تو نے چاہا ہو گیا، جو آپ چاہیں گے وہ ہو جائے گا، نہیں ہوگا جو دہر اور فلاک چاہیں گے۔ پھر کتنا بڑا فریب دیا ہے کہ آدمی کا فعل قدرت الٰہی سے جدا ہے، یہ خاص اشقیائے معتزلہ کا مذہب نامہذب

ہے، جو قرآن عظیم کا مردود و مکذب ہے۔

ثانیاً اقول: اس ذی ہوش سے پوچھو! انسان کو اپنا بڑا جھوٹ بولنے پر قدرت ہے، یا معاذ اللہ عزوجل سے بلوانے پر، پھر قدرت بڑھنا تو جب ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آدمی سے جھوٹ بلوانے پر قابو نہ رکھتا، اپنے کذب پر قادر نہ ہوتو انسان کو اس عزیز جلیل کے کذب پر کب قدرت الٰہی سے اس کی قدرت زائد ہوگئی۔ ولکن 'من لم یجعل لہ نوراً فماله من نور'۔ لیکن جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں۔ ۲۰

اسی طرح بہت سے ایرادات والزامات قائم فرما کر ثابت فرمایا کہ ہرگز یہ اسلامی توحید نہیں، اسلامی توحید یہ ہے، فرماتے ہیں:

مسلمانو! تمہارے رب کی عزت وجلال کی قسم کہ تمہارا سچا معبود جل وعلا وہ پاک ومنزہ وسبوح وقدوس ہے جس کے لئے تمام صفات کمالیہ ازلاً ابداً واجب الذات اور اصلاً کسی عیب ولوث سے ملوث ہو نا جزماً قطعاً محال بالذات، اس کی پاک قدرت اس ناپاک شناعت سے بری ومنزہ، کہ معاذ اللہ اپنے عیبی وناقص بنانے پر حاصل ہو۔ نعم المولی ونعم النصیر۔

یہ ملائے ملوم کا مولائے موہوم تھا جو اپنے لئے عیوب وفواحش پر قدرت تو رکھتا ہے مگر لوگوں کے شرم ولحاظ، یا ہمارے سچے خدا کے قہر و غضب سے ڈر کر باز رہتا ہے۔

'ضعف الطالب والمطلوب لبئس المولی ولبئس العشیر'

اوسفیہ ملوم کذاب ظلوم! الوہیت ومنقصت باہم اعلیٰ درجۂ تنافی پر ہیں، الٰہ وہی ہے جس کے لئے جمیع صفات کمال واجب لذاتہ ہوں، تو کسی عیب سے اتصاف ممکن ماننا زوال الوہیت کو ممکن ماننا ہے پھر خدا کب رہا۔ ولکن الظالمین بآیات اللہ یجحدون' بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔ ۲۱

پھر فرماتے ہیں:

اے مسلمان! کمال حقیقی یہ ہے کہ اس صاحب کمال کی نفس ذات مقتضی جملہ کمالات ومنافی تلوثات، ہو، اور قطعاً جو ایسا ہو اس پر ہر عیب ونقصان محال ذاتی ہوگا کہ ذات سے مقتضائے ذات کا ارتفاع، یا ذات اور منافی ذات کا اجتماع دونوں قطعاً بدیہی الامتناع، اور بیشک ہم اہلسنت اپنے رب کو ایسا ہی مانتے ہیں، اور بیشک وہ سچے کمال والا ایسا ہی ہے، اس شخص نے کہ اس عزیز جلیل پر عیب ونقصان کا امکان مانا تو قطعاً کمالات کو اس کا مقتضائے ذات نہ جانا، تو کمال حقیقی سے بالفعل خالی اور حقیقۃً ناقص وفاقد مرتبۂ عالی ہوا۔ آج وجہ معلوم ہوئی کہ یہ طائفہ تالفہ اپنے آپ کو موحد اور اہلسنت کو مشرک کیوں کہتا ہے، اس کے زعم میں اللہ عزوجل کے لئے اثبات کمالات واجبہ للذات شرک ہے، کہ لفظ وجوب جو مشترک ہوجائے گا۔ اگرچہ وجوب بالذات وجوب للذات کا فرق اس طفل مکتب پر بھی مخفی نہیں جوار بعہ وزوجیت کی حالت جانتا ہے۔ ولہذا اس فرقہ ضالہ نے باتباع کرامیہ کمالات الٰہیہ کو مقتضائے ذات نہ ٹھہرایا، تو جیسے معتزلہ نے تعدد قدماء سے بچنے کو نفی صفات کی اور اپنا نام اصحاب التوحید رکھا، یوں ہی اس طائفہ جدیدہ نے اشتراک لفظ وجوب سے بھاگنے کو نفی اقتضائے ذات کی، اور اپنا نام موحد تراشا، وفی ذلک اقول:

خسر الذین بالاعتزا ل وبالتوھب جاءوا
ذا اھل توحید وذا کِ موحد عواء
نعم القلوب تشابھت فتناسب الاسماء

خسارے میں مبتلا ہیں جو معتزلی اور وہابی بنے، معتزلی اہل توحید اور وہابی موحد گمراہ، ان کے دل ایک جیسے ہیں اور ناموں میں بھی مناسبت ہے۔ ۲۲

اس کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ نے اللہ عزشانہ کی جناب میں نقص وعیب کے بطلان کو بداہت عقل کے موافق، ضروریات دین سے ثابت، ہزاروں مسائل توحید وصفات کا مبنیٰ، اور اس کا ثبوت توحید قرار دیا، فرماتے ہیں:

بداہت عقل شاہد ہے کہ اللہ عز مجدہ، جمیع عیوب ونقائص سے منزہ

اور اس کا ادراک شرع پر موقوف نہیں، ولہذا بہت عقلائے غیر اہل ملت بھی تنزیہ باری جل مجدہ میں ہمارے موافق ہوئے۔

پھر شرع مطہر کی طرف رجوع کیجئے تو مسئلہ اعلیٰ ضروریات دین سے ہے، جس طرح قرآن وحدیث نے باری جل مجدہ کی توحید ثابت فرمائی، یونہی ہر عیب ومنقصت سے اس کی تنزیہ وتقدیس اور خود کلمہ طیبہ 'سبحان اللہ' واسمائے حسنی سبوح وقدوس کے معنی ہی یہ ہیں، ولہذا تسبیحات حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وارد 'سبحان الذی لا ینبغی التسبیح الا له'' جس کے باعث 'تو قروہ' پر وقف اور تسبحوہ کو اس سے فصل کیا گیا، پھر مرتبۂ اجمال میں اس پر اجماع اہل اسلام منعقد، کوئی 'لا اله الا الله محمد رسول الله' کہنے والا اپنے رب عزوجل پر عیوب ونقائص روا نہ رکھے گا۔۲۳

پھر فرماتے ہیں:

غرض اصول اسلام کے ہزاروں عقیدے جن پر مسلمانوں کے ہاتھ میں یہی دلیل تھی کہ مولیٰ عزوجل پر نقص وعیب محال بالذات ہیں، دفعۃً سب باطل اور بے دلیل ہوکر رہ گئے، فقیر تنزیہ دوم میں زیر دلیل اول ذکر کر آیا کہ یہ مسئلہ کیسی عظمت والا اصل دینی تھا، جس پر ہزار ہا مسائل ذات وصفات باری عزوجل متفرع ومبنی، اس ایک کے انکار کرتے ہی وہ سب اڑ گئے، وہیں شرح مواقف سے گذرا کہ ہمارے لئے معرفت باری کی طرف کوئی راستہ نہیں مگر افعال الٰہی سے استدلال۔ یا یہ کہ اس پر عیوب ونقائص محال، اب یہ دوسرا راستہ تو تم نے خود بند کر دیا، رہا پہلا یعنی افعال سے دلیل لانا کہ اس نے ایسی عظیم چیزیں پیدا کیں اور ان میں یہ حکمتیں ودیعت رکھیں، تو لاجرم ان کا خالق بالبداہۃ علیم وقدیر وحکیم ومرید ہے۔

اقول اولاً: یہ استدلال صرف انہیں صفات کمال میں جاری جن سے خلق وتکوین کو علاقہ داری، باقی ہزار ہا صفات ثبوتیہ وسلبیہ پر دلیل کہاں سے آئے گی، مثلاً مصنوعات کا ایسا بدیع ہونا ہرگز دلالت نہیں کرتا کہ ان کا صانع صفت کلام یا صفت صدق سے بھی متصف، یا نوم واکل وشرب سے بھی منزہ ہے۔

ثانیاً: جن صفات پر دلالت افعال وہاں بھی صرف ان کے حصول پر دال نہ یہ کہ ان کا حدوث ممنوع یا زوال محال، مثلاً اس نظم حکیم وعظیم بنانے کیلئے بیشک علم وقدرت وارادہ وحکومت درکار، مگر اس سے صرف بناتے وقت ان کا ہونا ثابت، ہمیشہ سے ہونے اور ہمیشہ رہنے سے دلیل ساکت۔ اگر دلائل سمعیہ کی طرف چلئے۔

اقول اولاً: بعض صفات سمع پر متقدم تو ان کا سمع سے اثبات دور کو مستلزم۔

ثانیاً: سمع بھی صرف گنتی کے سلوب وایجادات میں وارد، ان کے سوا ہزاروں مسائل کسی گھر سے آئیں گے۔ مثلاً نصوص شرعیہ میں کہیں تصریح نہیں کہ باری عزوجل اعراض وامراض وبول وبراز سے پاک ہے، اس کا ثبوت کیا ہوگا۔

ثالثاً: نصوص بھی فقط وقوع وعدم پر دلیل دیں گے، وجوب واستحالہ وازلیت وابدیت کا پتہ کہاں چلے گا، مثلا بکل شیء علیمo علی کل شیء قدیر o سے بیشک ثابت کہ اس کے لئے علم وقدرت ثابت، یہ کب نکلا کہ ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ اور ان کا زوال اس سے محال، یو نہی هو یطعم ولا یطعم، اور 'لا تاخذه سنة ولا نوم' کا اتنا حاصل کہ کھاتا پیتا سوتا اونگھتا نہیں۔ نہ یہ کہ یہ باتیں اس پر ممتنع۔ ہاں ہاں ان سب امور پر دلالت قطعی کرنے والا، ان تمام دعوائے ازلیت وابدیت، وجوب وامتناع پر بوجہ کامل ٹھیک اثر کرنے والا، ہزاروں ہزار مسائل صفات ثبوتیہ وسلبیہ کے اثبات کا یکبارگی سچا ذمہ لینے والا، مخالف ذی ہوش غیر مجنون ومدہوش کے منہ میں دفعۃً بھاری پتھر دینے والا نہ تھا مگر وہی دینی یقینی عقلی بدیہی اجماعی ایمانی مسئلہ کہ باری تعالیٰ پر عیب ومنقصت محال بالذات، جب یہی ہاتھ سے گیا سب کچھ جاتا رہا، اب نہ دین ہے نہ نقل، نہ ایمان نہ عقل۔۲۴

امام موصوف کا بالعموم یہ طریقہ تھا کہ وہ عقائد ومسائل نہایت

ایجاز کے ساتھ بیان فرماتے اور 'خیر الکلام ماقل ودل و لم یمل' کے مقولہ پر گامزن رہتے، ہاں جب کبھی تفصیل پر آتے تو پھر دریا بہتے نظر آتے، اس کے باوجود تمام مضامین کے عطر و نچوڑ کی طرف ضرور نشاندہی فرماتے تاکہ قاری متوحش نہ ہو اور کم وقت میں حکم شرع ومراد مصنف پر وقوف واطلاع پاسکے۔ لہٰذا امام احمد رضا نے جہاں منافی توحید اقوال کا تفصیلی انداز میں رد فرمایا اور ضمنی طور پر اثبات توحید کیا، وہیں کھلے انداز اور واضح الفاظ میں ایجاز واختصار کے ساتھ عقیدہ توحید پر بھی لکھا، توحید باری کے مختصر اور جامع مسائل اور پھر ان کا خلاصہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ ہر عیب ونقصان سے پاک ہے۔

(۲) سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی چیز کی طرف کسی طرح کسی بات میں اصلاً احتیاج نہیں رکھتا۔

(۳) مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔

(۴) اس میں تغیر نہیں آسکتا، ازل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ہمیشہ رہے گا، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو پھر بدل کر اور حالت پر ہوجائے۔

(۵) وہ جسم نہیں جسم والی کسی چیز سے اسے لگاؤ نہیں۔

(۶) اسے مقدار عارض نہیں کہ اِتنا یا اُتنا کہہ سکیں، لمبا یا چوڑا یا دلدار موٹا یا پتلا یا بہت تھوڑا یا ناپ یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا یا بھاری یا ہلکا نہیں۔

(۷) حد وطرف ونہایت سے پاک ہے اور اس معنی پر نا محدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو بلکہ یہ معنی کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اعراض سے منزہ ہے، غرض نا محدود کہنا نفی حد کے لئے ہے۔ نہ اثبات مقدار بے نہایت کے لئے۔

(۸) وہ شکل سے منزہ ہے، پھیلا یا سمٹا، گول یا لمبا، تکونا یا چوکھٹا، سیدھا یا ترچھا، یا اور کسی صورت کا نہیں۔

(۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔

(۱۰) اس میں اجزا یا حصے فرض نہیں کر سکتے۔

(۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے، جس طرح اسے دہنے بائیں یا نیچے نہیں کہہ سکتے یونہی جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اوپر بھی ہرگز نہیں۔

(۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا کہ اس سے لگا ہوا ہو۔

(۱۳) کسی مخلوق سے جدا نہیں کہ اس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔

(۱۴) اس کے لئے مکان اور جگہ نہیں۔

(۱۵) اٹھنے، بیٹھنے، اترنے چڑھنے، چلنے ٹھہرنے، وغیرہا تمام عوارض جسم نیات سے منزہ ہے۔

۔۔ محل تفصیل میں عقائد تنزیہ بے شمار ہیں، یہ پندرہ کہ بقدر حاجت یہاں مذکور ہوئے اور ان کے سوا ان جملہ مسائل کی اصل یہی تین عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے، اور ان میں بھی اصل الاصول عقیدۂ اولیٰ ہے کہ تمام مطالب تنزیہ کا حاصل وخلاصہ ہے۔ ان کی دلیل قرآن عظیم کی وہ سب آیات ہیں جن میں باری عزوجل کی تسبیح وتقدیس وپاکی وبے نیازی وبے مثلی وبے نظیری ارشاد ہوئی، یہ آیات محکمات ہیں، یہ ام الکتاب ہیں، ان کے معنی میں کوئی خفا واجمال نہیں، اصلاً دقت واشکال نہیں، جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن وہویدا ہے۔ بے تغیر وتبدیل، بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریات دین اسلام سے ہے۔[۲۵] ملتقطاً۔

اس سے پہلے امام احمد رضا نے ثابت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے، تخلیق عالم میں وہ واحد ویکتا ہے، اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔ وہاں اجمالی بیان تھا یہاں قدرے تفصیل سنئے:

ذات ہو یا صفت، فعل ہو یا خالت کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال کر لباس وجود پہنا دینا، یہ اسی کا کام ہے، یہ نہ اس نے کسی کے اختیار میں دیا نہ کوئی اس کا اختیار پاسکتا تھا، کہ تمام مخلوقات اپنی حد ذات میں نیست ہیں۔ ایک نیست دوسرے نیست کو کیا ہست بنا سکے، ہست بنانا

اسی کا شان ہے جو آپ اپنی ذات سے ہست حقیقی وہست مطلق ہے، ہاں یہ اس نے اپنی رحمت اور غنائے مطلق سے عادات اجرا فرمائے کہ بندہ جس امر کی طرف قصد کرے، اپنے جوارح ادھر پھیرے، مولیٰ تعالیٰ اپنے ارادہ سے اسے پیدا فرمادیتا ہے، مثلاً اس نے ہاتھ دیئے اوران میں پھیلنے، سمٹنے، اٹھنے کی قوت رکھی۔تلوار بنانی بتائی، اس میں دھاراور دھار میں کاٹ کی قوت رکھی، اس کا اٹھانا لگانا وار کرنا بتایا۔ دوست دشمن کی پہچان کو عقل بخشی، اسے نیک وبد میں تمیز کی طاقت عطا کی، شریعت بھیج کر قتل وحق و ناحق کی بھلائی برائی صاف جتادی، زید نے وہی خدا کی بتائی ہوئی تلوار خدا کے بنائے ہوئے ہاتھ، خدا کی دی ہوئی قوت سے اٹھانے کا قصد کیا، وہ خدا کے حکم سے اٹھ گئی اور جھکا کر ولید کے جسم پر ضرب پہونچانے کا ارادہ کیا، وہ خدا کے حکم سے جھکی اور ولید کے جسم پر لگی، تو یہ ضرب جن امور پر موقوف تھی سب عطائے حق تھے، اور خود جو ضرب واقع ہوئی بارادۂ خدا واقع ہوئی، اور اب جو اس ضرب سے ولید کی گردن کٹ جانا پیدا ہوگا یہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگا۔وہ نہ چاہتا تو ایک زید کیا تمام انس وجن وملک جمع ہوکر تلوار پر زور کرتے تو اٹھنا درکنار ہرگز جنبش نہ کرتی، اور اس کے حکم سے اٹھنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو زمین وآسمان، پہاڑ سب ایک لنگر بنا کر تلوار کے پیپلے پر ڈال دیئے جاتے، تام کو بال برابر نہ جھکتی، اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا کہ ولید کے جسم تک پہونچتی، اور اس کے حکم سے پہونچنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا، گردن کٹنا تو بڑی چیز ہے، ممکن نہ تھا کہ خط بھی آتا۔

غرض فعل انسان کے ارادہ سے نہیں ہوسکتا، بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے، یہ نیکی کا ارادہ کرے اور اپنے جوارح کو پھیرے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکی پیدا کردے گا۔اور یہ برے کا ارادہ کرے اور جوارح کو اس طرف پھیرے، اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی سے بدی کو موجود فرمادے گا۔[۲۶]

پھر فرماتے ہیں:

بے شک بے شبہ بندہ کے افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے، بے شک بندہ بے ارادۂ الٰہیہ کچھ نہیں کرسکتا، اور بے شک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، بے شک وہ اپنی ہی بد اعمالیوں کے سبب مستحق سزا ہے۔ یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں مگر یونہی کہ عقیدۂ اہل سنت وجماعت پر ایمان لایا جائے، وہ کیا ہے؟ وہ جو اہلسنت کے سردار ومولیٰ امیر المؤمنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم نے انہیں تعلیم فرمایا۔

ایک شخص واقعۂ جمل میں امیر المؤمنین کے ساتھ تھے، کھڑے ہوکر عرض کی: یا امیر المؤمنین ہمیں مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے، فرمایا: گہرا دریا ہے اس میں قدم نہ رکھ، عرض کی: ہمیں خبر دو، فرمایا: اللہ کا راز ہے زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا، عرض کی: ہمیں خبر دیجئے، فرمایا: اگر نہیں مانتا تو ایک امر ہے دوامروں کے درمیان، نہ آدمی مجبور محض ہے، نہ اختیار اسے سپرد ہے، عرض کی: یا امیر المؤمنین! فلاں شخص کہتا ہے آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ حضور میں حاضر تھے، مولیٰ علی نے فرمایا: میرے سامنے لاؤ، لوگوں نے اسے کھڑا کیا، جب امیر المؤمنین نے اسے دیکھا، تیغ مبارک چار انگل کے قدر نیام سے نکال لی اور فرمایا: کام کی قدرت کا تو خدا کے ساتھ مالک ہے؟ یا خدا سے جدا مالک ہے؟ اور سنتا ہے خبرداران دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہوجائے گا اور میں تیری گردن ماردوں گا، اس نے کہا: یا امیر المؤمنین پھر میں کیا کہوں؟ فرمایا: یوں کہہ کہ اس خدا کے دیئے سے اختیار رکھتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے، بے اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں۔

پس یہی عقیدۂ اہلسنت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے نہ خودمختار، بلکہ ان دونوں کے بیچ ایک حالت ہے، جس کی کنہ راز خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے۔ اللہ عزوجل کی بے شمار رضائیں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر نازل ہوں کہ ان دونوں الجھنوں کو دو فقروں میں صاف فرمادیا۔ایک صاحب نے سوال کیا: کیا معاصی

بھی بے ارادۂ الٰہیہ واقع نہیں ہوتے، فرمایا: تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرے گا۔ یعنی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو مگر اس نے کر ہی لیا، تو اس کا ارادہ زبردست پڑا، معاذ اللہ خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا کہ وہ ڈاکوؤں، چوروں کا بہتیرا بندوبست کریں پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کر ہی گذرتے ہیں۔ حاشا وہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی قادر مطلق ہرگز ایسا نہیں، کہ اس کے ملک میں اس کے حکم کے بغیر ایک ذرہ جنبش کر سکے۔ وہ صاحب کہتے ہیں: مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے یہ جواب دے کر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہتے بن نہ پڑا۔ ۲۷

کلمۂ طیبہ سے اثبات توحید: ہم سب دن اور رات کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے، اور بے ایمان اسی کی تصدیق کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ کسی کور باطن نے اس کو منافی توحید جانا اور کلمہ طیبہ میں پہلے جز کا اول ٹکڑا یعنی 'لا الٰہ' کو نفی مطلق پر محمول کیا، یعنی نہیں ہے کوئی خدا، اور کہا یہ کفر خالص ہے کہ اس میں معبود برحق کی بھی نفی ہے۔ امام احمد رضا نے پہلے تو اس قول پر بہت سے ایرادات قائم فرمائے، پھر تحقیق انیق کے دریا بہائے، اور کلمۂ توحید کے رموز واسرار سکھاتے ہوئے کلمہ کے دونوں ٹکڑوں کو خالص اسلامی توحید کے اثبات میں صریح اور عین ایمان بتایا۔ فرماتے ہیں:

اس کے یہ معنی سمجھنا کہ 'نہیں ہے کوئی خدا' عاقل سے معقول نہیں، بلکہ بلاشبہ اس کے معنی نفی الوہیت غیر خدا ہیں، یقیناً قطعاً مسلمان جس وقت اس سے تلفظ کرتا ہے یہی مراد لیتا ہے، تو بحمد اللہ تعالیٰ اس کے دونوں جز عین ایمان ہیں، پہلا جز الوہیت غیر خدا کی نفی، اور دوسرا جز الوہیت الٰہ حق کا اثبات اور دونوں ایمان ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ نفظ مافی النفس سے تعبیر ہوتے ہیں، یہاں اگر یوں ہو کہ متکلم نے اولاً نفی عام بلا استثنا کی اور جزء اول سے تعبیر کیا، پھر اس عام سے مستثنیٰ کو جدا کیا اور اس پر جزء استثنا سے دلالت کی تو صریح تناقض ہے، کہ یہ دو حکم متنافی ہوتے 'لا' سالبہ کلیہ تھا اور یہ موجبہ جزئیہ اور وہ دونوں نقیض ہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ وہاں صرف حکم واحد ہے، متکلم نے ایک مفرد کلی کو کہ مرتبۂ بشرط بشی ء میں تھا مستثنیٰ سے فارغ کر کے مرتبہ بشرط لاشی ء میں لیا، اور اس مقید پر حکم واحد کیا، بے ادخال، لا، والا، سے معبر کیا، لاحکم ہے اور الا قید مسند الیہ کہ اس کے مرتبہ بشرط لا پر دال تو یہ 'لا' ہرگز نفی جمیع کے لئے نہیں، بلکہ نفی ماورائے مستثنیٰ کے لئے، تو مافی الذہن یقیناً حق ہے، ہاں تقیید پر دلالت درکار، وہ اگر نفس کلام میں نہ ہو تو کلام کی ترکیب مشہور ومعروف کا مسلمان میں دائر وسائر اور قائل کا مسلمان ہونا خود ہی دلالت کرتا ہے، اور اگر معاذ اللہ نفی مطلق ہوتی توحید کب رہتی تعطیل ہوتی، توحید تو ایک کا اثبات ہے نہ کہ معاذ اللہ عام نفی تام۔ تو ثابت ہوا کہ اس پر حکم الحاد جنون خالص ہے۔

لاجرم جامع الفصولین فصل ۳۸ میں ہے: **من قال لا اله و اراد ان یقول الا اللہ ولم یقل لا یکفر لانہ عقد علی الایمان**: جس نے **لا الٰہ** کہا، **الا اللہ** ارادہ کے باوجود نہ کہہ سکا تو وہ کافر نہیں، کیونکہ اس نے ایمان کے ارادہ سے یہ کہا ۲۸ ملتقطاً۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی ان تحریروں میں ذات باری عزاسمہ کی سبوحیت وقدوسیت کے بیان کے ضمن میں مولیٰ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت، اور خالق ومخلوق کے درمیان امتیازات باہرہ قدوسیت کو ایسے دلائل قاہرہ سے مزین فرمایا ہے کہ منصف اعتراف حق کئے بغیر نہ رہ سکے، اور منکر معاند کو سکوت ودرماندگی کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

اہل سنت وجماعت کے عقیدۂ توحید کا یہ ہی طرۂ امتیاز ہے کہ وہ واجب تعالیٰ کو ایک جانتے ہوئے اس کی جناب میں یہ ہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ تمام کمالات اس کے متقضائے ذات اور جملہ عیوب ونقائص منافی ذات بالذات ہیں، کسی عیب ونقص کو اس کی سبوح قدوس جناب میں ہرگز رسائی نہیں۔ وہی سب کا خالق ومالک اور سب سے بے نیاز،

سب اسی کی مخلوق و مملوک اور اسی کے محتاج، اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، یہی خالص توحید ہے، اور اسی کی بارگاہ صمدیت میں انسان کو اپنی نیاز مندی، غایت تذلّل، خشوع و خضوع اور انکسار و تواضع کی نذر پیش کرنا عبادت اور توحید پرستی ہے۔ اور یہ دونوں اہل اسلام (اہل سنت و جماعت) کا خاصہ ہیں۔ دوسرے گروہ اس دولت لازوال سے محروم ہیں۔ امام احمد رضا کا یہ ہی پیغام ہے جو ان کی تصانیف اور تعلیمات سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔۱۲

مآخذ و مراجع

۱۔ القرآن الکریم [التوبہ:۱۲۴]
۲۔ القرآن الکریم [بقرہ:۲۹]
۳۔ تفسیر ضیاء القرآن، علامہ پیر کرم شاہ از ہری، ۱/۱۱۲۔۱۱۳
۴۔ القرآن الکریم [سورۃ الانبیا:۲۳]
۵۔ المعتقد المنتقد، علامہ فضل رسول بدایونی، الباب الاول فی الالہیات ص۲۰۔
۶۔ القرآن الکریم [البقرہ:۲۱،۲۲]
۷۔ تفسیر ضیاء القرآن، علامہ پیر شاہ از ہری، ۱/۳۹،۴۰
۸۔ القرآن الکریم [الزمر:۳]
۹۔ صحیح مسلم باب التلبیۃ وصفتہا وقتہا ۱/۳۷۲
۱۰۔ ایضاً
۱۱۔ القرآن الکریم
۱۲۔ فتاویٰ رضویہ طبع جدید ۔ امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۵/۵۳۱ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور
۱۳۔ القرآن الکریم [الجاثیہ:۲۳]
۱۵۔ القرآن الکریم [الزخرف:۲۰]
۱۶۔ القرآن الکریم [النجم:۲۳]
۱۷۔ فتاویٰ رضویہ طبع دوم۔ امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۵/۵۳۲ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور
۱۸۔ فتاویٰ رضویہ طبع جدید، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۵/۵۵۲ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور
۱۹۔ رسالہ یکروزی فارسی (ملخصاً و مترجماً) مولوی اسمٰعیل دہلوی ۱۷ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ، دیوبند/دھلی
۲۰۔ فتاویٰ رضویہ طبع جدید، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۵/۳۶۴ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور
۲۱۔ فتاویٰ رضویہ طبع جدید، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۵/۳۷۴ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور
۲۲۔ فتاویٰ رضویہ طبع جدید، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۵/۳۷۶ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور
۲۳۔ فتاویٰ رضویہ طبع جدید، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۵/۳۳۴ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور
۲۴۔ فتاویٰ رضویہ طبع جدید، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۵/۳۷۲ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور
۲۵۔ فتاویٰ رضویہ طبع قدیم، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۱/۲۲۱ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۲۶۔ فتاویٰ رضویہ طبع قدیم، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۱/۱۸۹ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۲۷۔ فتاویٰ رضویہ طبع قدیم، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۱/۱۹۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی
۲۸۔ فتاویٰ رضویہ طبع قدیم، امام احمد رضا قدس سرہ ۱۱/۲۰۴ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

امام احمد رضا اور خطباتِ حدیث

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری*

امام احمد رضا خاں محمدی سنی حنفی قادری برکاتی محدثِ بریلوی ابن مولانا مفتی نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی ابن مولانا مفتی رضا علی خاں بریلوی قدس سرہٗ العزیز ۱۰ رشوال المکرّم ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء، بروز اتوار بوقتِ ظہر بمقام محلہ جسولی بریلی، انڈیا میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۴ رسال کی عمر شریفہ میں قرآن مجید کا ناظرہ ختم فرمایا اور پھر اپنے والدِ ماجد کے قائم کردہ مدرسے میں تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور بہت جلد ۱۳ سال دس ماہ چار دن کی عمر شریفہ میں ۱۴ رشعبان المعظم ۱۲۸۶ھ میں فارغ التحصیل بھی ہوگئے[۱]۔ اس دوران مندرجہ ذیل اساتذہ کرام سے علومِ اسلامیہ کی تکمیل فرمائی۔

۱۔ مولانا عبدالقادر بیگ (م ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء)[۲]

۲۔ مولانا عبدالعلی رامپوری (م ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء)

۳۔ شیخ احمد بن زین دحلان مکی (م ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) استادالحدیث

۴۔ شاہ ابوالحسین احمد نوری (م ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) استادالحدیث وشیخ مجاز

۵۔ شاہ سید آلِ رسول مارہروی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) استادالحدیث و پیرومرشد

۶۔ مفتی نقی علی خاں بریلوی (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) استادالحدیث ووالدِ ماجد

امام احمد رضا جس دن فارغ التحصیل ہوئے۔ اسی دن آپ نے مسئلہ رضاعت پر پہلا فتویٰ لکھ کر دینِ اسلام کی خدمت کا سلسلہ شروع کردیا۔ اگرچہ دورانِ تعلیم آپ نے کئی کتب پر حواشی بھی لکھے، اس لئے آپ کی دینی خدمت کا آغاز تو ۱۲۸۶ھ سے قبل ہو چکا تھا، مگر فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۴ رشعبان المعظم ۱۲۸۶ھ سے ہوا۔ آپ نے پہلا فتویٰ لکھ کر جب اپنے والد ماجد مفتی نقی علی خاں بریلوی کو دکھایا تو آپ نے اس کو مکمل پایا۔ اسی دن مہر بنوا کردی اور اپنی اس 'مسندِ افتاء' پر بٹھایا جو ان کے والدِ محترم حضرت مفتی رضا علی خاں بریلوی نے (۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء) بریلی میں قائم کی تھی[۳]۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے اپنے والدِ ماجد کی حیات میں مکمل فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ خود ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے سردار و مولیٰ حضرت مولوی نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی امطر اللہ تعالیٰ علیٰ مرقدہٗ الکریم نے مجھے چارد ہم ۱۲۸۶ھ خیر و بشارت کو فتویٰ لکھنے پر مامور فرمایا.......... تو میں نے فتویٰ دینا شروع کیا اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت قدس سرہٗ اصلاح فرماتے.......... ۷ برس کے بعد مجھے اذن فرمادیا کہ اب فتویٰ لکھوں اور بغیر حضور کے سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں[۴]''۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے ۱۲۸۶ھ تا ۱۳۴۰ھ مسلسل ۵۵ برس تک فتویٰ نویسی کے ساتھ ساتھ مختلف علوم وفنون پر عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں کتب و رسائل تحریر فرماتے رہے اور اس دوران انہوں نے ایک ہزار سے زائد کتب تصنیف فرمائیں جن میں ۱۲ ضخیم مجلدات پر مشتمل فتاویٰ بھی ہیں جن کو آپ نے **"العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ"** کے نام سے مکمل فرمایا جو حال ہی میں تخریج کے ساتھ لاہور سے رضا فاؤنڈیشن نے ۳۰ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس عظیم کام کو مفتیٔ عصر حضرت مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ (م ۲۰۰۳ء) نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کو آپ کے ہمعصر کثیر علماء نے ۱۴ رویں صدی ہجری کا مجدّدِ دین وملت قرار دیا۔ آپ کو یہ اعزاز ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں پٹنہ کے ایک جلسۂ عام میں سیکڑوں علماء ومشائخ کی موجودگی میں دیا گیا جس کے بعد پاک وہند اور عرب وعجم کے کثیر

*صدر شعبۂ پٹرولیم ٹیکنالوجی، جامعہ کراچی

علماء ومشائخ نے آپ کے علمی تبحر کی بناء پر آپ کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا[۵]۔ اس کے علاوہ علمائے عرب نے بالخصوص آپ کی عربی زبان میں لکھی گئی فقہی تصانیف کا مطالعہ کرکے آپ کو اپنے زمانے کا بے مثل عالم اور فقیہِ عصر قرار دیا تھا اور بعض اہلِ علم نے نائبِ امام ابوحنیفہ بھی لکھا[۶]۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی اپنے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد نقی علی خاں قادری بریلوی کے ہمراہ سلسلۂ قادریہ میں مارہرہ شریف کے سجادہ نشین شیخ المشائخ سید شاہ آلِ رسول قادری مارہروی ابن سید شاہ آلِ احمد قادری مارہروی (م ۱۲۳۵ھ) سے ۱۲۹۴ھ میں بیعت ہوئے اور ساتھ ہی تمام سلاسل میں اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے[۷] جو اس خاندانِ برکات کے دستور کے خلاف تھا مگر فراستِ مومن امام احمد رضا کو زمانے کا امام دیکھ رہی تھی کہ یہ شخص جلد ہی اعلیٰ علمی مقام حاصل کرکے اعلیٰ حضرت کہلائے گا۔ اس لئے شاہ آلِ رسول مارہروی نے خاندانی دستور سے ہٹ کر مستقبل کے مجددِ دین وملت کو نہ صرف نسبت سے نوازا بلکہ ساتھ ہی تمام سلاسل میں اجازت دے دی تاکہ تمام سلاسل کے پیشواؤں کو امام احمد رضا پر ناز ہو کہ ان کے سلسلہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عظیم عالم وعارف عطا کیا ہے۔

دینِ اسلام کا یہ عظیم الشان علمی چراغ ۲۵ رصفر المصفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ راکتوبر ۱۹۲۱ء بروز جمعہ گل ہوگیا[۸] مگر اپنے پیچھے علوم وفنون کا کثیر خزانہ ہزار کتب کی صورت میں چھوڑ گیا جس سے مسلمان لگ بھگ ایک صدی سے استفادہ کررہے ہیں اور قیامت تک ان کے علوم وفنون کی تصانیف سے بالخصوص ترجمۂ قرآن، تفسیرِ قرآن، احادیث، فتاویٰ، حدائقِ بخشش وغیرہا سے راہِ ہدایت حاصل کرتے رہیں گے۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ بقلمِ خود ۵۵ رعلوم وفنون پر اور احقر کی تحقیق کے مطابق ۷۵ مختلف علوم وفنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے[۹] مگر علوم وفنون کی یہ تعداد محققین کے نزدیک روز بروز بڑھتی جارہی ہے کیونکہ دورِ حاضر کے محقق جب امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی مختلف کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہر فن کا محقق یہ جان کر حیرت کرتا ہے کہ مولانا ہر فن میں ماہر تھے۔ دورِ حاضر کے لحاظ سے اس علم کا جو بھی آپ نام دیں، اس کی اصل سے امام احمد رضا واقف تھے۔ اس طرح بلاشک وشبہ یہ بات سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا ہر فن کے محقق تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام ہی تمام علوم وفنون کی سمجھ بوجھ عطا کی تھی، اسی لئے انہوں نے ہر فن پر نگارشات یادگار چھوڑی ہیں اور ہر فن کا ماہر، امام احمد رضا کو اس علم کا غواص سمجھتا ہے۔ یہاں امام احمد رضا کے علومِ حدیث پر دسترس اور مہارت کے اعتبار سے کچھ شواہد پیش کئے جائیں گے جس سے قارئین کو یہ آگاہ کرنا ہے کہ امام احمد رضا برصغیر پاک وہند کے ایسے منفرد محدثِ کبیر ہیں کہ جس کی مثال اس خطے میں ناپید ہے۔ وہ صرف عام محدث کی طرح احادیث کی چند کتابوں کے مطالعہ والے محدث نہ تھے بلکہ وہ تمام ہی تمام احادیث کے حافظ تھے، احادیث کی درائت سے بھی بخوبی واقف تھے اور ساتھ ہی اسماء الرجال کے بھی ماہر تھے۔ اگرچہ انہوں نے احادیث کا عام دستور اور طریقہ کے مطابق کوئی مجموعہ تیار نہ کیا لیکن ان تمام احادیث کو آخذ دوم کے طور پر اپنی ایک ہزار کتب میں استعمال کیا۔ اب محققین ان کتب کا مطالعہ کرکے اس حدیث کے خزانے کو سمیٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں آپ کی استعمال کردہ احادیث کو چند سو کتابوں سے اخذ کرکے ایک مجموعہ احادیث مرتب کیا گیا جس کو بعنوان "**المختار الرضوية من الاحاديث النبويه والاثار المروية**" کے نام سے امام احمد رضا کی قائم کردہ درسگاہِ منظرِ اسلام (قائم شدہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) کے فارغ التحصیل اور صدر مدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف مولانا محمد حنیف خان قادری رضویہ نوری نے ۱۰ جلدوں میں مکمل کرکے شائع کیا ہے۔ اس سے قبل کہ اس مجموعہ کی تفصیل سے قاری کو آگاہ کروں، ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے امام احمد رضا کی محدثانہ شانِ بیان کروں اور پھر مقالے کے دوسرے حصہ میں

اس مجلدات کا موضوعاتی جائزہ پیش کروں گا۔

علومِ حدیث بزبانِ حافظ الحدیث امام احمد رضا:

امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے دورانِ طالبعلمی یا اس کے بعد علمِ حدیث کی کون کون سی کتب کا مطالعہ کیا اور مختلف احادیث کی کیا درجہ بندی کی ہے، اس سلسلے میں امام احمد رضا کیا کہتے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

''امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے ۱۷رجون ۱۹۰۳ء/۱۳۲۰ھ میں ایک بند کمیشن کے سامنے کمیشن کی طرف سے قائم کردہ دوسو سوالات کے جوابات ایک انٹرویو کی شکل میں دیئے تھے جس کو بعد میں نقل کر کے ''اظہار الحق الجلی'' کے نام سے شائع بھی کیا گیا۔ اس انٹرویو میں بہت سے سوالات آپ کے علوم وفنون سے متعلق بھی تھے۔ یہاں وہ سوالات جو آپ کے علمِ حدیث سے متعلق ہیں، پیش کئے جارہے ہیں تاکہ قارئین خود ان کی زبانی ان کے علمِ حدیث سے متعلق آگاہی کرسکیں۔

(سوالات جرح وجوابات) ؎

سوال نمبر۱: علمِ دین میں کون کون سی کتابیں ہیں؟

جواب: ہزارہا کتابیں ہیں۔

سوال نمبر۲: آپ نے علمِ دین میں کون کون سی کتابیں درس کی ہیں؟

جواب: تمام درسِ نظامی

سوال نمبر۴: حدیث شریف میں کون کون سی کتابیں ہیں؟

جواب: بے شمار کتابیں ہیں۔

سوال نمبر۶: آپ نے حدیثِ شریف کی کتابوں میں کون کون کتابیں درس کی ہیں؟

جواب: ۱۔مسند امام اعظم ۲۔موطا امام محمد ۳۔کتاب الاثار امام محمد ۴۔کتاب الخراج امام ابو یوسف ۵۔کتاب الحج امام محمد ۶۔شرح معانی الاثار امام طحاوی ۷۔موطأ امام مالک ۸۔مسند امام شافعی ۹۔مسند امام احمد ۱۰۔سنن دارمی ۱۱۔بخاری ۱۲۔مسلم ۱۳۔ابوداؤد ۱۴۔ترمذی ۱۵۔نسائی ۱۶۔ابن ماجہ ۱۷۔خصائص نسائی ۱۸۔منتقی ابن الجاروذ ۱۹۔علل متناہیہ ۲۰۔مشکوٰۃ ۲۱۔جامع کبیر ۲۲۔جامع صغیر ۲۳۔ذیل جامع صغیر ۲۴۔منتقی ابن تیمیہ ۲۵۔بلوغ المرام ۲۶۔عمل الیوم ۲۷۔اللیہ ابن السنی ۲۸۔کتاب الترغیب ۲۹۔خصائص کبریٰ ۳۰۔کتاب الفرج بعد الشدت ۳۱۔کتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتبِ حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں۔

سوال نمبر۱۰: مسلمانوں کے یہاں حدیث کی کتابوں میں درجہ کی ترتیب یعنی کہ حدیث کی کتابوں میں کون اول درجہ کی کتاب ہے، کون دوم درجہ کی، کون سوم درجہ کی وعلیٰ ھذا قیاس؟

جواب: کوئی ترتیب صحابہ وتابعین کے یہاں نہ تھی۔ نہ اس وقت تک یہ کتابیں تصنیف ہوئی تھیں۔ تصنیف کے بعد بعض لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق مختلف ترتیبیں بڑھالیں جو محققین کو تسلیم نہیں۔ دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہا۔

سوال نمبر۱۲: مسلمانوں کے یہاں سب سے اول درجہ کی کتاب صحیح بخاری اور پھر صحیح مسلم ہے یا نہیں؟

جواب: بخاری ومسلم بھی نبی ﷺ کے ڈھائی سو (۲۵۰) برس بعد تصنیف ہوئیں۔ مسلمانوں کے بہت سے فرقے انہیں مانتے ہی نہیں اور اس کے سبب وہ اسلام سے خارج نہ ہوئے۔ ماننے والے بہت سے لوگ کسی خاص کتاب کو سب سے اول درجہ کی نہیں کہتے۔ اس کے مدار صحتِ سند پر رکھتے ہیں۔ بعض جو ترتیب رکھتے ہیں وہ مختلف ہیں۔ مشرقی صحیح بخاری کو ترجیح دیتے ہیں اور مغربی صحیح مسلم کو اور حق یہ ہے کہ جو کچھ بخاری یا مسلم اپنی تصنیف میں لکھ گئے، سب کو بے تحقیق مان لینا ان کی بری تقلید ہے جس پر غیر مقلد جمع ہوئے حالانکہ تقلید کو وہ حرام کہتے ہیں۔ انہیں خدا اور رسول یاد نہیں آتے۔ خدا اور رسول ﷺ نے کہاں فرمایا کہ جو کچھ بخاری یا مسلم میں ہے سب صحیح ہے۔

مندرجہ بالا عبارتیں امام احمد رضا کی علمِ حدیث پر مکمل دسترس ظاہر کررہی ہیں کہ وہ صرف چند احادیث کی کتابوں کے عالم نہ تھے بلکہ تمام ہی تمام کتبِ حدیث ان کے مطالعہ میں تھیں۔ وہ ہر حدیث کو کسی کتاب کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اس کی سندِ صحت پر رکھتے ہیں اور علمِ حدیث کی پوری تاریخ سے بھی مکمل طور پر باخبر ہیں۔

سنداتِ حدیث:

امام احمد رضا بریلوی کو اپنے زمانے کے ممتاز علمائے حدیث سے سندِ اجازت تھیں اور پھر دورۂ حرمین شریفین کے موقع پر انہوں نے متعدد علمائے حرمین کو سندِ حدیث کی اجازتوں کے ساتھ ساتھ سلسلہ قادریہ کی بھی خلافت مشائخ کو عطا فرمائیں۔ امام احمد رضا نے اس کی تمام تر تفصیل خود اپنے ایک عربی مقالہ میں قلمبند فرمائی تھی۔ اس رسالہ کا نام ہے: ''الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ ۱۳۲۴ھ'' اس رسالہ میں مصنف نے خود تفصیلات سے آگاہ کیا ہے کہ ان کو کن کن محدثین سے سندِ اجازت حاصل تھی۔

''النسخة الأولٰى

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله أحد من لا أحد له، وسند من لا سند له، وأفضل الصلاة وأكمل السلام على سيد الكرام، وسند الأنام منتهى سلاسل الأنبياء العظام، وعلٰى آله وصحبه رواة علمه ووعاة أدبه وبعد،

فقد تفضل على المحدث الفاضل العالم الكامل السيد النسيب الحسيب الأريب مجمع الفضائل منبع الفواضل، مولانا السيد الشيخ محمد عبد الحى ابن الشيخ الكبير السيد عبد الكبير الكتانى الحسنى الإدريسى الفاسى محدث الغرب، بل محدث العجم والعرب، ا ين شاء الرب، وأنا حل بالبلد الحرام لثلاث بقين من ذى الحجة سنة ثلاث وعشرين بعد الألف وثلاثمائة، فأتانى وسمع منى الحديث المسلسل بالأولية وهو اول حديث سمعه من هذا لعبد الضعيف كما سمعته من مولاى و مرشدى و سيدى وسندى و كنزى وذخرى ليومى وغدى سيدنا الشاه ال رسول الاحمدى رضى الله عنه بالرضى السرمدى وهو اول حديث سمعتهٗ من عن محدث الهند المشهور فى العرب والسند مولانا الشاه عبد العزيز الدهلوى وهو اول حديث سمعه عن من شيخه وابيه الشاه ولى الله الدهلوى وهو اول حديث سمعه من وسلسلتهٗ مشهورة وفى كتابه المسلسلات مسطورة وسئالنى اجازته واجازة جميع ما ارويه عن مشايخى الكرام سيدنا[1] و مرشدنا السابق ذكره الكريم وسيدى[2] ووالدى وولى نعمتى ختام المحققين وامام المدققين حامى السنة ماحى الفتنة ذى التصانيف الباهرة والحجة القاهره والمحجة الزاهرة حضرة المولوى محمد نقى على خان القادرى البركاتى البريلوى قدس سره القوى المتوفى ۱۲۹۷ھ عن ابيه الكريم العارف بالله سيدنا المولوى رضا على خان قدس سره وشيخ[3] العلماء بالبلد الأمين الامام المحدث الفقيه الامين سيدنا المولىٰ السيد احمد بن زين دحلان المكى قدس سره الملكى عن الشيخ عثمان الدمياطى ومولانا[4] الامام الهمام سراج الله فى البلد الحرام عبد الرحمن ابن المولى عبد الله السراج مفتى الحنفيه بمكة المحمية رحمهما الله تعالى عن المولى جمال بن عبد الله بن عمر مفتى الاحناف و مولانا السيد الصالح حسين صالح جمل الليل شيخ الخطباء وامام الشافعية بالبلدة الحرمية رحمه الله تعالى عن المولى

عابد السندی[۵] و مولانا حفید مرشدی و صاحب سجادته الکریمة ذی السیادة الجلیلة و السعادة الجمیلة و المقامات العظیمة سیدنا الشاہ ابی الحسین احمد النوری ادام الله تعالیٰ تنویرہ بالنوری المعنوی و الصوری عن الشاہ علی حسین المراد آبادی و العبد الحقیر ما کان ھنالک ولا اھلاً لذلک

وکان علی ان اتیہ لکن

تقدم و التقدم للکرام" [۱۱]

ترجمہ پہلا نسخہ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کو ہیں۔ وہ اس کا ہے جس کا کوئی نہیں۔ اس کو سہارا دیتا ہے جس کو کوئی سہارا نہیں۔ افضل درود اور اکمل سلام ان پر جو سخیوں کے سردار اور ساری مخلوق کے سہارا ہیں جو عظمت والے پیغمبروں کے سلسلوں کی نہایت ہیں۔ آپ کی آل واصحاب پر بھی جو آپ کے علم کے راوی اور اچھی روش و پاکیزہ دانش کے محافظ ہیں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ محدث، فاضل، عالم، کامل، سید نسب وحسب والے، ماہر، فضیلتوں کے مجمع، عزتوں کے منبع، حضرت مولانا سید محمد عبدالحی بن شیخ کبیر سید عبدالکبیر الکتانی الحسنی الادریسی الفاسی، عرب کے محدث بلکہ بمشیۃ تعالیٰ عجم وعرب کے محدث، میرے پاس بتاریخ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ تشریف لائے، میں اس وقت مکہ مکرمہ میں تھا۔ انہوں نے آکر مجھ سے حدیث مسلسل بالاولیت کا سماع کیا اور یہ پہلی حدیث ہے جو انہوں نے اس عبدضعیف سے سنی جس طرح میں نے یہ حدیث اپنے مولیٰ، اپنے مرشد، اپنے سردار، اپنے بھروسہ، اپنے خزانہ، دنیا وآخرت میں اپنے ذخیرہ سیدنا الشاہ آلِ رسول الاحمدی (رضی اللہ عنہ بالرضی السرمدی) سے سب حدیثوں سے پہلے سنی اور انہوں نے یہ حدیث محدث ہند، مشہور درعرب وسند مولانا الشاہ عبدالعزیز الدہلوی سے سب حدیثوں سے پہلے سنی۔ ان کا سلسلۂ سند مشہور اور ان کی کتاب مسلسلات میں مذکور ہے۔ سید عبدالحی موصوف نے مجھ سے اس حدیث کی اور اس کے علاوہ ان تمام مرویات کی اجازت مانگی جن کی روایت کا میں درج ذیل (۶) مشائخ کرام کی طرف سے مجاز ہوں:

۱۔ ہمارے آقا و مرشد جن کا ابھی ذکر شریف ہوا۔

۲۔ سیدی والد ماجد میری نعمت کے والی، اہلِ تحقیق کے خاتم، اہلِ تدقیق کے امام، حامی سنت، ماحیِ فتنۂ بدعت، عمدہ تصانیف، غالب حجۃ، روشن طریق والے حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب القادری البرکاتی البریلوی قدس سرہ القوی (التوفی ۱۲۹۷ھ)۔ وہ اپنے والد گرامی عارف ربانی سیدنا المولوی رضا علی خاں (قدس سرہٗ) کی طرف مجاز ہیں۔

۳۔ امن والے شہر مکہ مکرمہ کے شیخ العلماء، امام، محدث، فقیہہ، امانت دار، سیدنا المولوی سید احمد بن زین دحلان المکی (قدس سر الملکی)۔ وہ حضرت عثمان میاطی کی طرف سے مجاز ہیں۔

۴۔ بلند ہمت امام، حرمت والے شہر میں اللہ کے روشن چراغ مولانا عبدالرحمٰن بن المولوی عبداللہ السراج مکہ محمیہ میں حنفیوں کے مفتی (رحمہما اللہ تعالیٰ)۔ وہ مولوی جمال بن عبداللہ بن عمر مفتی الاحناف کی طرف سے مجاز ہیں۔

۵۔ نیک سردار شیخ الخطباء مکہ محترمہ میں امام الشافعیہ مولانا حسین[۶] صالح جمل اللیل (رحمہ اللہ تعالیٰ)۔ وہ مولیٰ عابد السندی کی طرف سے مجاز ہیں۔

۶۔ میرے مرشد کے پوتے، ان کے سجادہ نشین، سیادت جلیلہ، سعادت جمیلہ کے صاحب اور مقاماتِ عظیمہ کے مالک، سیدنا مولانا الشاہ ابوالحسین احمد النوری (اللہ تعالیٰ ان کے نورِ معنوی اور نورِ صوری کی تنویر برقرار رکھے)۔ وہ شاہ علی حسین مراد آبادی کی طرف سے مجاز ہیں۔ عبدحقیر خود کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ سید صاحب جیسے مقتداء مجھ سے سندِ حدیث حاصل کرتے اور میرے پاس چل کر تشریف لاتے۔

(ترجمہ شعر) ضروری تھا کہ میں جاتا مگر وہ آگئے پہلے
کرم والے نوازش میں ہمیشہ پہل کرتے ہیں"

امام احمد رضا نے ۱۳۲۶ھ میں ۱۰ علمائے مکہ کو جب سندِ اجازات بھیجوائیں تو ان کے آخر میں یہ الفاظ تحریر تھے:

ترجمہ: آپ نے مجھ سے حدیث کی اور میری نئی و پرانی مرویات کی اجازت طلب کی ہے حالآنکہ میں اس کی اہلیت نہیں رکھتا اور نہ ہی ان معرکوں کا شہسوار ہوں لیکن آپ نے میری بابت اچھا گمان کیا ہے اور اچھا گمان بہترین طریقہ ہے اس کے ذریعہ اعلیٰ مدارک حاصل ہوتے ہیں----

ازاں بعد سب کی عبارتیں متفق ہیں:

تو اللہ اور اس کے رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی برکت پر میری اجازت لیجئے۔ میں آپ کو اللہ کی رضا کی اور اس کے کمالِ قبول کی حمد کرتے ہوئے اولاً: ان تمام علوم کی اجازت دیتا ہوں جنہیں میں نے اساتذہ کرام سے پڑھا اور اس اعلیٰ وجہ کی بناء پر میرے لئے اساتذہ سے قرآن عظیم کی روایت اور نبی کریم ﷺ کی احادیث کی روایت صحیح اور ثابت ہے اور کتب حدیث کی ان تمام قسموں کی بھی جنہیں صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معاجیم اجزاء کہا جاتا ہے۔ نیز مسلک محدثین کے مطابق اور ہمارے جلیل القدر اماموں کے روشن طریقہ کے موافق جتنی اصولِ حدیث کی کتابیں ہیں، ان کی روایت بھی میرے لئے صحیح اور ثابت ہے اور فقہِ حنفی کی روایت بھی---- کہ اس کی اصل سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ تک پہونچتی ہے۔ [۱۲]

اس سندِ حدیث کے اجازت نامہ میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی احادیث کی چند کتابوں کی نہیں بلکہ جملہ کتب احادیث، کہ جس جس نام اور اصول کے تحت مرتب کی گئی ہیں اس کے تمام اصول وضوابط کے ساتھ، اس کی اجازت عطا کر رہے ہیں۔ شاید اتنی جامع اجازتِ سندِ حدیث آپ کے ہم عصر محدثین کے یہاں نہیں ملتی۔ آپ کو کیونکہ جامعیت کے ساتھ سندِ اجازت حاصل تھی، اسی لئے آپ نے اجازتیں بھی اسی جامعیت کے ساتھ عطا فرمائیں۔ یہاں راقم صرف ایک سند الحدیث المسلسل بالاولیۃ نقل کر رہا ہے جو ۲۶ واسطوں سے اسی تسلسل کے ساتھ ماخذ اول یعنی اول الخلق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک پہونچتی ہے۔ اس سند میں امام احمد رضا نے اپنے تمام اسلاف کے لئے عمدہ عمدہ القابات لکھے ہیں۔ یہاں صرف نام لکھے جا رہے ہیں، قاری حضرات اصل میں القابات کی تفصیل دیکھ سکتے ہیں:

طریق الشیخ المحقق عبد الحق المحدث قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم. الحمدللہ رب العٰلمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحٰبہ اجمعین امابعد فقد حدثنی السید الامام الھمام قطب الزمان [۱] حضرت الشیخ (اٰلِ رسول) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ وھو اول حدیث سمعتہٗ منہ قال حدثنی السید السند رحلۃ زمانہ امام اوانہ عمی و شیخی و مولای ومرشدی السید اٰل احمد [۲] المقلب باچھے میاں صاحب المارھروی قدس سرہٗ العزیز وھو اول حدیث سمعتہٗ منہ عن السید الشاہ [۳] حمزہ ابن سید اٰل احمد بلجرامی ھو اول حدیث سمعتہٗ منہ قال حدثنی السید طفیل محمد [۴] الاترولوی... قال حدثنی السید مبارک [۵] فخر الدین البلجرامی... قال حدثنی الشیخ ابو الرضا [۶] بن الشیخ اسماعیل الدھلوی احدا حفاد الشیخ عبد الحق الدھلوی... قال حدثنی افضل المحدثین الشیخ عبد الحق [۷] دھلوی ... قال حدثنی الشیخ عبد [۸] الوھاب بن فتح اللہ ابروجی قال حدثنا الشیخ الاکبر محمد [۹] بن افلح الیمنی... قال حدثنا اما وجیہ الدین عبد الرحمن بن ابراھیم العلوی حدثنا امام شمس الدین [۱۱] السخاوی

القاهری... حدثنا حافظ العصر الشهاب ابو الفضل احمد بن علی العسقلانی عرف بابن حجر[12]... قال حدثنی ابو الفضلعبد الرحیم[13] بن الحسین العراقی... قال حدثنی الشیخ[14] شمس الدین ابو عبد الله محمد بن احمد التدمری... قال حدثنا ابو الفتح[15] محمدبن محمد ابن ابراهیم المیدوی... قال حدثنا[16] ابو الفرج عبد اللطیف بن عبد المنعم الحرافی... قال حدثنا ابو الفرج[17] عبدالرحمن بن علی الجوزی... قال حدثنا ابو سعید[18] اسمٰعیل بن ابی صالح احمد بن عبد الملک نیسابوری... قال حدثناابو صالح[19] احمد بن عبد الملک... قال حدثنا ابو طاهر[20] محمد بن محمد بن محمش الزیاوی... قال حدثنا ابو حامد[21] احمدبن محمد یحیٰی... قال حدثنی عبد[22] الرحمن بن بشر الحکم... قال حدثنا سفیان[23] بن عینیه... قال حدثنا سفیان بن عمرو بن دینار عن ابی[25] قابوس مولٰی عبد الله بن عمرو بن العاص عن[26] عبد الله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما ان رسول الله ﷺ قال الراحمون یرحمهم الرحمن تبٰرک و تعالٰی ارحموا من فی الارض یرحمکم مّن فی السمآء[27]

امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے اپنے عربی رسالہ "الاجازات المتینه لعلماء بکة والمدینة" (۱۳۲۴ھ) میں کئی خطبات تحریر فرمائے ہیں جو عربی ادب کے عظیم شاہکار ہیں۔ ان خطبات میں نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کی شان وعظمت جس طرح بیان فرمائی ہے وہ آپ کی نہ صرف والہانہ وابستگی ظاہر کرتی ہے، ساتھ ہی آپ کے عقیدے کی بھی عکاسی کرتی ہے اور جس کا عقیدہ درست نہیں، اس کا ایمان مکمل نہیں۔ یہاں میں اس خطبہ کو نمونتاً پیش کر رہا ہوں جو "النسخه الثانیه" کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے۔ پہلے خطبۂ نسخۂ ثانیہ ملاحظہ کریں پھر اس کی افادیت واہمیت اور انفرادیت سے قارئین حضرات کو آگاہ کیا جائے گا:

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمدلله المسلسل[1] إحسانه المتصل[2] إنعامه، غیر منقطع[3] ولا مقطوع[4] فضله وإكرامه، ذكره سند[5] من لا سند له واسمه أحد من لاأحد[6] له

وأفضل الصلوات العوالی[7] النزول[8] وأكمل السلام المتواتر[9] الموصول[10] علی أجل مرسل[11] كشاف كل معضل[12] العزیز[13] الأعز المعز الحبیب، الفرد فی[14] وصل[15] كل غریب[16]، فضله الحسن[17] مشهور[18] مستفیض[19] و بالاستناد الیه یعود صحیحا[20] كل مریض، قدجاء جوده المزید[21] فی متصل الأسانید[22] بل كل فضل إلیه مسند[23] عنه یروی[24] والیه یرد، فسموط فضائله العلیة[25] مسلسلات[26] بالأولیة وكل درّجید[27] من بحره متسخرج[28] وكل مدّر جود فی سائلیه مدرج[29] فهو المخرج[30] من كل حرج، وهو الجامع[31] وله الجوامع[32] علمه مرفوع[33] وحدیثه مسموع[35] ومتابعه مشفوع[36] والاصر عنه موضوع[37] وغیره من الشفاعة قبله ممنوع، فالیه الاسناد[38] فی محشر الصفوف، وأمر الموقف[39] علی رأیه موقوف، حوضه المورود لكل وارد مسعود، فیا فوز من هو منه منهل ومعلول[40] فبه كل علة[41] من معلل[42] تزول حزبه المعتبر[43] والشذوذ[44] منه منكر[45] وطریق[46] الشاذ[47] الی شواظ سقر، حافظ[48] الأمة من الأمور الدلهمة، الذاب عنا كل تلبیس[49] وتدلیس[50] والجابر لقلب بائسٍ مضطرب[51] من عذاب بئیس، الحاكم[52]

الحجة[53] الشاهد[54] البشير، معجم[55] في مدحه كل بيان و تقرير[56] علوه[57] لايدرك وما عليه مستدرك[58] مقبوله[59] يقبل ومتروكه[60] يترك، تعدد طرق الضعيف[61] اليه، فمن سننه[62] الصحاح[63] التعطف عليه، فيجبر باعتضاده[64] قلبه الجريح[65] ويرتقي من ضعفه الى درجة الصحيح، مدار أسانيد الجود والاكرام، منتهى[66] سلاسل الانبياء الكرام، صلى الله تعالىٰ عليه وعليهم وسلم ملأ آفاق السماء وأطراف العالم، وعلى آله وصحبه[67] وكل صالح[68] من رجاله[69] وحزبه، رواة[70] علمه ودعاة[71] شرعه وعادة أدبه، وعلى كل من له وجادة[72] ومناولة[73] من أفضاله الواصلة الدار المتواصلة بحسن ضبط[74] محفوظ[75] النظام، من دون وهم[76] لا ايهام، ولا اختلاط[77] بالأعداء الليام، ماروى[78] خبر[79] وهوى أجازة[80] وغلب حقيقة الكلام مجازه[81] آمين.

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔

سب تعریفیں ہر آن اللہ کو ہیں جس کا احسان قائم رہتا ہے اور انعام ختم نہیں ہوتا، اس کا فضل وکرم نہ رکتا ہے نہ روکا جاتا ہے۔ اس کا ذکر بے سہاروں کا سہارا اور اس کا نام بے بسوں کا بس ہے۔

اونچی شان والے نیچے اترنے والے درودوں میں سے افضل درود اور لگاتار پہونچنے والے سلاموں میں سے اکمل سلام ان پر جو رسول معظم ہیں۔ آپ ہر قسم کی دشواریاں دور فرماتے ہیں، نادر الوجود ہیں، عزتوں کے بھی مالک ہیں اور عزتوں کے بخشنے والے محبوب بھی، ہر مسافر کو منزلِ مقصود تک پہنچانے میں یگانہ ہیں۔ آپ کا حسین فضل شہرت و وسعت والا ہے۔ آپ سے سہارا لے کر ہر بیمار تندرست ہوجاتا ہے۔ آپ کی سخاوت کی بارشیں انہی پر اترتی ہیں جنہوں نے آپ سے روابط وتعلقات قائم رکھے ہیں بلکہ ہر فضیلت آپ ہی سے منسوب ہے، آپ ہی سے دوسروں کی طرف جاتی ہے، پھر آپ ہی کے حضور لوٹ کر آتی ہے۔ آپ کے عالی فضائل کی لڑیاں روزِ اول سے پروئی ہوئی ہیں اور ہر ستھرا موتی آپ ہی کے بحرِ فیض سے نکلا ہے۔ جود وسخا کی بارش برسانے والے آپ کے بھکاریوں میں داخل ہیں۔

تمام تنگیوں سے آپ ہی نکالتے ہیں۔ آپ ہی میں سب خوبیاں پائی جاتی ہیں، جو کلمات بولنے میں مختصر اور مفہوم میں وسیع ہیں وہ آپ ہی کو نصیب ہوئے ہیں۔ آپ کا جھنڈا بلند ہے، آپ کی بات مقبول اور آپ کے متبع کے حق میں شفاعت منظور ہے۔ آپ سے ہر قسم کا بوجھ ہٹایا گیا ہے اور دوسروں کو آپ سے پہلے شفاعت کرنے سے روکا گیا ہے۔ بروزِ محشر لوگوں کی تمام صفیں آپ ہی پر بھروسہ کریں گی۔ اس دن آپ ہی کی مرضی کے مطابق کام ہوگا۔ آپ کا حوض ہر نیک بخت پیاسے کے لئے گھاٹ ہے جہاں سے تشنگی بجھے گی تو وہ شخص کسی درجہ فائز المرام ہوگا۔ جو اس گھاٹ سے بار بار پئے گا تو ہر دکھ سے نجات پائے گا۔ آپ کے فرمانبرداروں کا گروہ ہی قابلِ اعتبار ہے۔ ان سے الگ رہنا بہت برا ہے۔ جو الگ ہوا اس کا راستہ جہنم کی بھڑکتی آگ کی خالص لپٹ کی طرف جاتا ہے۔ آپ ہی امت کو کالے گھپ اندھیروں سے بچاتے ہیں۔ آپ ہی ہم سے ہر مکر وفریب کو زائل کرتے ہیں۔ برے عذاب سے غمگین ہونے والے پریشان دل کی پریشانیاں آپ ہی دور فرماتے ہیں۔

حاکم، حجۃ، شاہد، بشیر جیسی صفات سے آپ ہی موصوف ہیں۔ آپ کی کماحقہٗ مدح وثنا کرنے میں ہر بیان عاجز اور تقریر گونگی ہے۔ آپ کی رفعتِ شان ادراک سے بالاتر ہے۔ اس پر اضافہ ناممکن ہے۔ آپ جسے قبول فرمالیں وہ مقبولِ بارگاہ اور جسے چھوڑ دیں وہ راندۂ درگاہ ہوجاتا ہے۔ کمزور شخص ادھر ادھر سے پھر پھرا کر آپ کی طرف آتا ہے تو آپ اپنی عادتِ مبارکہ کی بدولت اس کے حال پر رحم فرماتے ہیں تو اس کا زخمی دل آپ سے قوت پاکر بھر جاتا ہے اور کمزوری و ناتوانی سے

درجۂ صحت وتوانائی تک ترقی کرجاتا ہے۔ آپ جودواکرام کے تمام سہاروں کے مرکز اور انبیائے کرام کے جملہ سلاسل کے منتہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اوران سب انبیاء پر اس قدر درود وسلام نازل فرمائے جس سے آسمان کے کنارے اور جہاں کے اطراف بھر جائیں۔

اور آپ کی آل واصحاب پر اور آپ کے گروہ کے ہر لائق شخص پر جو آپ کے علم کا راوی، شریعت کا داعی اور ادب کا محافظ ہے اور اس پر بھی جو آپ کے احسانات کے ملنے سے تونگرا ہوا۔ وہ احسانات جو تعلقات کو جوڑتے ہیں، تعداد میں زیادہ ہیں اور ایک محفوظ نظام و حسین ضابطے کے تحت مربوط ہیں جن میں نہ وہم کو دخل ہے نہ ابہام کو، نہ بُرے دشمنوں کی آمیزش کو۔

یہ درود و سلام اس وقت تک نازل ہوں جب تک خبر مردی اجازت حاصل اور مجاز پر حقیقت غالب ہوتی رہے۔ آمین۔

خطبۃ الحدیث کا تحقیقی جائزہ:

۱۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے پاس وقت بہت کم اور فروغِ دین کا کام بہت زیادہ تھا۔ اس لئے ان کی ایک تحریر میں بہت سے بطون چھپے نظر آتے ہیں۔ اس خطبہ کو ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ خطبہ اس وقت تحریر کیا جانا تھا جب امام احمد رضا کوئی مجموعۂ حدیث از خود مرتب فرماتے تب اس خطبہ کو بطور "خطبۃ الکتاب" شامل فرماتے جس طرح آپ نے جب از خود اپنی حیات تک اپنے مجموعۂ فتاویٰ کو مرتب کیا اور اس کی اشاعتِ اول کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے اس مجموعۂ فتاویٰ کا نام رکھا "العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ" اور اس پر ایک انتہائی جامع خطبہ تحریر فرمایا جس کی مثال فتاویٰ کی دنیا میں بےنظیر و بےمثال ہے۔ اس خطبہ میں حمد وثناء کے لئے آپ نے صراحتاً فقہ، اصولِ فقہ کے اصطلاحات کے ساتھ ساتھ ان علوم پر لکھی جانے والی کتب اور ان کے مصنفین کے ۹۰ ناموں کو لڑیوں میں اس طرح پرو دیا ہے کہ عربی فصاحت و بلاغت کی مالا بن گئی [۵۱]۔

۲۔ امام احمد رضا نے بظاہر از خود کوئی بڑا مجموعۂ حدیث مرتب نہیں فرمایا مگر ایک ایک حدیث آپ کو اس کی مکمل درایت کے ساتھ حفظ تھی۔ احادیث کے تمام اصول وضوابط ہر وقت نگاہ میں ہوتے [illegible] جب آپ ایک استاد کی حیثیت سے اپنے شاگردوں کو [illegible] احادیث کی اجازتیں مرحم فرمارہے تھے تو آپ نے اس کے لئے مختلف [illegible] مختلف اجازت نامے تحریر فرمائے۔ اسی طرح یہ اجازت نامے جو خاص عرب علماء کے لئے تحریر فرمارہے تھے اس اجازت نامہ کی ابتدا [illegible] آپ نے عربی کا خطبہ بھی تحریر فرمایا جس میں تقریباً ۸۰ مصطلحات حدیث کو بطورِ استہلال نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے جو آپ کی علمِ حدیث میں ذہانت و فطانت اور جودتِ طبع پر واضح دلیل ہے۔ امام احمد رضا نے اسی اجازت نامہ میں ۸۰ سے زیادہ حدیث اور علمِ حدیث کی اصطلاحات کو اس خوبی سے استعمال فرمایا ہے کہ شاید ایسا جامع خطبہ نہ ان کے ہمعصر محدثوں کے یہاں ملتا ہے اور نہ ہی پچھلی کئی صدیوں تک ایسا جامع خطبہ تاریخ میں نظر آتا ہے۔

۳۔ ایک اور اہم پہلو جو اس خطبہ میں چھپا ہے وہ ہے "تمہیدِ رسالت" کیونکہ یہ موضوع کے لحاظ سے علومِ حدیث پر خطبہ ہے اور علومِ حدیث کا تعلق نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہے اس لئے اصطلاحات بھی وہ استعمال فرمائی ہیں جس سے حضور ﷺ کی رسالت کی شان و شوکت ظاہر ہوتا کہ لوگ حدیث پر مکمل اعتماد رکھیں۔ ترجمہ آپ نے ملاحظہ کرلیا ہوگا، یہاں صرف دو تین عبارتیں دہرا رہا ہوں:

فافضل الصلوات العوالی النزول، واکمل السلام المتواتر الموصول، علی اجل مرسل، کشاف کل مصفل، العزیز الاعز المعز الحبیب...

اونچی شان والے، نیچے اترنے والے درودوں میں سے افضل درود اور لگاتار پہنچنے والے سلاموں میں سے اکمل سلام ان پر جو رسولِ معظم ہیں۔ آپ ہر قسم کی دشواریاں دور فرماتے ہیں اور نادر الوجود ہیں

عزتوں کے مالک بھی ہیں اور عزتوں کے بخشنے والے محبوب بھی [۱۶]۔

۴۔ مولانا مفتی محمد ظفر الدین قادری بہاری (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) آپ کے ایسے ہونہار شاگرد، مرید اور خلیفہ اجل [۱۷] تھے کہ آپ خود ان پر فخر کیا کرتے تھے کیونکہ آپ ہی اپنے زمانہ میں چند علوم میں بالخصوص یگانہ تھا۔ ایک موقع پر انجمنِ نعمانیہ، لاہور کے ناظم مولانا خلیفہ تاج الدین نے ۱۳۲۸ھ میں بریلی شریف، امام احمد رضا کو خط تحریر کیا کہ لاہور کے مدرسۂ نعمانیہ میں چند اساتذہ کی شدت سے ضرورت ہے لیکن استاد اعلیٰ مدرّس ہو۔ امام احمد رضا نے خلیفہ تاج الدین کو جو جواب تحریر فرمایا اس کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں اعز (عزیز تر) طلباء سے ہیں۔۔۔کئی سال سے میرے مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں اور علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کرکے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔'' [۱۸]

امام احمد رضا کے اس ہونہار شاگرد نے لگ بھگ ۲۰ سال فتاویٰ نویسی اور دیگر علوم میں امام احمد رضا کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ ایک ایسا مجموعۂ حدیث تیار کیا جائے جس میں وہی احادیث جمع کی جائیں جو موید مسلکِ اہلِ سنت و احناف ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ و مصدر وغیرہ۔ انہوں نے پہلے امام احمد رضا کی تصانیف کو کھنگالا۔ بالخصوص فتاویٰ رضویہ اور پھر دیگر کتب کو اور جلد ہی ایک مجموعۂ حدیث بعنوان **''الجامع الرضوی المعروف لصحیح البھاری''** ۶ جلدوں پر مرتب کیا جس میں ۶۰،۰۰۰ احادیث جمع کی گئی تھیں۔

اس مجموعۂ حدیث کی صرف دوسری جلد ان کی زندگی میں ۱۴ الگ الگ حصوں کی شکل میں ۱۹۳۱ء۔۱۹۳۷ء شائع ہوئی اور دوسری مرتبہ ان تمام حصوں کو یکجا ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی کوششوں کے باعث ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء میں حیدر آباد سندھ سے شائع کروایا گیا۔ اس دوسری جلد میں دس ہزار احادیث اپنے تمام راویوں کے ساتھ درج ہیں [۱۹]۔

علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے جب اس دوسری جلد کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تو اس پر مقدمہ یا خطبۃ الکتاب کے طور پر اپنے استادِ محترم کی اس تحریر کو جو نسخۂ ثانیہ کے عنوان سے الاجازات میں تحریر تھا، مقدمہ کے طور پر شامل فرمایا۔ یہ خطبہ یقیناً کسی بھی احادیث کے مجموعہ کے لئے انتہائی جامع مقدمہ یا خطبہ ہے۔ مقدمہ کے بعد خود آپ اس بات کا اظہار فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ولنقدم قبل الشروع فی المقصود مقدمة یشتمل فوائد التقطتها من تصانیف العلماء لاسیما سیدی وملاذی شیخی و استاذی شیخ السلام والمسلمین وارث علوم سید المرسلین مؤید الملة الطاهرة مجدد المائة الحاضرة مولانا الشاہ احمد رضا خان القادری البرکاتی البریلوی نفعنا الله ببرکاته فی الدنیا والاخرة'' [۲۰]

۵۔ امام احمد رضا نے اپنے اس خطبہ میں جو ۸۰ مصطلحاتِ حدیث استعمال کی ہیں، ان کو یکجا پیش کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین حضرات امام احمد رضا کی علومِ حدیث پر دسترس سے آگاہ ہوسکیں کیونکہ بعض حضرات اپنے تئیں یہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک امام احمد رضا بہت بڑے فقیہ اور شاعر ضرور تھے مگر علمِ حدیث میں ''قلیل البضاعت فی الحدیث'' تھے، اس لئے ان حضرات کی توجہ چاہوں گا کہ کیا کسی ''قلیل البضاعت فی الحدیث'' کے اندر یہ صلاحیت ہوسکتی ہے کہ وہ علوم حدیث کے حوالے سے اتنا طویل مقدمہ لکھے اور پھر جدت یہ کہ اس خطبہ میں وہ مصطلحات استعمال کرے جو صرف اور صرف علومِ حدیث سے متعلق ہوں اور ان ہی مصطلحات کی روشنی میں حمد وصلوٰۃ و منقبت مکمل ہوجائے۔ ان ۸۰ مصطلحات کا ایک سرسری جائزہ پھر اس اعتراض کی وضاحت پیش

کروں گا۔

مصطلحاتِ احادیث

حدیث، خبر، تقریر، مسموع:

(رسول اکرم ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث یا خبر کہتے ہیں اور قوی حدیث کو مسموع بھی کہتے ہیں۔)

سند، اسناد، طریق:

متن حدیث کے راویوں کی حکایت کو سند اور اسناد کہتے ہیں جبکہ سندِ حدیث کو طریقِ حدیث بھی کہتے ہیں۔

متواتر، مشہور، مستفیض، عزیز، غریب، فرد، احد:

اگر حدیث کی سندیں بہت زیادہ ہیں تو وہ متواتر ہے اور دو سے زیادہ ہیں تو مشہور ہے، اسی کو مستفیض بھی کہتے ہیں، اگر صرف دو ہی سندیں ہوں تو اس کو عزیز کہا جاتا ہے۔ اگر صرف ایک ہی سند ہے تو حدیث غریب کہلاتی ہے اور اسی کو فرد بھی کہتے ہیں۔ ایک شخص کی روایت کردہ خبر کو احاد کہا جاتا ہے اور علمِ حدیث میں ہر وہ حدیث جو متواتر کی شرط پوری نہ کرے خبر احاد کہلاتی ہے۔

بغیر تفصیل میں گئے ہوئے بقیہ مصطلحات ملاحظہ کیجئے:

صحیح، متصل، موصول، وصل، متصل الاسانید، معطل، علت، شاذ، شذور، ضبط، حسن، ضعیف، اعتقاد، محفوظ، منکر، متابع، شاہد، معتبر، مرسل، مصفل، منقطع، ندلیس، موضوع، معلول، مدرج، اختلاط، دھم، مرفوع، موقوف، منتہی، عوالی، انزول، علیۃ، علو، رجال رواۃ دعاۃ، صحب روی، یروی، اجازۃ مناولۃ و بادۃ، مجاز، صالح، جید، الحافا الحاکم الحجۃ، جامع، جوامع، سنن، مسند، معجم مخرج، مستدرک، صحاح، مخرج وغیرہا۔

قارئین حضرات! آپ نے ملاحظہ کیا کہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے اس خطبہ میں لگ بھگ وہ تمام اہم اصطلاحات استعمال فرمائی ہیں جو علومِ حدیث میں مستعمل ہیں۔ ان ۱۸۰ اصطلاحات میں ۴مصطلحات حمد کے طور پر استعمال کی ہیں جب کہ ۷ تا ۶۵ یعنی ۵۸ اصطلاحاتِ احادیث سے نعت رسولِ مقبول ﷺ بیان فرمائی ہے اور بقیہ ۱۱۵ اصطلاحات میں مناقب ال واصحاب کے لئے استعمال کی ہیں۔

امام احمد رضا علوم میں کیسی دسترس رکھتے تھے اور ان کی قلمی خدمات کیا ہیں اس کے لئے یہاں صرف علومِ حدیث پر قلمی خدمات کی ایک فہرست ملاحظہ کیجئے اور پھر سوچئے کہ کیا وہ قلیل البضاعت فی الحدیث تھے یا پھر ایسا لکھنے والے ان کے علم سے بالکل بے خبر تھے۔

امام احمد رضا کی علومِ حدیث میں قلمی خدمات: [۲۱]

اسانیدِ حدیث:

۱۔ الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البھیۃ ۱۳۲۳ھ عربی
۲۔ الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ ۱۳۲۴ھ عربی
۳۔النور والبھا فی اسانید حدیث وسلاسل اولیاء اللہ عربی

اصولِ حدیث:

۴۔ مدارج طبقات الحدیث عربی
۵۔الافادات الرضویۃ عربی
۶۔حاشیہ فتح المغیث عربی
۷۔شرح الفکر (حاشیہ) عربی
۸۔الہاد الکاف فی حکم الضعاف ۱۳۱۳ھ اردو
۹۔الفضل الوہبی فی معانی اذا صح الحدیث فھو مذہبی ۱۳۱۳ھ اردو

اسماء الرجال:

۱۰۔ حاشیہ تقریب التھذیب عربی
۱۱۔حاشیہ تھذیب التھذیب عربی
۱۲۔حاشیہ الاسماء والصفات عربی
۱۳۔حاشیہ الاصابہ فی معرفت الصحابہ عربی
۱۴۔حاشیہ تذکرۃ الحفاظ عربی
۱۵۔ حاشیہ میزان الاعتدال عربی

۱۶۔حاشیہ خلاصہ تہذیب عربی

جرح وتعدیل:

۱۷۔ حاشیہ کشف الاحوال فی نقد الرجال عربی

۱۸۔حاشیہ العلل المتناهیة عربی

تخریج احادیث:

۱۹۔ النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب عربی

۲۰۔ البحث الفاحص فی طرف احادیث الخصائص ۱۳۰۵ھ عربی

۲۱۔ الروض البهیج فی آداب التخریج عربی

۲۲۔حاشیہ نصب الروایہ لتخریج احادیث الهدایہ عربی

لغتِ احادیث:

۲۳۔حاشیہ مجمع بحارالانوار عربی

حواشی کتبِ احادیث:

۲۴۔حاشیہ صحیح بخاری ۲۵۔صحیح مسلم ۲۶۔ جامع ترمذی ۲۷۔سنن نسائی ۲۸۔سنن ابنِ ماجہ ۲۹۔تیسیر شرح جامع صغیر ۳۰۔مسند امام اعظم ۳۱۔کتاب الحج ۳۲۔کتاب الاثار ۳۳۔شرح معانی الآثار ۳۴۔سنن دارمی ۳۵۔خصائص کبری لسیوطی ۳۶۔کنزالاعمال ۳۷۔ترغیب وترہیب ۳۸۔المقاصد الحسنہ ۳۹۔القول البدیع للسخاوی ۴۰۔نیل الاطار للشوکانی ۴۱۔عمدۃ القاری شرح بخاری ۴۲۔فتح الباری شرح بخاری ۴۳۔ارشاد الساری شرح بخاری ۴۴۔جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۴۵۔فیض القدیر شرح جامع صغیر ۴۶۔مرقاۃ المفاتح شرح مشکوٰۃ ۴۷۔موضوعات الکبیر ۴۸۔الالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ۴۹۔التعقبات علی الموضوعات ۵۰۔ذیل الدعاالاحسن الوعاء (اردو) ۵۱۔حاشیہ اشعۃ اللمعات (فارسی) ۵۲۔القیام المعود تنقیح المقام المحمود ۵۳۔انباء الحذاق بمسلک النفاق ۵۴۔تلالوالافلاک بجلال حدیث لولاک ۵۵۔سمع وطاعہ فی احادیث الشفاء (اردو) ۵۶۔الاحادیث الراویہ لمدح الامیر معاویہ (اردو) ۵۷۔اسماءالاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین (عربی)

(فقیہ اسلام ازڈاکٹر حسن رضا۔ص:۱۹۳۔۱۹۸)

قارئین کرام! ۵۰ سے زیادہ کتب احادیث کا مصنف اور ہزاروں احادیث کوفقہی مسائل میں استعمال کرنے والا بھی کیا ''قلیل البضاعت فی الحدیث'' ہوسکتا ہے۔تاریخ میں مولوی عبدالحیٔ اپنی ایک تالیف نزہۃ الخواطر میں رقمطراز ہیں:

''کان عالما متبحرا، کثیر المطالعة واسع الاطلاع، له قلم سیال و فکر حافل فی التالیف، تبلغ مؤلفاته ورسائله علی روایة بعض مترجمیه الی خمس مأة مؤلف، اکبرها ''الفتاویٰ الرضویة'' فی مجلدات کثیرة ضخمة، کان قوی الجدل، شدید المعارضة، شدید الاعجاب بنفسه وعلمه، قلیل الاعتراف بمعاصریه ومخالفیه، شدید العناد والتمسک برأیه، یندر نظیره فی عصره فی الاطلاع علی الفقه الحنفی وجزئیاته، یشهد بذلک مجموع فتاواه وکتابه ''کفل الفقیه الفاهم فی أحکام قرطاس الدارهم'' الذی ألفه فی مکة سنة ثلاث وعشرین وثلاث مأة وألف، وکان راسخا طویل الباع فی العلوم الریاضیة والهیئة والنجوم والتوقیت، ملما بالرمل والجفر، مشارکا فی أکثر العلوم، قلیل البضاعة فی الحدیث والتفسیر، یغلو کثیر من الناس فی شأنه فیعتقدون أنه کان مجددا للمأة الرابعة عشرة'' [۲۲]

(مولوی عبدالحیٔ لکھنوی۔نزہۃ الخواطر۔جلد ۸،ص:۴۰۔۴۱)

راقم مولوی عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی کی اس عبارت پر کوئی تبصرہ

کرنے سے قاصر ہے کہ انہوں نے ایک طرف علمِ فقہ کا بہت بڑا عالم اور مفتی تسلیم کیا اور فتاویٰ کا ذکر بھی کیا اور پھر یہ بھی لکھا کہ آپ ''قلیل البضاعت فی الحدیث'' تھے۔ غالباً امام احمد رضا کی علومِ حدیث پر ۵۰ سے زیادہ کتب میں سے ایک بھی ان کی نظر سے نہ گزری۔ اگر ایک بھی کتاب کا مطالعہ فرما لیتے تو شاید یہ الفاظ محدث کبیر کے لئے استعمال نہ کرتے۔ پھر شاید ان کو یہ لکھنا پڑتا کہ امام احمد رضا محدث بریلوی ان کے استادِ محترم مولوی نذیر حسین دہلوی کے مقابلے میں کہیں بڑے محدث تھے کیونکہ مولوی نذیر حسین دہلوی نے صرف احادیث کا درس دیا ہے اور امام احمد رضا نے ان تمام احادیثِ نبویہ کو اپنی ایک ہزار سے زیادہ کتب میں جگہ جگہ بوقتِ ضرورت استعمال فرمایا ہے اور جہاں جہاں درایت کی ضرورت پڑی، درایت کے جوہر دکھائے ہیں، جہاں اسماء الرجال پر بحث چھڑی اس کو بخوبی تمام فرمایا ہے، کہیں اصول کی بحث آئی تو دریا بہا دیئے ہیں۔ امام احمد رضا کے اس پھیلے ہوئے وسیع کام کو جب مولانا محمد حنیف نے سمیٹنے کی کوشش کی تو امام احمد رضا کے فتاویٰ اور چند ہی کتب سے انہوں نے مکررات کو چھوڑ کر ۵۰۰۰ سے زیادہ احادیث کو جمع کر دیا اور جس کو ''المختارات الرضویۃ من الاحادیث النبویۃ والآثار المرویہ المعروف بہ ''جامع الاحادیث'' کے نام سے دس جلدوں میں شائع کیا جس میں ۶ جلدیں احادیث پر مشتمل ہیں جبکہ آخری تین جلدیں امام احمد رضا کی تفسیرات پر مشتمل ہیں۔

کاش کہ مولوی عبدالحئی لکھنوی کے پیروکار اس شاہکار کا مطالعہ کریں اور علمی استفادہ حاصل کر سکیں۔

جامع الاحادیث کا موضوعاتی جائزہ: [۲۳]

جلد اول: اس جلد میں اول چند تقاریظ ہیں پھر مؤلف کا انتہائی ضخیم مقدمہ ہے جو صفحہ ۹۰ تا ۵۷۴ تک پھیلا ہوا ہے جس میں چند اسلاف کے حالات اور خدماتِ حدیث پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ علومِ حدیث اور ائمہ حدیث پر بھی کافی طویل تحریر موجود ہے۔

آخر میں امام احمد رضا کا علمِ حدیث میں مقام اور ان کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے جبکہ سب سے آخر میں انہوں نے علومِ حدیث میں جو اصطلاحات ہوتی ہیں ان سب کا مختصر تعارف دے دیا ہے۔ اس طرح پہلی جلد جامع الاحادیث کا صرف مقدمہ ہے جب کہ احادیث دیگر بعد کی ۲، ۳، ۴، ۵ اور ۷ویں جلد میں مرتب کی ہیں۔ چھٹی جلد کی ضرورت نہ تھی جب کہ ۸ویں، ۹ویں، ۱۰رویں جلد میں تفسیرات سے متعلق احادیث مرتب کی گئی ہیں۔

جلد دوم: مولانا محمد حنیف رضوی نے ۵۰۰۰ سے زیادہ احادیث کو جامع حدیث کی کتاب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ اس لئے جو جو عنوانات جامع کے اندر استعمال کئے گئے ہیں انہیں عنوانات کے تحت ان احادیث کو جمع کیا ہے چنانچہ اس کی ابتداء کتاب ایمانیات اور پہلا باب، باب نیت سے شروع کیا ہے۔

کتاب	احادیث
کتاب الایمان	۱ تا ۲۲۴ احادیث
کتاب العلم	۲۲۵ تا ۳۰۲ احادیث
کتاب الطہارۃ	۳۰۳ تا ۴۷۹ احادیث
کتاب الصلوٰۃ	۴۸۰ تا ۱۰۱۶ احادیث
جلد سوم:	
کتاب الجنائز	۱۰۱۷ تا ۱۲۸۶ احادیث
کتاب الزکوٰۃ	۱۲۸۷ تا ۱۳۸۵ احادیث
کتاب الصوم	۱۳۸۶ تا ۱۴۶۰ احادیث
کتاب الحج	۱۴۶۱ تا ۱۵۱۵ احادیث
کتاب النکاح	۱۵۱۶ تا ۱۶۱۷ احادیث
کتاب الطلاق	۱۶۱۸ تا ۱۶۴۵ احادیث
کتاب البیوع	۱۶۴۶ تا ۱۷۱۴ احادیث
کتاب الایمان ولنذور	۱۷۱۵ تا ۱۷۲۲ احادیث
کتاب الحمد ودودیات	۱۷۲۳ تا ۱۸۰۱ احادیث

کتاب الہجرۃ والجہاد	۱۸۰۲ تا ۱۸۱۳ احادیث
کتاب الخلافۃ	۱۸۱۴ تا ۱۸۳۷ احادیث
کتاب الرؤیا	۱۸۳۸ تا ۱۸۷۵ احادیث
کتاب الاطعمۃ والاشربۃ	۱۸۵۸ تا ۱۹۰۶ احادیث
کتاب الاضحیۃ	۱۹۰۷ تا ۱۹۲۹ احادیث
کتاب الصید والذبائح	۱۹۳۰ تا ۱۹۴۱ احادیث
کتاب الطب والرقی	۱۹۴۲ تا ۱۹۴۹ احادیث

جلد چہارم:

کتاب الاداب	۱۹۵۰ تا ۲۳۷۸ احادیث
کتاب الحیوانات	۲۳۷۹ تا ۲۴۱۶ احادیث
کتاب التوبہ	۲۴۱۷ تا ۲۴۲۹ احادیث
کتاب الزھد	۲۴۳۰ تا ۲۴۶۲ احادیث
کتاب الدعوات	۲۴۶۳ تا ۲۵۶۹ احادیث
کتاب الذکر	۲۵۷۰ تا ۲۶۰۸ احادیث
کتاب الفرائض	۲۶۰۹ تا ۲۶۲۱ احادیث
کتاب الساعۃ	۲۶۲۳ تا ۲۷۰۳ احادیث
کتاب الفضائل	۲۷۰۴ تا ۲۸۰۰ احادیث

جلد پنجم:

کتاب المناقب	۲۸۰۱ تا ۳۶۲۱ احادیث
کتاب الشتی	۳۶۲۲ تا ۳۶۶۳ احادیث

جلد ہفتم:

کتاب الشتی	۳۶۶۴ تا ۴۱۴۶ احادیث

جلد ہشتم اور نہم اور دہم، کتاب التفسیر: ۴۱۴۷ تا ۵۰۰۰ احادیث

علامہ محمد حنیف رضوی سے قبل اسی نوعیت کا کام مولانا محمد عیسیٰ رضوی قادری فاضل دار العلوم منظر اسلام و مدرس الجامعۃ الرضویۃ، مظہر العلوم گرسھائے گنجر قنوج، یو پی۔ انڈیا نے مکمل کیا تھا۔ علامہ عیسیٰ رضوی صاحب نے امام احمد رضا کے فتاویٰ رضویہ کی ۱۱ جلدوں کا مطالعہ کرتے ہوئے احادیثِ نبویہ کو جلد کے اعتبار سے جمع فرمایا اور فتاویٰ میں شامل ۳۵۹۱ احادیث کو ۳ جلدوں میں شائع کیا۔ آپ کے اعداد و شمار جو جلد کے اعتبار سے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

فتاویٰ رضویہ	احادیث
جلد اول	۲۵۴
جلد دوم	۴۷۱.
جلد سوم	۵۶۲
جلد چہارم	۵۳۸
جلد پنجم	۱۸۰
جلد ششم	۱۴۲
جلد ہفتم	۹۴
جلد ہشتم	۸۹

علامہ عیسیٰ رضوی نے ان تمام احادیث کی تخریج بھی کی ہے اور کم از کم ایک حدیث کی کتاب کا حوالہ ضرور دیا ہے جبکہ علامہ محمد حنیف رضوی صاحب نے ایک ایک حدیث کے بعض وقت ۱۰ سے بھی زیادہ مختلف کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔

امام احمد رضا کی حدیث پر مہارت اور دسترس کے حوالے سے مولانا منظور احمد سعیدی صاحب اپنا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بعنوان ''مولانا احمد رضا خاں کی خدماتِ علومِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ'' جامعہ کراچی میں پیش کر چکے ہیں اور قوی امید ہے کہ ۲۰۰۶ء میں ان کو ڈاکٹریٹ کی سند مل جائے گی۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی محدثِ کبیر تھے کیونکہ ان جیسا محدث ان کے ہمعصروں میں بھی ناپید تھا مگر افسوس کہ محققین وقت نے ان کو اپنی تحریر میں ''قلیل البضاعۃ فی الحدیث والتفسیر'' بھی لکھا۔ احقر یہ بات سمجھنے سے قاصر ہے کہ ایک ایسا عالمِ دین جس کو دنیا مجدد مانتی ہے

اور خود مولوی عبدالحیٔ انہیں عالمِ متبحر لکھ رہے ہیں پھر وہ عالم کس طرح تفسیر اور حدیث میں کمزور ہوسکتا ہے۔ یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ عالمِ متبحر وہی کہلانے کا مستحق ہے جس کو قرآن و حدیث پر مکمل دسترس حاصل ہو۔ امام احمد رضا نے اگرچہ کسی تفسیر اور شرحِ حدیث کے لکھنے کا اہتمام تو نہ فرمایا مگر فتاویٰ کی صورت میں قرآن کی تفسیر بھی لکھ دی اور احادیث کی شرح بھی فرمادی چنانچہ ان کے فتاویٰ اور دیگر کتب سے محققین حضرات اگر چاہیں تو احادیث کے مجموعہ تیار کریں اور چاہیں تو کوئی تفسیر مرتب کریں۔ امام احمد رضا نے کسی مورثی (Conventional) کام کے بجائے یعنی مجموعہ تفسیر اور شرحِ حدیث کے بجائے اپنی علمی توانائی اطلاقی علوم (Applied Disciplines) کے پر صرف کی تاکہ ہر ہر مسلمان ان کے علمی کام سے فائدہ حاصل کرسکے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کریم اور تمام احادیث کو فقہی مسائل کے اندر استعمال کرکے قرآن کی تفسیر اور احادیث کی شرح فرمادی۔ آپ نے رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لئے دین کو سمجھنا آسان کردیا کیونکہ ہر کوئی شخص تفسیر ماثور اور احادیث کے متن کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جامع الاحادیث ان کی احادیثِ نبویہ پر گہری نظر اور وسیع مطالعہ کا نچوڑ ہے۔

☆☆☆☆☆

مآخذ و مراجع

۱۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی، "الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ" (۱۳۲۴ھ) ص:۳۰۹

۲۔ مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری، "حیات اعلیٰ حضرت"، جلد اول، ص:۳۲ مطبوعہ کراچی

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، "تاریخ دارالافتاء بریلی شریف"، معارفِ رضا، شمارہ:۹، جلد:۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء، ص:۲۰، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

۴۔ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی، "خطبۃ الکتاب" "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" جلد اول، ص:۴، مکتبۂ رضویہ، کراچی ۱۹۸۹ء

۵۔ مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری، "چودھویں صدی ہجری کے مجدد"۔ ص:۵۶، مطبوعہ کراچی

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، "امام احمد رضا اور عالمِ اسلام" ص:۱۳، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۳ء

۷۔ علامہ محمود احمد قادری، "تذکرہ علمائے اہلِ سنت"، ص:۴۳، مطبوعہ کانپور ۱۹۷۲ء، انڈیا

۸۔ مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری، "حیاتِ اعلیٰ حضرت" جلد اول

۹۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، "قرآن، سائنس اور امام احمد رضا" ص: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ۱۹۸۹ء

۱۰۔ امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی، "اظہار الحق الجلی" (۱۳۲۰ھ) ص:۲۰۔۲۳، مطبوعہ کراچی، المدینۃ العلمیہ ۲۰۰۲ء

۱۱۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی، "الاجازت المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ" (۱۳۲۴ھ) ص:۲۶۸۔۲۷۱، مطبوعہ لاہور

۱۲۔ ایضاً ص:۲۹۸۔۳۰۱

۱۳۔ ایضاً ص:۳۴۶۔۳۵۰

۱۴۔ ایضاً ص:۲۷۸۔۲۸۳

۱۵۔ امام احمد رضا محدثِ بریلوی "الخطبة الكتاب العطايا النبوية فى الفتاوىٰ الرضوية" جلد اول، ص:۳۰۲، مطبوعہ کراچی

۱۶۔ امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی "الاجازات المتينه لعلماء بكة والمدينة" (۱۳۲۴ھ) ص:۲۷۹

۱۷۔ پروفیسر مجید اللہ قادری و محمد صادق قصوری، "خلفائے اعلیٰ حضرت" ص:۲۹۹۔۳۱۲، مطبوعہ ۱۹۹۲ء، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا

۱۸۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری "امام احمد رضا اور علمائے لاہور" ص:۲۸، مطبوعہ پروگریسو بک ۱۹۹۹ء

۱۹۔ مولانا محمد ظفر الدین قادری بہاری "جامع الرضوی المعروف لصحیح البہاری" مطبوعہ حیدرآباد، سندھ۔ صفحات:۹۵۹

۲۰۔ ایضاً ص:۳

۲۱۔ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی، "فقیہ اسلام" ص:۱۹۴۔۱۹۸ ادارۂ تصنیفاتِ امام احمد رضا کراچی، ۱۹۸۵ء

۲۲۔ مولوی عبدالحیٔ لکھنوی، "نزہۃ الخواطر" جلد ۸ (ص:۴۰۔۴۱) مطبوعہ مکتبہ خیر کثیر کراچی ۱۹۷۶ء

۲۳۔ امام احمد رضا خاں محدثِ بریلوی، "المختارات الرضوية من الاحاديث النبويه والاثار المروية" المعروف بہ "جامع الاحادیث" مرتبہ مولانا محمد حنیف رضوی نوری، جلد ۱۔۱۰، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور ۲۰۰۳ء

فقیہۃ الامۃ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فتاویٰ رضویہ

پروفیسر دلاور خاں*

نام و نسب: عائشہ رضی اللہ عنہا نام، صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب، اُمِّ عبداللہ کنیت ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت الصدیق سے خطاب فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام عبداللہ، ابوبکر کنیت، اور صدیق لقب تھا۔ ماں کا نام اُمِّ رومان تھا۔ باپ کی طرف سے سلسلہ نسب عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر صدیق بن ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد ابن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک اور ماں کی طرف سے عائشہ رضی اللہ عنہا بن اُمِّ رومان بنت عامر بن عویمر بن عبدالشمس بن عتاب بن اذینہ بن بسیع بن وہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باپ کی طرف سے قرشیہ تیمیہ اور ماں کی طرف سے کنانیہ ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب ساتویں آٹھویں پشت پر جا کر مل جاتا ہے اور ماں کی طرف سے گیارہویں بارہویں پشت میں کنانہ پر جا کر ملتا ہے۔[۱]

ولادت:

حضرت ام رومان کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا۔ عبداللہ کے انتقال کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو اولادیں حضرت عبدالرحمن اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔[۲] الشیخ احمد رضا حنفی فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ولادت نزولِ قرآن کے پانچ سال بعد ہوئی۔[۳]

نکاح:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا آپ کی دلی آرزو کیا ہے؟ عرض کی یارسول اللہ! ایک یہ کہ مجھے آپ کا دیدار نصیب رہے، دوسری یہ کہ مجھے اللہ مال دیتا رہے، میں آپ کے مشن پر خرچ کرتا رہوں اور تیسری یہ کہ میری بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے عقد کا شرف عطا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تینوں خواہشیں پوری فرمائیں۔[۴] شیخ الاسلام احمد رضا خاں حنفی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین سے فرمایا کہ میں نے تمہیں تین راتیں مسلسل خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ نے ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر میرے حضور پیش کیا، پھر فرشتہ نے عرض کی کہ یہ آپ کی زوجۂ مقدسہ ہیں، پھر میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا اٹھایا تو وہ تم تھیں، میں نے کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو ضرور ہوگا۔ اسے شیخین نے اُمُّ المؤمنین سے روایت کیا ہے۔[۵] شوال ۱۱ھ نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔[۶]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، مہر، رخصتی، غرض ہر رسم سادگی سے ادا کی گئی جس میں تکلف آرائش اور اسراف کا نام تک نہ تھا۔

فضیلت:

مفتی محمد شریف امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدارِ فضیلت قربِ الٰہی، علم اور تقویٰ ہے اور یہ تینوں باتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں بدرجہ اتم موجود تھیں اس لیے فضیلت ان کو مطلقاً حاصل ہے انکے اندر تین خصوصیتیں ایسی تھیں جو کسی بھی خاتون میں نہ ہوئی تھیں۔ حضور کو آپ کے ساتھ بہ نسبت دیگر ازواج کے زیادہ محبت تھی۔ علمِ اجتہاد میں دنیا کی ساری عورتوں سے بڑھی ہوئی تھیں۔ حضرات خلفاء راشدین کے عہد میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اجلۂ صحابہ کرام و تابعین عظام مشکل سے مشکل، دقیق سے دقیق مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور تسلی بخش جواب بھی پاتے تھے۔ آپ سے بہ نسبت عورتوں کی سب سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں۔ علماء نے فرمایا کہ دین کا چوتھا حصہ آپ سے مروی ہے۔[۷]

مفتی احمد یار خان نعیمی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یوں رقمطراز ہیں: آپ بے مثال عالمہ، فقیہہ، فصیحہ، فاضلہ تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث روایت فرمائیں۔ تاریخ

---

* پرنسپل گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج آف ایجوکیشن، قاسم آباد، کراچی

عرب پر بڑی خبر تھی، اشعارِ عرب پر بڑی نظر تھی۔ آپ کے بستر میں حضور ﷺ پر وحی آئی، حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو سلام کرتے تھے، آپ پر بہتان لگا تو سورۂ نور کی تقریباً اٹھارہ آیات آپ کی برأت میں نازل ہوئیں یعنی حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بہتان لگا تو بچہ گواہ مگر محبوبۂ محبوب ربِ العالمین کو بہتان لگا تو خود رب تعالیٰ گواہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔[8]

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
ان کی پُر نور صورت پہ لاکھوں سلام[9]

سیرتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

خدمت گزاری:

گھر میں اگرچہ خادمائیں موجود تھیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ آٹا خود پیستی تھیں، خود گوندھتی تھیں، کھانا خود پکاتی تھیں، بستر اپنے ہاتھ سے بچھاتی تھیں، وضو کا پانی آپ ﷺ کے لئے خود لا کر رکھتی تھیں، آپ ﷺ قربانی کے لیے جو اونٹ بھیجتے، ان کے لیے خود قلاوہ بٹتی تھیں اس کے علاوہ آپ ﷺ کے کپڑے خود دھوتیں، سوتے وقت مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں۔

مسواک کو صفائی کی غرض سے دھویا کرتی تھیں گھر میں کوئی مہمان آتا تو مہمان کی خدمت انجام دیتی تھیں۔

عبادت و ریاضیت:

نماز پنجگانہ اور تہجد کے علاوہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں۔ غیر معمولی اوقات مثلاً کسوف وغیرہ کی حالت میں جب آپ ﷺ نماز وغیرہ کے لئے کھڑے ہوتے تو آپ بھی ساتھ کھڑی ہوجایا کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں جماعت کو نماز پڑھاتے تو آپ حجرے میں کھڑی ہو کر اقتداء کرلیتی تھیں۔ نجمہ بنت سلمہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مغرب کی فرض نماز میں عورتوں کی امامت فرماتیں آپ عورتوں کے درمیان کھڑی ہوتیں اور قرآت فرماتیں تھیں۔

آپ اکثر روزے رکھا کرتیں۔ کبھی وہ اور آپ ﷺ دونوں مل کر روزے رکھتے۔ رمضان کے آخری عشرے میں آنحضرت ﷺ مسجد میں اعتکاف کرتے تھے۔ کبھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس فرض میں شامل ہوجاتی تھیں۔ حج کی پابند تھیں۔ کوئی سال ایسا نہیں گزرا جس میں آپ نے حج نہ کیا ہو۔ رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔

بہادری:

نہایت شجاع اور نڈر تھیں راتوں کو اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں، میدان جنگ آکر کھڑی ہوجاتی تھیں۔ غزوہ خندق میں جب چاروں طرف سے مشرکین محاصرہ کئے ہوئے تھے اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملہ کا خوف تھا وہ بے خطر قلعہ سے نکل کر مسلمانوں کے نقشۂ جنگ کا معائنہ کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ سے لڑائیوں میں شرکت کی اجازت چاہی لیکن نہ ملی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوۂ احد میں حضرت عائشہ اور ام سلیم کو دیکھا۔ کندھوں پر مشکیں اٹھائے ہوئے زخمیوں اور مومنین کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں، پانی ختم ہوجاتا تو پھر مشک بھر لاتی تھیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ٹپکاتی جاتی تھیں۔[10]

غرباء کی دستگیری:

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ کو دیکھا۔ انہوں نے ایک دن میں ستر ہزار درہم راہ خدا میں صرف کئے خود انہوں نے پیوند لگا کرتا زیب تن کیا ہوا تھا۔

ایک روز عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم بھیجے۔ انہوں نے سب کے سب اسی روز راہِ خدا میں صدقہ کر دیئے، اس روز ان کا روزہ تھا، شام کو لونڈی نے سوکھی روٹی سامنے رکھی اور کہا کہ اگر سالن کے لیے کچھ بچالیا جاتا تو میں سالن تیار کرلیتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے خیال نہ آیا تمہیں یاد دلا دینا چاہئے تھا۔

ایک دفعہ آپ روزے سے تھیں۔ گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا اتنے میں ایک سائلہ نے آواز دی۔ لونڈی کو حکم دیا کہ وہ ایک روٹی اسکی نذر کردو۔ عرض کی کہ شام کو افطار کس چیز سے کیجئے گا۔ فرمایا: یہ تو دے دو۔ شام ہوئی تو کسی نے سالن ہدیتاً بھیجا، لونڈی سے کہا: دیکھو! یہ تمہاری روٹی سے بہتر چیز خدا نے بھیج دی ہے۔

مربیہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن کوئی واقعہ ان کی زندگی کا ایسا نہیں ملتا کہ انہوں نے اس نعمت سے محروم رہنے کا گلہ کیا ہو۔ مفسر قرآن احمد رضا خاں حنفی، حضرت عائشہ صدیقہ کی اس کیفیت کو اپنے اس شعر میں اس خوبصورت پیرائے میں قلمبند کرتے ہیں:۔

بس کہ جز حضرت شہ صلی اللہ علیہ وسلم، دل میں نہیں اور کی جا
شاہزادوں سے بھی خالی ہے کنارِ اطہر [۱۱]

آپ نے اپنی آغوشِ تربیت میں متعدد بچوں اور بچیوں کی خود پرورش فرمائی تھی جن میں سے چند یہ ہیں: مسروق بن اجدع، عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہ، اسماء بنت عبدالرحمن ابی بکر، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، قاسم بن محمد اوران کے بھائی عبداللہ بن یزید وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی لڑکیوں کی پرورش بھی آپ نے کی اور خود اپنے ہاتھوں سے ان کی شادیاں کیں۔

شوہرِ نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور آپ کی مسرت و رضا کے حصول کے لئے شب و روز کوشاں رہتی تھیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر حزن و ملال کا شائبہ ہوتا تو آپ بے قرار ہو جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کا اتنا خیال تھا کہ کسی بات کو نظر انداز نہ کرتی تھیں۔

خشیت الٰہی:

الشیخ احمد رضا حنفی فرماتے ہیں کہ حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک بار خوف وخشیت کا غلبہ تھا، گریہ وزاری فرما رہی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے ام المؤمنین! کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ رب العزت جل وعلا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوڑا بنایا ہے؟ ام المؤمنین نے فرمایا: فرجت عنی فرج اللہ عنک تم نے میرا غم دور کیا، اللہ تعالیٰ تمہارے غم دور کرے۔ [۱۲]

درس گاہ عائشہ رضی اللہ عنہا:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک کو آپ کی درس گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تفقہ اور روایت کرنے والوں کی کثیر تعداد ہے۔ لیکن چند معروف یہ ہیں: انکے بھتیجے حضرت قاسم بن محمد بن ابو بکر، بھانجے حضرت عروہ بن زبیر، خواتین میں عروہ بنت عبدالرحمن، عمرو بن عاص، ابوموسیٰ اشعری، زید بن خالد جہنی وغیرہ، ابو ہریرہ، ابن عباس، ربعیہ بن عمرو جوشی، سائب بن یزید، حارث بن عبداللہ، ابن نوفل وغیرہم زیادہ مشہور ہیں اور اکابر تابعین میں سعید بن مسیب، علقمہ بن قیس، عمرو بن میمون، مطرف بن عبداللہ شخیر، مسروق بن اجدع، اسود بن یزید نخعی رضی اللہ عنہ کے علاوہ بہت بڑی جماعت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی علمی و تحقیقی خدمات

قرآن:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں نہایت غور وفکر، خشوع وخضوع سے تلاوت فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان نمازوں میں آپ کے پیچھے ہوتیں۔ قرآن کا نزول حضرت عائشہ کے سوا کسی اور زوجہ کے بستر پر نہیں ہوا۔ قرآن اترتا تو پہلی آواز انہی کے کانوں میں پڑتی۔ فرماتی ہیں کہ سورۂ بقر اور سورۂ نساء جب اتریں تو میں آپ کے پاس تھی۔ غرض یہ اسباب ومواقع ایسے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی طرزِ قرأت، محل معنوی، موقع استدلال اور طریقہ استنباط پر عبورِ کامل حاصل ہو گیا تھا۔ وہ مسئلہ کے جواب کے لئے پہلے عموماً قرآن پاک کی طرف رجوع کرتی تھیں۔ آپ کی قرآن فہمی سے متعلق ایک مثال ملاحظہ ہو:

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی (بقرہ: ۳۱)
نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً بیچ کی نماز کی۔

بیچ کی نماز سے کیا مراد ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس باب میں اختلاف ہے مسندِ احمد میں حضرت زید بن ثابت اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اس سے ظہر کی نماز مراد ہے۔ بعض صحابہ کہتے ہیں کہ اس سے صبح کی نماز مقصود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ بیچ کی نماز سے عصر کی نماز مقصود ہے۔

حدیث

مکثرینِ روایت میں حضرت عائشہ کا مقام:

نام	تعدادِ مرویات
ا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	۵۳۶۴
۲۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ	۲۶۶۰
۳۔حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ	۲۶۳۰
۴۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ	۲۵۴۰
۵۔حضرت انس رضی اللہ عنہ	۲۲۸۶
۶۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۲۲۱۰
۷۔حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ	۲۲۷۰ [۱۳]

مکثرینِ روایت میں جن صحابہ کرام کے نام شامل ہیں ان میں سے پانچ صحابہ اصولین کے نزدیک صرف روایت گش سمجھے جاتے ہیں، ان کا شمار فقہاءِ صحابہ میں نہیں ہوتا۔ چنانچہ روایت کا جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت جابر اور حضرت ابو سعید خدری ﷺ سے کوئی فقہی اجتہاد اور قرآن و سنت سے کسی غیر منصوص مسئلہ کا استنباط ثابت نہیں۔ اس مخصوص فضیلت میں حضرت عائشہ کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عباس شریک ہیں جو کثرتِ روایت کے ساتھ تفقہ، اجتہاد، فکر اور قوتِ استنباط میں ممتاز تھے۔

حضرت عائشہ کی مرویات کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں ان کے اسباب و علل کی بھی وضاحت فرماتی ہیں کہ وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے اس کی تشریح فرماتی ہیں۔

فنِ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سب سے پہلا اصول یہ تھا کہ روایت کلامِ الٰہی کے مخالف نہ ہو۔ اسی اصول کی بناء پر آپ نے متعدد روایتوں کی صحت سے انکار کیا اور ان روایتوں کی اصل حقیقت اور مفہوم کو اپنے علم کے مطابق ظاہر کیا اور جہاں تک ممکن ہوتا وہ دوسروں کی روایت کی بھی تصحیح فرماتی تھیں جسے فنِ حدیث کی اصطلاح میں ادراک کہتے ہیں۔ اس موضوع پر سب سے آخری رسالہ علامہ جلال الدین سیوطی کا "عین الاصابہ فی استدراکة عائشه علی الصحابة" ہے۔ مصنف نے فقہ کی ابواب پر اس رسالہ کو مرتب کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی علمِ حدیث سے متعلق خدمات امتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم ہیں۔ آپ کے ادراک کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

آنحضرت ﷺ کو یمنی چادر میں کفنایا گیا، حضرت عائشہ رضی

امہات المؤمنین کی مرویات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقام:

نام	متفق علیہ	بخاری شریف	مسلم شریف	دیگر کتبِ حدیث	میزان
ا۔حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۰۴	ـ	۰۶	۵۰	۰۶۰
۲۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۱۳	۰۳	۱۳	۳۴۹	۳۷۸
۳۔حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	۰۰	۰۲	۰۲	۰۰۳	۰۰۷
۴۔حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۰۲	ـ	۰۱	۰۶۲	۰۶۵
۵۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	۰۱	ـ	ـ	۰۰۹	۰۱۰
۶۔حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	۰۷	۰۱	۰۱	۰۶۷	۰۷۶
۷۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۱۷۴	۵۴	۶۷	۱۹۱۵	۲۲۱۰ [۱۴]

اللہ عنہا نے سنا تو کہا اتنا صحیح ہے کہ لوگ اس غرض سے چادر لائے تھے لیکن آپ کو اس میں کفنایا نہیں گیا۔ اسی طرح حضرت ابنِ عمر کہتے تھے کہ تقبیل سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقبیل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

فقیہ الاسلام احمد رضا خاں حنفی، حضرت عائشہ صدیقہ کی تحقیقات کی ثقاہت شعری پیرائے میں یوں قلمبند کرتے ہیں:۔

تری تدقیق پہ غش، حیدر رضی اللہ عنہ ونجل ہاشم
تری تحقیق کے قائل، عمر رضی اللہ عنہ و ابنِ عمر رضی اللہ عنہ [۱۵]

اسی طرح ایک بی بی نے ام المومنین سے سوال پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجذوموں کے حق میں فرماتے ہیں: فروا منهم كفرا وكم من الأسد ان سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو۔ ام المومنین نے فرمایا كلا ولكنه لاعدوى فمن اعدى الاول ہرگز نہیں بلکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ بیماری اُڑ کر نہیں لگتی، جسے پہلے ہوئی اسے کس کی اُڑ کر لگی؟

شیخ احمد رضا حنفی فرماتے ہیں کہ ام المومنین کا یہ انکار اپنے علم کی بناء پر ہے یعنی میرے سامنے ایسا نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا اور ہے یہ کہ دونوں ارشاد حضور سے بصحت کافیہ ثابت ہیں۔۔۔۔ حدیثِ جلیلِ عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر ہے جس سے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے استدلال کیا کہ حضورِ اقدس نے فرمایا "لاعدوى" کہ بیماری اُڑ کر نہیں لگتی۔ [۱۶]

آپ مزید فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ کا طریقہ اس قسم کی حدیثوں کے رد میں جو اس علم میں قطعی کی بناء پر ہے، جو ان کے نزدیک ثابت شدہ ہے، وہ یہ ہے کہ جس کی سند قرآن عظیم یا حضور کے بالمشافہ سماع پر ہے، مشہور و معروف ہے کہ سمع وفہم میں راوی کی طرف سہو ووہم کی نسبت کرتی ہیں۔ [۱۷]

حضرت عائشہ کے اس اُصول کے تحت الشیخ احمد رضا حنفی نے اپنے ایک رسالہ "الحق المجتلى فى الحق المبتلى" میں بطورِ مثال مختلف راویوں کی احادیث رقم کی ہیں جنہیں سہو اور وہم کی بناء پر حضرت عائشہ صدیقہ نے رد فرمایا۔ آپ نے جذام کے باب میں مختلف احادیث پر تحقیق کے بعد مجذوم سے بھاگنے والی احادیث کو منسوخ اور ضعیف قرار دیا اور حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت کردہ حدیث کی روشنی میں ''جذام ایک متعدی مرض ہے''، کو محض خیالِ باطل قرار دیا۔

قیاس:

اکابرِ صحابہ کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت عائشہ زیادہ تر یہی شخصیات فقہ و فتاویٰ کی مجلس کے سند نشین تھے۔ غیر منصوصی احکام کے فیصلہ میں ان چاروں شخصیات کے پیش نظر مختلف اصول تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کا مسلک یہ تھا کہ پیش شدہ مسائل سے متعلق اگر قرآن وسنت واثر سے کوئی جواب معلوم ہوتا تو مسائل کو بتا دیتے۔ اگر کوئی آیت، حدیث، اور خلفاء سابقین کا اثر معلوم نہ ہوتا تو خاموش رہ جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ایسی حالت میں گزشتہ منصوص احکام یا حل شدہ مسائل ہر جدید کو قیاس کر کے اس کا جواب انہیں عقل کے مطابق جو سمجھ میں آتا بتا دیتے۔

حضرت عائشہ کے استنباط کا اصول یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآن مجید پر نظر رکھتی تھیں اگر اس میں ناکامی ہوتی تو احادیث کی طرف رجوع کرتیں پھر قیاس عقلی سے کام لے کر جواب مرحمت فرماتیں۔ اس طرح حضرت عائشہ کا شمار فقہائے صحابہ اس طبقہ میں ہوتا ہے جنہوں نے فرمانِ الٰہی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ اَفَلَا تَدَبَّرُوْنَ پر عمل کرتے ہوئے عقل، رائے، اور قیاس سے کام لیا جنہیں تاریخ فقہ میں اہل رائے اہل اجتہاد دیا اہل قیاس تصور کیا جاتا ہے حضرت عائشہ کے انہی اصولوں کو فقہائے احناف نے اپنی فقہ کا مرکز قرار دیا اور یہی صدیقی اصول فقہائے احناف کے طرۂ امتیاز بن گئے۔

مفکر الاسلام احمد رضا خاں حنفی، حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شانِ اجتہاد یوں رقم کرتے ہیں:۔

تیرے جلوے سے رہی مسندِ افتاء روشن
عہدِ صدیق رضی اللہ عنہ تا دورِ جنابِ حیدر رضی اللہ عنہ [۱۸]

حضرت عائشہ صدیقہ اور عقیدت رضا

امام احمد رضا کا طرۂ امتیاز عشقِ رسول ﷺ ہے اور اسی عشق کی بناء پر حضور ﷺ سے منسوب ہر چیز آپ کو عزیز تر ہو جاتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کی حرم مبارک کی ملکہ ہیں۔ اسی نسبتِ عالیہ اور آیۂ تطہیر کے نورانی تاج سے آراستہ ہیں۔ اسی بناء پر آپ کو اُمّ المؤمنین صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے اور اپنی اس عقیدت کا اظہار آپ نے نثر و نظم دونوں میں کیا ہے۔ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت و صورت، عفت و عصمت، عقیدت و عظمت، فقاہت و ثقاہت کا اظہار اپنے ان اشعار میں کس خوبصورت پیرائے میں فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

حور رویت کے لئے شوق سے آنکھوں دھولیں
اسی سرکار کا مملوک ہے حوضِ کوثر
ہیں کہاں مانئیں سرکار کی عفت و حرمت
کہہ دو مجرے کو بڑھیں پھولوں کا گہنا لے کر
چمنِ قدس کے بیلے کا جبیں پر چھپکا
نحنِ اقرب کی چنبیلی سے گلے کا زیور
باغِ تطہیر کی کلیوں سے بنائیں کنگن
آیۂ نور کا ماتھے پہ منور جھومر
تنِ اقدس میں لباس آیۂ تطہیر کا ہو
سورۂ نور کا سر پر گہر آما معجر
یا حمیرا کا تنِ پاک پہ گلگلوں جوڑا
کلمینی کے در آویزہ گوشِ اطہر
بانوا، تیرا سرا پردہ عفت وہ رفیع
جس میں بے اذن نہ ہو روحِ قدس کا بھی گزر
کوئی خاتون تری طرح کہاں سے لائے
باپ صدیق سا اور ختمِ رُسل سا شوہر[۱۹]

حضرت عائشہ اور غیرت رضا

مذکورہ بالا اشعار سے الشیخ احمد رضا حنفی کی حضرت عائشہ صدیقہ سے عقیدت و مودت اور قلبی لگاؤ کا اظہر من الشمس ہے اور اس عقیدت کا فطری تقاضا یہ ہے کہ بنتِ صدیق، آرامِ جانِ نبی ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شانِ رفیع میں ذرا بھی سوئے ادب الشیخ احمد رضا کی غیرت وحمیت کو بالکل گوارا نہیں۔ جو اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہیں، ان شقی اکفر لوگوں کی پُرزور مذمت ان اشعار میں کرتے ہیں:

سورۂ نور نے کالے کئے منہ اعداء کے
لعنۃ اللہ علی کل شقی اکفر
عاق وہ ناخلف کور نمک ناحق کوش
تجھ سے جو دل میں رکھے سوئے عقیدت تِل بھر
تیل بھی خوب ہی نکلے گا تپِ محشر میں
آج جس دل میں ترا سوئے ادب ہے تِل بھر[۲۰]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تلامذہ کا شمار حضرت امام ابو حنفیہ کے اکابر اساتذہ میں ہوتا ہے۔ دو واسطوں کے بعد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا سلسلہ تلمذ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جاملتا ہے اس لئے آپ پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فقاہت واجتہاد کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ جب فقہ حنفی پاک و ہند میں منتقل ہوا تو یہاں کے فقہاء نے بھی حضرت عائشہ کے علمی و تحقیقی کارناموں سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان میں سرِ فہرست شیخ الاسلام احمد رضا خاں حنفی کا نام ہے۔ امام ابوحنیفہ سے آپ کو ۲۸ واسطوں کے بعد شرفِ تلمذ حاصل ہے اور امام ابوحنیفہ سے دو واسطوں کے بعد حضرت سیدہ عائشہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اس طرح تیس واسطوں کے بعد الشیخ احمد رضا حنفی کو حضرت عائشہ صدیقہ کے معنوی تلمیذ ہونے کا عز و شرف حاصل ہے۔ آپ خود اس عز و شرف کی خواہش کا اظہار حضرت عائشہ صدیقہ کی شانِ عظیم میں لکھی گئی منقبت میں یوں فرماتے ہیں:

گو سیہ کار ہے لیکن کلے سے ہے امید
تیرے بیٹوں میں گِنا جائے یہ ننگِ مادر[۲۱]

الشیخ احمد رضا حنفی کے حضرت عائشہ صدیقہ سے معنوی شرفِ تلمذ کی سند ملاحظہ ہو:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے الشیخ احمد رضا حنفی کا سلسلۂ تلمذ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فقیہۃ الامۃ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

- حضرت قاسم بن محمد ← حضرت امام شعبی
- حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن ← حضرت امام زہری
- حضرت عمرو بن میمون ← حضرت سعید بن جبیر
- حضرت عطا ابن ابی رباح
- حضرت امام ابراہیم نخعی ← حضرت حماد [۲۲]

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ [۲۳]

حضرت ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی

شیخ احمد بن حفص (الشہیر ابوحفص الکبیر)

شیخ عبداللہ بن ابی حفص البخاری

امام ابوعبداللہ السبند مونی

شیخ ابوبکر محمد بن الفضل البخاری

شیخ القاضی بوعلی النسفی

امام شمس الائمۃ الحلوانی

امام فخر الاسلام البزودی

امام برہان الدین (صاحب الہدایہ)

امام عبدالستار بن محمد الکردری

شیخ جلال الدین الکبیر

شیخ عبدالعزیز البخاری

شیخ سید جلال الدین الخبازی

۱

شیخ علاء الدین السیرانی
شیخ السراج قاری الہدایہ
شیخ الکمال بن الہمام (صاحب فتح القدیر)
شیخ سری الدین عبدالبر بن الشحنۃ
شیخ احمد بن یونس الشلبی
شیخ محمد بن عبدالرحمٰن المسیری
شیخ عبداللہ النحریری
شیخ محمد بن احمد الحموی
شیخ احمد الحمی
شیخ حسن الشرنبلالی
شیخ علی المقدسی
شیخ الشمس الحانوتی
شیخ عمر بن نجیم
شیخ احمد شوبری
شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی
(صاحب شرح الدرد الغرر)
شیخ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن الغنی النابلسی
(صاحب الحدیقۃ الندیۃ وغیرہ)
شیخ اسمٰعیل بن عبداللہ الشہیر علی زادہ البخاری
شیخ عبدالقادر بن خلیل
شیخ یوسف محمد بن علاء الدین المزجاجی
شیخ محمد عابد الانصاری المدنی
شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مفتی مکہ
شیخ عبدالرحمٰن السراج بن شیخ عبداللہ السراج مفتی مکہ
امام احمد رضا قادری بریلوی [۲۴]

روایت حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ جو امام ابوحنیفہ کے استاد حضرت حماد کے استاد تھے، جنہیں اہل عراق کے متفق امام ہونے کا شرف حاصل تھا، وہ لڑکپن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے دورِ معاصرین کو امام نخعی کی اس فضیلت پر رشک تھا۔ بعض نے لکھا ہے امام نخعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نہیں، جبکہ الشیخ احمد رضا حنفی نے تحقیق سے ایک روایت جو حضرت امام نخعی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے، اسے یوں درج کرتے ہیں کہ عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا، الفاظ اسی کے ہیں۔ کہا ہمیں خبر دی سفیان نے وہ ثوری سے راوی ہیں، امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری دونوں حماد بن ابی سلمان سے، وہ ابراہیم نخعی سے، وہ حضرت عائشہ سے راوی ہیں کہ انہوں (حضرت عائشہ) نے دیکھا کہ ایک عورت کی میت کے سر میں زور زور سے کنگھی کی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کیوں اپنی میت کی پیشانی سے بال کھینچتے ہو؟ اسے امام محمد کی طرح ابوعبید قاسم بن سلّام اور ابراہیم حربی نے اپنی اپنی کتاب غریب الحدیث میں ابراہیم نخعی سے، انہوں نے حضرت عائشہ سے روایت کیا۔ [۲۵]

حضرت عائشہ صدیقہ اور فتاویٰ رضویہ:

مفکرِ اسلام احمد رضا خاں حنفی علیہ الرحمۃ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فقہی و تحقیقی خدمات سے اپنے فتاویٰ رضویہ کو مزین فرمایا اور آپ کی ثقاہت و روایات کو برصغیر پاک و ہند میں فروغ دیا۔ اگر فتاویٰ رضویہ کی ۳۰ جلدوں میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہ کی روایات اور فتاویٰ کی تخریج کی جائے تو ایک ضخیم کتابِ فقہ معارض وجود میں آسکتی ہے، اس طرح آپ نے زوجۂ رسول اور بنتِ صدیق اکبر کے معنوی تلمیذ ہونے کا حق ادا کردیا۔

آپ کس قدر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تحقیقات اور مرویات سے استفادہ کرتے ہیں، اس کا اندازہ بطور نمونہ صرف فتاویٰ رضویہ قدیم کی جلد دہم کے درج ذیل اوراق سے کیا جاسکتا ہے جہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ۵۴ مرویات جابجا تحریر ہیں۔ اسی خصوصیت کی بناء پر عرب و عجم میں فتاویٰ رضویہ کو ایک ممتاز حیثیت حاصل ہوگئی۔

جلد نمبر دہم قدیم، صفحہ نمبر ۱۱، ۴۸، ۳، ۷ (۲ مرتبہ)، ۹۰ (۲ مرتبہ)، ۹۴ (۲ مرتبہ)، ۹۵، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۲۷، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۴۴ (۲ مرتبہ)، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۷۱، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۱۸، ۲۴۴، ۲۴۹ (۲ مرتبہ)، ۲۵۷ (۲ مرتبہ)، ۲۶۰، ۲۶۱، ۳۰۴، ۳۱۱، ۳۶۲، ۳۶۴ (۲ مرتبہ)، ۴۱۲ (۲ مرتبہ)، ۴۱۳، ۴۳۳، ۴۵۳، ۴۶۳، ۴۸۶ (۲ مرتبہ)، ۴۹۹، ۵۰۰ (۳ مرتبہ)، ۵۸۲، ۵۸۴

فتاویٰ رضویہ سے حضرت عائشہ صدیقہ کی چند مرویات ملاحظہ ہوں۔

انسانی حقوق:

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ حضور پرنور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں کہ دفتر (رجسٹر) تین ہیں: ایک دفتر میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں بخشے گا، ایک دفتر کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں اور ایک دفتر میں اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑے گا۔ وہ دفتر جس میں اصلاً معافی کی جگہ نہیں وہ تو کفر ہے، کسی طرح نہیں بخشا جائے گا اور وہ دفتر جس کی اللہ عزوجل کو کچھ پرواہ نہیں وہ بندے کا گناہ ہے، خالص اپنے اور اپنے رب کے معاملے میں، کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی، اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف کردے اور درگزر فرمائے اور وہ دفتر جس سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم (حقوق انسانی کی پامالی) ہے اس میں ضرور بدلہ ہونا ہے۔ [۲۶]

معانقہ:

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لائے رسول ﷺ نے ان سے معانقہ کیا اور بوسہ دیا۔ [۲۷]

عورت اور مردانہ وضع:

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کی گئی ایک عورت

مردانہ جوتا پہنتی ہے فرمایا لعن رسول ﷺ الرجلہ من النساء رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر جو مردانی وضع اختیار کرے۔ [۲۸]

محفل نعت:

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت صدیق سے روایت ہے کہ رسول ﷺ حسان بن ثابت انصاری کے لئے مسجد اقدس میں نبی ﷺ منبر بچھاتے جہاں اوپر کھڑے ہوکر (حسان بن ثابت) رسول ﷺ کے فضائل اور مفاخر بیان کرتے حضور ﷺ کی طرف طعن ھائے کفار کا رد کرتے۔ رسول ﷺ فرماتے جب تک حسان رسول ﷺ کی طرف سے اس مفاخرت یا مدافعت میں مشغول رہتا ہے اللہ عزوجل جبریل امین سے اس کی مدد فرماتا ہے۔ [۲۹]

ذکر عمر رضی اللہ عنہ:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب صالحین کا ذکر ہو تو عمر فاروق کا تذکرہ کرو۔ [۳۰]

نکاح و دف:

عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول ﷺ اعلنوا ھذا النکاح واجعلوا فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف ۔سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا اس نکاح کا اعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو اور اس پر دف بجایا کرو۔ [۳۱]

حفظ مراتب:

الشیخ احمد رضا حنفی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غریب نواز ہی تشریف لائے ہیں۔ شبانہ روز سرکار سے غریبوں، امیروں سب کی پرورش جاری ہے مگر یہ بھی حکم ہے: أنزلوا الناس منازلھم۔ اور حدیث میں ہے: اذا اتاکم کریم فاکرموہ جب کسی قوم کا معزز تمہارے یہاں آئے تو اس کی عزت کرو۔

ام المومنین صدیقہ کے حضور ایک سائل حاضر ہوا، حضرت عائشہ نے اسے ٹکڑا عطا فرمایا۔ ایک ذی عزت مسافر گھوڑے پر سوار حاضر ہوا، اس کی نسبت فرمایا، اتار کر کھانا کھلایا جائے۔ سائل کی حاجت اسی قدر تھی اور کسی رئیس کو ٹکڑا دیا جائے تو باعث اس کی سبکی اور ذلت کا ہے۔ لہٰذا فرقِ مراتب ضرور ہے۔ اصل مدار نیت پر ہے۔ اگر سائل کو بوجہ اس کے فقر کے ذلیل سمجھے اور غنی کو بوجہ اس کی دنیا کی عزت کے، دنیادار جانے تو سخت بے جا، سخت تشنیع ہے اور اگر ہر ایک کے ساتھ خلقِ حسن منظور ہے تو جتنا جس کے حال کے مناسب ہے، اس پر عمل ضرور ہے۔ (واللہ اعلم) [۳۲]

غیر مسلموں سے حسن سلوک:

قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن سعید اپنی بیٹی حضرت سیدنا اسماء بنت ابی بکر صدیق کے پاس آئی، کچھ گوشت، زندہ جانور، پنیر، گھی ہدیہ لائی بنت الصدیق نے ہدیہ لیا نہ ماں کو گھر میں آنے دیا کہ وہ کافرہ ہے۔ ام المومنین صدیقہ نے نبی ﷺ سے مسئلہ پوچھا آیت اتری لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان کافروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے۔ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہدیہ لو اور گھر میں آنے دو۔ [۳۳]

مشرکوں سے عدم استعانت:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ فرماتے ہیں: انا لا نستعین بمشرك (ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے) [۳۴]

اطاعت رسول:

حضرت ام المومنین صدیقہ سے روایت ہے من لم یعمل سنتی فلیس منی (جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ میں سے نہیں)۔ [۳۵]

مسواک:

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کان النبی ﷺ اذا دخل بیتہ بدابالسواک حضور ﷺ کا شانہ اقدس میں تشریف فرما ہوتے تو پہلے مسواک فرماتے۔ [۳۶]

زیارتِ قبور:

حضرت عائشہ اپنے والد صدیق اکبر سے روایت کرتی ہیں کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم جو بہ نیت ثواب اپنے والدین دونوں یا ایک کی زیارت قبر کرے حج مقبول کے برابر ثواب پائے۔ [۳۷]

ایک اور روایت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور پرنور سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: جوشخص اپنے بھائی کی زیارتِ قبر کے لئے جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے، اس سے میت کا دل بہلتا ہے اور جب تک وہاں سے اٹھے، مردہ اس کا جواب دیتا ہے۔ [۳۸]

قبر اور سجدہ گاہ:

ام المؤمنین صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے اپنی وفاتِ اقدس کے مرض میں فرمایا: یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے انبیاء کی قبروں کو محلِ سجدہ (سجدہ گاہ) بنالیا اور فرمایا ایسا کرنے والے عزوجل کے نزدیک روز قیامت بدترین خلق ہیں۔ ام المؤمنین نے فرمایا یہ نہ ہوتا تو مزار اطہر کھول دیا جاتا مگر اندیشہ ہوا کہ کہیں سجدہ نہ ہونے لگے لہذا احاطہ میں مخفی رکھا۔

مسلم اپنی صحیح اور عبدالرزاق اپنی مصنف اور دارمی سنن میں ام المؤمنین و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے راوی ہے کہ نزعِ رسولِ اقدس کے وقت رسول ﷺ چادر روئے انور پر ڈال لیتے، جب ناگواری ہوتی، منہ کھول دیتے، اسی حالت میں فرمایا یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبریں مساجد کرلیں، ڈراتے تھے کہ ہمارے مزارِ پُر انوار کے ساتھ ایسا نہ ہو۔ [۳۹]

بدشگونی کا رد:

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے۔ جب یہ حدیث آپ (حضرت عائشہ) تک پہنچی تو آپ بہت زیادہ غضبناک ہوئیں اور فرمایا اس خدا بزرگ و برتر کی قسم جس نے محمد ﷺ پر مقدس قرآن نازل فرمایا کہ حضور پاک نے اس طرح ارشاد نہیں فرمایا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ دورِ جہالت والے ان چیزوں کو نحوست اور بدشگونی لیتے تھے۔ [۴۰]

علامہ ابنِ جوزی نے کہا کہ حدیث میں تین چیزوں، عورت، گھر اور چوپایہ کا ذکر آیا ہے۔ جس نے یہ روایت بیان کی، اس پر شدت اختیار کی اور فرمایا کہ اہلِ جاہلیت یہ کہا کرتے تھے عورت، گھر اور چوپائے میں نحوست ہوا کرتی ہے۔ پھر ابنِ جوزی نے کہا کہ یہ تو اس حدیث کا صراحتاً رد ہے جس کو ثقہ اور مستند راویوں نے روایت کیا ہے جیسا کہ امام عینی نے نقل فرمایا ہے، پھر علامہ ابنِ جوزی کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اہلِ جہالت کہا کرتے تھے، الشیخ احمد رضا حنفی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے خود تو یہ نہیں فرمایا بلکہ خود حضور ﷺ سے روایت فرمائی جیسا کہ وہ روایت طحاوی اور ہمارے ذکر کردہ ان سب لوگوں کی صریح نص ہے اور کون سا ثقہ حضرت سیدہ عائشہ سے زیادہ ثقاہت رکھتا ہے۔ [۴۱]

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی ممانعت:

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

من حدثکم ان النبی کان یبول قائما فلا تصدقوہ ماکان یبول الا قاعدا (رواہ ترمذی، نسائی، احمد)

الشیخ احمد رضا حنفی فرماتے ہیں کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے میں چار حرج ہیں۔ اول، بدن اور کپڑوں میں چھینٹے پڑنا، جسم و لباس بلاضرورتِ شریعہ ناپاک کرنا حرام ہے۔ دوم، ان چھینٹوں کے باعث عذابِ قبر کا استحقاق اپنے سر لینا ہے۔ سوم، راہ گذر پر ہو یا جہاں لوگ موجود ہوں تو باعثِ بے پردگی ہوگا۔ چہارم، یہ نصاریٰ سے تشبیہ ہے اور ان کی سنتِ مذمومہ میں ان کا اتباع ہے۔ آج کل جن کو یہاں یہ شوق جاگا ہے، اس کی علت یہی ہے اور یہ موجب عذاب و عقوبت ہے۔

اس حرکت (کھڑے ہوکر پیشاب کرنا) سے نہی اور اس کے بے ادبی و جفا اور خلافِ سنتِ مصطفیٰ ہونا پر احادیثِ صحیحہ معتمدہ وارد ہیں۔ [۴۲]

رہی حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ، اتی النبی ﷺ سباطۃ قوم فبال قائما۔ (رواہ الشیخان)

تو الشیخ احمد رضا حنفی فرماتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہے کہ حضرت حذیفہ کی روایت نبی اکرم کے آخری دور کی نہیں جبکہ حضرت ام المؤمنین نے آپ کو وصال تک دیکھا اور آپ کے افعالِ مبارکہ پر مطلع رہیں اور آخری عمل کو اپنایا جاتا ہے۔ لہٰذا آپ کے بھی آخری فعل پر عمل ہوگا۔ [۴۳]

وصال:

جانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنت صدیق اکبر فقیہۃ الامۃ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا وصال مدینہ منورہ میں ۵۷ھ ۱۷ رمضان المبارک بروز منگل رات کے وقت ہوا آپ کی وصیت کے مطابق رات کے وقت جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ [۴۴]

الشیخ احمد رضا حنفی، حضرت جبرائیل امیں کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ طیبہ، عابدہ، فقیہہ کی بارگاہ میں یوں سلام عرض کرتے ہیں۔

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ
ان کی پُر نور صورت پہ لاکھوں سلام
بنتِ صدیق، آرامِ جانِ نبی
اس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلام
جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
اُس سُرادِق کی عِصمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ تابانِ کاشانۂ اجتہاد
مفتیِ چار ملت پہ لاکھوں سلام [۴۵]

ماحصل

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے دین کا چوتھائی حصہ مروی ہے۔

۲۔ مکثرینِ روایت میں حجرت ابنِ عباس اور سیدہ عائشہ صدیقہ کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ کا شمار اہلِ رائے صحابہ میں ہوتا ہے۔

۴۔ آپ کی سیرت عالمِ اسلام اور خصوصاً خواتین کے لئے عصرِ حاضر میں مشعلِ راہ ہے۔

۵۔ آپ نے کئی روایات کی تصحیح فرمائی جسے علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے عین الاصابہ فی استدراکۃ عائشۃ علی الصحابہ میں درج کیا ہے۔

۶۔ آپ نے دورِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تادمِ آخر فتاویٰ دیئے۔

۷۔ آپ عظیم مفسرہ، محدثہ اور قادر الکلام شاعرہ تھیں۔

۸۔ الشیخ احمد رضا حنفی، حضرت عائشہ صدیقہ سے اپنی قلبی والہانہ عقیدت کا اظہار نثر و نظم میں بھرپور انداز میں کرتے ہیں۔

۹۔ الشیخ احمد رضا کے نزد حضرت عائشہ سے متعلق تِل بھر سوئے عقیدت بھی نا قابلِ معافی جرم ہے۔

۱۰۔ سندِ فقہ کی روشنی میں الشیخ احمد رضا حنفی کو حضرت عائشہ کے معنوی تلمیذ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

۱۱۔ اکثر فقہانے حضرت ابراہیم کی حضرت عائشہ سے روایت کی نفی کی ہے جبکہ الشیخ احمد رضا حنفی نے حوالہ کے ساتھ حضرت عائشہ سے حضرت ابراہیم کی روایت نقل کی ہے۔

۱۲۔ شیخ الاسلام احمد رضا حنفی نے حضرت عائشہ سے حضرت ابراہیم کی روایت نقل کی ہے۔

۱۳۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہ کی علمی تحقیقات اور مرویات کو فتاویٰ رضویہ سے اخذ کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے جس کی مثال فتاویٰ رضویہ قدیم دسویں جلد ہے کہ جس میں حضرت عائشہ کی مرویات اور فتاویٰ کی تعداد تقریباً ۵۴ ہے۔

۱۴۔ احمد رضا حنفی علیہ الرحمۃ حضرت عائشہ کی مرویات کو دلائل و براہیم سے مزین کرتے۔

۱۵۔ آپ حضرت عائشہ کی مرویات کی تطبیق کا فریضہ احسن طریقے سے انجام دیتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔سلیمان ندوی، سید علامہ، سیرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا، ص:۲۰،۱۹، ادارہ اسلامیات فاؤنڈیشن، لاہور

۲۔ایضاً، ص:۲۰

۳۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد چہارم ص:۵۸۸، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۴۔محمد خان قادری، مفتی، شرح سلام رضا، ص:۴۸۷، مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ، لاہور

۵۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۳۰، ص:۳۰۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۶۔صفی الرحمٰن مبارک پوری، مولانا، الرحیق المختوم، ص:۱۹۶، لاہور

۷۔محمد شریف امجدی، مفتی، نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد ۴، ص:۴۳۷، فرید بک اسٹال، لاہور

۸۔احمد یار خان نعیمی، مفتی، ترجمہ اکمال، ص:۷۰۔۶۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۹۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، حدائقِ بخشش، ص:۲۰۵، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

۱۰۔محمد سلیمان منصور پوری، مولانا، رحمۃ اللعالمین، ص:۱۸۸، جلد دوم، شوکت علی اینڈ سنز، لاہور

۱۱۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، حدائقِ بخشش، سوم، ص:۲۷، رضوی کتب خانہ، بریلی، انڈیا

۱۲۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۳۰، ص:۲۸۳، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۱۳۔سلیمان ندوی، سید، مولانا، سیرتِ عائشہ، ص:۱۸۸، ادارۂ اسلامیات، لاہور

۱۴۔محمد سلیمان منصور پوری، مولانا، رحمۃ اللعالمین، جلد دوم، ص:۱۹۸، ۲۰۳، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۲۵، ۱۸۸، شوکت علی اینڈ سنز، لاہور

۱۵۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، حدائقِ بخشش، سوم، ص:۲۷، رضوی کتب خانہ، بریلی، انڈیا

۱۶۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۲۴، ص:۲۳۹، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۱۷۔ایضاً، ص:۲۴۳

۱۸۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، حدائقِ بخشش، سوم، ص:۲۷، رضوی کتب خانہ، بریلی

۱۹۔ایضاً، ص:۲۷

۲۰۔ایضاً، ص:۲۸

۲۱۔ایضاً، ص:۲۸

۲۲۔محمد زین العابدین شاہ سید راشدی، انوار امام ابوحنیفہ، ص:۸، مکتبۂ امام غزالی، کراچی

۲۳۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد نہم، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۲۴۔شاہد علی نورانی، سید، مفتیٔ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں، ص:۲۵، ۲۶، ۲۷، ''امام احمد رضا تا امام ابوحنیفہ''، ادارۂ معارفِ رضا، لاہور

۲۵۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد نہم، ص:۹۰۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۲۶۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد دہم، ص:۴۸، دارالعلوم امجدیہ، مکتبۂ رضویہ، کراچی

۲۷۔ایضاً، ص:۱۱

۲۸۔ایضاً، ص:۳۶۲

۲۹۔ایضاً، ص:۱۷۱

۳۰۔ایضاً، ۳۵۴

۳۱۔ایضاً، ص:۱۹۱

۳۲۔ایضاً، ص:۱۶۹

۳۳۔ایضاً، ص:۹۴

۳۴۔ایضاً، ص: ۹۵

۳۵۔ایضاً، ص:۱۳۵

۳۶۔ایضاً، ص:۹۰

۳۷۔ایضاً، ص:۱۹۴

۳۸۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد نہم، ص:۱۷۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۳۹۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد دہم، ص:۴۸۶، دارالعلوم امجدیہ، مکتبۂ رضویہ، کراچی

۴۰۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، فتاویٰ رضویہ جدید، جلد ۲۴، ص:۲۴۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور

۴۱۔ایضاً، ص:۲۴۸

۴۲۔ایضاً، جلد چہارم، جدید، ص:۵۸۵ تا ۵۸۷

۴۳۔ایضاً، ص:۵۹۰

۴۴۔احمد یار خان نعیمی، مفتی، ترجمہ اکمال، ص:۷۰۔۶۹، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۴۵۔احمد رضا خاں حنفی، مولانا، حدائقِ بخشش، ۲۰۵، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

تذکرۂ روح القدس علیہ السلام

(افکارِ رضا کی روشنی میں)

محمد شہزاد مجددی*

اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ آسمان علم وفضل کے وہ نیرّ تاباں ہیں جن کی علم وتحقیق سے معمور شعاعوں نے ایک عالم کو منور اور درخشندہ کر رکھا ہے نعتیہ شاعری کے میدان میں آپ مرتبۂ امامت پر فائز ہیں اور اہل ادب آپ کے نعتیہ کلام میں فکر کی بلندی اور امکانات کی گہرائی کے حوالے سے نئے نئے آفاق تلاش کرنے میں مشغول ہیں۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نعت گوئی کو تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف قرار دیتے ہیں لہٰذا جادۂ مدحت کے اس ہفت خواں کو کامیابی سے طے کرنے کے لیئے آپ نے قرآن کو مرشد وھادی اور حضرت حسّان کو اپنا استاذ ورہبر قرار دیا ہے۔

ایک جگہ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

دوسرے مقام پر فرمایا:

رہبر کی رہِ نعت میں گر حاجت ہو
نقشِ قدمِ حضرتِ حسّاں بس ہے

حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعرِ اسلام اور مدّاحِ دربارِ رسالت ہیں۔ آپ مقبولِ بارگاہِ رسالت بھی ہیں اور حمایت یافتہ جبریل بھی ہیں۔ جنابِ حسّان منبر پر چڑھ کر محبوب ربّ العالمین کی شانیں بیان کرتے اور آپ کی عزت وناموس کا دفاع کرتے ہوئے منکرین شانِ رسالت کا ردِّ بلیغ فرماتے تو حضور ﷺ خوش ہو ہوکر دعائیہ کلمات سے ان کا حوصلہ بڑھاتے۔ کبھی ارشاد ہوتا۔

یاحسّان! اجب عن رسول الله۔ اے حسان! اللہ کے رسول کی طرف سے جواب دے۔ (بخاری الادب رقم: ۵۶۸۶)

کبھی فرمان ہوتا:

اَللّٰھُمَّ اَیِدْہُ بِرُوحِ الْقُدُس!

اے اللہ روح القدس کے ذریعے حسان کی مدد فرما۔ (مسلم فضائل الصحابہ رقم: ۴۵۳۹)

کبھی زبان رسالت سے یوں نکلتا۔

اُھْجُ الْمُشْرِکِیْن فَاِنَّ جبریل معک!

مشرکوں کی مذمت کر بے شک جبریل تیرے ساتھ ہے۔ (بخاری، رقم: ۴۰۳۵) (مسند احمد، رقم: ۱۷۷۹۵)

یوں تائید جبریل حضرت حسّان کے شاملِ حال ہوتی اور انھوں نے اپنے ممدوحِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مدح کرتے ہوئے روح الامین علیہ السلام کی شان میں بھی اشعار کہے تاکہ حضور ﷺ خوش ہوں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

وَجِبْرِیلُ رَسُولُ اللهِ فِیْنَا. وَرُوْحُ الْقُدُسِ لَیْسَ لَهُ کِفَاءُ

اور اللہ کے پیغمبر جبریل ہم میں موجود ہیں اور روح القدس کی کوئی مثیل نظیر نہیں ہے۔ اعلیٰحضرت نے بھی اپنے ممدوح ورہبر کی پیروی میں ممدوح انبیاء ورسل حضرت جبرائل علیہ السّلام کی شان میں جابجا اشعار کہے اور قرآن وسنت کی حدود میں رہتے اور کتب سیر وتواریخ پر نگاہ رکھتے ہوئے روح القدس کے تذکار سے اپنے کلام کو مزین کیا۔

ترا مسند ناز ہے عرشِ بریں، ترا محرم راز ہے روح امیں
تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم (حدائق ص ۱۷)

---

*ریسرچ اسکالر، دارالاخلاص۔ ۴۹ ریلوے روڈ لاہور

اعلیحضرت بریلوی اپنے افکارِ عالیہ کو ایک محدّث کبیر کے انداز میں کامل احتیاط کے ساتھ کتب حدیث وسیرت پر نگاہ رکھتے ہوئے شعری قالب میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں ۔ آپ جبریل امین علیہ السلام کو بارگاہِ رسالت کا محرم راز اور مشیر اعظم قرار دیتے ہیں۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

وزیری من اهل السّماء جبریل ومیکائیل (حاکم فی المستدرک علی ابی سعید، مشکوٰة کتاب المناقب)

آسمان والوں میں سے میرے دو وزیر جبریل اور میکائیل ہیں۔

چونکہ وزیر و مشیر بھی اہل خدمت میں سے ہوتے ہیں لہٰذا جبریلِ امین بارگاہِ رسالت میں وزارت و مشاروت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی، بیہقی، طبرانی، ابوالشیخ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت نقل فرماتے ہیں ۔ کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے اور جبریل امین کے ساتھ سرگوشی میں مشغول تھے کہ اچانک آسمان کا ایک کنارہ پھٹا جبریل امین علیہ السلام اس طرف متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک فرشتہ تھا جو اس راستے سے اُتر کر رسول ﷺ کے رُو برو کھڑا ہو گیا اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ چاہیں تو نبی عبد بنیں اور چاہیں تو (شان وشوکت) والے بادشاہ نبی بنیں ۔ آپ ﷺ نے جبریل کی طرف دیکھا تو جبریل نے اپنے ہاتھ سے عاجزی وانکساری کرنے کا اشارہ کیا حضور ﷺ فرماتے ہیں ۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے مشورہ دے رہے ہیں لہٰذا میں نے کہا کہ میں نبی عبد بنوں گا۔ (الحبائک فی اخبار الحلائک ص ۵)

مسند احمد (رقم: ۷۱۴۰) میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حضرت روح القدس علیہ السّلام ملائکہ رسل میں سے ہیں اور فرشتوں کی سیادت و قیادت کے منصب پر فائز ہیں ۔ بارگاہِ الٰہی کے مقرب خاص اور محرم راز ہیں ۔ قرآن پاک اور کتب حدیث و سیرت میں آپ کے القاب واسماء اور صفات و مناقب کا تذکرہ مختلف مقامات پر ملتا ہے۔ بلاشبہ کثرتِ اسماء والقاب آپ کے بلند مراتب کی دلیل ہے۔ فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔ ۔

پائے جبریل نے سرکار سے کیا کیا القاب
خسرو خیلِ ملک خادمِ سلطانِ عرب

''آیاتِ قرآنی کی روشنی میں''

کلام پاک میں حضرت روح القدس علیہ السلام کا تذکرہ بار بار آیا ہے آپ کا اسمِ گرامی ''جبریل'' تقریباً ۳ تین بار آیا ہے سورۃ بقرہ آیت نمبر ۹۷، ۹۸ اور سورۃ تحریم آیت نمبر ۴ میں لفظِ ''جبریل'' سے یاد کیا گیا ہے۔

روح القدس کے لقب سے چار مقامات پر یاد کیا گیا ہے دو بار سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۵۳ اور ۸۷ میں، دو بار المائدہ آیت نمبر ۱۱۰ اور سورۂ نحل آیت نمبر ۱۰۲ میں۔

روح الامین کی صفت آپ کا تذکرہ سورۃ الشعراء آیت نمبر ۱۹۳ میں ملتا ہے الروح کے وصف کے ساتھ تقریباً ۵ پانچ مقامات پر متصف کیا گیا ہے ۔ سورۃ غافر آیت نمبر ۱۵' سورۂ مجادلہ آیت نمبر ۲۲' سورۃ المعارج آیت نمبر ۴' سورۃ النباء نمبر ۳۸ اور سورۃ القدر آیت نمبر ۴ میں جبکہ بعض جگہ الروح کے اطلاق میں مفسرین کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ سورۃ مریم کی آیت نمبر ۱۷ میں ''روحنا'' اور ''بشراً سویا'' کہہ کر یاد فرمایا گیا ہے۔

حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معزز رسول بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے رسول منتخب فرمائے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

''اَللہ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاس''
(سورۃ الحج، ۷۵)

اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چُن لیتا ہے۔
اور جبریلِ امین کو تو قرآن نے رسولِ کریم کہا ہے۔ ارشادِ باری ہے۔
''اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيم''(سورۃ التکویر، ۱۹)
'بے شک یہ عزّت والے رسول کا پڑھنا ہے۔(کنز الایمان)
سورۃ التکویر کی دیگر آیات میں آپ کو درج ذیل صفات والقابات سے یاد کیا گیا ہے۔ (۱) ذِی قوۃٍ: طاقتور، مضبوط گرفت والا (۲) مُطاعٍ: (۳) امین

یعنی جبریل امین اپنی خلقت کے اعتبار سے قوت وہیبت و جبروت کے مالک ہیں اور آسمان والوں کے پیشوا اور قائد ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں قربِ خاص اور وجاہت کے حامل ہیں اور آپ کو حریم ذات کے ستر پردوں تک بلا اذن اندر جانے کا اختیار حاصل ہے(ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے جبریل کو امین کہہ کر خود ان کی امانت و دیانت کی گواہی دی ہے علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں اس مقام پر ربّ العالمین نے اپنے رسولِ بشری اور ملکوتی دونوں کے اوصافِ حمیدہ کو بیان کیا ہے سورۃ النجم میں بھی اسی انداز سے حضرت جبرائیل کی امتیازی حیثیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى . ذُوْمِرَّةٍ فَاسْتَوٰى۔(النجم۔نمبر ۶-۵)
انھیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقت ور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا(کنز الایمان)

یہاں آپ کو شدید القوی یعنی زبردست، مضبوطی اور طاقت والا کہا گیا ہے۔''ذومرۃ'' کے بھی قریب قریب یہی معنی ہیں۔ بعض مفسرین نے خوبصورتی اور حُسن و جمال سے بھی اسے تعبیر کیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے حضرت سیدّنا جبریل امین علیہ السلام کی رفعتِ شان کا کیسا اظہار ہو رہا ہے کہ آپ اللہ کے حکم سے حضورﷺ کو قرآن اور وحی کی تعلیم دینے پر مامور تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مابین واسطہ وسند کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے تھے۔

حضرت فاضل بریلوی نے شاید اسی آیت کو مدِنظر رکھ کر فرمایا ہے۔

''وہ (یعنی جبریل) من وجہ نبی اکرمﷺ کے اُستاد ہیں، اس لیئے ان کا احترام اور ان کے مقام و مرتبے کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ (اعتقاد الاحبابُ فی الجمیل۔ والمصطفیٰ والآل الاصحاب) علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری مدظلہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

کہ بعض واعظ حضرت ان کے بارے میں واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے نامناسب انداز اختیار کر جاتے ہیں، انھیں احتیاط کرنی چاہتے۔(مطالع المسرات، ترجمہ اور ص ۲۱۷، نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور)۔ حدیث وسیرت کے ذخائر میں بھی جنابِ جبریلِ امین علیہ السّلام کے تذکرے جابجا ملتے ہیں۔ حرا کی خلوتوں سے لے کر بابِ جبریل تک مجالست ومصاحبت کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کے درمیان طائف کی وادی، مسجد الحرام سے مسجدِ اقصیٰ کی مسافت، سدرۃ المنتھیٰ کی بلندیاں دنیٰ فتدلیٰ کے مرحلے، بدر واحد کے معرکے اور دین کے اسرار و رموز جیسے کئی موڑ آتے ہیں۔ فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔

چمن طیبہ ہے وہ باغ کہ مرغِ سدرہ
برسوں چہکے ہے جہاں بلبل شیدا ہوکر

دوسری جگہ مرغِ سدرہ کا تذکرہ ایک اور انداز سے کرتے ہوئے کلکِ رضا نے مضامین قرآنی کو انوکھے انداز سے شعری قالب میں ڈھالا ہے: فرماتے ہیں۔

عرش سے مژدۂ بلقیس شفاعت لایا
طائر سدرہ نشیں مرغِ سلیمانِ عرب

اعلیٰحضرت بریلوی نے قدم قدم پر جناب جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم کی بارگاہِ رسالت سے وابستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے مضامینِ نو کے پھول کھلائے ہیں اور شعر برائے شعر کہنے کی بجائے احادیث وسیرت کے ذخیرے پر محدّثانہ نگاہ رکھتے ہوئے اہل فکر و دانش کی روحانی وعلمی ضیافت کا سامان بہم پہنچایا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ لاہوت وملکوت کے بحرِ بے کنار کی غواصی کرتے ہوئے اعلیٰحضرت بریلوی علیہ رحمتہ جبریل امین کی عظمت

وہیبت اور جلال و جبروت کو پوری آب وتاب سے اہل نظر کے سامنے لانے کی جو کاوش کرتے ہیں تو اس دوران لحہ بھر کے لئے بھی وہ اپنے ممدوح اعظم اور آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کی بارگاہ سے نگاہ نہیں ہٹاتے۔ بلکہ اس سارے اہتمام کا مقصد ہی شرح کمالات نبوت معلوم ہوتا ہے کہ آؤ پہلے جبریل کی شان وعظمت کو اچھی طرح سمجھ لو پھر جبریل کے آقا کی شان خود ہی کھل جائے گی۔ فرماتے ہیں۔

تھا رے وصف کمال و جمال میں جبریل
مجال ہے کہ مجال ومساغ لے کے چلے

حضرت جبریل امین علیہ السلام کی بارگاہِ رسالت سے وابستگی اور کمالِ تعلق ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتا ہے، یہی سبب ہے کہ (حدائق ص ۵۱) احادیث وسیرت میں بھی جبریل امین کا تذکرہ اور احوال، آثار کثرت سے ملتے ہیں۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کو جبریل امین علیہ السلام سے حد درجہ محبت اور گہرا تعلقِ خاطر تھا۔ جس کا اظہار موقع ومحل کی مناسبت سے مختلف مواقع پر ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ بذاتِ خود صحابہ کرام علیھم الرضوان کو روح القدس کی باتیں سنایا کرتے تھے اور ان کا تعارف و تذکرہ بنفسِ نفیس فرما کر صحابہ کے ذوقِ ایمانی کو تقویت پہنچایا کرتے تھے اسی شوق انگیز تذکرے اور تعارف کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام میں جبریل امین کی زیارت وملاقات کی خواہش پیدا ہوئی اور کچھ خوش نصیب صحابہ نے روح الامین کا دیدار بھی کیا اور کچھ نے ان کی باتیں سن کر تسکین پائی۔

"احادیث کی روشنی میں"

زبانِ نبوت سے جبریل امین کے صفات وکمالات اور شکل و شباہت کا بیان کس طرح سے ہوا ہے اس کے لیئے کچھ احادیث وروایات سے استفادے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

امام جلال الدّین سیوطی، اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت بحوالہ ابوالشیخ نقل فرماتے ہیں۔

اِنَّ جبرئیل امام اھل السماء (الحبائک فی اخبار الملائک روح المعانی: ۱/۳۳۳)

بے شک جبرئیل آسمان والوں کے امام ہیں۔

طبرانی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

"ألا اُخبر کُم بافضل الملائکۃ ؟ جبریل (الحبائک فی اخبار الملک ص ۶) (روح المعانی، ایضا)

کیا میں تمھیں سب سے افضل فرشتے کے بارے میں نہ بتاوں؟ وہ جبریل ہیں۔ مسندِ احمد میں حضرت علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

جبریل علیہ السلام کا نام عبداللہ اور میکائیل کا نام عبید اللہ ہے۔ (مسندِ احمد رقم: ۹۷۸۸) صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین کو سبز جبہ میں زمین وآسمان کو ڈھاپنے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے۔

رأی جبریل فی صورتہ لہ ستمائۃ جناح

آپ ﷺ نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا ان کے چھ سو پر (بازو) تھے۔ ابوالشیخ اور ابنِ مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جبریلِ امین سے دریافت فرمایا:

هَلْ تَرٰی ربُّکَ؟ قَالَ :اِنَّ بِیْنِی وَبَیْنَہٗ سبعین حجاباً مّن نارو نور لورایتُ ادناھا لا حرقتُ.

کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو جبرئیل نے کہا: بے شک میرے اور میرے رب کے مابین ستر پردے آگ اور نور کے ہیں۔ اگر میں ان میں سے پہلے پردے کو بھی دیکھ لوں تو جل جاؤں۔

شریح بن عبید اللہ سے روایت ہے:

نبی کریم ﷺ جب آسمانوں کی سیر فرمارہے تھے آپ نے جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں ایسے دیکھا کہ ان کے پروں

پرزمرد، یاقوت اور موتی جڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یوں لگا کہ ان کی پیشانی نے آسمان کے ایک حصّے کو ڈھانپ لیا ہے، اس سے پہلے میں انھیں مختلف صورتوں میں دیکھتا رہا تھا اور اکثر اوقات میں نے جبریل کو دحیہ کلبی کی صورت میں دیکھا اور گاہے بگاہے میں نے جبریل کو ایسے بھی دیکھا جیسے کوئی شخص اپنے ساتھی کو (کپڑے کی باریک) چلمن میں سے دیکھتا ہے۔

احمد ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے حضرت عبداللہ ابنِ سعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ **اِن رسول الله ﷺ لم یر جبریل فی صورتہ الامر تین ، اما واحدة فانه ساله اُن یریه نفسه ، فاراہ نفسه فسد الا فق ، فاماالا خری ، فلیلة الا سراءِ عند السدرة (الحبائک ص ۷)**

بے شک رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین کو ان کی حقیقی صورت میں سوائے دو بار کے نہیں دیکھا ایک بار اس وقت جب آپ ﷺ نے خود جبریل سے فرمایا کہ مجھے اپنی اصلی صورت دکھاؤ تو انھوں نے آپ کو اپنی حقیقی صورت دکھائی جس سے آسمان چھپ گیا اور دوسری بار معراج کی رات سدرۃ المنتھیٰ کے نزدیک۔ (مسند احمد رقم: ۳۸۶۱)

سدرۃ المنتھیٰ کہاں ہے؟

سدرہ لغت میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور منتھیٰ کے معنی انتہا کی جگہ، ساتویں آسمان پر عرشِ رحمٰن کے نیچے یہ بیری کا درخت ہے مسلم کی روایت میں اس کو چھٹے آسمان پر بتایا ہے، اور دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان پر اور شاخیں ساتویں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی) اس کو منتھیٰ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے۔ بعض روایات کے مطابق احکام الہیہ ابتدا میں عرشِ رحمٰن سے سدرۃ المنتھیٰ پر نازل ہوتے ہیں۔ اور یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد ہوتے ہیں۔ اور زمین سے آسمان پر جانے والے اعمالنامے وغیرہ بھی فرشتے یہیں تک پہنچاتے ہیں وہاں سے حق تعالیٰ کے سامنے پیشی کی کوئی دوسری صورت ہوتی ہے۔ مسند احمد میں یہ مضمون حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

یاد رہے سدرۃ المنتھیٰ وہی مقام ہے، جہاں جبریل امین معراج کی رات رُک گئے تھے اور حضور علیہ السلام کے استفسار پر جواب دیا تھا۔

اگر یک سر موی برتر برم فروغ تجلیٰ بسوزد پرم

حضور اگر یہاں سے بال برابر بھی میں آگے بڑھا تو تجلّیات ذاتیہ کی حدت سے میرے پر جل جائیں گے۔

جلتے ہیں جبرائیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شنا ساتمہی تو ہو

کتب تفاسیر واحادیث اور سیرت وتاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے واقعہ معراج کے اس اہم موڑ پر پیش آنے والی اس کیفیت پر غور کیا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے "سدرۃ المنتھیٰ" حریم ذات کی طرف جانے والے راستے کی آخری "پیک پوسٹ" کی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے آگے ہر مخلوق کا داخلہ ممنوع ہے۔

اسی لیے تو اعلیٰ حضرت بریلوی فرماتے ہیں:

تھکے تھے روح الا میں کے بازو
چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی
نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

(حدائق ص ۸۹)

دوسری جگہ امام اہلسنت اسی مضمون کو دوسرے انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

نہ روح امیں نہ عرشِ بریں نہ لوحِ مبیں کوئی بھی کہیں
خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمھارے لیئے

سچ ہے یہ اسرارِ خاص، خاصانِ بارگاہ کے لئے ہی خاص تھے، اور یہ خصوصیت صرف اور صرف ایک منتخب ہستی کے لیئے تھی جو اولین

وآخرین کے امام اور سید الا نبیاء المرسلین ہیں۔

واقعہ معراج کے اسرار و رموز تک رسائی کے لئے جس کمالِ معرفت اور لطافتِ روحانی کی ضرورت ہے فاضل بریلوی کا کلام اس کی شہادت دیتا ہے واقعہ معراج کی تحیّر خیزی کو آپ نے کیسے عارفانہ کمال سے بیان کیا ہے۔

ایک شعر دیکھئے، ؎

قصر دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں
روحِ قدس سے پوچھیئے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں

(حدائقِ بخشش ص ۳۱)

حضرت روح القدس کی بارگاہ رسالت سے وابستگی کی کئی جہات اور مختلف پہلو ہیں۔ کبھی وہ سفیر ذات باری بن کر آتے ہیں، کبھی وہ وزیر و مشیر بن کر بیٹھتے ہیں، کبھی راز داری ''غم گساری کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ تو کبھی معلم واستاد بن کر صحابہ کو دین سکھا رہے ہوتے ہیں۔ جبریل امین کی حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے یہی ہمہ پہلو وابستگی انھیں اہل محبت کی توجہ کا مرکز بناتی ہے۔ اور صحابہ اکرام علیہم الرضوان بھی ان کی دید کے مشتاق رہتے ہیں۔ اور خود سرکارِ کونین ﷺ اپنی محفل میں ان کا تذکرہ کرتے اور سنتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں:

ایک دن آپ ﷺ نے جبریل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

جبریل کے دو کندھوں کا درمیانی فاصلہ ایک تیز رفتار پرندے کی پانچ سو سالہ پرواز کے برابر ہے ابنِ جریر، حضرت حذیفہ ابن جریج اور قتادہ سے روایت کرتے ہیں:

جبریل امین علیہ السّلام کے دو پر ہیں اور پروں پر مرصّع موتیوں کی جھالریں ہیں ان کے اگلے دانت چمکدار اور پیشانی روشن ہے۔ ان کا سر گویا وہ ایک ہیرا ہے اور برف کی مانند سفید ہے اور ان کے پاؤں سبزی مائل ہیں۔ (الحبائک فی اخبار الملائک ص ۶)

امام بیہقی شعب الایمان میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جبریل اللہ کی طرف سے بندوں کی حاجتوں پر مامور ہیں جب مومن بندہ دُعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے جبریل! میرے بندے کی حاجت کو روکے رکھ، کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کی آواز مجھے پسند ہے اور جب کوئی کافر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبریل! اس شخص کی حاجت جلد پوری کر کیونکہ میں اس سے بغض رکھتا ہوں اور اس کی آواز مجھے ناگوار ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ اسلام کی بارگاہ رسالت میں حاضری کی کیفیات اور آداب کو بھی صحابہ کرام علیہم الرضوان پورے انہماک سے دیکھتے اور محفوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ کتب احادیث میں مروی مشہور حدیث جسے ''حدیث جبریل'' بھی کہتے ہیں، اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ حضور ﷺ نے مکالمہ کے اختتام پر صحابہ کرام سے فرمایا:

هٰذا جبريل جاء كم يعلمكم دينكم

یہ جبریل ہیں جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے ہیں۔

مسند احمد میں صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ایسے ہی کسی موقع پر یہ الفاظ مروی ہیں:

ما رأينا رجلاً اشدّ توقيراً لرسول الله صلى الله عليه وسلم من هٰذا.

ہم نے کسی کو بھی اس شخص سے بڑھ کر حضور ﷺ کی توقیر و تعظیم کرتے نہیں دیکھا۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا: ؎

تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں
رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں

(حدائق ص ۳۰)

حضرت جبریل امین علیہ السلام حضور ﷺ کے محرم راز، غم گسار

ساتھی اور مصاحب تھے۔ جب کبھی آپ ﷺ مغموم یا متفکر ہوتے تو جبریل آکر آپ کو تسلی دینے اور آپ کی دل جمعی کا سامان بہم پہنچاتے۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں: ایک دن جبریل امین نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ آپ اہل مکہ کی ایذا رسانی کے باعث غمگین بیٹھے تھے۔ حضرت جبریل نے پوچھا: آپ کو کیا ہوا ہے؟ تو آپ ﷺ نے انھیں اپنے زخم دکھا کر فرمایا: دیکھو ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا کیا ہے اور آگے کیا کرنے والے ہیں۔ تو حضرت جبریل نے کہا، کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ میں آپ کو ایک نشانی دکھاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ تو جبریل علیہ السلام نے دور وادی میں ایک درخت کی طرف دیکھ کر فرمایا: اُس درخت کو بلایئے تو آپ ﷺ نے اُس درخت کو پکارا وہ درخت چلتا ہوا آیا اور آپ کے رو برو کھڑا ہو گیا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا اب اسے حکم دیجئے واپس لوٹ جائے آپ نے حکم دیا تو وہ درخت واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مطمئن ہو کر فرمایا: بس مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔ (احمد: رقم: ۱۱۸۵۷)

حضرت معاویہ بن معاویہ اللّیثی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ان کا وصال ہو گیا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام سفر کے باعث کسی دوسرے شہر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جبریل امین آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: ''معاویہ بن معاویہ کا انتقال ہو گیا ہے اور آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا اشتیاق رکھتے ہیں'' آپ نے فرمایا ''ہاں'' تو جبریل نے اپنا پر زمین پر مارا تو کوئی درخت اور تنکا ایسا نہ رہا جو اُلٹ پلٹ نہ ہو گیا ہو۔ جب آپ ﷺ نے نگاہ اٹھائی تو جنازے کی چار پائی آپ کے سامنے تھی، آپ ﷺ نے تکبیر کہی جبکہ آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں جن میں سے ہر ایک صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل سے پوچھا:

اے جبریل! معاویہ اللہ کے نزدیک اس درجۂ قریب تک کیسے پہنچا؟ تو حضرت جبریل نے جواب دیا سورۃ الاخلاص (قُل ھواللہ) کی محبت کے باعث، اور اس سورۃ کی اٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے ہر حال میں تلاوت کے سبب اسے یہ مقام ملا ہے۔ (مجمع الزّوائد۔ رقم: ۱۴۹۱۴)

حضرت جبریل امین کو سرکارِ دوعالم ﷺ سے تعلق خاطر کی وجہ سے آپ کی اُمت سے بھی محبت ہے۔ آپ اس اُمت کے عاصیوں کی بخشش اور مغفرت کی دعائیں بھی کرتے ہیں اور قیامت کے دن حضور ﷺ کے اُمتیوں کے لئے پل صراط پر اپنا پر بھی بچھائیں گے۔ تا کہ وہ سہولت سے یہ سخت ترین مرحلہ طے کرسکیں۔

فاضل بریلوی نے اس کیفیت کو یوں منظوم کیا ہے۔ ؎

پُل سے اُتارو راہ گذر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

(حدائق ص ۴۷)

عرصۂ محشر کے ہنگاموں میں امت نبوی کی دستگیری اور مشکل کشائی کے حوالے سے اسی مضمون کو بڑے لطیف پیرائے میں باندازِ دگر یوں ادا فرماتے ہیں۔ ؎

اہل صراط روح امیں کو خبر کریں
جاتی ہے امتِ نبوی فرش پر کریں

حضرت جبریل امین علیہ السّلام جس گھر میں بار بار وحی لے کر اُترتے تھے اس گھر کے مکینوں سے بھی انھیں خاص اُنس تھا۔ خصوصاً اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ جو محرم اسرارِ نبوت تھیں اس حوالے سے سرِ فہرست ہیں۔ حجرۂ عائشہ میں کثرتِ آمد و رفت کے باعث اس کے ایک دروازے کو بابِ جبریل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جبریل امین حضور ﷺ کی وساطت سے امہات المومنین کو سلام پیش کیا کرتے تھے۔ صحیح مُسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی

ہے آپ فرماتی ہیں:

ایک بار رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبریل تمھیں سلام کہہ رہے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں میں نے کہا: وعلیہ السّلام ورحمتہ اللہ (ان پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت) حضور آپ وہ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ (صحیح مسلم۔ رقم ۶۱۰۶)

اُم المومنین کی اسی خصوصیت کے حوالے سے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

جس میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں
اُس سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

اُم المومنین فرماتی ہیں:

جب کبھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم علیل ہوتے تو جبریل آکر آپ کو دم کیا کرتے تھے اور یہ دُعا پڑھتے تھے۔

بسم اللّٰہ أرقیک من کلِّ داء یّشفیک مِن شرّ حاسِدٍ اِذَ احسَد وَ مِنْ شرِّ کُلِّ ذی عَین. (مسند احمد: رقم! ۲۴۸۷۲)

حضور ﷺ کے اہل بیت خصوصاً حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی جبریل امین علیہ السّلام کو بہت لگاؤ تھا۔ ابوالفرج اصہانی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ "**کان علی الحسن و الحسین تعویذ تان حشو هما من زغب جناح جبریل علیه السّلام**"

ترجمہ: کہ امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دو تعویذ تھے جن میں جبریل امین کے پروں کے نرم ریشے بھرے ہوتے تھے۔ (الاغانی۔ص ۱۷۹۳)

حضرت جبریل امین علیہ السّلام کے پروں کی برکات تو کیا کہنا آپ کے پاؤں سے چھوجانے والی مٹّی بھی ایسی حیات بخش تھی کہ نبی اسرائیل کے سامری نے اس مٹّی کے ذریعے بولنے والا سونے کا بچھڑا تیار کرلیا تھا قرآن پاک میں اس کی تفصیل اور صداقت موجود ہے۔

جبریل امین علیہ السّلام کے ان کمالات کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ امام الانبیاء علیہ السلام کے ہم نشین وہم جلیس ہیں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا!

"**أمیری من الملائکه جبریل**"۔ یعنی فرشتوں میں میرا معتمد خاص جبریل ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس جبریل خواب میں آئے سوائے پانچ اولوالعزم رسولوں کے۔ ایک قول کے مطابق جبریل حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس ۲۱ مرتبہ، حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس ۴۳ مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس ۴۸ مرتبہ، حضرت یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس ۴ مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس ۳ مرتبہ اور نبی پاک ﷺ کے پاس ۴ لاکھ ۲۰ مرتبہ تشریف لائے۔ (مطالع المسرّات (مترجم) ص ۷۲۰)

امام اہلسنّت فرماتے ہیں:

ترے درکا درباں ہے جبریل اعظم
ترا مدح خواں ہر نبی وولی ہے

حضرت سیّدنا جبریل امین علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسُول اور ملائکۂ مقربین میں سے ہیں۔ قرآن پاک میں آپ کی صفات و خصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے خالق کائنات نے آپ کے دشمنوں کو اپنا دشمن قرار دیا ہے اور محبتِ جبریل کو اہل ایمان کی علامت فرمایا ہے۔

ہمارے آقا امام الانبیاء علیه التحیة و الثناء کے ارشادات سے بھی جبریل امین علیہ السلام کی رفعت شان اور مراتب عالیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور ایمان بالملائکۃ تو عقائد اسلامیہ کا لازمی جزء ہے۔ یعنی فرشتوں کے وجود اور صفات وکمالات پر ایمان رکھنا مسلمان ہونے کی بنیادی شرائط میں سے ہے۔

لہٰذا ملائکہ کرام خصوصاً جبریل امین علیہ سلام کا تذکرہ کرتے ہوئے اسلامی عقائد ونظریات اور زبان وبیان کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان کی دینی ضرورت اور ایمانی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

"الزمزمته القمریه" کی تالیف کا پس منظر

پروفیسر مُنیر الحق کعبی بہل پوری☆

قصیدہ غوثیہ، مضامین وافکارِ عالی میں خاص مقام وامتیاز کا حامل ہے اور حقائق پر مبنی ہے۔ اسکے اشعار میں جن خیالات کا اظہار ہوا ہے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارہا اپنے عہد کے عظیم صوفیہ، کبار اولیاء اور نامور علماء کی موجودگی میں اپنی مجالس میں ارشاد فرمائے لیکن کسی بھی ولی، صوفی یا عالم کو سوال و اعتراض کی جسارت نہ ہوئی، سبھی نے سرِ تسلیم خم کیا اس لیے نہیں کہ ان صوفیہ اور علماء میں جرأتِ گفتار نہ تھی، بلکہ اس لیے کہ حقیقت ان پر منکشف ہو جاتی۔ وہ اپنی چشمِ بصیرت وفراست سے ان احوال ومقامات پر مطلع ہو جاتے اور یہ حضور سید الاقطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انوارِ جلال کی برقِ جمال کا اثر ہوتا۔

آج معترضین کی اکثریت میں خرد گرفتہ، مذہب بیزار اور مخالفینِ صوفیہ ہیں جن کے دشتِ خیال میں سبزہء افکارِ تازہ کی بیداری افسانہء خواب ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ محض مستشرقین کے اُگلے نوالوں پر اپنی تحقیقات کی بنیاد استوار کر کے اپنی نام نہاد علمیاتی کاوشوں سے جدید حلقہء تعلیم میں اسیر طلبہ واساتذہ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ یہ حضرات اپنی تحریروں میں جا بجا قرآن وحدیث سے نقل کرتے نظر آتے ہیں مگر اصل صورتِ حال یہ ہے کہ وہ آیات واحادیث کے پسِ منظر کو بدل کر تاویل کرتے ہیں۔ نصف آیت یا جزوِ آیت کو ترک دیتے ہیں اور باقی آیت سے اپنے معنی ومطلب کو اخذ کر کے قارئین کو مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح احادیث کو بڑی بیباکی سے ضعیف وموضوع قرار دے دیتے ہیں اور یہ فیصلہ صادر کرتے وقت کسی بھی علمی تحقیق و دیانت کا ثبوت نہیں دیتے۔ ہاں، قلب وجاں کی طمانیت، معلومات علمی میں ایزاد و اضافہ اور ان اشعار میں موجود مصطلحات و پنہاں اشکالات کی تفسیر و تفصیل کی غرض سے بھی سوالات اٹھائے گئے اور محقق صوفیہ اور راسخ العلم علماء نے ان کے نہایت نفیس اور عمدہ نکات سے مملو برمحل جوابات پیش فرمائے ہیں، جن سے ان مقامات سے متعلق نادر علمی اشارات سے آگاہی ہوتی ہے۔ یہ شروحات، اپنے اوصاف وألوان کے اعتبار سے کافی ووافی ہیں۔ اس کے باوصف ایسے نارسا بھی ہیں جو ان اشعار کی جناب غوث الثقلین سے نسبت ہی کے منکر ہو گئے۔ ان کے زعمِ باطل میں دو سبب ہیں:

اول:۔ عربیت قصیدہ میں خامیاں اور نقائص

دوم:۔ قصیدۂ لامیہ غوثیہ اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیگر تصانیف کے اسلوب میں بیّن فرق۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ نے قصیدۂ مبارکہ غوثیہ کی عربیت پر اعتراض اور اس سبب سے اسکی نسبت بجنابِ غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انکار پر ایک طویل مقالہ تحریر فرمایا تھا جس کا نام "**الزمزمة القمريه في الذب عن الخمريه**" سرِ عنوان ہوا۔ اس کا فوری باعث مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری برکاتی کا مکتوب تھا جس میں وکیل احمد سکندر پوری کے متعلق اطلاع دی کہ وہ قصیدہ غوثیہ "**سقاني الحب كاسات الوصالي**" کی شرح اردو میں تحریر فرما رہے ہیں اور فقیر کو فرمایا ہے کہ حضرت کو اس بارے میں اطلاع کی جائے۔ اس قصیدہ کی نسبت حضرت کا کیا منشا ہے۔۔۔۔

فاضلِ بریلوی اس رسالہ میں ایک ماہرِ لسانیات اور نقاد ومحقق

☆ سابق پروفیسر، گورنمنٹ زمیندار پوسٹ گریجویٹ کالج، گجرات۔

ادبیات کے طور پر جلوہ فرما ہیں۔ انھیں نہ صرف قواعد وضوابط عربیت پر زبردست گرفت ہے بلکہ عربی زبان کے وسیع ذخائر پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ قصیدہ غوثیہ سے متعلق کلام کرتے ہوئے نہایت عمدہ نکات بیان فرمائے ہیں اور عمیق تحقیق وتنقیدی شعور کا ثبوت دیا ہے۔

ان کے مباحث کا ملخص کچھ اس طرح سے ہے۔

اول۔ حق عزوجل نے کو زبان اور زبان کو طاقتِ بیان دی کہ اظہارِ مافی الضمیر کر سکے۔ اصل مقصود اسی قدر ہے باقی سب زوائد۔

باقی فنون کی طرح عربیت کے بھی دو شعبے ہیں، علم وعمل۔

علم۔ جو فہمِ کتاب وسنت کو کفایت کرے۔ واجب کفایہ۔

اور علماء کے لیے مہارتِ تامہ ضروری ہے۔

عمل۔ کلام کو قواعد وضوابط کے مطابق صادر کرنا۔

بعض اوقات ادیب اور شاعر ان قواعد کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح یہ ترک دو قسم ہے۔

الف۔ اصلِ کلام میں خلل واقع ہو تو یہ مذموم ہے۔

ب۔ مقصودِ بیان میں تغیر وفساد واقع نہ ہو، اگرچہ قوانینِ عربیت کی پابندی مفقود ہو۔

''اس قسم کا اعتیاد، جبکہ باوجود علم وقدرت ہو، اصلاً نہ کسی کمال کا نافی، نہ کسی فضل کا منافی، نہ ترکِ عمل، عدمِ علم پر مطلقاً دلیل کافی''۔

''بڑے بڑے فصحا واعاظم علماء محاورات روز مرہ میں وہ عبارتیں بولتے ہیں جن کا ایک فقرہ قوانینِ عرب پر درست نہیں ہوتا۔ اس کے سبب نہ ان کے علم ومعرفت یا ملکہء مصاحت میں داغ آسکے، نہ انھیں جہل وعجز کا عیب لگا سکے۔''

دوم:۔ اکابر ائمہ وعلماء سے مراعاتِ قواعدِ عربیت میں کیا کیا بے پروائیاں سرزد ہوئیں۔ فاضلِ بریلوی نے درج ذیل کتب سے وافر امثلہ فراہم کی ہیں۔

۱۔ مسلم شریف۔ مقدمہ صحیح ۲۔ صحیح بخاری ۳۔ سنن ابی داؤد ۴۔ جامع ترمذی ۵۔ مجتبیٰ نسائی ۶۔ سنن ابن ماجہ ۷۔ دارمی ۸۔ شفا ۹۔ بیہقی ۱۰۔ بحرالرائق ۱۱۔ نہرالفائق ۱۲۔ ردالمختار ۱۳۔ فتاوٰی خانیہ ۱۴۔ فتاوٰی خلاصہ ۱۵۔ خزانۃ المفتیین ۱۶۔ ہدایہ ۱۷۔ جامع صغیر ۱۸۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ ۱۹۔ کتاب المناقب کردری ۲۰۔ اشباہ ۲۱۔ شرح ہدایہ فرغانی ۲۲۔ کنوز الحقائق من احادیث خیر الخلائق ۲۳۔ شرح متن غزی۔ دمشقی ۲۴۔ مُنیہ ۲۵۔ قنیہ ۲۶۔ درر

''اب کیا ان امور اور ان کے امثالِ کثیرہ پر نظر کر کے، کوئی جاہل حضرات علیہ امام مسلم، امام بیہقی، امام قاضی عیاض وعامہ رواۃ صحیح مسلم واجلہ رجالِ صحاحِ ستۃ وامام قاضی خان وامام صدرالشریعۃ وامام کردری وامام سیوطی وعلامہ مناوی وعلامہ زرقانی وعلامہ علی قاری وائمہ ہدٰی مصنفین ہدایہ وخلاصہ وخزانہ ومُنیہ وبحر ونہر ودرر واجلہ ادبا زمخشری وزاہدی وابن نباتہ وعامہ محدثین وجمِ غفیر فقہا واصولیین وغیرھم علمائے کاملین وکملائے فاضلین کے کمالِ فضل وفضلِ کمال میں کلام ومقال کر سکتا ہے''۔ ۳

سوم:۔ خصوصاً جبکہ عالم کی اصلی زبان عربی نہ ہو جیسے امام مسلم، امام بیہقی، امام فرغانی وغیرہ۔ امام بخاری کہ فارسی الاصل تھے۔'' صحیح بخاری میں ایک جگہ عربی میں بجائے ایضاً خاص فارسی لفظ ''ہم'' استعمال کیا ہے۔ اور۔ عربی عبارت میں عربی لفظ بے مراعاتِ قواعد بولنا، عربی کلام میں فارسی لفظ داخل کرنے سے عجیب تر نہیں۔ پھر اس سے امام بخاری اور ان کے کمالِ فضل پر کیا طعن ہو سکتا ہے؟'' ۴

چہارم:۔ یہ تو نثر کی بات تھی۔ نظم کا میدان تو نہایت تنگ ہے جو

شاعر ہے یا شعری نقد و ادراک رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ نظم، نثر کی نسبت کس درجہ مشکل ہے۔

''شعرا ہزار ہا ایسی باتیں برت جاتے ہیں کہ نثر میں برتیں تو قوانینِ عربیت کے مطابق تو محض غلط و باطل یا فصاحت سے گرا ہوا ہو ---- وہ لوگ جن کی عمر اس صناعت میں گزری وہ نظم میں بمعذرتِ ضرورت صد ہا باتوں کا ارتکاب کرتے ہیں کہ نثر میں ہوں تو خود ہی تغلیط کریں ---- لطف یہ کہ تصرفاتِ نادرہ، قواعد و استعمال سے ماورا کو قادر اللسان شعرا کے ساتھ خاص مانا جاتا ہے اور اگر قاصرین تقلید کریں تو ان کے عجز پر محمول، قادر الکلام شعرا کی بے پروائی ٹھہرے،،۵

اور چپ بیٹھیں تو وحشی کہلائیں
آ چپ بیٹھیں تغافل ٹھہرے

اور آئمۂ دین جو اس صناعت کی زیادتِ اشتغال و کثرتِ استعمال کو اپنے حق میں عیب مانتے اور من حسن الا سلام المرء تر که مالا یعنیه کے خلاف جانتے ہیں۔ اس وجہ سے اگر ان حضرات کے کلام میں قوانینِ عربیت کی مراعات ملحوظ نہ رہی ہوں تو کیا بعید کہ وہ ''خود مہارت کرنا نہیں چاہتے اور مقام وہ تنگ کہ ماہرین وسعتیں ڈھونڈتے ہیں''۶

پنجم:- ایک عام آدمی انتہائے فرحت میں بے اختیار ہو کر کچھ کا کچھ کہہ بیٹھتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق شدتِ فرحت سے بہک کر کہہ اٹھتا ہے۔ ''الٰہی تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا''

حضرات اولیائے کرام کی تو کیفیت ہی اور ہوتی ہے۔ فرحت ہی نہیں، تجلیات کے وقت مشاہدۂ جلال و جمال میں وہ استغراق ہوتا ہے جو انھیں اپنی ذات سے غافل کر دے تو کیا بعید۔ اس وقت اگر 'انت الحق' 'سبحا نک ما اعظم شانک' کے بجائے 'انا لحق' اور 'سبحا ن ماا عظم شانی' نکلے تو کیا عجب۔ یہ حال اہلِ سکر کا ہے۔

ششم:- خواص کی بات جدا ہے۔ اور۔ اخص الخواص جنھیں حضور پر نور سلطانِ رسالت علیہ افضل الصلواۃ والتحیۃ نے اپنی خاص تربیت کے ظلِ حمایت میں لیا اور وارثِ اتم وخلیفۂ اعظم بنا کر منصبِ جلیلِ امامتِ امت وزعامتِ ملت دیا ---- ان کے قلوب کو وہ وسعتیں بخشی ہیں کہ ہزاروں دریائے ''سقا نی الحب کا سات الو صال'' نوش فرماتے ہیں مگر قطرہ بے جا نہیں چھلکتا اور لاکھ ساغر ''فساقی القوم بالو افی ملالی'' سے مالا مال مدہ ماتے ہیں مگر کوئی حرف راہِ نبوت سے اصلاً نہیں بہکتا۔''

''بالجملہ ہمارے حضور پر نور رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام الفریقین و نظام الطریقین وسردارِ اصحاب صحو وتمکین و وارثِ اکمل حضور سید المرسلین ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین و بارک وسلم ---- لہٰذا ربّ عزوجل نے حضور کو شطحیاتِ سکر سے محفوظ رکھا۔ اور حضور کے اقوال و افعال واحوال واعمال سب کو احیائے ملت واقتضائے سنت کا مرتبہ بخشا ---- نہیں کہتے جب تک کہلوائے نہ جائیں اور نہیں کرتے جب تک اذن نہ پائیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنه وارضاہ وحشر نافی زمرہ من تبعه و والدہ امین. یہ سب کلام اس تقدیر پر تھا کہ اعتراض سے غرضِ معترض انکارِ نسبت ہو۔ یعنی کہتا ہو کہ اس قصیدے کی عربیت مخلِ کلام ہے لہٰذا حضور پر نور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ---- اور ---- اگر معاذ اللہ ---- نسبت مان کر اعتراض کرتا ہے ---- تو ---- خاک برروئے تعصب باد ---- ''۷

کسی بھی ادب پارے کی حقیقت تک رسائی کے لیے اس کے متن کو داخلی اور خارجی شواہد کی روشنی میں دیکھنا اور پرکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مغرب سے درآمد شدہ تنقیدی اصطلاحات کا بلا تامل استعمال کرتے ہیں۔ اور اسکے زیر اثر جہاں بھی کوئی ایسا امرِ واقعہ درآیا جو فہم و شعور سے ماورا ہوا اس پر غیر تاریخی اور غیر سائنسی طرزِ فکر اپنانے کا طعن وارد کر دیتے ہیں۔ یہ اعتزالی نقطۂ نظر جو غیر مرئی یا غیب کا انکار کرتا ہے یا پھر تاویل کر کے اپنی عقل و دانش کے مطابق معنی پہنا لیتا ہے۔۔۔۔۔ مغرب کے فضلا تو درکنار مشرق کے وہ علما جنھیں صوفیہ سے نسبت و تعلق نہ ہو وہ ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں جہاں ان کے خیال میں علت و معلول کا ظاہری رشتہ منقطع ہوتا دکھائی دیا اسے غیر سائنسی اور غیر فطری کہہ کر اس کی نفی کی کوشش کرتے ہیں۔ جنت، دوزخ، حوضِ کوثر، پل صراط، ملائکہ، معجزات، حضور علیہ السلام کے معراجِ جسمانی، کرامتِ اولیا، جنت میں رویتِ باری تعالیٰ وغیرہ، اہلِ سنت کے مسلمہ عقائد کا انکار کرتے ہیں۔ اولیائے عظام کے باطنی و ظاہری تصرفات کے منکر ہیں۔ ان کی مشکل یہ ہے کہ وہ انسانِ کامل اور عام انسان میں فرق روا نہیں رکھتے اور عبد اور عبدہ، کے درمیان مدارج و مراتب سے بے بہرہ رہتے ہیں۔

آخر میں ہم معاندین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ بغض و عناد کی تیرہ فضاؤں سے باہر نکل کر آفتاب کی پرنور کرنوں سے فیضیاب ہونے کی صلاحیت پیدا کریں اور مفاہیمِ قصیدہ سے بہرہ یاب ہونے کے لیے دلوں کے بند دروازے کھولیں۔ صاحبزادہ سید نصیر الدین گولڑوی نے اس سلسلہ میں بڑی خوبصورت بات کی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''کسی بات کا خلافِ شریعت ہونا اور بات ہے اور خلافِ شریعت نظر آنا اور بات ہے۔ اگر مقبولانِ خدا کا کلام سمجھ میں نہ آئے تو اس کا انکار مناسب نہیں۔ آخر قرآن و حدیث کے بھی تو بہت سے متشابہات ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حتیٰ الوسع یہ ہونا چاہیے کہ بزرگانِ دین کے ارشادات کا محمل تلاش کیا جائے گو یا **فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون** (اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لیا کرو) پر عمل کیا جائے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ جو چیز ہماری سمجھ میں نہ آئے دوسرے بھی اس کے فہم سے قاصر ہوں۔ **وفوق كل ذى علم عليم**۔ (ہر صاحبِ علم سے بڑھ کر علم والا ہوتا ہے)''[۸]

حوالہ جات

۱۔ الزمزمتہ القمریہ
۲۔ ایضاً
۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً
۵۔ ایضاً
۶۔ ایضاً
۷۔ ایضاً
۸۔ نام و نسب نصیر الدین، صاحبزادہ سید ص ۶۷۹ گولڑہ شریف اسلام آباد۔

☆☆☆☆☆

مولانا احمد رضا بریلوی اور ردِّ بدعات

ڈاکٹر محمد انور خان*

مولانا احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ (۱۸۵۶ء ، ۱۹۲۱ء) نے اپنے فتووں، رسالوں اور تقریروں کے ذریعہ ردّ بدعات اور احیاء اسلام کے لیے جدوجہد کی غالباً اسی لیے بعض علمائے حرمین نے ان کو اس صدی کا مجدد کہا ہے۔ چنانچہ حافظ کتب الحرم شیخ اسمٰعیل خلیل مکی لکھتے ہیں:

بل اقول لو قیل فی حقه انه مجدد هذاالقرن لکان حقا و صِدقا لیس علی الله بمستنکیاان یجمع المعالم فی واحد (۱)

''(ترجمہ) بلکہ میں کہتا ہوں کہ ان کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں۔ تو بیشک یہ بات سچ وصحیح ہوگی۔ خدا کے لیے یہ بات مشکل نہیں کہ وہ ایک جان میں ایک جہاں سمودے''۔

مولانا بریلوی کے نزدیک اسلام کا مفہوم سیدھا سادا ہے مگر وہ اس شخص کا تعاقب کرتے ہیں جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہے اور حقیقت کو ''خرافات'' کی نذر کرتا ہے اور اس پر تنقید کرتے ہیں جو ملی وحدت میں رخنہ ڈال کر اس کو پارہ پارہ کرتا ہے اور سواد اعظم کو چھوڑ کر ایک نئی راہ نکالتا ہے۔

مولانا بریلوی سے سوال کیا گیا کہ غیر مسلم جو انگریزی جانتے ہیں۔ کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو جائیں گے یا نہیں ------ انہوں نے جواب دیا:

''بیشک مسلمان ٹھہریں گے اگر چہ کلمہ طیبہ کا ترجمہ نہ جانیں ------ بلکہ اگر چہ کلمہ طیبہ بھی نہ پڑھا ہو کہ اتنا ہی کہنا کہ ''میں نے وہ مذہب چھوڑ کر دین محمدی قبول کیا'' ان کے اسلام کے لیے کافی ہے۔ (۲)

لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد جو شخص حضور اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے راستے سے گریز کرتا ہے اور بعض باتوں سے انکار کرتا ہے اس کے متعلق مولانا بریلوی اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فی الواقع جو بدعتی ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہو باجماع مسلمین یقیناً ''قطعاً'' کافر ہے اگر چہ کروڑ بار کلمہ پڑھے، پیشانی اس کی سجدے میں ایک ورق ہو جائے، بدن اس کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے۔ عمر میں ہزار حج کرے۔ لاکھ پہاڑ سونے کے راہ خدا پر دے ------ لاواللہ ہرگز ہرگز کچھ قبول نہیں جب تک حضور پر نور ﷺ کی ان تمام ضروری باتوں میں جو وہ اپنے رب کے پاس سے لائے تصدیق نہ کرے۔ (۳)

ہمارے معاشرے کے بہت سے مسلمان فرائض و واجبات وسنن چھوڑ کر مستحبات اور مباحات میں لگے رہتے ہیں۔ مولانا بریلوی نے عمل کی اس بے اعتدالی پر سخت گرفت کی ہے ---- ایک جگہ لکھا ہے:

''ابو محمد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمائیں ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے ------ اس کتاب مبارک میں ---- فرمایا:

فان اشتغل با لسنن و النوافل قبل الفرائض لم یتقبل منه واهین (۴)

اگر فرائض کی ادائیگی سے قبل سنن ونوافل میں مشغول ہو تو سنن ونوافل قبول نہیں ہوتیں بلکہ موجب اہانت ہوتی ہیں۔

شریعت وطریقت اور بیعت کے بارے میں مولانا بریلوی کا مسلک بہت واضح ومعقول ہے۔ عمرو کے اس قول کے بارے میں کہ ''طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا اور شریعت نام ہے چند اوامر ونواہی کا'' جب مولانا بریلوی سے استفار کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

اسسٹنٹ پروفیسر سندھ یونیورسٹی، جام شورو، حیدرآباد، سندھ

''عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون و جہالت ہے دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے کہ ''طریق'' طریقہ' طریقت' راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو۔ تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے۔ اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک، جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل و مردود فرما چکا''۔(۵)

ضرورت مرشد کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں:

''انجام کار رستگاری'' (اگر چہ معاذ اللہ سبقت عذاب کے بعد ہو)۔۔۔۔ یہ عقیدہ اہل سنت میں ہر مسلمان کے لیے لازم اور کسی بیعت و مریدی پر موقوف نہیں، اس کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے۔(۶)

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں:

''فلاح انسان کے لیے بیشک مرشد خاص کی حاجت ہے اور وہ بھی شیخ ایصال کی، شیخ اتصال اس کے لیے کافی نہیں''۔(۷)

حضور اکرم ﷺ اور اولیاء اکرام سے استعانت و استغاثہ کے بارے میں مولانا بریلوی کا موقف یہ ہے کہ یہ مشروط طور پر جائز ہے۔ ایک استفتاء کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

''جائز ہے جب کہ انہیں بندہ خدا اور اس کی بارگاہ میں وسیلہ جانے اور انہیں باذن الٰہی والمدد برات امرا سے مانے اور اعتقاد کرے کہ بے حکم خدا ذرہ نہیں ہل سکتا اور اللہ عزوجل کے دیئے بغیر کوئی ایک حبہ نہیں دے سکتا۔ ایک حرف نہیں سن سکتا، پلک نہیں ہلا سکتا اور بیشک سب مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے''۔(۸)

بعض مسلمان حدود شرعیہ سے تجاوز کر کے مزارات کے آگے سجدے وغیرہ کرتے ہیں۔ مولانا بریلوی نے غیر اللہ کیلئے سجدۂ عبادت کو کفر و شرک اور سجدۂ تعظیمی کو حرام قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں ایک فاضلانہ و محققانہ رسالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے:۔

الزبدة الزکیه لتحریم سجود التحیه (۱۳۳۷ھ ، ۱۹۱۸ء)

اس رسالے میں وہ لکھتے ہیں:

''مسلمان اے مسلمانوں! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ، حضرت عزت عزوجلالہ کے سوا کسی کیلئے نہیں، اس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین اور سجدہ تحیت حرام گناہ کبیرہ بالیقین''(۹)

مولانا بریلوی نے اپنے دعوے کے اثبات میں پہلے آیات قرآنی سے سجدہ تحیت کی حرمت کو ثابت کیا۔(۱۰) پھر چالیس احادیث سے ثابت کیا ہے۔(۱۱) اس کے بعد ڈیڑھ سو نصوص فقہ سے سجدۂ تحیت کی حرمت کے دلائل پیش کئے ہیں۔(۱۲)

آج کل بعض بت علم مسلمانوں میں گھروں میں براق کی تصاویر لگانے کا رواج عام ہے، یہ رواج پہلے بھی تھا، مولانا بریلوی نے براق کی تصاویر لگانے کی سختی سے ممانعت کی ہے البتہ قبر شریف اور نعلین شریف کے عکس کو جائز و مستحسن لکھا ہے۔(۱۳)

مسلمانوں میں فاتحہ، سوم، چہلم، برسی، عرس وغیرہ کا رواج ہے۔ مولانا بریلوی نے اس کی روح کو جائز قرار دیا ہے اور غیر ضروری لوازمات کو بے اصل، اس طرح انہوں نے میانہ روی کی راہ اختیار کی ہے۔ فاتحہ وغیرہ کو جائز قرار دیتے ہوئے آخر میں لکھا ہے:

''باقی جو بے ہودہ باتیں لوگوں نے نکالی ہیں مثلاً اس میں شادی کے سے تکلف کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانا، یہ باتیں بے جا ہیں اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا اور روز کم، تو یہ عقیدہ بھی اس کا غلط ہے۔ اسی طرح چنوں کی کوئی ضرورت نہیں، نہ چنے بانٹنے کے سبب کوئی برائی پیدا ہو۔(۱۴)

کھانے کو سامنے رکھ کر ایصال ثواب کرنے کے بارے میں اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بات یہ ہے کہ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے اور مومن کو عمل نیک کا ایک ثواب اس کی نیت کرتے ہی حاصل اور کیے پر دس ہو جاتا ہے۔(۱۵) رہا کھانا دینے کا ثواب، وہ اگر چہ اس وقت موجود نہیں تو کیا

ثواب پہنچانا شاید ڈاک یا پارسل میں کسی چیز کا بھیجنا ہوگا کہ جب تک وہ شے موجود نہ ہو، کیا بھیجی جائے۔؟ حالانکہ اس کا طریقہ صرف جناب باری میں دعا کرنا ہے کہ وہ ثواب میت کو پہنچائے۔ اگر کسی کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے۔(۱۶)

ایک سوال کے جواب میں کہ زید اپنی زندگی میں خود اپنے لیے ایصال ثواب کرسکتا ہے یا نہیں۔ لکھتے ہیں:

''ہاں کرسکتا ہے' محتاجوں کو چھپا کر دے۔ یہ جو عام رواج ہے کہ کھانا پکایا جاتا ہے اور تمام اغنیاء و برادری کی دعوت ہوتی ہے، ایسا نہ کرنا چاہیئے۔(۱۷)

دورِ جدید کی بدعات میں عورتوں کا بے محابہ گھومنا پھرنا، نامحرموں کے سامنے آنا، میت کے گھر جمع ہوکر خوب کھانا پینا، رہنا سہنا، زیارت قبور کیلئے قبرستانوں میں جانا اور نامحرم پیروں کے سامنے آنا عام ہے۔ مولانا بریلوی نے ان تمام بدعات کی مخالفت کی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں کہ ''عورت اپنے محارم اور غیر محارم کے ہاں جاسکتی ہے یا نہیں؟'' مولانا بریلوی نے ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے:

مروج النجا لخروج النساء (۱۳۱۶ھ، ۱۸۹۸ء)

عورتوں کی قسمیں:۔

اس رسالے میں مولانا بریلوی نے عورتوں کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا ہے، پھر ہر ایک کیلئے الگ الگ حکم صادر کیا ہے:

قابلہ، غاسلہ، نازلہ، مریضہ، مضطرہ، حاجہ، مجاہدہ، مسافرہ، کاسبہ، شاہدہ، طالبہ، مطلوبہ۔(۱۸)

مندرجہ ذیل عنوان سے ایک رسالہ لکھا جس میں میت کے گھر انتقال کے دن یا بعد عورتوں اور مردوں کا جمع ہوکر کھانا پینا اور میت کے گھر والوں کو زیر بار کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے:(۱۹)

جلی الصوت لنهي الدعوت امام الموت (۱۳۱۰ھ، ۱۸۹۲ء)

ایک سوال کے جواب میں کہ ''عورتیں زیارت قبور کیلئے قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟''

تحریر فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ زوارت القبور:

(اللہ کی لعنت ان عورتوں پر کہ زیارت قبور بکثرت کریں)

رواہ احمد و ابن ماجہ والحاکم عن حسان بن ثابت والاولان والترمذی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ(۲۰)

اس موضوع پر مولانا بریلوی نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا عنوان ہے:

جمل النور في نهي النساء عن زيارة القبور (۲۱)
(۱۳۳۹ھ، ۱۹۲۰ء)

زیارت قبور کے سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کے روضہ شریف پر حاضری کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ عورتوں اور مردوں کا اس دربار میں حاضر ہونا احادیث شریفہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ کے مزار مبارک پر عورتوں کی حاضری کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا:

''غنیۃ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحب قبر کی جانب سے؟ جس وقت گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہوجاتی ہے۔ سوائے روضہ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں' وہاں حاضری البتہ سنت جلیلہ عظیمہ قریب بوا جبات ہے۔

خود حدیث میں ارشاد ہوا من زار قبری و جبت لہ شفاعتی جو میرے مزار کریم کی زیارت کو حاضر ہوا اس کیلئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ دوسری حدیث میں ہے۔ من حج ولم

یزرنی فقد جفانی جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا بیشک اس نے مجھ پر جفا کی۔ (۲۲)

فی زمانہ عورتیں اپنے پیروں اور مرشدوں کے سامنے بے دھڑک آجاتی ہیں۔ نہ ان کو کوئی حجاب آتا ہے اور نہ پیر ہی منع کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا بریلوی سے ایک استفسار لیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

''بیشک ہر غیر محرم سے پردہ فرض ہے جس کا اللہ و رسول ﷺ نے حکم دیا ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ بے شک پیر، مریدہ کا محرم نہیں ہو جاتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کرامت کا پیر کون ہوگا؟

وہ یقیناً ابوالروح ہوتا ہے۔ اگر پیر ہونے سے آدمی محرم ہو جایا کرتا تو چاہیئے تھا کہ نبی سے اس کی کسی عورت کا نکاح نہ ہو سکتا'' (۲۳)

مزارات پر روشنی کیلئے چراغ، لوبان، سنجور جلانے اور چادر چڑھانے کا بھی عام رواج ہے۔ مولانا بریلوی نے ان تمام رسوم و رواج سے متعلق میانہ روی اختیار کرتے ہوئی، معقول فیصلے صادر کئے ہیں۔

''قبروں کی طرف شمع لے جانا بدعت اور مال ضائع کرنا ہے۔'' (۲۴)

اس کے بعد مولانا بریلوی لکھتے ہیں:

''یہ سب اس صورت میں ہے کہ بالکل فائدے سے خالی ہو اور اگر شمع روشن کرنے میں فائدہ ہو کہ موقع قبور میں مسجد ہے، یا قبور سرراہ ہیں، وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے۔ تو یہ امر جائز ہے۔'' (۲۵)

ایک اور جگہ اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

اصل یہ ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ **انما الاعمال بالنیات** اور جو کام دینی فائدے اور دنیوی نفعِ جائز دونوں سے خالی ہو، عبث ہے اور عبث خود مکروہ ہے اور اس میں مال صرف کرنا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین** اور مسلمانوں کو نفع پہنچانا بلاشبہ محبوب شارع ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ** تم میں جس سے ہو سکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچائے تو پہنچائے۔'' (۲۶)

قبر پر لوبان وغیرہ جلانے کیلئے دریافت کیا تو جواب دیا گیا:

''عود، لوبان وغیرہ کوئی چیز نفس قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہیئے اگر چہ کسی برتن میں ہو **لمافیہ التغاؤل القبیح بطلوع الد خان علی القبر والعیاذ باللہ.**

اور قریب قبر سلگانا (اگر نہ کسی تالی یا ذاکر یا زائر حاضر خواہ عنقریب آنے والے کے واسطے ہو) بلکہ یوں کہ صرف قبر کیلئے جلا آئے تو ظاہر منع ہے اسراف اور اضاعت مال۔ میت صالح اس غرفے کے سبب جو اس قبر میں جنت سے کھولا جاتا ہے اور بہشتی نسیمیں، پھولوں کی خوشبوئیں لاتی ہیں، دنیا کے ''اگر'' اور ''لوبان'' سے غنی ہے۔'' (۲۷)

قبر پر چادر چڑھانے کیلئے دریافت کیا تو جواب دیا:

جب چادر موجود ہو اور ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی کہ بدلنے کی حاجت ہو تو بیکار چادر چڑھانا فضول ہے بلکہ جو دام اس میں صرف کریں ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کیلئے محتاج کو دیں۔'' (۲۸)

مولانا بریلوی نے مندرجہ بالا رسوم و رواج میں اسراف اور اضاعتِ مال سے بچنے اور کفایت شعاری کے اسلامی معاشی نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئی فیصلے صادر کئے ہیں۔ یعنی اگر کسی عمل نیک میں افادیت ہے تو وہ جائز ہے اور اضاعتِ مال ہے تو حرام ہے اور یہ اصول صرف قبور کیلئے خاص نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر گوشہ کیلئے ہے۔

ہمارے معاشرے میں قوالی میں آلات موسیقی (مزامیر) کا عام رواج ہے۔ درگاہوں حتیٰ کہ مسجدوں کی قریب ڈھول سارنگی وغیرہ سے

خوب قوالیاں ہوتی ہیں، پھر عرس وغیرہ میں تو خاص اہتمام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اعراس میں عورتیں بھی جمع ہوتی ہیں اور بے پردہ گھومتی پھرتی ہیں اور دوسرے بہت سے تماشے ہوتے ہیں جو شرمناک بھی ہوتے ہیں اور غمناک بھی۔۔۔۔ مولانا بریلوی نے ایسے رواجوں کو جو شریعت کے خلاف ہیں ناجائز قرار دیا ہے۔ آلات موسیقی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

''مزامیر جنہیں مٹانے کیلئے حضور پرنور اکرم نبی سید عالم ﷺ تشریف لائے کمافی الحدیث مطلقاً حرام ہیں۔'' (۲۹)

ایسی قوالی میں شرکت کیلئے دریافت کیا گیا جس میں آلات موسیقی وغیرہ کا اہتمام ہو تو جواب دیا:

''ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہ گار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر۔'' (۳۰)

مروجہ اعراس میں شرکت کے بارے میں پوچھا گیا تو سخت شرائط و پابندیوں کے ساتھ اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھا:

''عرس متعارف مذکورہ فی السوال کہ ہجوم زناں، وتماشائے مرداں آثارِ شرکیہ وارتکابِ معاصی، نظارۂ اجنبیہ ولہو ولہب وطوائفاں رقاصان وآلاتِ مزامیر وغیرہ سے خالی ہو، بلا شبہ جائز و درست ہے کہا لامور بمقا صد ھا اور ظاہر ہے کہ غرض انعقاد اس مجلس سے ایصال ثواب، فاتحہ وقرآن خوانی ہے۔'' (۳۱)

آج کل اعراس میں بکثرت ان امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ مولانا بریلوی نے جن کی نفی فرمائی، ایسے اعراس میں شرکت جہاں ان افعالِ قبیحہ کا ارتکاب ہو مولانا بریلوی کے نزدیک جائز نہیں۔

بعض مسلمانوں میں شادی کے موقع پر آتش بازی چھوڑنے کا رواج ہے اور شب برات کے موقع پر تو اکثر مسلمان آتش بازی کا اہتمام کرتے ہیں خصوصاً بچے اس شغف میں مصروف نظر آتے ہیں۔ مولانا بریلوی سے اس سلسلے میں ایک سوال کیا گیا تو جواب دیا:

''آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے، بیشک حرام اور پورا جرم ہے کہ اس میں تضیع مال ہے' قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی فرمایا' قال اللہ تعالیٰ ولا تبذیر ان المبذرین کانوا اخوان الشیا طین.'' (۳۲)

جس شادی میں گانا بجانا اور محرمات شرعیہ کا ارتکاب ہو اس میں شرکت سے منع فرمایا اور یہ ہدایت کی:

''جس شادی میں یہ حرکتیں ہوں، مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ (۳۳)

ممانعت کی اصل وجہ یہی ہے کہ شرکت سے مرتکب کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور وہ باز نہیں آتا۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ فضول خرچیوں میں مبتلا ہیں بلکہ فضول خرچی ہماری طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ ایک دوسرے کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ ایک دوسرے کی حرص کرتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب بینائی سے محروم ہوگئے۔ مولانا بریلوی نے ملت کی اس پستی اور انحطاط پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے:

''قلب جب تک صاف ہے، خیر کی طرف بلاتا ہے اور معاذ اللہ کثرت معاصی اور خصوصاً کثرت بدعات سے اندھا کر دیا جاتا ہے، اب اس میں حق کے دیکھنے، سمجھنے، غور کرنے کی قابلیت نہیں رہتی مگر ابھی حق سننے کی استعداد باقی رہتی ہے''۔

غرض کہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرۃ العزیز اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم' فاضل' فقیہ اور محدث تھے۔ انہوں نے اپنی وعظ ونصیحت فتاوی، شاعری اور دیگر تصانیف سے مسلمانوں کے اعمال وعقائد کی حکمت وموعظت کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی۔ انہوں نے شریعت کو اصل اور طریقت کو اس کی فرع قرار دیکر شریعت وطریقت کا ایک جامع تصور پیش کیا اور مسلمانوں کی صلاح وفلاح اور دینوی وروحانی اصلاح کے لئے دور جدید کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ طریقۂ کار پیش کیا جو رہتی دنیا تک ہمارے لئے مشعلِ راہ رہے گا۔

مولانا احمد رضا خان کا تصورِ تعلیم

غلام مصطفیٰ رضوی، مالیگاؤں

مولانا احمد رضا خان حنفی بریلوی عالم وفقیہ، محدث ومفسر اور ادیب شاعر تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ جدید وقدیم علوم وفنون میں یگانہ روزگار تھے اور ایک ماہر تعلیم بھی۔

آپ کی ولادت ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو شہر بریلی (یو۔پی) میں ایک معزز گھرانے میں ہوئی۔ والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی (م ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) اپنے عہد کے عظیم مفتی اور صف اول کے مصنف اور مصلح تھے۔ فقاہت میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔ اپنے والد مولانا رضا علی خاں بریلوی (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) کی طرح انگریزوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے جملہ علوم وفنون کی تحصیل اپنے والد ماجد اور گھریلو اتالیق سے کی۔ بعض علماء سے استفادہ فرمایا جن میں مولانا سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی (م ۱۹۰۶ء) اور مولانا عبدالعلی رام پوری (م ۱۸۸۵ء) سرفہرست ہیں۔ بعض ابتدائی درس مولانا مرزا غلام کادر بیگ بریلوی (م ۱۹۱۷ء) سے لئے، بعد میں آپ خود مولانا احمد رضا خاں سے استفادہ کرنے لگے۔

مولانا احمد رضا خاں علوم وفنون کے بحر بیکراں تھے۔ اپنے ۵۴ علوم کا تذکرہ خود فرمایا۔ اکیس علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کئے، وہ علوم جو اساتذہ سے نہیں پڑھے لیکن نقاد علمائے کرام سے اجازت حاصل فرمائی دس شمار ہوتے ہیں، وہ علوم جنھیں کتب بینی اور فکر ونظر کے استعمال سے حل فرمایا ان کی تعداد چودہ ہے، اسی طرح علوم اور شمار کرائے ہیں جنکی تعلیم بھی کسی استاد سے حاصل نہیں کی۔

عصر جدید میں علم وفن کا شہرہ ہے لیکن خودنمائی وجاہ طلبی کا عنصر غالب آگیا ہے۔ فخر ومباہت کا یہ عالم کہ ایک علم میں درک رکھنے والا دوسروں کو حقیر گمان کرتا ہے، گویا علم کا حصول بھی ''برتری'' کے جذبہ کے تحت کیا جارہا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ۵۴ علوم کے جاننے والے ہی نہیں بلکہ ان علوم کے ہر جزیے اور پہلو پر تعمق رکھتے تھے۔ اور اسے اللہ عزوجل کی عنایت سمجھتے اور تشکر بجالاتے۔ ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں ''میرا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ ان (علوم) میں اور ان کے علاوہ دیگر حاصل کردہ فنون میں بہت بڑا ماہر ہوں۔ میں تو اپنی انتہائی کوشش یہ سمجھتا ہوں کہ ان علموں سے کچھ حصہ نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے سوال ہے کہ وہ مزید برکت فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر فن کے معمولی طالب علم کو مجھ پر غلبہ ہے لیکن مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ جسے چاہتا ہے بلند کرتا ہے جسے چاہتا ہے گراتا ہے۔''[1]

دارالعلوم منظر اسلام کا قیام اور درس وتدریس:

مولانا احمد رضا خان نے درسیات سے فراغت کے بعد ہی منصب افتاء کو زینت بخشی۔ کچھ عرصہ طلبہ کو پڑھایا، پھر تصنیف وتالیف اور کثرت کار کے سبب تدریس کا سلسلہ منقطع ہوگیا البتہ مخصوص شاگردوں کی تربیت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس لحاظ سے آپ کے تلامذہ ہندپاک، بنگلہ دیش، حجاز مقدس اور عرب وافریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں

۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں شہر بریلی میں آپ نے دارالعلوم منظر اسلام قائم فرمایا۔ صاحبزادۂ اکبر مولانا حامد رضا خاں (م ۱۹۴۳ء) اسکے مہتمم اول مقرر ہوئے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ نے تحریر کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ تدریس کو بھی ذریعہ تعلیم تبلیغ بنایا، وہ دارالعلوم منظر اسلام کے بانی تھے انہوں نے یہ دارالعلوم اس وقت قائم کیا جب دشمن اسلام حاکموں نے سنی مسلمانوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ایک

مثالی دینی مدرسے کے بانی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اخلاق ہو، وہ فکرِ صحیح کا مالک ہو، تعلیم کے بارے میں اس کے نظریات واضح اور مفید ہوں۔ جب ہم امام احمد رضا کی حیات و تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں ہم کو ان کے ہاں یہ ساری خوبیاں نظر آتی ہیں اور دل گواہی دیتا ہے کہ کسی بھی مثالی دینی ادارے کا بانی ہو تو ایسا ہو۔'' ۲

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مطابق مولانا احمد رضا خاں نے درسیات سے فراغت کے بعد گھر پر ہی چند سال طلبہ کو پڑھایا، پھر کچھ عرصہ منظر اسلام میں بھی پڑھایا اور بعد میں گوناگوں علمی مصروفیات کی وجہ سے گھر پر صرف مخصوص طلبہ کو مخصوص علوم وفنون کا درس دیتے رہے

عہدِ رضا کی صورتحال:

آپ کا عہد بڑا ہی لرزا خیز تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی تھیں نو پید فتنوں نے برصغیر میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو منتشر کر کے رکھ دیا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر بھی قلم کو جنبش دی جا چکی تھی حالانکہ قوموں کا یہ مزاج رہا ہے کہ اپنے پیشوا کی عظمتوں کے قصیدے کہا کرتی ہیں اور ان کے گن گائے جاتے ہیں لیکن یہاں تو توھین وتنقیص کے پہلو تلاش کرنے والے وہ تھے جو عالم ومولوی کے منصب پر فائز تھے۔ درحقیقت وہ استعمار کے کاسہ لیس تھے بایں سبب مولانا احمد رضا خان نے اپنے قلم کے ذریعہ ایسے نظریات کی بیخ کنی کی جن سے عقائد اسلامی متزلزل ہو رہے تھے اور عظمت وناموس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں توہین وبے ادبی کی جا رہی تھی اس پر آپ کی ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف، حواشی اور تعلیقات میں ایک تہائی تصانیف دال ہیں۔

عشق وعرفان:

آپ کی شخصیت کا اہم اور نمایاں پہلو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت والفت اور عقیدت ووارفتگی ہے۔ محبت ''اطاعت'' پر آمادہ کرتی ہے۔ قرآن مقدس میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

''اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا'' ۳

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

''اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے'' ۴

مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۹۴۸ء) نے اپنے تفسیری حواشی میں بخاری ومسلم کو حوالے سے حدیث پاک بیان کی ہے: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی'' اُس نے اللہ کی نافرمانی کی'' ۵

آج دنیا میں مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت کو محبت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ آپکے عشق وعرفان کا تذکرہ صاحبان ادب اور نکتہ دان اور نکتہ سنج میں ہی نہیں ہے بلکہ اس پر جامعات ویونیورسٹیوں میں تحقیق وریسرچ کیلئے عشق وعرفان کا مراحلۂ شوق طے کیا جا رہا ہے۔ میسور یونیورسٹی میسور کرناٹک سے ڈاکٹر غلام مصطفےٰ انجم القادری نے ''مولانا احمد رضا خاں اور عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے موضوع پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا اعزاز پایا ہے۔ مقالۂ تحقیق بنگلور سے شائع ہو چکا ہے۔

محبت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے آج دنیا میں مولانا احمد رضا خاں کی تعلیمات کا شہرہ ہے اور شش جہات مسلمانوں میں محبت والفت اور عشق وعرفان کا یہ عنصر پروان چڑھ رہا ہے۔ عقیدے تاباں اور افکار روشن ہو رہے اور یہ اس درس ذریں کا اثر ہے جو مولانا احمد رضا خاں نے دیا۔

جان ہے عشق مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

فضیلت علم وعلماء:

علم کا حاصل کرنا نعمت وباعث برکت ہے۔ پہلی وحی میں تعلیم کی ترغیب ہے۔ احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ علم سے متعلق ہے۔ علم کو مومن کی میراث فرمایا گیا ہے۔ دور افتادہ منازل کو طے کر کے حصول علم کی

تعلیم دی گئی ہے۔ سب سے افضل واعلیٰ علم ''علمِ دین'' ہے۔ مولانا احمد رضا خاں علم وعلماء کے فضائل سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنھوں نے علم وعلماء کے فضائل عالیہ وجلائل غالیہ ارشاد فرمائے انھیں کی حدیث میں وارد ہے کہ علماء وارث انبیاء کے ہیں انبیاء نے درہم ودینار ترکہ میں نہ چھوڑے، علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے۔ جس نے علم پایا اس نے بڑا حصہ پایا،

ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حباب، اور بیہقی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے تخریج فرمائی کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے سنا، پھر انھوں نے فضیلت علم میں حدیث بیان فرمائی اور اس کے آخر میں فرمایا کہ بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کرام درہم ودینار ورثہ میں نہیں چھوڑے بلکہ انھوں نے وراثت میں علم چھوڑا ہے پھر جس نے اس کو حاصل کیا تو اس نے وافر حصہ حاصل کیا''۔۶

آپ کے نزدیک وہی علم ''عظیم دولت'' اور ''نفیس مال'' ہے جو انبیاء کرام نے اپنے ترکہ میں چھوڑا اور اس کا جاننے والا عالم ومولوی کہے جانے کا مستحق ہے۔ آپ نے اپنے فتوے میں ایک حدیث پاک بھی بیان فرمائی ہے:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: علم تین ہیں قرآن یا حدیث یا وہ چیز جو وجوب عمل میں ان کی ہمسر ہو (گویا اجماع وقیاس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں) اور ان کے سوا جو کچھ ہے سب فضول،۷

فرضِ عین علم:

حدیث طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم ومسلمۃ کے تحت مولانا احمد رضا خاں ارقام فرماتے ہیں:

''اور فرض عین نہیں مگر ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو، ان کا اعم واشمل واعلیٰ واکمل واہم اجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے اور انکار ومخالفت سے کافر یا بدعتی، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں ۸

مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک عقائد کے علم کے بعد ایک مسلمان کے لئے جن علوم کا سیکھنا ضروری ہے ان میں درج ذیل علوم شامل ہیں:

۱۔ علم مسائل نماز یعنی اس کے فرائض وشرائط ومفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کر سکے،
۲۔ پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم (یعنی روزہ کے مسائل)
۳۔ مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوٰۃ،
۴۔ صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج،
۵۔ نکاح کیا جائے تو اسکے متعلق ضروری مسئلے،
۶۔ تاجر ہو تو مسائل بیع وشراء (خرید وفروخت)
۷۔ مزارع (کاشتکار) پر مسائل زراعت،
۸۔ موجر (کرایہ یا اجرت پر کام کرانے والا) ومستاجر (ٹھیکیدار یا مزدور) ہو تو اس پر مسائل اجارہ (کا جاننا ضروری ہے)۔۹

یہ اسلام کا وصف ہے کہ اس نے علوم کی بنیاد ان باتوں پر رکھی جن سے صالحیت اور پاکیزگی کا حصول ہوتا ہے، جیسے حلال وحرام کے امتیازات، قلب کی صفائی اور اس کے لئے تواضع واخلاص اور توکل کی ترغیب اسی طرح تکبر وریا اور حسد سے احتراز۔ جدید تعلیمی نظام جسے مغرب کی رائج اصولوں پر مدون کیا گیا ہے اس میں اس طرح کے تصورات معدوم ہیں۔ جبکہ اس علم کی احتیاج جو فرض عین ہے۔ اس میں یہ بھی ہے برطابق مولانا احمد رضا خاں:

''ہر اس شخص پر اس کی حالت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے اور انھیں میں سے ہیں مسائل حلال وحرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع واخلاص وتوکل وغیرہ اور ان کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر وریا وعجب وحسد وغیرہ اور ان کے معالجات کہ ان کا علم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے جس طرح بے نماز فاسق وفاجر ومرتکب کبائر ہے یونہی بعینہ ریاء سے نماز پڑھنے والا انھیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔ نسأل اللہ العفو و

العافیۃ (ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں) تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس۔''۱۰

تصور نصاب:

عظیم اللہ جندران ایم۔اے اردو جامعہ پنجاب (لاہور) ایم۔ایڈ اسلامیہ یونیورسٹی (بہاولپور) نے تعلیمی ادارے کے نصاب کی تشکیل کے حوالے سے مولانا احمد رضا خاں کے تصور نصاب کے ضمن میں جو نتائج اخذ کیے ہیں اور خصوصیات بیان کی ہیں اس کے نکات کچھ یوں ہیں:۔

۱۔ نصاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ نظریۂ حیات کے مطابق تیار کیا گیا ہو اس میں کوئی بھی ایسی چیز شامل نہ ہو جو نظریۂ حیات سے متصادم ہو۔

۲۔ نصاب جامع ہو اور طلبہ کی نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرے۔

۳۔ بے سود وقت کو ضائع کرنے والی تعلیمیں کسی کام کی نہیں۔ نصاب معاشرتی ضرورتوں کا آئینہ دار ہو۔

۴۔ نصاب میں تربیتی عنصر بھی شامل ہو۔

۵۔ نصاب عصری تقاضوں کے مطابق ہو لیکن دین متین کی بنیادوں پر استوار ہو۔

۶۔ آپکے مطابق مروجہ سائنسی نظریات کو اسلامی نظریات کی روشنی میں پرکھ کر ہی نصاب کا حصہ بنانا چاہیے۔

۷۔ نصاب اطاعت وحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو۔

۸۔ نصاب عملاً قابل قبول ہو۔کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مفید تعلیم دی جائے۔

۹۔ نصاب کی تیاری کے دوران مقصدیت بھی پیش نظر ہو اور وہ دین فہم ہو۔

۱۰۔ ہر وہ علم وفن جو دین سے برگشتہ و غافل کرے اس سے دین و ایمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اسے شامل نصاب نہیں ہونا چاہیے۔

عظیم اللہ جندران لکھتے ہیں کہ:''امام احمد رضا خاں کا تصور نصاب جو ایک طرف تو آپ کی علمی قابلیت وصلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے تو دوسری طرف قومی تعلیمی پالیسی کے گرانقدر رہنما اصولوں سے بھی مزین ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ وسعت علمی کے تحت آپ کے تجویز کردہ نصابی ماڈلز کو بھی ٹیچرز ٹریننگ اسکولز، کالجز، یونیورسٹیز کے کورسز میں شامل کیا جائے تا کہ اس عظیم اسلامی مفکر تعلیم کے علمی ورثہ سے استفادہ کرسکیں۔''۱۱

ابتدائی تعلیم کا نصاب تربیت:

سلیم اللہ جندران ریسرچ اسکالر پنجاب یونیورسٹی (لاہور) فتاویٰ رضویہ جلد دہم کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

امام احمد رضا خاں ابتدائی تعلیم کا نصاب نہایت تصریح و وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

۱۔ زبان کھلتے ہی اللہ اللہ، پھر پورا کلمہ لا الا اللہ سکھائے۔

۲۔ جب تمیز آئے آداب سکھائے کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اٹھنے، چلنے پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ استاد اور دختر کو شوہر کی بھی اطاعت کے طرق آداب بتائے۔

۳۔ قرآن مجید پڑھائے۔

۴۔ بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔

۵۔ عقائد اسلام وسنت سکھائے۔

۶۔ حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وتعظیم ان کے دل میں ڈالے۔

۷۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واصحاب ءاولیاء وعلماء کی محبت وعظمت کی تعلیم دے۔

۸۔ سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے۔

۹۔ علم دین خصوصاً وضو، غسل، نماز، روزہ کے مسائل سکھائے۔

۱۰۔ توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیاد، سلامت صدر ولسان وغیرہ خوبیوں کے فضائل بتائے۔

۱۱۔ حرص وطمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، خیانت، کذب، ظلم

فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہ برائیوں کے رذائل پڑھائے۔

۱۲۔ زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت پرنشاط باقی رہے۔

۱۳۔ زنہار زنہار بُری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یار بد مار بد سے بدتر ہے۔۱۲

چوں کہ نصاب تعلیم میں استاد کا کردار کلیدی ہوتا ہے اور ابتدائی درس کے اثرات زندگی کے مستقبل کے لئے بنیاد ہوتے ہیں اس لئے ابتدائی تعلیم میں تعمیر شخصیت کے پہلو کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا معلم کے حوالے سے سلیم اللہ جندران تحریر فرماتے ہیں:۔

''مدرسہ میں استاد کی شخصیت، گھر میں ماں باپ کی طرح بچوں کی تعلیم وتربیت کی زمہ دار ہوتی ہے امام احمد رضا خاں ۵/تا۶ رسال کی عمر کے بچوں کے اسکول مدرسہ/ایجوکیشن کے آغاز پر والدین پر یہ زمہ داری عائد کرتے ہیں کہ والد'' بچے کو نیک، صالح، متقی صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ استاد کے سپرد کرتے اور بیٹی کو نیک، پارسا عورت سے پڑھوائے' اگر چہ آج کل کے حالات میں بچوں کے لئے نیک، متقی صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ (کہنہ مشق/تجربہ کار) استاد کامل جانا نعمت عظمیٰ سے کم نہیں ہے اور عام حالات میں نہایت کٹھن کام ہے۔ بچوں کی تعلیم کے ضمن میں والدین اگر اس قدر دلچسپی لیں تو ان کے بچوں کے یقیناً بہتر شخصیت کی تعمیر ممکن ہے۔''۱۳

استاذ کا مقام اور ادب واحترام:

جس طرح جسم انسانی میں قلب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی طرح پورے نظام تعلیم میں استاذ کی حیثیت ہوتی ہے۔ نصاب کتنا ہی عمدہ ہو لیکن اس کی تدریس بہتر نہ ہو تو نتائج منفی ظاہر ہوتے ہیں۔ استاذ کے بغیر تربیت کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔ متعلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ استاذ کی عزت اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھے۔ اس کی عظمت کو مانے کہ بغیر اسکے تعلیم کا فیض حاصل نہیں ہوتا۔ مولانا احمد رضا خاں نے استاذ کے وقار، ادب، احترام اور مقام کی وضاحت فرمائی ہے جسے نکات کی صورت میں تحریر کیا جاتا ہے:

۱۔ استاذ کا شاگرد پر ایک ساحق ہے برابر اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت میں بھی نہ بیٹھے اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے اور اس کی بات کو رد نہ کرے۔

۲۔ اپنے استاذ کے حقوق واجب کا لحاظ رکھے اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے۔ یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔

۳۔ استاذ کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے۔

۴۔ جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگر چہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لئے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے

۵۔ اپنے استاذ پر کسی کو ترجیح نہ دے اگر ایسا کریگا تو اس نے اسلام سے رشتوں سے ایک رسی کھول دی،

۶۔ اور استاذ کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہوا تو اس کے دروازہ پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے۔

۷۔ عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاد علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، ہاں اگر وہ کسی خلاف شرع بات کا حکم کرے ہرگز نہ مانے کہ **لا طاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالیٰ** (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں) مگر اس نہ ماننے میں گستاخی وبے ادبی سے پیش نہ آئے **فان المنکر لا یزال بمنکر** (گناہ کا ازالہ گناہ سے نہیں ہوتا)۔۱۴

استاذ کے لئے بعض شرائط:

استاذ کو صالح طبیعت کا ہونا چاہیے۔ اسکے اثرات متعلم (شاگرد) پر پڑتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے جو تعلیمی تصور دیا ہے اس میں استاذ کے مقام کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے اور استاذ کے لئے جو ضوابط متعین کئے ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ انہماک فلسفیات وتوغل مزخرفات نے معلم کے نور قلب کو منطفی اور سلامت عقل کو منتفی نہ کر دیا ہو کہ ایسے شخص پر خود ان علوم ملعونہ سے یک لخت دامن کشی فرض اور اس کی تعلیم سے ضرر راشد کی توقع۔

۲۔ وہ عقائد حقہ اسلامیہ سنیہ سے بروجہ کمال واقف و ماہر اور اثبات حق وازہاق باطل پر بعونہ تعالیٰ قادر ہو ورنہ قلوب طلبہ کا تحفظ نہ کر سکے گا

۳۔ وہ اپنی اس قدر کو بالتزام تام ہر سبق کے ایسے محل و مقام پر استعمال بھی کرتا ہے ہرگز کسی مسئلہ باطلہ پر آگے نہ چلنے دے جب تک اُس کا بطلان متعلم کے ذہین نشین نہ کر دے۔

۴۔ متعلم کو قبل تعلیم خوب جانچ لے کہ پورا سنی صحیح العقیدہ ہے اور اس کے قلب میں فلسفہ ملعونہ کی عظمت ووقعت متمکن نہیں۔

۵۔ اس کا ذہن بھی سلیم اور طبع مستقیم دیکھ لے بعض طبائع خواہی نخواہی زلیغ کی طرف جاتے ہیں حق بات ان کے دلوں پر کم اثر کرتی اور جھوٹی جلد پیر جاتی ہے۔

۶۔ معلم و متعلم کی نیت صالح ہو نہ اغراض فاسدہ۔

۷۔ تنہا اُسی پر قانع نہ ہو بلکہ دینیات کے ساتھ اُن کا سبق ہو کہ اس کی ظلمت اس کے نور سے متجلی ہوتی رہے ان شرائط کے لحاظ کے ساتھ بعونہ تعالیٰ اس کے ضرر سے تحفظ رہے گا۔ اور اس تعلیم و تعلم سے انتفاع متوقع ہوگا۔ ۱۵۔

تعلیمی ادارے کا ماحول:

تربیتی عناصر میں ماحول کا رول گہرا ہوتا ہے۔ جیسا ماحول ہوگا اسکے ہمہ گیر اثرات تعلیم اور اسکے متعلقات پر پڑیں گے۔ ماحول کا پر سکون ہونا اور اسکی عمدگی بہتر نتائج کا اجراء کرتی ہے۔ تعلیمی ادارے کے ماحول کو بنانے میں غیر نصابی سرگرمیوں مثل کھیل، تفریح، غیرہ کا دخل ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کی تعلیمات کی روشنی میں عظیم اللہ جندران نے جو نتائج اخذ کئے ہیں اور اس ماحول کی تشکیل میں معلم (استاذ) کے کردار کا ذکر کیا ہے اسکے بعض اجزاء ملاحظہ ہوں:

۱۔ معلم اچھے اخلاق اور خصائل حمیدہ کا مالک ہو۔

۲۔ معلم طلبہ سے مشفقانہ رویہ رکھتا ہو۔

۳۔ معلم اپنے اردگرد کے ماحول اور معاشرتی حالات سے واقفیت رکھتا ہو۔

۴۔ طالب علم کو بری صحبت سے بچایا جائے کہ یہی عمر بنے اور سنور نے کی ہے۔

۵۔ غیر نصابی سرگرمیوں کو پیش نظر رکھا جائے کہ کھیل کود اور سیر و تفریح طالب علم کے ذہن و دماغ کو طراوت بخشتے ہیں اور طبیعت کو نشاط و انبساط پہنچاتے ہیں جبکہ مسلسل تعلیم سے بچوں کی طبیعت اکتا جاتی ہے

۶۔ امام صاحب کے نزدیک سکنیت خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ یعنی تعلیمی ادارے کا ماحول پرسکون ہو، باوقار ہوتا کہ طالب علم کے دل میں وحشت اور انتشار فکر نہ ہو۔ ۱۶۔

طلبہ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے انکی طبیعت میں فرحت کا خیال رکھا جانا چاہیے۔ نصاب کی سرگرمیوں میں جائز تفریح و کھیل کے گوشے کی شمولیت کو مولانا احمد رضا خاں ناگزیر سمجھتے ہیں۔

ضابطۂ اخلاق اور تصور سزا:

فی زمانہ مخرب اخلاق تعلیم کا دور دورہ ہے۔ ایسے میں اخلاق کے جوہر کا پایا جانا مشکل ہے۔ اسلام نے اخلاق کو علم سے جوڑ کر اسے بے لگام ہونے سے بچا لیا ہے۔ استاذ دوران درس متعلم کی اصلاح کے لئے اور اسکے تعلیمی ذوق کو بڑھانے کے لئے سزا دینے کا مجاز ہے لیکن اس کے لئے بھی ضابطۂ اخلاق اور اصول ہے۔ سلیم اللہ جندران رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا خاں بریلوی (۱۳۱۰ھ) فتاویٰ رضویہ جلد دہم، باب دہم، علم التعلیم اور عالم و متعلم میں استاد کے لئے یہ ضابطۂ اخلاق دیتے ہیں:۔''(استاذ) پڑھانے سکھانے میں رفق و نرمی ملحوظ رکھے موقع پر چشم نمائی، تنبیہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لئے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منہ پر نہ مارے اکثر اوقات تہدید و تخویف پر قانع رہے کوڑا قمچی اس کے پیش نظر

رکھے کہ دل میں رعب رہے۔"

امام احمد رضا خاں تدریس میں نرمی اور حکمت کے ذریعے ضبط قائم کرنے پر زور دیتے ہیں۔"۱۷

۱۹رشوال المکرم ۱۳۱۵ھ کو مولانا خلیل احمد خاں پیشاوری نے فارسی میں ایک سوال بھیجا جس میں مولانا احمد رضا خاں سے پوچھا کہ استاد اپنے شاگرد کو بدنی سزا دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب کے اردو ترجمے کا ایک حصہ ملاحظہ فرمائیں:

"ضرورت پیش آنے پر بقدر حاجت تنبیہ، اصلاح اور نصیحت کے لئے بلاتفریق اجرت و درم اجرت استاد کا بدنی سزا دینا اور سرزنش سے کام لینا جائز ہے مگر یہ سزا لکڑی ڈنڈے وغیرہ سے نہیں بلکہ ہاتھ سے ہونی چاہئے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہ ہونے پائے۔"۱۸

علوم عقلیہ وسائنس کی تحصیل:

اسلام کے نزدیک ان تمام علوم کا حصول اور درس لینا جائز ہے جو حدود شرع میں ہوں اور مفر نہ ہوں۔ ماہرین تعلیم نے تعلیمی نظریات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ اشتراکی ۲۔ جمہوری ۳۔ اسلامی

اشتراکی نظام تعلیم مادیت پہ بحث کرتا ہے۔ اس میں مذہب کے لئے کوئی جگہ نہیں، جمہوری نظام تعلیم مملکت میں بسنے والے تمام مذاہب میں مساوات اور تہذیبی اشتراک کو مدنظر رکھ کر تشکیل پاتا ہے عموماً اس میں مذہبی تعلیم کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لہذا ان دونوں نظام ہائے تعلیم میں مذہبی روح کا پاس ولحاظ نہیں۔ اسلامی نظام تعلیم میں انسانی زندگی کے تمام گوشوں کا احاطہ کرلیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گود سے گور تک تعلیم وتربیت کا اہتمام اسلام نے کر رکھا ہے، حیات کا کوئی گوشہ تشنہ اور محروم نہیں۔ اسلام! جہالت، جوروستم، منافرت، غیرانسانی رویوں کا خاتمہ کرکے ایک ذمہ دار شہری تیار کرتا ہے۔

علم کے ساتھ قانون اور ضابطہ کا ہونا لازمی وضروری ہے۔ علم کے دونوں رخ ہیں۔ منفی و مثبت قانون راحت کو یقینی بناتا ہے اور اسکی صورت مثبت پہلو کے قیام سے یقینی ہے۔ مثلاً سائنس کو دیکھیں اسے انسانی زندگی کی بقاء کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور جوہری توانائی کو اسیر بنا کر آبادیوں میں منتشر کر کے حیات انسانی کے خاتمہ کے لئے بھی، اسلام ہر علم کے لئے قانون فراہم کرتا ہے اور سلامتی کا پیغام پیش رو رکھتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں تمام علوم کو دین حق کے زاویے میں دیکھتے ہیں۔ آپکے نزدیک انہیں علوم کی تعلیم دی جائے جو دین ودنیا میں کام آئیں، غیر مفید اور غیر ضروری علوم کو نصاب سے خارج کر دیا جائے۔

سائنس وفلسفہ جو اشتراکی و جمہوری نظام ہائے تعلیم کے زیر اثر پروان چڑھتے ہیں۔ عموماً اس میں مذہب کی رو رعایت نہیں ہوتی اور ایسے ایسے نظریات پڑھائے جاتے ہیں جو مذہبی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتے اور فکری انتشار کو راہ دیتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں ایسے علم و مُفر قرار دیتے ہیں اور اسے علم تسلیم نہیں کرتے، لکھتے ہیں:

"ہیہات ہیہات (افسوس افسوس) اسے علم سے کیا مناسبت، علم وہ ہے جو مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ترکہ ہے نہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ۔

اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان وتکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات وامور مخالف شرع تعلیم کئے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہما داخل فضولیات ہیں۔"۱۹

اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان وتکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات وامور مخالف شرع تعلیم کئے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہما داخل فضولیات ہیں۔"۱۹

برطانوی انگریز نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون (م ۱۹۹۸ء) نے اپنے مقالہ The world amportance of Imam Ahmad Raza میں لکھا ہے کہ: "آپ کا نظریہ تھا کہ سائنس کو کسی طرح بھی

اسلام سے فائق اور بہتر تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی کسی اسلامی نظریے، شریعت کے کسی جز یا اسلامی قانون سے گلا خلاصی کیلئے، اس کی کوئی دلیل مانی جاسکتی ہے۔ اگر چہ وہ خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے تھے لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تھا آپ اسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے تھے۔'' ۲۰۔

مولانا احمد رضا خاں قرآن عظیم سے فیض پاتے اور اسی کی روشنی میں علوم کو دیکھتے، پرکھتے اور جانچتے جسکو اس سے مطابق پاتے تسلیم کرتے اور جسے مخالف پاتے اسکی شدت سے مخالفت کرتے اس میں کسی طرح کی لچک کے قائل نہ تھے۔ آپ سائنس کو قرآن مقدس کی روشنی میں برکھنے کے قائل تھے۔ اسلئے آپ سائنس کی تعلیم کی شرع اجازت دیتے ہیں کہ: ''سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئت اشیاء سے زیادہ خالق اشیاء کی معرفت ضروری ہے۔'' ۲۱۔

ایک مقام پر رقم فرماتے ہیں:

''مطلقاً علوم عقلیہ کی تعلیم و تعلم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح و تلویح جیسے کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے۔'' ۲۲۔

ضروریات دین کا علم حاصل کر لینے کے بعد آپ دیگر علوم کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور ان علوم کے حصول کو مباح قرار دیتے ہیں جن سے واجب شرع میں خلل نہ پڑے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

''ہاں جو شخص ضروریات دین مذکورہ سے فراغت پاکر اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا وہ فنون پڑھے جن میں کوئی امر مخالف شرع نہیں تو ایک مباح کام ہوگا جب کہ اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑھے۔'' ۲۳۔

ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں:

''اگر جملہ مفاسد سے پاک ہوتو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ و حساب و جبر و مقابلہ و جغرافیہ وامثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔'' ۲۴۔

انگریزی زبان سیکھنا:

آپ کے نزدیک کوئی بھی زبان ہو اسکے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن مقصد دین اسلام کی اشاعت وغلبہ ہو اور عقائد سلامت رہیں۔ ایک سوال کے جواب میں تحریک فرماتے ہیں:

''ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے، انگریزی ہو خواہ کچھ ہو ایسی چیز پڑھنا حرام ہے۔'' ۲۵

ایک مقام پر اس سوال کے ضمن میں کہ انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا:

''ذی علم مسلمان اگر بہ نیت ردنصاریٰ انگریزی پڑھے اجر پائے گا اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھنے یا حساب اقلیدس جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہو کر اپنے دین علم سے غافل نہ ہو جائے ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے، اسی طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں۔'' ۲۶۔

کالج کی تعلیم:

استعماری تحریکوں نے نصاب کو اپنے رنگ میں رنگنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے بلکہ مسلم ممالک کے نصاب پر بھی زعمائے مغرب نے اپنی نظریں جمادی ہیں اور نصاب میں ترمیم وتنسیخ وترتیب نو کا عمل مغربی قوتوں کے زیر اثر جاری ہے۔ کالجوں کے نصاب میں وہ نظریات و خیالات پڑھائے جارہے ہیں جن سے اسلامی عقائد تباہ ہو جائیں۔ اور اس کے واسطے مادی ذرائع کو بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ اسی طرز کی

کوشش انگریزی دورِ حکومت میں بھی ہوئی تھی اور کالجوں کو امداد کی شرط یہ تھی جسے پروفیسر حاکم علی بی۔اے (م ۱۹۲۵ء) اسلامیہ کالج لاہور کے الفاظ میں دیکھیں جو آپ نے مولانا احمد رضا خاں کی خدمت میں لکھ بھیجے:

''اول تو امداد میں اس قسم کی شرط ہوتی ہے کہ کالج کا پرنسپل اور ایک دو پروفیسر انگریز ہوں دوسرے مقررہ کورس پڑھائے جائیں جن میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ خلاف اسلام باتیں ہوتی ہیں بلکہ بعض میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔''

اس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ: ''بے شک جو اس قسم کے اسکول یا کالج ہوں ان میں نہ فقط اخذ امداد بلکہ تعلیم و تعلم سب حرام قطعی مستلزم کفر ہے۔'' ۲۷۔

آپ کالج میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں ساتھ ہی شریعت پر عمل کا اہتمام بھی اشد ضروری جانتے ہیں، ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

''کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلاف شریعت ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض تھا اور ہے جہاں تک مخالفت شرع نہ ہو اس سے بچنا کبھی بھی فرض نہیں۔'' ۲۸

خلاصۂ کلام:

تعلیم و تعلم کے حوالہ سے مولانا احمد رضا خاں کے نظریات واضح اور روشن ہیں۔ آپ ایک ماہر تعلیم ہونے کی حیثیت سے مقصد تعلیم دین کی اشاعت و تبلیغ اور حق کا فروغ متعین فرماتے ہیں اسی لئے تعلیم کا محور ''دینِ اسلام'' کو قرار دیتے ہیں۔ آپ کے تعلیمی نظریات پر یونیورسٹی سطح پر کئی تحقیقی مقالہ جات لکھے جا چکے ہیں اور تحقیق و ریسرچ کا سفر ہنوز جاری ہے۔ نئے نئے زاویے سامنے آرہے ہیں۔ راقم نے اس مقالہ میں صرف بعض گوشوں کو حیطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے، دوران تحقیق موضوع کی وسعت کا اندازہ ہوا کہ اس پر درجنوں کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔

مولا ما احمد رضا خاں نے تعلیم و تعلم، درس و تدریس، نصاب و تربیت اور متعلقات پر جو باتیں اپنی تصانیف اور فتاویٰ میں درج کی ہیں ضرورت ہے کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر دیا جائے تا کہ نظام تعلیم میں ان سے استفادہ کیا جا سکے مولانا احمد رضا خاں کی دینی و علمی خدمات کا تجزیہ مطالعہ کی بنیاد پر کیا جانا چاہیے۔ مطالعہ خیر و شر کی پہچان کا ذریعہ ہے اور حقائق کو واشگاف کرتا ہے۔

استعماری قوتوں نے مسلمانوں کے علم و فن کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لئے نصاب پر نگاہوں کو مرکوز کیا اور مناسب موقع دیکھ کر ایسا نصاب تشکیل دیا جس کے مقاصد میں مسلمانوں کے ذہنوں سے اسلامی حمیت کو ختم کرنا شامل تھا۔

آنریبل ایم نفنسٹن اور آنریبل ایف وارڈن نے ۱۸۲۳ء/۱۲۳۸ھ کو جو ایک متفقہ یادداشت گورنمنٹ کو پیش کی تھی اس سے بھی انگریزی تعلیم کے اجراء کے مقاصد عیاں ہوتے ہیں۔ اس یادداشت کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف ان کی علمی ترقی کی ہمت افزائی کیلئے تمام ذرائع کو ہٹایا ہے بلکہ حالت یہ ہے کہ قوم کے اصلی علوم بھی کم ہو جانے کا اندیشہ ہے اس الزام کو دور کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہیے۔'' ۲۹۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے تعلیمی تصورات کو مقصدیت سے جوڑ کر تعمیر شخصیت کا روشن اصول مقرر فرمایا وہ یہ کہ علم جدیدہ ہوں یا دیگر علوم وہ اسلامی فکر و خیال کو پروان چڑھاتے ہوں اور حق شناسی کا جو ہر عطا کرتے ہوں ان کا حصول بلا شبہ کیا جانا چاہیے۔ آج ضرورت ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے علوم کے فیض کو عام کیا جائے تا کہ مسلمانوں کا تعلیمی انحطاط و زوال دور ہو اور سویرا نمودار ہو۔

مصادر و مراجع:

۱۔ احمد رضا خاں، مولانا، الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ،

مشمولہ رسائل رضویہ، ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی، ص ۱۶۳۔

۲۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، دارالعلوم منظر اسلام، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۶۔۷

۳۔ النسآء: ۵۹/ کنزالایمان، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

۴۔ النسآء: ۶۴/ کنزالایمان، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی

۵۔ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، مشمولہ کنزالایمان، رضا اکیڈمی بمبئی۔

۶۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۲۶۔۶۲۷

۷۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۲۹

۸۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۲۳۔۶۲۴

۹۔ محمد عبدالمبین نعمانی، مولانا علم دین و دنیا بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد ۹، رضا اکیڈمی مالیگاؤں، ص ۲۔۳

۱۰۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۲۴

۱۱۔ عظیم اللہ جندران، امام احمد رضا کا تصور نصاب، مشمولہ یادگار رضا ۲۰۰۴ء، رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۱۰۶ تا ۱۲۸

۱۲۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۴۱

۱۳۔ معارف رضا، سالنامہ ۲۰۰۳ء کراچی، ص ۸۲۔۸۳

۱۴۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۳۷ تا ۶۳۹

۱۵۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۳۵

۱۶۔ معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۵ء، سلور جوبلی ایڈیشن کراچی، ص ۲۷۶ تا ۲۷۸

۱۷۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، نومبر ۲۰۰۰ء، ص ۴۳۔۴۴

۱۸۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۵۲

۱۹۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۲۸۔۶۲۹

۲۰۔ محمد ہارون، ڈاکٹر، امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، نوری مشن مالیگاؤں، ص ۸۔۹

۲۱۔ محمد مسعود احمد، پرفیسر ڈاکٹر، دارالعلوم منظر اسلام، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۱ ص ۱۰

۲۲۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۳۴

۲۳۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۴۸

۲۴۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (مترجم) جلد ۲۳، برکات رضا پور بندر گجرات، ص ۶۰۷

۲۵۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (قدیم) جلد ۶، رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۲۴

۲۶۔ یادگار رضا ۲۰۰۵ء سالنامہ، رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۲۶

۲۷۔ احمد رضا خاں، مولانا، الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۱۹، ۲۷

۲۸۔ احمد رضا خاں، مولانا، فتاویٰ رضویہ (قدیم) جلد ۶، رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۱۷۱

۲۹۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، فروری ۲۰۰۱ء، ص ۴۰۔۴۱

☆☆☆☆☆

عربی زبان و ادب میں امام احمد رضا کی مہارت

مولانا انیس احمد مصباحی*

عربی زبان وادب میں امام احمد رضا کی مہارت پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ کچھ ادب اور اس کی اقسام و اصناف کا بھی جائزہ لیا جائے۔

ادب:

عربی ادب کی تاریخ کے مختلف مراحل میں ادب کی مختلف تعریفیں کی جاتی رہی ہیں، کبھی اس میں اتنی وسعت دی گئی کہ سارے علوم و فنون کو اس میں جمع کر دیا گیا، اور کبھی اس کا دامن اتنا تنگ کر دیا گیا کہ صرف نظم و نثر کی ایک مخصوص قسم کے اندر "ادب" سمٹ کر رہ گیا۔ چناچہ تاریخ ادب کے ابتدائی مرحلوں میں ادب سے مراد وہ علوم لیے جاتے تھے۔ جن کے ذریعہ تہذیب نفس کا کام لیا جائے جس کے نتیجے میں آدمی کے اندر اچھے اخلاق، بلند کردار، بے داغ سیرت اور معاملات میں صفائی اور ستھرائی پیدا ہوتی ہے۔ مگر جب عربی معاشرہ میں وسعت اور عربی فکر ونظر میں جلا اور گہرائی پیدا ہونے لگی تو ادب کے مذکورہ دائرہ میں "تعلیم" کو بھی شامل کر لیا گیا، چناچہ ''مؤدب'' یا "معلم" اس شخص کو کہا جانے لگا جو تعلیم کو بطور پیشہ اختیار کر کے اس سے اپنی روزی کماتا ہو اور ادب میں وہ سارے علوم شامل کیے جانے لگے جو یہ "مؤدب" یا "معلم" اپنے شاگردوں کو سکھاتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا:

یا رسول الله! نحن بنوأب واحد، و نراک تکلم وفود العرب بما لا نفهم اکثره.

(یعنی اے اللہ کے رسول! ہم سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ عربوں کے وفود سے ایسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں جس کا بیشتر حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا)

تو سرکار نے فرمایا:

ادبنی ربی فاحسن تأدیبی، ورُبِّیتُ فی بنی سعد

(مجھے میرے رب نے تعلیم دی ہے اور بہترین تعلیم دی ہے، پھر میں نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی ہے۔)

بنو سعد حلیمہ سعدیہ کے خاندان کا نام ہے جو اس زمانے میں قبائل عرب کے درمیان فصاحت و بلاغت میں نمایاں اور ممتاز تھا۔ غور کیجئے یہاں سرکار نے ''اَدَّبَنِی'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی بہرحال ادب یا تہذیب سکھانے کے نہیں ہیں کیونکہ خود قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنی آپ بڑے بلند اخلاق کے مالک ہیں بلکہ یہاں ادبنی کا معنی ہے اللہ نے مجھے تعلیم دی، سکھایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صدر اسلام میں ''تادیب'' تعلیم کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور ''مؤدّب'' معلم کے معنی بولا جاتا تھا اور عہد اُموی میں بھی ممتاز اساتذہ کی جماعت کو مؤدّبین کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اس زمانے کے دستور کے مطابق نظم ونثر اور اخبار و وقائع کی تعلیم روایت کے طریقے سے دیتے تھے۔

(تفصیل کے لیے دیکھئے ''اللغة والادب'' از محمد حسین ہیکل۔ ''فی الادب الجاهلی'' از ڈاکٹر طہٰ حسین ''أسس النقد الادبی عند العرب'' از ڈاکٹر احمد بدوی)

ادب کا یہ مفہوم صدر اسلام اور پہلی صدی ہجری تک قائم رہا بعد میں جب اسلامی معاشرہ میں اور وسعت پیدا ہوئی اور علم وفن میں ترقی کے ساتھ انہیں شاخوں میں تقسیم کیا گیا اور باضابطہ ان کی اصطلاحات مقرر ہوئیں تو نحو وصرف، بلاغت، معانی، بیان، بدیع، لغات وغیرہ بھی اس کی وسعت کے دائرہ میں داخل ہو گئے اور ادب ''مجموعہ فنون'' ہو گیا۔ اس زمانے کے مائیہ ناز ادیب اور ممتاز دانشور جاحظ نے اعلان

☆ استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔ انڈیا۔

کردیا۔ الادب ھو الأخذ من کل فن بطرف (تمام مروجہ فنون میں سے تھوڑے کو بقدر ضرورت استعمال کرنے کو ادب کہتے ہیں)

جاحظ نے ادیب کے لے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ جملہ فنون کے اصول اور مبادیات اسے ضرور آنے چاہئیں تا کہ وہ حسب ضرورت ان سے مدد لے سکے۔

اور اب کسی زبان کے شعراء و مصنفین کا وہ نادر کلام جس میں نازک خیالات و جذبات کی عکاسی اور باریک معانی و مطالب کی ترجمانی کی گئی ہو اس زبان کا ادب کہلاتا ہے۔

اسی ادب کی بدولت نفس انسانی میں شائستگی، اس کے افکار و خیالات میں جلا، اس کے احساسات میں نزاکت وحسن اور زبان میں سلاست وزور پیدا ہوتا ہے۔ ادب کا اطلاق ان تصانیف پر بھی ہوتا ہے جو کسی علمی یا ادبی شعبے میں تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ اس لحاظ سے گویا لفظ ادب ان تمام تصانیف کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے جو محقق علما کے انکشافات، مضمون نگاروں کے افکار، شاعروں کے انوکھے تخلیات اور نازک تصورات پر مشتمل ہوں (تفصیل کے لیے دیکھیں ''تاریخ الادب العربی'' از احمد حسن زیات)''

عربی زبان کا ادب دنیا کی دوسری تمام زبانوں کے ادب کے مقابلہ میں زیادہ مالا مال ہے اس لئے کے ایک قول کے مطابق اس کا آغاز انسان کی پیدائش ہی سے ہوتا ہے۔ اور اس کی انتہا عربی تمدنی کے مٹ جانے پر ہوگی۔ خاندان مُضرَ کی یہ زبان اسلام پھیلنے کے بعد صرف ایک قوم کی ہی زبان نہ رہی بلکہ ان تمام اقوام عالم کی بھی زبان بن گئی، جو وقتاً فوقتاً اسلام کی دعوت قبول کرتی رہیں، یہ دعوت قبول کرنے والے بھی اپنی زبانوں کے اسرار وغوامض، انوکھے تصورات و خیالات اور اچھوتے مطالب و معانی کا اس زبان میں اضافہ کرتے رہے اور آگے چل کر یہ زبان حامل دین وادب، داعی علم وتمدن بن کر زمین کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور اس نے ہر اس زبان کو جو اس سے نبرد آزما ہوئی زیر کرلیا۔ اس طرح اس زبان نے یونانیوں، ایرانیوں یہودیوں، عیسائیوں، ہندیوں اور حبشیوں کے قدیم علوم و آداب اپنے اندر جذب کرلیے اور زمانے کی سخت گردشوں کے باوجود ان درمیانی صدیوں میں یہ بخیر وخوبی محفوظ رہی۔ اس نے اپنے گردو پیش کی کئی زبانوں کو تباہ و برباد ہوتے دیکھا مگر یہ بہادری کے ساتھ، پر وقار طریقے پر سراونچا کیے تمام مذہبی فلسفوں اور ادبی افکار و خیالات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے سلامتی کے ساتھ نکل آئی۔

پھر کلام کی دو قسمیں ہیں (۱) نثر (۲) نظم

نثر:

وہ کلام کہلاتا ہے جو وزن وقافیہ کی قید سے آزاد ہو۔

یہ کسی بھی زبان میں تبادلۂ خیالات کرنے کے لے کلام کی سب سے پہلی وجود پذیر ہونے والی قسم ہے، اس لیے کہ یہ آسان اور بے قید ہونے کے ساتھ ساتھ سب کی ضرورت کی چیز ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں (۱) مُسَجَّع (۲) مُرسَل

نثر مُسَجَّع: وہ نثر ہے جس کے فقروں کے آخری کلمات موزوں اور مقفّی ہوں۔

نثر مُرسَل: وہ ہے جس میں سادگی ہو، تک بندی اور قافیہ بندی نہ ہو۔

طبعی قوت، موروثی ذہانت اور عجمیوں سے بہت کم اختلاط کے باعث عربوں کی نثر نہایت شستہ، پاکیزہ، آسان اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی، البتہ صرف طبعی وجوہ اسباب کی بناء پر تلفظ اور حروف کی مخارج سے ادائیگی میں اختلاف ہوتا تھا۔

نظم: اس کلام کو کہتے ہیں جس کا کوئی خاص وزن اور قافیہ ہو۔

شعر: ماہرین عروض نے شعر کی تعریف یوں کی ہے کہ شعر موزوں و مقفّی کلام کو کہتے ہیں۔

مگر یہ تعریف ناقص ہے کیوں کہ اس طرح ہر قسم کا کلام جس میں وزن اور قافیہ ہو شعر ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ ناقدین کہتے ہیں کہ اگر جغرافیہ کے مسائل کو وزن وقافیہ کے قالب میں ڈھال دیا جائے تو بھی ہم اسے شعر نہیں کہیں گے۔ وہ منظوم فن یا موضوع تو

ہوسکتا ہے مگر اسے شعر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خیال یا حقیقت کو صرف نظم کر دینا شعر ہونے کے لے کافی نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ اور خصوصیات کا ہونا بھی ضروری ہے، وہ خصوصیات کیا ہیں؟ ''اچھوتے خیالات وافکا، لطیف جذبات واحساسات'' کی ایک خاص طریقے سے تعبیر۔ چناچہ ناقدین شعر کی یہ تعریف کرتے ہیں۔

''شعر وفصیح وبلیغ کلام ہے جس میں وزن کے علاوہ نادر اور اچھوتے خیالات اور لطیف جذبات واحساسات کی عکاسی اس طرح کی گئی ہو کہ انسان کے دل ودماغ پر براہ راست اس کا اثر پڑے''۔

ان ناقدین کے نزدیک شعر کے اجزائے ترکیبی میں ندرتِ خیال، لطافتِ جذبات واحساسات اور وزن کے ساتھ اثر اندازی کو اوّلیت حاصل ہے۔ لیکن انسانی جذبات واحساسات میں اس وقت تک ہیجان یا بیداری پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ شاعر اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر خوب صورت اور چیدہ الفاظ اور وزن وقافیہ کے تانے بانے سے معانی میں ہم آہنگی پیدا کر کے سامع یا قاری کے دل کے تاروں کو جھنجھنا نہ دے۔

(شعر کی تعریف اور اس کی ماہیت سے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھئے:

(۱)''العمدة'' از ابن رشیق قیروانی۔

(۲)''نقد الشعر''از قدامہ بن جعفر۔

(۳)''الشعر و الشعراء''از ابن قتیبہ۔

(۴)''عیار الشعر'' از ابن طباطبا

(۵)''اسس النقد الادبی عندالعرب'' از ڈاکٹر احمد بدوی)

عربی زبان وادب اور اس کے متعلقات کے بارے میں بنیادی گفتگو کے بعد اب ہم برصغیر میں چودھویں صدی کے سب سے باکمال اور بے مثال شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں جس نے اپنے نثری شہ پاروں اور شعری فن پاروں کا ایک تسلسل قائم فرما کر عربی زبان وادب میں بھی اپنے تفوق وکمال اور لیاقت ومہارت کا لوہا منوالیا ہے اور برصغیر ہندوپاک کے ماہرین لسانیات کے علاوہ عرب ارباب علم ودانش اور رجال فکر وفن نے بھی ایک روشن حقیقت کے طور پر اس کا اعتراف کیا ہے جس کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ ہندوستان کے مشہور شہر بریلی (یوپی) میں ۱۰ شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ایک خوش حال متمول، علمی وروحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام محمد، تاریخی نام ''المختار'' اور جد کریم مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا رکھا ہوا نام ''احمد رضا'' اور اسی نام سے مشہور بھی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ ذہانت وفطانت عطا فرمائی تھی کہ چار سال کی عمر ہی میں ناظرہ قرآن مجید ختم کرلیا، چھ سال کی عمر میں عید میلاد النبی کے موقع پر بھرے مجمع میں پر مغز اور جامع تقریر فرمائی۔ آٹھ سال کی عمر میں درس نظامی کی مشہور کتاب 'ھد ایته النحو' کی عربی زبان میں شرح لکھی اور دس سال کی عمر میں ''مسلم الثبوت'' پر عربی میں حاشیہ لکھا

قارئین کرام غور فرمائیں کہ آٹھ اور دسال کی عمر میں جب کہ آپ ابھی سنِ بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے عربی زبان میں یہ کتابیں لکھنا اس بات کا اشارہ کر رہا ہے کہ اس صغرسنی کے عالم میں ہی آپ علمی وفنی اور لسانی حیثیت سے بالغ نظر ہوچکے تھے اور عربی زبان وادب سے آپ کو ذہنی مناسبت ہوچکی تھی۔ اور علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت کے بعد دیگر علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان وادب میں وہ علمی کارنامے انجام دیے اور وہ فنی شہ پارے یادگار چھوڑے جنہیں دیکھ کر ارباب علم ودانش کی عقلیں حیران ہیں اور اپنوں کے ساتھ پرائے بھی انہیں خراج عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

اردو، ہندی، ملیالم، عربی اور انگریزی جیسی زبانوں پر بھرپور دسترس رکھنے والے اہل حدیث فاضل ڈاکٹر محی الدین الوائی استاد جامعہ ازہر، مصر، اپنے ایک عربی مقالہ میں لکھتے ہیں:

''قد بما قیل اِنّ االتحقیق العلمی الاٗصیل والخیال

الذهني الخصيب لا يجتمعان في شخص واحد، ولكن مولانا أحمد رضا كان قد برهن على عكس هذه النظرية التقليدية، فكان شاعراً ذاخيال خصيب وتشهد له بذلك دواوينه الشعرية باللغات الفارسية والاردية والعربية ''(امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ قاری، دہلی، شمارہ ۱۲، جلد ۵، ص: ۴۷۶)

(یعنی پرانا مشہور مقولہ ہے کہ علمی تحقیق اور نازک خیالی دونوں بیک وقت شخصِ واحد میں یک جا نہیں ہوتیں، لیکن مولانا احمد رضا اس روایتی نظریہ کے خلاف دلیل ہیں، آپ ایک محقق عالم ہونے کے ساتھ ایک بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے، جس پر آپ کے فارسی، اردو اور عربی شعری دیوان گواہ ہیں)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمتہ والرضوان نے عربی نثر اور نظم دونوں میں اپنے تفوق وکمال اور صلاحیت ومہارت کے جلوے دکھائے۔ اور آپ نے عربی زبان وادب کی دونوں صنفوں میں عظمت وجلالت کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک درخشندہ وتابندہ رہیں گے۔

عربی زبان میں آپ کی علمی وادب خدمات درج ذیل خانوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔

(الف) منثور کتابیں اور رسائل۔ (ب) قصائد اور اشعار (ج) خطبات ومقدمات (د) اسانید واجازات۔ (ہ) کتابوں کے نام (و) تواریخ ولادت ووفات۔

اب ہم ذیل میں ان پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔

(الف) منثور کتب ورسائل:

ڈاکٹر احمد ادریس مصری نے اپنے مقالہ ''الادب العربي في شبه القارة الهندية'' میں لکھا:

''نواب صدیق حسن خاں قنوجی (متوفی ۱۳۰۷ھ) کی عربی زبان میں چھپن کتابیں ہیں، ملا نا عبدالحی بن عبدالحلیم فرنگی محلی۔ (متوفی ۱۳۰۴ھ) کی چھیاسی، اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) کی تیرہ اور مولانا احمد رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) کی تین سو تصنیفات ہیں ''۔(حولية الجامعة الاسلامية العالمية، العدد الرابع، عام ۱۹۹۶م، ص: ۱۵۹)

ذیل میں ان میں سے بعض عربی تصانیف کی فہرست پیش خدمت ہے:۔

۱. الدولة المكية بالمادة الغيبية . ۲. كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم . ۳. جدّالممتار على ردالمحتار (۵ / جلدیں). ۴. المعتمد المستند بناء نجاة الأبد. ۵. حسام الحرمين على منحر الكفر والمين. ۶. اجلى الاعلام بان الفتوىٰ مطلقاً على قول الامام . ۷. شمائل العنبر في أدب النداء أمام المنبر. ۸. الكشف شافيا حكم فونو جرافيا. ۹. الزلال الانقى من بحر سبقة الأسقى. ۱۰. مدارج طبقات الحديث. ۱۱. صيقل الرين عن أحكام مجاورة الحرمين. ۱۲. التاج المكلل في إنارة مدلول كان يفعل. ۱۳. فتاوى الحرمين برجف ندوة المين. ۱۴. أطائب الصيب على أرض الطيب.

(تفصیل کے لیے دیکھیے المصنفات الرضویۃ از مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

(ب) خطبات ومقدمات:

امام احمد رضا نے عربی زبان میں شاندار وقیع اور بیش قیمت خطبے لکھے جن میں قدر مشترک کے طور پر زور بیان، متانتِ اسلوب، قوت تاثیر، حلاوت الفاظ، آیات قرآنی واحادیث نبویہ کے اقتباسات و حوالہ جات، مطلب سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے قرآن کے طرز بیان کی پیروی وغیرہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ اوصاف خاص طور سے آپ کے ان خطبوں میں پائے جاتے ہیں جو جمعہ وعیدین کے مواقع پر مسجدوں اور عیدگاہوں کے منبروں پر دیے

جاتے ہیں، جنہیں عربی زبان میں ''خطب المنابر'' کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی تصانیف کے آغاز میں رواں اور بے تکلف عربی زبان میں گراں قدر خطبے لکھے ہیں جنہیں عربی میں ''خطب الدفاتر'' کہا جاتا ہے۔

اس طرح آپ کے خطبے دو طرح کے ہوئے:

(۱) خطب المنابر یعنی جمعہ وعیدین کے خطبے

(۲) خطبُ الدفاتر یعنی کتابوں کے خطبے۔

اب ذیل میں ہم ان کے منتخب نمونے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ براہ راست انہیں دیکھیں۔ جانچیں اور پرکھیں اور امام احمد رضا کی عربی زبان وادب میں مہارت کو سلام عقیدت پیش کریں۔

☆قسم اول کا نمونہ:

عیدالفطر کے ایک خطبے کا نمونہ آپ کے سامنے پیش ہے:

الحمد لله حمد الشاكرين، الحمد لله كما نقول وخيراً مما نقول ، الحمد لله قبل كل شيء الحمدلله بعد كل شئي،الحمد لله مع كل شيء،الحمد لله كما ينبغي لجلال و جهه الكريم ،الحمد لله كما حمده الأنبياء والمرسلون ، والملائكة المقربون ،وعباد الله الصالحون،الله اكبر، الله اكبر ، لا اله الا الله و الله اكبر الله اكبر ولله الحمد.......فيا أيها المومنون رحمنا ورحكم الله ،اعلموا أن يومكم هذا يومٌ عظيم ألا وللصائم فرحتان ، فرحته عندالافطار وفرحة عند لقاء الرحمن ،ألا وان في الجنة باباً يقال له الريان، لا يدخله الا الصائمون لوجه الملك الديّان.

☆قسم دوم کا نمونہ:

اب ہم ذیل میں بطور نمونہ فتاویٰ رضویہ جلد اول کا خطبہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو فصاحت وبلاغت کا پیکر محسوس ہے، دل کش اشارات، واضح تلمیحات ،خوش نما تشبیہات ، خوب صورت استعارات پر مشتمل اس خطبہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے جملہ لوازم ومناسبات (یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود وسلام، حضور اکرم ﷺ کی نعت اور صحابہ کرام کی تعریف ومنقبت) کو کتب فقہ اور ائمہ فقہ کے ناموں سے ادا کیا گیا ہے۔ کتبِ فقہ کے ناموں ائمہ کرام کے اسمائے گرامی کو اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ کہیں حمد الٰہی کی خوشبو مہکتی ہے، کہیں نعت رسول کے گلشن لہلہاتے ہیں، کہیں درود وسلام کی رعنائیاں دعوت نظارہ دیتی ہیں، تو کہیں مدح صحابہ واہل بیت کی جلوہ سامانیاں ہوتی ہیں۔ اس خطبے میں براعت استہلال، رعایت سجع ودیگر صنائع وبدائع اور محاسنِ بلاغت کا بے تکلف استعمال ہے، مگر کمال یہ ہے کہ ان سب کی رعایت کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں کہیں بھی ذرہ برابر فرق نہیں آتا ، نہ جملوں کی معنویت، الفاظ کی بندش اور ترکیب کی برجستگی میں کوئی فرق محسوس ہوتا ہے، وہ خطبہ یہ ہے:

''الحمد لله هو الفقه الاكبر ، والجامع الكبير لزيادات فيضه المبسوط الدرد الغرر ، به الهداية ،ومنه البداية ، واليه النهاية ، بحمده الوقاية و نقاية الدراية ،و عين العناية ،وحسن الكفاية ،ولصلوةالسلام على الامام الاعظم للرسل الكرام ، مالكي و شافعي أحمدالكرام ،يقول الحسن بلاتوقف ،محمد الحسن ابو يوسف ،فانه الاصل المحيط ،لكل فضل بسيط ،ووجيز ووسيط ، البحر الزخار ،والدرالمختار ، وخزائن الأسرار ،وتنوير الأبصار ، وردالمحتار ،والبحر الرائق ،ومنه يستمدّ كل نهر فائق ، فيه المنية، وبه الغنية ،ومراقى الفلاح ،وامداد الفتاح ،وايضاح الاصلاح ،ونورالايضاح ،وكشف المضمرات، وحلّ المشكلات ،والدرّ المنتقىٰ ،وينابيع المبتغى ،و تنوير الابصار،وزواهر الجواهر ،البدائع النوادر ،المنزه وجوباً عن الأشباه والنظائر ،مغني السائلين ،ونصاب المساكين ،الحاوىٔ القدسى لكل كمالِ قدس وإنسى، الكافى الوافى الشافى المصفى

المصطفى المستصفى المجتبى المنتقى الصافى ،عدة النوازل، وأنفع الوسائل، لا سعاف السائل ، بعيون المسائل ، عمدة الاواخرو خلاصته الاوائل ،وعلى آله وصحبه، وأهله وحزبه ، مصابيع الدجى ، و مفاتيح الهدى ، لا سيما الشيخين الصاحبين ،الا خذين من الشريعة والحقيقة بكلا الطرفين،والختنين الكريمين ،كل منهما نور العين ، ومجمع البحرين ، وعلى مجتهدى ملته ، وأئمة امته ، خصوصا الأركان الا ربعة ، والا نوار اللامعة ،وا بنه الأكرم ، الغوث الأعظم ، ذخيرة الأولياء و تحفة الفقهاء و جامع الفصولين ، فصول الحقائق والشرع المهذب بكل ذين ، وعلينا معهم ، وبهم و لهم يا ارحم الراحمين ، آمين آمين ، والحمد لله رب العالمين "(العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ،ج۱)

صنعت تلمیح اور اقتباس کے کامیاب استعمال کے لیے حضرت امام احمد رضا کے خطبے کے درج ذیل جملے ملاحظہ کیجیے اوران کی لسانی مہارت ،زبان وبیان کی قدرت کے جلووں کا سرکی آنکھوں سے مشاہدہ کیجئے۔

''أمابعد فهذه .بحمدالله ،ورفد الله ،وعون الله ،وصون الله ،تبارك الله ،وبارك الله ، ما شاء الله ،لا قوةإلا بالله ،وحسبنا الله ونعم الوكيل ،نعم المولى ونعم النصير .جناتٌ عا ليه ، قطو فها دانيه، فيها سر ر مرفو عةٌ واكواب موضوعة ،ونمارق مصفوفة ،وزرابى مبثوثه ، من مسائل الدين الحنيفى ،والفقه الحنفى ،تجد فيها ان شاء الله عينا جارية من عيون تحقيقات السلف الكرام ،مع رفرف خضروعبقرى حسان من تمهيدات الخلف الا علام ،و عرائس نفائس كانها اليا قوت والمرجان، لم يطمثهن قبلى إنس ولا جا ن ". الخ (حوالہ سابق)

امام احمد رضا علیہ الرحمہ اپنی اکثر وبیش تر تصنیفات کے خطبوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور درود شریف کے ساتھ ساتھ وہ مسئلہ بھی بیان فرمادیتے ہیں جسے بعد میں اصل کتاب کے اندر تفصیلی دلیل کے ساتھ بیان فرمادیتے ہیں ،مقدموں اور خطبوں میں محاسنِ بلاغت اور منائع بدائع کا بے تکلف اور برمحل استعمال کوئی ان سے سیکھے۔

کتابوں کے نام:

حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی عربی زبان وادب میں کمال مہارت کا منہ بولتا ثبوت ان کی تصنیفات کے نام بھی ہیں ۔کیوں کہ آپ نے اکثر رسائل وتصنیفات کے عربی میں ایسے حسین نام تجویز فرمائے ہیں جو نہایت موزوں ،مناسب اور واقع کے عین مطابق ہوتے ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد ہر باذوق قاری پھڑک اٹھتا ہے۔اور حضرت امام کی ادبی ولسانی دسترس پر حیران وششدر رہ جاتا ہے۔اکثر ناموں میں مندرجہ ذیل خصوصیات قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہیں:

(۱) وہ نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے، بلکہ دونوں فقروں کے آخری کلمات ہم وزن ہوتے ہیں۔یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

(۲) ہر نام اسم بامسمّی ہوتا ہے یعنی نام ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس رسالہ کا موضوع کیا ہے۔

(۳) اس سے حروف ابجد کے حساب سے سال تصنیف بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

درج ذیل ناموں پر غور فرمائیں تو یہ حقائق آفتاب نیم روز کی طرح روشن وتاباں نظر آئیں گے:

☆کنزالا یمان فی ترجمة القرآن (۱۳۳۰ھ)
☆ الدولة المكية بالمادة الغيبية (۱۳۲۳ھ)
☆ الا جازات المتينة لعلماء بكة والمدينة (۱۳۲۴ھ)
☆ الهاد الكاف فی حكم الضعاف (۱۳۱۳ھ)
☆ إعلام الإعلام بأن هندوستان دار الإسلام(۱۳۰۶ھ)
☆ إقامة القيامة على طاعن القيام لنبى تهامة (۱۲۹۹ھ)
☆ جمل النور فى نهى النساء عن زيارة القبور

(۱۳۳۹ھ)
☆أعالی الإفادة فی تعزیة الهند و بیان الشهادة (۱۳۲۱ھ)
☆ بدر الانوار فی آداب الاثار (۱۳۲۶ھ)
☆ الکشف شافیا حکم فو نو جرافیا (۱۳۲۸ھ)
☆ کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم (۱۳۲۴ھ)
☆ الزبدة الزکیة فی تحریم سجود التحیة (۱۳۳۷ھ)۔وغیرہ

تواریخ ولادت ووفات:

تاریخ گوئی میں بھی اعلیٰ حضرت کو حد درجہ کمال حاصل تھا، آپ فارسی زبان کی طرح عربی میں بھی تاریخیں کہا کرتے تھے جس سے فن تاریخ گوئی میں حیرت انگیز قدرت کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔اعلیٰ حضرت کی تاریخ گوئی کی مثالیں تو بے شمار ہیں لیکن ہم یہاں ان تو اریخ ولادت اور تواریخ وفات کو نذر قائین کرتے ہیں جو آپ نے اپنے والد ماجد علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمۃ و الرضوان کی تصنیف "جواهر البیان فی اسرار الارکان" میں مصنف کی سوانح کے آخر میں درج فرمائی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(تواریخ وِلادت) جاء ولی نقی الثیاب علی الشان (۱۲۴۶ھ) رضی الاحوال بهی المکان (۱۲۴۶ھ)، و هو أجل محققی الأفاضل (۱۲۴۶ھ) شهاب المدققین الأماثل (۱۲۴۶ھ) قمر فی برج الشرف (۱۲۴۶ھ) بری من الخسوف والکلف (۱۲۴۶ھ) افضل سباق العلماء (۱۲۴۶ھ) اقدم حذائق الکرماء.

(تواریخ وفات) کان نهایة جمع العظماء (۱۲۹۷ھ) خاتم اجلة الفقهاء (۱۲۹۷ھ) امین الله فی الارض ابدا (۱۲۹۷ھ) إن موته العالم موتة العالم (۱۲۹۷ھ) وفاة عالم الاسلام ثلمةفی جمع الانام (۱۲۹۷ھ) خلل فی باب العبادة لا یَنسَدُّ الی یوم القیامة (۱۲۹۷ھ) یا غفور (۱۲۹۷ھ) کمّل له ثوابک یوم النشور (۱۲۹۷ھ) امنحه جنة أعدت للمتقین (۱۲۹۷ھ) صلی الله تعالیٰ علی سیدنا محمد واله وٰاهله أجمعین (۱۲۹۷ھ)

(حیات اعلیٰ حضرت بترتیب جدید از مفتی مطیع الرحمٰن۔ ج۱ص۳۱۷)

اسلوب بیان:

مافی الضمیر کی ادائگی اور اپنی بات دوسرے تک پہنچانے کے لیے ایک ادیب جو طریق ادا اور طرز تعبیر اختیار کرتا اور جس خاص ورش کو اپناتا ہے اسے "اسلوب" کہتے ہیں۔

اسلوب کی تین قسمیں ہیں (۱) علمی اسلوب یعنی عالمانہ طرز بیان۔(۲) ادبی اسلوب یعنی ادیبانہ طرز بیان۔(۳) خطابی اسلوب یعنی خطیبانہ طرز بیان۔

اسلوب علمی تمام اسالیب کے مقابل نہایت متین، سنجیدہ اور پر سکون ہوتا ہے، اس میں نہ ادبی شوخیوں کی چاشنی ہوتی ہے نہ خطابی جوش وخروش ہوتا ہے، اس اسلوب کو علمی حقائق کی تشریح کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جو عموماً مشکل اور دقیق ہوتے ہیں جنہیں سمجھانے کے لیے وضاحت اور دلائل کی ضرورت ہوا کرتی ہے:

اسلوب ادبی کا مطمح نظر حسین سے حسین تعبیر، ہے اس کے مخصوص اوصاف یہ ہیں کہ معانی، الفاظ، تراکیب اور پیرایہ بیان، سب میں حسن و جمال ہو، اگر زندگی کا کوئی فلسفہ بھی بیان کرنا ہے، تو خوب صورت سے خوب صورت تعبیر اختیار کی جائے، اس اسلوب میں ہمیشہ اس کا لحاظ کہ مضامین کا پیرایہ بیان اتنا دل کش ہو کہ سننے والا ہر طرف سے ہٹ کر اس طرف متوجہ ہو جائے، اس کے لیے حسب موقع تشبیہ واستعارہ تمثیل وکنایہ ہر چیز کی ضرورت ہے۔

اسلوب خطابی کا مطمح نظر عزائم کو طاقت ور اور سرگرم عمل بنانا اور دلوں میں زندہ تحریک اور جوش عمل کی روح پھونکنا ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھیئے مودمقدمۃ البلاغۃ الواضحہ)

جب ہم امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کے نثری شہ پاروں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا اسلوب نہ خالص علمی اسلوب ہے، نہ محض ادبی یا خطابی، بلکہ یہ مختلف اسالیب کا حسین امتزاج ہے اسی لیے آپ کی عربی تحریروں میں نہ الفاظ ومعانی کا الجھاؤ ہوتا ہے، نہ طرز بیان میں کوئی جھول، اسی لیے قاری کے قلب وذہن تک مفہوم کی ترسیل بہت موثر اور طاقت ور پیرایے میں ہوتی ہے۔

پوری بیدار مغزی اور توجہ کے ساتھ درج ذیل اقتباس پڑھیے، رسالہ ''الکشف شا فیا حکم فو نو جر افیا'' میں شعر کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فما هو إلا أن الأ وزان العر و ضية آلة لأ داء كل قسم من الكلام مو زونا، فلا يحكم عليها في انفسها بحسن و لا قبح، بل تتبع المو دىٰ بها، فان كان حسنا سا ئغا و ذكرا بالغا ففي الحديث الصحيح : إن من الشعر لحكمة" وإن كان هزلا فا رغاو رذلا زائغا ففي القرآن المجيد :"الشعراءِ يتبعهم الغائون،" وللاول بشرىٰ تحيي الفواد "إن الله يؤيد حسا ن بروح القدس" و على الآ خرو عيديفت الا كباد :"امر ء القيس صا حب لواء الشعر إلى النار"

(ص ۹۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

دبستان ادب:

امام احمد رضا قدس سرہ کی عربی منثور تحریروں کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ نہ آپ دبستانِ ابن العمید سے متاثر نظر آتے ہیں جس میں سارا زور الفاظ کو پُر شوکت اور حسین وجمیل بنانے پر ہوتا ہے اور معنوی حسن کی طرف توجہ یا تو بالکل نہیں ہوتی یا، ہوتی ہے تو بہت کم اور نہ آپ دبستان ابن المقفع کی پیروی کرتے ہیں جس کے امتیازی اوصاف جملوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑنا، الفاظ میں ہم آہنگی، سہل پسندی، معانی کا زیادہ اہتمام اور سجع بندی سے نفرت کی حد تک گریز اور دوری ہیں۔ بلکہ آپکا اسلوب بیان ان دنوں دبستان ادب کے درمیان ہے آپ کے یہاں معانی سے غفلت ولا پرواہی بھی نہیں اور سجع بندی سے نفرت ودشمنی بھی بلکہ معنوی پہلو کو پورے طور پر سامنے رکھتے ہوئے بے تکلف سجع بندی بھی پائی جاتی ہے۔ اس طرح آپ کا طرز بیان دونوں دبستانوں کا آمیزہ معلوم ہوتا ہے۔

ایک شبهه کا ازالہ:

امام احمد رضا کے یہاں سجع بندی کے نمونے بکثرت ملتے ہیں جب کہ یہ دورِ جدید، نثر مرسل کا دور ہے اور اب تو نثر مسجع کو عیب سمجھا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سجع کی دو صورتیں ہوتی ہیں: اول یہ کہ سجع کی رعایت اس حد تک کی جائے کہ مافی الضمیر کی ادائگی متاثر ہو جائے یا معنی ومفہوم سے یکسر نگاہیں پھیر لی جائیں۔ جیسے ایک امیر نے شہرقم کے قاضی کو خط لکھا اور اس میں صرف سجع بندی کا لحاظ کرتے ہوئے اس بے قصور قاضی کی برخاستگی کا فرمان جاری کر دیا، خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

ايها القا ضی بقُم، قد عز لناک فَقُم.

''اے شہرقم کے قاضی! میں نے تجھے برخاست کیا لہٰذا اٹھ جا''۔

جب قاضی تک یہ فرمان شاہی پہنچا تو اس نے برجستہ کہا:

و الله ما عز لتنی الا هذه السجعة. (بخدا مجھے صرف اس سجع بندی اور تک بندی ہی نے برخاست کیا)

سجع کی قسم اول قبیح اور ناپسندیدہ ہوتی ہے جب کہ دوسری قسم نہ صرف یہ کہ عیب نہیں گردانی جاتی، بلکہ اسے زبان وبیان پر قدرت اور مہارت کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی سجع اِسی قسم سے تعلق رکھتی ہے اس لیے یہ عیب نہیں ان کی قادر الکلامی اور لسانی مہارت کی دلیل ہے۔ اسی بنیاد پر عربی زبان کے ماہرین بلکہ خود عرب علما آپ کی فصاحت وبلاغت اور زبان دانی کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

شیخ علی بن حسین مالکی مدرس مسجد حرام مکہ نے آپ کی شان میں یوں خراج عقیدت پیش کیا:

ذاخبر ةِ مَوْ لی المعارف والهدیٰ
رَبَّ البلا غةِمَنْ بِهٖالد نیا ز هَتْ
اُبْدِ ی مَعَا نی المشکلا تِ بیَا نہ
بِبد یع مَنْطِقِةِ الجو اهرُ نظّمتْ

(ترجمہ: وہ تجربہ کار اور صاحب معارفِ ہدایت ہیں، ایسے بلیغ جس پر دنیا ناز کرے، اس کے بیان نے مشکل معانی کو واضح کر دیا، اس کے اچھوتے بیان سے موتیوں کو پرویا گیا ہے)

ڈاکٹر حازم محفوظ استاذ جامعہ از ہر کہتے ہیں:

عـنـد مـا نـطـالع مؤ لفا ته النشر یة التی کتبها وکتب أغـلبهـا .بـا لـلـغة الـعـر بیة نتحیرمن تمکنه التام من اللغة الـعـر بیة و آدابها .ومما ید عوإلی التا مل أنّ هذا الا ما م تـعـلـم الـلـغة العر بیة وأجا دهاإجا دة تا مة ....أما عن النثر العر بی فقد بلغ أسلوبه فیه قمة الفصا حة والبلا غة.

(محمد أحمد رضا خان والعالم العربی، ص: ۳۰، ۳۱)

(جب ہم امام احمد رضا کی ان کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو آپ نے عربی زبان میں لکھی ہیں تو عربی زبان وادب میں ان کی مہارت اور کمال قدرت کو دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتے ہیں ....قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ انہوں نے عربی زبان سیکھی، اور اسے خوب سے خوب تر کیا...... اور عربی نثر میں تو آپ کا اسلوب و پیرایۂ بیان فصاحت وبلاغت کی بلندیوں تک پہنچا ہوا ہے)

عربی شاعری:

امام احمد رضا نے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں پُرمغز، بیش قیمت اور شاندار اشعار کہے ہیں، ان کی شاعری وارداتِ قلبی کا بیان ہوتی ہے۔ انہیں شاعری پر پورا پورا قابو حاصل ہے، اس لیے ان کی زبان میں مفہوم ادا کرنے کے لیے بہت زیادہ وسعت ہے۔ عربی زبان سے انہیں فطری مناسبت ہے۔ ان کی نظم ونثر کا مطالعہ کرنے والا اس حقیقت واقعیہ کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں کرتا۔

حضرت شارحِ بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ گیارہ سال سے زیادہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کے دارالافتاء میں خدمت اِفتا سرانجام دیتے رہے اور حضرت مفتی اعظم ہند ان پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے، آپ کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ فرماتے تھے کہ:

''قلبِ فقیر میں علمی مضامین کی آمد اوّلاً عربی زبان میں ہوتی ہے، مجھے دوسری زبان میں بیان کرنے کے لیے نقل و ترجمہ کی ضرورت پڑتی ہے''۔

امام احمد رضا کی تحریروں کو دیکھنے سے اس بات کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے۔ عربی تو جانے دیجیے خود ان کی اردو میں عربیت کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا نظر آتا ہے۔ عربی الفاظ کا کثرت سے استعمال، بلکہ بہت سے اردو جملوں کا انداز ترتیب بھی عربی جیسا ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں بچپن ہی سے دینی وعلمی ماحول ملا تھا، دادا جان حضرت مولانا رضا علی خان بریلوی اور والد گرامی حضرت رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے زبردست عالم تھے، گھریلو ماحول کے علاوہ طبعی میدان اور خداداد قابلیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور انہیں وجوہ کی بنا پر عربی زبان سے مناسبت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں زبان پر اتنی دسترس اور اس قدر عبور ملتا ہے کہ جہاں جس مضمون کو جس طرح عربی میں ادا کرنا چاہا ہے اسے بے تکلف ادا کر دیا ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ کہ آپ کی عربی، آپ کی اردو سے کہیں فائق نظر آتی ہے۔ آپ کے عربی اشعار کا مطالعہ کرنے کے بعد عربی ادبا اور ریسرچ اسکالر عربی شعر وادب میں آپ کی مہارت اور اصنافِ سخن میں آپ کی گہرائی و گیرائی کو دیکھ کر محو حیرت ہیں۔

ڈاکٹر حازم محمد محفوظ استاذ جامعہ از ہر مصر لکھتے ہیں:

إنّ هـٰذاالـدیـوان قـد جـعـل الامـام فی طلیعة شعراء الـعـر بیة الأ عـلام فـی شبه القارة بل أما لا تکو ن مبا لغین إذا قـلـنا :إنّ هذا الا مام یُعدّفی جملة أکا بر شعر اء العر بیه فـی الـعـصر الحدیث و بمطا لعة هذاالدیو ان العربی ''بسا

تيـن الـغفران''نتيقن من أسلوبه ولغته العذبة، أن نا ظمه لا بـدّ أن يـكون عر بى اللسان و البيان ، بيد أننا عند ما نطالع أغـراضـه ومـو ضو عا ته التى تصور المجتمع الهندى فى عـصر ه نقول: إن نا ظمه من تلك البينة ،ونتساء ل أين و كيف و متى تعلم وأجاد و اطلع على اللغة العر بيه .

(اس دیوان نے امام احمد رضا کو برصغیر کے بلند پایہ شعرا میں سر فہرست کر دیا ہے بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ امام احمد رضا، دورِ جدید میں عربی زبان کے اکابر شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور اس عربی دیوان ''بساتین الغفر ان'' کے مطالعہ کے بعد اس کے اسلوب اور زبان کی حلاوت سے ہمیں اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس کو نظم کرنے والا زبان و بیان کے اعتبار سے ضرور عربی ہی ہے۔ لیکن جب ہم اس کے (شعری) اغراض ومقاصد اور ان موضوعات کو دیکھتے ہیں جو ان کے عہد کے ہندوستانی معاشرہ کی تصویر پیش کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اسے نظم کرنے والا اسی ماحول سے تعلق رکھتا ہے، اور ہم سوال کرتے ہیں کہ اس نے کہاں، کیسے اور کب عربی سیکھی اور اس میں عمدگی اور بہتری پیدا کی)

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی شاعری میں تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔ ان کے یہاں نعت رسول بھی ہے، حمد ومناجات بھی ہے، مدح وہجو بھی ہے اور پاکیزہ غزل بھی۔ انہوں نے اپنی شاعری میں خلاف واقع تشبیہات واستعارات اور جھوٹے مبالغے سے پرہیز کیا ہے

عربی دیوان (بساتین الغفر ان)

امام احمد رضا کے عربی اشعار کی جمع وتدوین اور ترتیب کا کام آپ کی حیات میں نہ ہو سکا تھا، بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی سالہا سال تک یہ کام کسی مرد مجاہد کے عزم واستقلال اور محنت وکاوش کا انتظار کرتا رہا۔ اس دوران ریسرچ اسکالرس نے آپ کی حیات وخدمات کے عنوان پر ایم، اے اور پی، ایچ، ڈی بھی کی اور گرامی قدر علمی مقالے سپرد قلم کیے لیکن کسی نے آپ کے منتشر عربی اشعار کو جمع وترتیب کے مراحل سے گزار کر ارباب علم ودانش کے سامنے پیش کرنے کی ہمت نہ کی۔ بالآخر جامعہ ازہر مصر کے استاذ ڈاکٹر حازم محمد احمد عبدالرحیم محفوظ پاکستان آئے اور انہیں اس کا کی اہمیت کا احساس ہوا، اور انہوں نے کمر ہمت کس لی، اور محقق عصر علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری دام ظلہ، سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور اور دیگر اہل علم کے تعاون سے یہ کام تکمیل آشنا ہوا اور آپ کے اردو دیوان ''حدائق بخشش'' کو سامنے رکھتے ہوئے اس عربی شعری مجموعہ کا نام ''بَسا تین الغُفر ان'' رکھا۔ یہ مجموعہ پہلی بار ۱۹۹۷ء میں طباعت کے مرحلے سے گزرا، اس کی طباعت و اشاعت رضا اکیڈمی برطانیہ، رضا دار الاشاعت لاہور، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے زیر اہتمام ہوئی۔ اس مجموعہ میں سات سو پنچانوے اشعار اور ننانوے شعری تاریخیں ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت امام احمد کے عربی اشعار کل اتنے ہی نہیں ہیں۔ یہ تو ان اشعار کی مجموعی تعداد ہے جو اس جمع وتدوین کے وقت جامع کو حاصل ہوئے تھے۔

آپ کے اس عربی شعری مجموعہ میں عربی زبان پر کامل دسترس اور بھرپور قدرت کا عنصر ایک نا قابل انکار حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ اب ذیل میں آپ کے عربی اشعار کے کچھ نمونے کچھ ضروری تفصیلات کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

قصیدتان رائعتان

یہ دو عربی قصیدوں کا مجموعہ ہے ایک قصیدۂ نونیہ، جس کا اصل تاریخی نام ''مدائح فضل الرسول'' ہے اس قصیدہ میں کل دو سو تینتالیس اشعار ہیں، اور دوسرا قصیدۂ دالیہ، جس کا تاریخی نام ''حمائد فضل الرسول' ہے اس کے اشعار ستر ہیں اور دونوں کی مجموعی تعداد اہل بدر کے عدد کے مطابق تین سو تیرہ (۳۱۳) ہے۔ یہ دونوں قصیدے تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے پوتے حضرت مولانا شاہ عبد الحمید سالم القادری سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے پاس بخط شاعر (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ) موجود ہیں۔ ۵ر صفر ۱۴۰۹ھ کو دارالعلوم قادریہ بدایوں میں خواجۂ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب رضوی مدظلہ کے ہمراہ استاذی الکریم عمدۃ المحققین صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی ملاقات

حضرت سالم میاں صاحب سے ہوئی، اسی موقع پر انہوں نے یہ دونوں قصیدے حضرت صدر العلماء کو دکھائے اور آپ کی طلب پر بغیر کسی ٹال مٹول کے ان کی فوٹو کاپی دینے کے لیے رضا مند ہوگئے۔ حضرت مولانا قاضی شہید عالم صاحب نے ان دونوں قصیدوں کی بہترین فوٹو کاپی کرا کے جلد ہی حضرت صدر العلماء کے پاس مبارک پور بھیج دی۔ اور اس طرح المجمع الاسلامی مبارک پور کے زیر اہتمام یہ دونوں قصیدے ۱۹۸۸ء میں ''قصیدتان رائعتان'' کے نام سے شائع ہو کر اہل علم کی نگاہوں کی زینت بنے۔ یہ دونو قصیدے سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح میں لکھے ہیں۔ راقم سطور (نفیس احمد مصباح) اور مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی اور مولانا نظام الدین مصباحی کی کوششوں سے یہ دونوں قصیدے دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، ضلع بستی، یو۔پی، نے جماعت خامسہ کے عربی ادب کے نصاب میں شامل کر لیے ہیں۔ دار العلوم علیمیہ کے زمانہ تدریس میں دو سال تک یہ قصیدے میرے ہی زیر تدریس رہے اور اسی دوران میں نے ان کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا اور کچھ حل لغات اور محاسن بلاغت کی تعیین بھی کر لی۔

قصیدہ ''مدائح فضل الرسول''

ان میں پہلا قصیدہ ''مدائح فضل الرسول'' باتشبیب قصیدہ ہے عموماً باتشبیب قصیدہ کے چار جز ہوتے ہیں۔

(۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مدح یا ہجو (۴) خاتمہ

(۱) **تشبیب**: عربی شعر و ادب میں عشقیہ شاعری کو کہتے ہیں، خواہ وہ مدحیہ قصیدہ کی تمہید کے طور پر ہو یا پوری نظم کا موضوع ہو۔ فارسی میں جب غزل ایک صنف سخن کی حیثیت سے وجود میں آئی تو تشبیب صرف قصیدہ کی عشقیہ تمہید کا نام رہ گیا، بعد میں ہر قسم کی تمہید کو تشبیب کہا جانے لگا۔

(۲) **گریز یا تشبیب**: قصیدہ کا دوسرا جز گریز ہے، اس کو عربی میں خروج، توسل اور تخلص کہتے ہیں اس کی تعریف ابن رشیق نے یوں کی ہے:

الخروج: انما هو ان تخرج من نسيب إلى مدح او غيره بلطف تحيل (العمدہ، ۱/۱۵۶) (تشبیب سے مدح یا دوسرے موضوع کی طرف بہترین حیلے سے نکل جانے کا نام گریز ہے)

(۳) **مدح یا هجو**: یہ قصیدہ کا تیسرا اور سب سے بنیادی جز ہے۔ قصیدہ کا مرکزی مضمون اسی میں ہوتا ہے، یہ جز شعرا کی توجہ کا مرکز اور فنی مہارت کی امتحان گاہ ہوتا ہے۔

(۴) **خاتمہ**: یہ قصیدہ کی آخری منزل خاتمہ ہے، اسے مقطع اور دعائیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اگر قصیدہ کا خاتمہ اچھا ہے تو قصیدہ اچھا مانا جاتا ہے، ورنہ بُرا۔ ابن رشیق قیروانی نے اپنی کتاب ''العمدہ'' میں متنبی کو ان تینوں میں تمام شعرا سے فائق تسلیم کیا ہے۔ خیال رہے کہ عربی، فارسی اور اردو کسی بھی زبان کے قصیدوں میں ان اجزائے ترکیبی کی پابندی لازم نہیں ہوتی۔ مدحیہ قصیدوں میں تو یہ اجزا اکثر کام میں لائے گئے ہیں لیکن دوسرے موضوعات کے قصیدوں میں ان کا چنداں خیال نہیں رکھا جاتا۔

قصیدہ ''**مدائح فضل الرسول**'' میں مندرجہ بالا چاروں جز (تشبیب، گریز، مدح اور خاتمہ) پائے جاتے ہیں۔

(۱) **تشبیب آغاز:**

رَنَّ الحَمَامُ عَلٰی شُجُونِ الْبَانِ
یَا مَا اُمَیْلِحَ ذِکرَ بِیْضِ الْبَانِ

سے ہو کر چونتیسویں شعر:

لیلٌ إذا أرخیٰ ستارَ ظَلامِه
رفع السِّتارة عن نجوم معانِ

پر اس کا اختتام ہو جاتا ہے قصائد کے آغاز میں تشبیب لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اصل مضمون کو بیان کرنے کے لیے محبوب اور اس سے نسبت و تعلق رکھنے والی اشیا، اسے یاد دلانے والے مقامات کا تذکرہ کیا جائے تاکہ قارئین اور سامعین دونوں کی آتش شوق تیز ہو، خوابیدہ جذبات و احساسات بیدار ہوں، اور جس وقت اصل مضمون پر آئیں اس وقت قاری کے بیان کا جوش اور سامع کے سماعت کا اشتیاق، نقطۂ

عروج اور ذُروہٗ کمال تک پہنچ چکا ہو۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ تشبیب کا مضمون عام طور سے قصیدہ کے ایک تہائی یا نصف پر حاوی ہوتا ہے، مگر کامیاب شاعر وہ ہوتا ہے جو اس مضمون کو اتنا طول نہ دے بلکہ چند اشعار ہی میں ایسے اچھوتے، پُرکشش اور سحر انگیز مضامین لائے جن سے سامعین کے ذہن ودماغ کے تار جھنجھنا اٹھیں، دل کی تشنگی اپنے شباب پر آجائے، اور قلب وجگر پورے شوق ورغبت کے ساتھ اصل مضمون کی طرف متوجہ ہو جائے اور قاری ان اشعار کو پڑھ کر اور سامع انہیں سن کر پھڑک اٹھے اور بے ساختہ دل کی گہرائیوں سے شاعر کے لیے داد وتحسین کے جذبات یا جملے نکل پڑیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی تشبیب اس معیار پر پوری اترتی ہے اور ان کی شاعرانہ مہارت، اور فنی عظمت وجلالت کو بے نقاب کرتی نظر آتی ہے۔ اس کا مشاہدہ خود میں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب میں لکھنؤ میں قیام پذیر تھا، ایک دن میری ملاقات دارالعلوم ندوہ کے دو اساتذہ سے ہوئی جو شعبۂ عربی ادب کے بلند پایہ استاذ مانے جاتے تھے ان میں سے ایک کا تعلق دیو بندی جماعت سے تھا جب کہ دوسرے صاحب جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے اتفاقاً اس وقت میرے ہاتھ میں ''قصیدتان رائعتان'' کا ایک نسخہ تھا، اول الذکر نے یہ کتاب مجھ سے لے کر دیکھنا شروع کی۔ اس کے آغاز میں عمدۃ المحققین صدر العلماء حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا عربی زبان میں لکھا ہوا ایک گراں قدر اور وقیع مقدمہ ہے اس کو جستہ جستہ پڑھتے ہوئے جب تشبیب کے پہلے شعر تک ان کی رسائی ہوئی جو درج ذیل ہے:

رَنَّ الحَمَامُ عَلی شُجُو نِ البا نِ
یَا مَا اُمَیْلِحَ ذِکْرَ بِیُضِ البَا نِ

تو ان پر ایک طرح سے بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور بے ساختہ زبان سے تعریف وتحسین کا کلمات نکل پڑے کہ واہ واہ کیا خوب کہا ہے، پھر تین چار بار اس شعر کو دہرایا اور ہر بار تعریف وتحسین کے کلمات کا اعادہ بھی کیا، اور اس کے بعد جب تشبیب کے اشعار پڑھنے شروع کیے تو درج ذیل اشعار تک اسی سرمستی کے عالم میں پڑھتے چلے گئے:

یَا حُسنَ غُصنٍ فِیہِ مِن کُل الْجَنیٰ
عِنَبٌ وَعُنَّاب بِہٖ سُلُوَ انِی
واللّوْ زُ فِیہِ الفَو زُ والتَّفَّاح وال
رُ طَبُ ولا تَسْئَلُ عَنِ الر مَّا نِ

ترجمہ: ''واہ رے اس شاخ کا حسن وجمال جس میں ہر قسم کا پھل موجود ہے، اس مین انگور بھی ہے جس میں میری کامیابی ہے اور سیب اور تر وتازہ پختہ کھجوریں بھی اور انار کی تو بات ہی نہ پوچھو''۔

اور پھر پوری کتاب کا سرسری مطالعہ کیا اور اس دوران کلماتِ تحسین بھی زبان سے نکلتے رہے اخیر میں انہوں نے اپنے رفیق اہل حدیث فاضل سے کہا کہ ''مختلف علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان و ادب میں بھی مولانا احمد رضا بریلوی کی مہارت کی بات اب تک صرف سنتے تھے لیکن آج ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں بلا جھجک کہتا ہوں کہ اگر شاعر کا نام بتائے بغیر یہ قصیدہ عربی زبان وادب کے کسی شناور اور شعری ذوق رکھنے والے فاضل کے سامنے پیش کر دیا جائے تو وہ اسے پڑھنے، لفظی ومعنوی خوبیوں کو دیکھنے اور اس دل کش اسلوب بیاں اور طرز تعبیر سے محظوظ ہونے کے بعد بلا جھجک یہ کہہ اٹھے گا کہ یہ عہد اموی یا عباسی کے کسی باکمال شاعر کا کلام ہے''۔ اس پر اہل حدیث فاضل نے کہا: کہ ''مولانا کے مخصوص نظریات کو چھوڑ کر عربی زبان وادب اور دیگر علوم وفنون میں مولانا کی برتری ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ان کے مخالفین بھی کرتے ہیں''۔ ان دونوں فضلا کی گفتگو سننے کے بعد میں نے دل میں کہا:

الفضل ما شھد ت بہ الا عداء

(کمال فضل وہ ہے کہ دشمن بھی اس کی گواہی دیں۔)

اس کے بعد دیو بندی فاضل نے مجھ سے کہا: مولانا! آپ مجھے ان دونوں قصیدوں کی فوٹو کاپی دے دیجئے میں نے کہا کہ میں کوشش

کرتا ہوں کہ آپ کو فوٹو کاپی کی بجائے اصل کتاب ہی دے دوں۔ پھر اسی دن میں نے استاذی الکریم مرجع علما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، بانی ورکن المجمع الاسلامی وصدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی بارگاہ میں اس واقعہ کو لکھ بھیجا اور حضرت سے چند عدد ''قصیدتان رائعتان'' بھیجنے کی درخواست بھی کی، آپ نے کرم فرمایا اور المجمع الا سلامی کی جانب سے پانچ عدد کتابیں میرے پاس بھیج دیں، میں نے وہ کتابیں ان دونوں ندوی اساتذہ کے پاس بھجوادیں اور وہاں کی لائبریری اور دارالمطالعہ میں بھی دے دیں۔

اس واقعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے عربی اشعار حسن ودل کشی کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں جنہیں پڑھنے اور سننے کے بعد اپنے تو اپنے ہیں، پرائے بھی بے اختیار ہوکر ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

بہر حال اس قصیدہ کی تشبیب میں چونتیس شعر ہیں، پھر چار شعر گریز کے ہیں، اس کے بعد چالیسویں (۴۰) شعر سے اپنے ممدوح علامہ فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح شروع کی ہے، درمیان میں شعر نمبر ۱۳۱ تا ۱۴۴، چودہ اشعار تاج الفحول علامہ شاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کی مدح وستائش میں ہیں۔

اور اس قصیدہ کا اختتام درج ذیل اشعار پر ہوتا ہے۔

وَ اَدِمْ شآ بیب الرضا و نَدی العطا

لجمیع اھل الدین والا ذعان

(تمام برادران دینی ویقینی کو اپنی رضا وخوشنودی کے چھینٹوں اور جودوعطا کی بارش سے ہمیشہ بہرہ ور کر)

شَرّ فُتنا با لحق فَا نُصرْ نا علیٰ

بدَ ع العُنُودِوَ نزْ غةِ المُجّا ن

(تو نے ہمیں حق سے مشرف کیا تو ان معاندین کے افکار نو اور ان گستاخوں کے فتنہ وفساد پر ہمیں فتح وکامرانی عطا فرما)

حَتّی نکُو نَ حُماۃ دینٍ قیِّمٍ

ومُحَاۃ شرّ الزَّ یغ و البُطلا ن

(تا کہ ہم دین حق کے محافظ اور گمرہی و باطل پرستی کے مٹانے والے رہیں)

فلک الثَّناءُ ببدْ ئہ و ثَنا ئہ

وَ لکَ الْمَد یحُ با وّلٍ وَّ بِشا نٍ

(تو ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، اس کے آغاز میں اور انجام میں)

وصَلاۃُ رَبِّی دَائماً ابداً اعلی

خَیرِ البَریَّۃ سَیدِ الا کوانِ

والآلِ وَالْا صحاب ولا حُباب وال

نُواب والأصھار والأختانِ

(اور ہمیشہ میرے رب کی رحمتیں افضل الخلق، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب، ان کے خلفا اور خسروں (حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور دامادوں (حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما) پر نازل ہوں)

صَلّی المجیدُ علی الرسول و فضلہ

ومُحبّہ و مُطیعہ بحَنانِ

(خدائے بزرگ وبرتر، رسول ﷺ، فضل رسول، محب رسول اور مطیع رسول پر بخشش ونوازش کے ساتھ رحمتیں نازل کرے)

صَلّی علیک اللّٰہ یاملک الوریٰ

مَا غرَّ ذَالقُمریُّ فی الأ فنانِ

(اے ساری مخلوق کے بادشاہ! اللہ آپ پر اس وقت تک رحمتیں نازل فرمائے جب قمری شاخوں پر نغمہ سنجی کرے)

صَلیَّ علیک الله یا فرُ د العُلی

مَا أطر ب الوَ ر قاءُ با لِا لحا نٍ

(اے بے مثال بلندی والے! اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک رحمتیں نازل کرتا رہے جب تک فاختہ اپنی خوش آوازی سے لوگوں کو

مست و بے خود کرے)

صَلّی عَلَیْکَ اللہ یا مَوْ لا یَ مَا
رَنَّ الحَمَامُ عَلی شُجُو نِ الْبان

(اے میرے آقا! اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ پر رحمت برسائے جب تک کبوتر، بان کی شاخوں پر فریاد کرے)

قصیدہ ''حمائد فضل الرسول''

اس قصیدہ میں ستر اشعار ہیں، اور یہ قصیدہ ''غیر مشبَّب'' ہے یعنی اس کا آغاز تشبیب سے نہیں بلکہ حمد وصلوۃ سے ہے۔ ذیل میں اس کے کچھ ابتدائی اشعار پیش خدمت ہیں۔ غور کیجیے کہ حضرت امام نے اس مختصری بحر میں کس طرح اپنی مہارت اور قادری الکلامی کا ثبوت پیش کیا ہے کہ نہ مفہوم کی ترسیل اور معنی کی تعبیر میں کوئی خلل واقع ہو رہا ہے اور نہ اشعار کی سلاست وروانی متاثر ہوتی نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

۱ الحمدُ لِلمُتَوَحِّدِ بِجَلَا لِه المُتَفَرِّدِ
۲ وَصَلاۃ مَوْلانا علیٰ خیرِ الانَامِ مُحَمَّدِ
۳ والآلِ اَمطارِ النَّدیٰ وَالصَّحْبِ سُحبِ عَوائدِ
۴ لاَهُمَّ قَدْ هجَمَ العِدیٰ مِنْ کُلِّ شأ وٍ أبعَدِ
۵ فی خَیْلِهِمْ وَرِجالِهِمْ مَعَ کُلِّ عا دٍ مُعْتَدِ
۶ هاوِینَ زَلَّةَ مُثْبَتٍ بَا غِینَ ذِ لَّةَ مُهتَدِ
۷ لکِن عَبدُکَ آمِنٌ اِذمَنْ دَعاکَ یُویَّدِ
۸ لااَختَشِی مَنْ باسِهِم یَدُنَا صِریٰ اَقْویٰ یَدِ
۹ یا رَبِّ یارَبَّاهُ یا کَنْزَ الفقیرِ الفَا قِدِ
۱۰ بِکَ اَلتَجِیُٔ بِکَ أَدفَعُ فِی نَحرِ کُلِّ مُهدِّدِ
۱۱ أَنتَ القَوِیُّ فَقَوِّ نِی اَ نتَ القَدِیرُ فَایِّدِ
۱۲ فالی العظیمِ تَوَسُّلی بِکِتا به وَبِأَحمدِ
۱۳ وَبِمَنْ اَتیٰ بِکَلامِه وَ بِمَنْ هَدیٰ وَ بِمَن هُدی
۱۴ وَبِطَیْبَةَ وَ بِمَنْ حَوَتْ وَبِمِنْبَرٍ وَّ بِمَسْجِدِ
۱۵ وَبِکُلِّ مَنْ وجدَالرِّضیٰ مِنْ عِندِرَبٍّ وَاجِدِ

ترجمہ:

۱۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جو اپنے منفرد جلال کے ساتھ یکتا ہے۔

۲۔۳۔ مولا تبارک وتعالیٰ کی رحمت خیرالانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو، اور آپ کی آل پر جو بارش جود وعطا ہیں، اور آپ کے اصحاب پر جو فوائد ومنافع کے بادل ہیں۔

۴۔۵۔ اے اللہ! دشمنوں نے دور دراز مقام سے اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ ہر حد سے تجاوز کرنے والے ظالم کے ہمراہ مجھ پر یورش کر دی ہے۔

۶۔ وہ ثابت قدم انسان کی لغزش کے خواہاں اور ہدایت یافتہ شخص کی ذلت کے طلب گار ہیں۔

۷۔ لیکن تیرا بندہ بے خوف ہے، کیوں کہ جو تجھے پکارتا ہے وہ تائید پاتا ہے۔

۸۔ میں ان کی طاقت وقوت سے خوف زدہ نہیں۔ کیوں کہ میرے مددگار کا دست قدرت سب سے طاقت ور اور باقوت ہے۔

۹۔ اے میرے پروردگار! پالن ہار! اور اے بے سروسامان بے مایہ کے خزانہ!

۱۰۔ میں تیری پناہ لیتا ہوں اور ہر دھمکی دینے والے کے سینے میں تیری مدد سے دھکا مارتا ہوں۔

۱۱۔ تو قوت والا ہے تو ہمیں قوت دے، اور تو قدرت والا ہے تو ہمیں طاقت بہم پہنچا۔

۱۲۔۱۵۔ تو خدائے بزرگ وبرتر کی بارگاہ میں اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے کلام کو لانے والے (حضرت جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام) نبی ہادی اور ان کے ہدایت یافتہ اصحاب، مدینہ طیبہ اور اس کی آغوش میں آرام فرمانے والے نفوس قدسیہ، منبر رسول اور مسجد نبوی اور ہر اس ذات کو وسیلہ بناتا ہوں جس نے خدائے بے نیاز کی طرف سے رضا وخوشنودی کی دولت پالی۔

مکاتیبِ رضا میں انشاپردازی کی خوبیاں

بقلم صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

مکتوب ابلاغِ عامہ کا ایک ذریعہ ہے۔ ابلاغ یا ابلاغِ عامہ کی چند تعریفیں حسبِ ذیل ہیں۔

جارج اے ملر کے بقول: "ابلاغ کا مطلب ایک اطلاع یا پیغام کا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا ہے۔"

جمیز سی کا کہنا ہے: "دو یا دو سے زائد افراد کا ایک دوسرے کے مفہوم کو سمجھ لینا ابلاغ کہلاتا ہے۔"

ایڈورڈ اہل برنگ کے خیال میں: "ایک معاشرے میں رہتے ہوئے افراد آپس میں جو باہمی گفتگو یا اشارہ کریں، ان کا یہ عمل ابلاغ کہلاتا ہے۔"

جب کہ ابلاغیات کے زیادہ تر ماہرین جس مختصر لیکن جامع تعریف پر متفق ہیں وہ حسبِ ذیل ہے: دو یا دو سے زائد افراد کے مابین تبادلۂ خیال کو "ابلاغ" کہا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ جامع تعریف کی جاسکتی ہے کہ "دو افراد کے آپس کے خیالات کا اچھی طرح سمجھنا ابلاغ ہے۔" ابلاغ کا یہ عمل گفتگو کے علاوہ تصاویر، اشارات، حلق کی بے معنی آوازوں، مجسموں اور گرافکس وغیرہ کی مدد سے بھی مکمل ہوسکتا ہے۔

ڈاک، ٹیلیگرام، ٹیلیکس، پھر فیکس اور ای۔میل وغیرہ کے ذریعہ مراسلت اور پیغام رسانی سے معاشرے (بلکہ پوری دنیا) میں دوطرفہ ابلاغ کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی ہے کیونکہ خط وکتابت ایسا مؤثر ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ ایک فرد کسی دوسرے فرد کو اپنا حالِ دل سناتا اور اس کی زبانی اس کے حالات سنتا ہے۔ یہ گفتگو وسیع البنیاد بھی ہوسکتی ہے۔ اس کے ذریعہ دشمنی دوستی میں، منافرت محبت میں، اور اختلافات اتفاق میں بدل جاتے ہیں۔ تاہم اگر سننے اور سنانے والے باشعور نہ ہوں تو یہ باہمی رابطہ یا دوطرفہ ابلاغ غلط فہمی کے سبب معکوس یا متضاد بھی ہوسکتا ہے۔ ۱

"مَکْتُوْبُ" عربی لفظ ہے، اس کا مادہ "کَتَبَ" ہے جس کے معنی "لکھا" کے ہیں۔ ۲ مَکْتُوْبُ، کَتَبَ کا اسم مفعول ہے اس کے معنی خط کے ہیں۔ اس کی جمع "مَکَاتِیْبُ" ہے۔ ۳ عربی میں اس کے مترادف الفاظ "اَلصَّحِیْفَۃُ" ۴ اور "اَلرِّسَالَۃُ" یا "اَلرَّسَالَۃُ" اور "کتاب" بھی آتا ہے۔ ۵ اسی سے "مراسلت" ہے۔ ایک دوسرے سے خط وکتابت کرنے کو "مُکَاتَبَۃ" یا "تَکَاتَبَ" کہتے ہیں۔ ۶ انگریزی زبان میں مکتوب کو Letter اور مراسلت کو Correspondence کہا جاتا ہے۔ ۷ مکاتبہ یا مراسلت میں دو فریق ہوتے ہیں۔ ایک "مکتوب منہ" (لکھنے والا) اور ایک "مکتوب الیہ" (جس کو خط لکھا جارہا ہے)۔ "مکتوب" کی اگر آسان زبان میں تعریف کی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے ایک غائبانہ مکالمت یا گفتگو۔ ایک ایسی گفتگو جس میں "مکتوب منہ" اور "مکتوب الیہ" میں بُعدِ مکانی کے باوجود قرب محسوس ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خطوط کسی بھی شخصیت کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں۔

خط کی کوئی جامع تعریف نہیں ہے۔ مختلف مشاہیرِ ادب نے خط نویسی کی خصوصیت پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مکتوب نگاری ایک اضطراری عمل ہے اور دیگر اصنافِ سخن مثلاً مقالہ نگاری، افسانہ نگاری، تنقید نگاری وغیرہ اختیاری عمل ہے کہ اس میں اہتمام کرنا پڑتا ہے اور مکتوب ایک قلم برداشتہ، بلاتکلف، سچی گفتگو ریکارڈ کرنے کا نام ہے۔ سرِ دست مکتوب نگاری کی صرف تین تعریفیں پیش کی جارہی ہیں۔

ا۔ "حسنِ تحریر کی وہ صنف جو تالیف وتصنیف میں نظر آتی ہے وہ

سراپائے جمال ہے جو اپنے جلوۂ سربام کا احساس رکھتی ہے اور دیکھنے والوں کے لئے اہتمام آرائش کرتی ہے اور حسنِ تحریر کی وہ صنف جو کارڈ کی چلمنوں اور لفافوں کے نقابوں میں چھپی ہوتی ہے، وہ اپنے جلووں سے بے پروا اور تاک جھانک کرنے والوں سے بے خبر رہتی ہے۔ اس لئے وہ تصنع و تکلف کے غازہ اور پاؤڈر اور سعی و اہتمام کی زینت و آرائش سے پاک ہوتی ہے۔ وہ فطرت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ویسی ہی نظر آتی ہے جیسی وہ ہے۔'' ۸

۲۔ خطوط کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دل کی آواز ہوتے ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق اپنے الفاظ میں خط نگاری کی تعریف کرتے ہوئے اس قول کی تصدیق یوں کرتے ہیں:

''ادب میں سیکڑوں دلکشیاں ہیں، اس کی بے شمار راہیں اور ان گنت گھاتیں ہیں لیکن خطوط میں جو جادو ہے (بشرطیکہ خط لکھنا آتا ہو) وہ اس کی کسی ادا میں نہیں۔ نظم ہو، ناول ہو، ڈراما ہو یا کوئی مضمون ہو، غرض ادب کی تمام اصناف میں صنعت گری کرنی پڑتی ہے اور صنعت گری کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ بناوٹ کی باتیں بہت جلد پرانی اور بوسیدہ ہو جاتی ہیں۔ صرف سادگی ہی ایسا حسن ہے جسے کسی حال اور کسی زمانے میں زوال نہیں بشرطیکہ اس میں صداقت ہو اور ہم میں سے کون ہے جس کے دل میں سچ کی چاہ نہیں۔'' ۹

۳۔ یہاں ایک انگریز رائٹر ڈراوتھی آسبرن کا خیال بھی دلچسپی سے خالی نہیں، وہ کہتا ہے:

''میرا خیال ہے کہ خطوط ایسی بے تکلف اور آسان زبان میں لکھنے چاہئیں جیسے ہم آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ خط پڑھتے وقت ایسا معلوم ہونے لگے جیسے ہم کوئی دھواں دھار تقریر سن رہے ہیں یا مشکل الفاظ سے وہ اتنے لدے ہوئے ہوں کہ طلسمات بن کر رہ جائیں۔'' ۱۰

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ انسان کے اپنے خیالات و نظریات کی ترجمانی کے لئے خط سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذریعۂ ابلاغ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کسی بھی شخصیت سے قریب تر ہونے کے لئے مکاتیب بہترین ذریعہ ہیں، صاحبِ مکتوب سے قاری کو قربت حاصل ہوتی ہے اور اس کی صاف و شفاف شخصیت نکھر کے سامنے آتی ہے۔ مکتوب مختلف نوع کے ہوتے ہیں، اس اعتبار سے اس کی بیسیوں اقسام بیان کی جاسکتی ہیں لیکن راقم کے خیال میں جس طرح قلم کی دو عمومی قسمیں بیان کی جاسکتی ہیں: (۱) قلمِ اعلیٰ اور (۲) قلمِ اسفل اسی طرح مکتوب کی بھی دو قسمیں متعین کی جاسکتی ہیں: (۱) علمی و اصلاحی مکتوب اور (۲) خالصتاً دنیوی، تجارتی یا تخریبی مکتوب۔ لیکن ان دونوں قسموں کے مکاتیب کے مطالعہ میں یہ فائدہ ضرور ہے کہ ان سے صاحبِ مکتوب کی شخصیت نگاری اور سوانح نگاری کے وافر اور بیش بہا مواد ضرور مل جاتے ہیں۔

جہاں تک مکاتیب کے اسلوب و زبان کا تعلق ہے اس کے متعلق علماء و ناقدینِ ادب کا یہ خیال ہے کہ مکاتیب کی زبان سادہ اور آسان اور روزمرّہ ہونی چاہئے کیونکہ سلاست و روانی مکتوب کا حسن ہے۔ بشرطیکہ اس میں تصنع کا عمل دخل نہ ہو۔ لہٰذا جن مکاتیب میں سادگی و سلاست کا عنصر نہ ہو، ان کو خطوط کی فہرست میں شامل کرنا ناقدانِ ادب کے نزدیک ایک عملِ نازیبا ہے، مثلاً نیاز فتحپوری اور ابوالکلام آزاد کے خطوط کے متعلق بعض ناقدینِ ادب کا خیال ہے کہ یہ خطوط سے زیادہ ادبی مقالے ہیں۔

مکتوب نگاری کی ابتداء کب سے ہوئی؟ تاریخ انسانی اس پر خاموش ہے؟ اسلئے اس کا مستند جواب تو ممکن نہیں۔ البتہ قرآنِ حکیم کے اس اعلان کے بموجب:

''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' (البقرۃ:۲:۳۱)

(اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے)

یہ بات طے شدہ ہے کہ ''قلم'' اس کی افادیت اور اس کے طریقہ استعمال کا علم سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فطرت میں ودیعت کردیا گیا تھا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہٗ السامی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ سیدی عبدالعزیز ابن مسعود باغ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی تصنیف ''ابریز'' کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس کلامِ نورانی واعلامِ ربانی ایمان افروز کفران سوز کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کے دو نام ہیں: ''علوی'' و ''سفلی''۔ ''سفلی'' نام تو مسمّیٰ سے ایک گونہ آگاہی دیتا ہے اور ''علوی'' نام سنتے ہی یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مسمّیٰ کی حقیقت و ماہیت کیا ہے اور کیونکر پیدا ہوا اور کاہے سے بنا اور کس لئے بنا۔ سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام اشیاء کے یہ علوی نام تعلیم فرمائے گئے جس سے انہوں نے حسبِ طاقت وحاجتِ بشری اشیاء جان لیں، اور یہ زیرِ عرش سے زیرِ فرش تک کی تمام چیزیں ہیں۔''[۱۱]

لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کی فطرت میں لوح وقلم اور کتابت وکتاب کا عرفان روزِ پیدائش سے ودیعت فرمادیا۔ چنانچہ جب سے حضرت انسان نے بولنا سیکھا اور جب سے اعجازِ قلم نے اسے درختوں کے پتوں، پیڑ کی چھالوں اور جانوروں کی ہڈیوں اور پہاڑوں کی چٹانوں پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے کا شغل سکھایا، اس وقت سے ایک دوسرے کے ساتھ پیغامِ محبت کا تبادلہ اور خطوط نویسی کا آغاز ہوا اور یہی آغاز فروغِ علم ودانش کا باعث ہوا۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر صحف کا اترنا، مثلاً ''صحفِ ابراہیم وصحفِ موسیٰ علیہما السلام'' کا نزول بھی فروغِ علم بالقلم کا محرک بنا۔ قرآن مجید فرقانِ حمید میں صحفِ انبیاء علیہما السلام کے علاوہ خود قلم وقرطاس، اس سے لکھنے لکھانے اور مکتوب نگاری کا بھی ذکر موجود ہے۔

۱۔ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ (العلق:۹۶:۴)

(اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔)

۲۔ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ ○ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ (النمل:۲۷:۳۰)

''وہ عورت بولی اے سردارو! بیشک میری طرف ایک عزت والا خط ڈال دیا گیا۔ بیشک وہ سلیمان (علیہ السلام) کی طرف سے ہے۔ اور وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا (ہے)۔''

۳۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ کِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ (الانعام:۶:۷)

''اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے جب بھی وہ کہتے کہ یہ نہیں مگر کھلا جادو۔''

ترمذی شریف میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سب سے اول اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا کہ لکھ! قلم نے عرض کیا، کیا لکھوں؟ ارشاد فرمایا، تقدیر کو لکھ۔ چنانچہ قلم نے ہر وہ چیز لکھ دی جو گزر گئی اور آئندہ کبھی بھی ہونے والی ہے۔''[۱۲]

غرض یہ کہ مکتوبات نگاری مقدس شخصیات کا پاکیزہ عمل رہا ہے، قرآن وسنت اس پر ناطق ہیں بلکہ تمام سابقہ کتبِ منزلہ وصحفِ مُطہّرہ بھی اس پر دلیل وبرہان ہیں۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مکتوباتِ کریمہ سے تبلیغِ دین، تعلیم وتعلّم اور نفوس کے تزکیہ کا کام لیا اور اس کے معجز نما ثمرات مرتب ہوئے۔ ان کے دوامی اثرات جریدۂ تاریخِ عالم میں ثبت ہیں۔ تاریخِ اسلام میں آغاز سے ہی اس کا پتہ چلتا ہے۔ آقا ومولیٰ سید عالم ﷺ نے اپنے چہارگانہ فرائض ووظائفِ نبوت: تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس، تعلیم الکتاب، تعلیمِ حکمت کی بجا آوری کے لئے اپنے مکتوباتِ شریفہ کو دیگر ذرائع ابلاغ کی طرح بطور آلہ استعمال فرمایا ہے جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ آقا ومولیٰ معلم کائنات ﷺ کے متعدد مکاتیبِ گرامی احادیث وسیرت کی کتب میں محفوظ ہیں جن کے بعض مجموعے کتابی صورت میں منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ مکاتیبِ نبوی عموماً حسبِ ذیل اجزاءِ ترکیبی پر مشتمل ہیں:

۱۔ ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

۲۔ بحیثیت مرسل رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی مع ضروری صفات اور کوئی ایسا لفظ جس سے من جانب کا مفہوم ادا ہوتا ہو۔

۳۔ مکتوب الیہ کا نام مع لقب۔

۴۔ امن وسلامتی کا مفہوم ادا کرنے والا فقرہ۔

۵۔ پرزورشستہ الفاظ میں مختصر مگر جامع مضمون۔

۶۔ آخر میں مہرِ رسالت۔

پیغامِ نبوی کی خصوصیات: رحمۃ للعالمین ﷺ کے خطوط میں طوالتِ بیان، عبارت آرائی، تکلف وتصنّع اور لفظ و بیان کی نمائش کے بجائے سادگی، حقیقت پسندی، بے تکلفی اور اختصار کا طرز نمایاں ہے۔ ان میں پیغمبرانہ امانت وصداقت کے انتہائی عزم و یقین کے ساتھ حق کی دعوت ہے، اصولِ دین کی تبلیغ ہے، سیاسی اور معاشرتی معاہدے ہیں جن سے عہدِ نبوی کی سیاسی تاریخ واضح ہوتی ہے، مقبوضہ املاک کی بحالی کا وعدہ ہے، اسلام کے احکام ومصالح اور تشریعی مسائل وغیرہ امور کا ذکر ہے۔

مکتوباتِ نبوی کے ایک ایک لفظ سے مخاطب کے لئے دردمندی اور خیر اندیشی کے دلی جذبات مترشح ہوتے ہیں، ان کا اندازِ بیان از دل خیزد، بردل ریزد کی آپ اپنی مثال ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زمانے کے انقلابات اور لیل ونہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود ان میں آج بھی وہی نورِ ہدایت اپنی پوری تابناکی اور رعنائی کے ساتھ جلوہ آرا ہے جس نے چودہ سو سال پہلے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کردیا تھا۔

مکتوباتِ نبوی میں جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے وہ چار مشہور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے تھے، مشرکینِ عرب، عیسائی، یہودی اور زرتشتی (مجوسی)۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مکتوب گرامی اہلِ سندھ کی جانب بھی ارسال فرمایا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ لوگ مشرف باسلام ہوکر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ [۱۳]

آپ نے شاہانِ وقت اور اپنے دور کے "سپر پاور" مانے جانے والے ممالک کے سربراہان کو اپنے مکتوباتِ شریفہ کے ذریعہ دعوتِ اسلام دی جن کے تاریخِ عالم پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ قتل و غارت گری اور دہشت گردی سے انسانیت کو چھٹکارا ملا اور امن وسلامتی کا دور شروع ہوا۔

اسلام کی بعثت سے قبل دیارِ عرب میں خط لکھنا ایک پیشہ تھا اور اس پیشے سے تعلق رکھنے والے کو "کاتب" کہا جاتا تھا۔ مشہور و معروف عربی قصائد "المعلقات السبعة" لکھ کر کعبہ شریف کی دیوار پر لٹکائے گئے تھے جو تقریباً ڈیڑھ سو برس تک لٹکے رہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد چونکہ معلمِ کائنات ﷺ نے تعلیم وتعلّم اور کتابت کو عام کرنے کا حکم صادر فرمایا، اس سے فنِ مکتوب نگاری کو کافی ترقی ہوئی۔ (جیسا کہ گذشتہ سطور میں ذکر کیا گیا) خود آقا ومولیٰ سید عالم ﷺ کے بہت مکاتیبِ شریفہ تاریخ نے محفوظ کرلئے جن کی تعداد بعض محققین نے تقریباً دوسو پچاس بتائی ہے۔ [۱۴]

آپ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت نے بھی مکتوب نگاری کی سنّت کو جاری رکھا اور بذریعہ مراسلت احکام وفرامین کا اجراء کرکے عاملینِ حکومت، مجاہدینِ اسلام اور مبلغینِ دین کی راہنمائی فرماتے رہے۔ خلفائے راشدین مہدیین نے اس سنتِ نبوی پر عمل پیرا ہوکر روز افزوں وسیع سے وسیع تر ہونے والی مملکتِ اسلامیہ میں دور رس فلاحی، معاشی اور سیاسی اصطلاحات کیں جس کے ثمرات رہتی دنیا تک محسوس کئے جاتے رہیں گے۔ خط ذوالعقول کو لکھے جاتے ہیں لیکن خلیفۂ ثانی فاروقِ اعظم سیدنا عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک غیر ذوالعقول دریائے نیل، مصر، کو خط انسانی اور مکتوب نگاری کی تاریخ کا حیرت انگیز واقعہ ہے۔ یہاں ہی کے اس مکتوب گرامی کی کرامت ہے کہ دریائے نیل خشک ہوجانے کی بیماری سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگیا۔ راقم نے سفر قاہرہ کے دوران دریائے نیل کو دیکھا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اب دریا کے بجائے ایک سمندر میں تبدیل ہوگیا ہے تو بے جانہ ہوگا۔ بڑے بڑے بحری جہاز اس میں گشت کرتے نظر آتے ہیں۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے میں خط لکھنے کے لئے کاتبین مقرر کئے گئے۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد میں اس فن کو کافی عروج حاصل ہوا۔ دوسری صدی ہجری میں حضرت امام

مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکاتیب خلیفہ ہارون الرشید کے نام اور امام لیث کے مکاتیب امام مالک کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مکتوب نگاری میں مشق اور دسترس حاصل کرنے کے لئے بہت سی کتابیں اور نمونے کے مکاتیب شائع کئے گئے ان میں ابوبکر خوارزمی کے رسائل ''مقاماتِ بدیع الزماں ہمدانی'' اور ابومحمد القاسم الحریری کے ''مقاماتِ حریری'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۵

اَعلَم و مُعلِّمِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی مکتوب نگاری کی سنتِ مبارکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد تابعین، تبع تابعین اور ہر دور کے ائمہ، علماء اور اولیائے کرام میں جاری و ساری رہی۔ انہوں نے اپنے مکاتیب سے تبلیغِ اسلام، اصلاحِ احوال اور تزکیۂ قلوب کا کام لیا۔ علماء وصوفیاء میں امام غزالی قدس سرہٗ کے مکاتیب سے قبل کسی جامع مجموعۂ مکاتیب کا پتا نہیں چلتا ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں ویلمی، ساسانی، غزنوی اور سلجوقی سلاطین کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ اس دور میں علم و ادب (عربی، فارسی) کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ فنِ مکتوب نگاری میں بھی ترقی ہوئی۔ اس دور کے علماء وادباء میں اپنے مکاتیب کو جمع وتدوین کرنے کا ذوق پیدا ہوا۔ ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد شریف کی تباہی کے بعد جب خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ ہوا، غیر عرب (عجمی) مسلم سلطنتیں، ایران، افغانستان، ممالک ماوراء النہر میں قائم ہوئیں۔ اس دور میں فارسی انشاء پردازی کو فروغ پانے کا موقع ملا۔ اس دور کے علماء میں صابی، صاحب اور عماد کاتب سے لے کر ''مثل السائر'' کے مصنف ابن عبد الکریم تک متعدد ایسے نامور انشاء پرداز گذرے ہیں جن کے مکتوبات اور مجموعۂ مراسلت ادب کے بیش بہا سرمایہ تصور کئے جاتے ہیں۔

برصغیر پاک وہند کے مسلمان سلاطین کے دور میں شاہی دربار کے علماء وادباء میں ''آئینۂ اکبری'' کے مصنف اور مغل بادشاہ اکبر کے درباری نورتن ابوالفضل کے (فارسی) مکتوبات کو جو تاریخی اہمیت حاصل ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ فارسی زبان میں صوفیانہ مکتوب نگاری کی ابتداء ہندوستان کے اول مسلم سلاطین کے دور سے ہی ہوتی ہے۔ حرمین شریفین، جامعہ از ہر قاہرہ ملک شام، عراق، ماوراء النہر، ترکی کے علمی، دینی اور روحانی مراکز سے دوری کی بناء پر صوفیائے کرام اور علمائے عظام نے دینی اور اخلاقی تعلیم کے فلسفہ اور تصوف کے آداب و رموز ونکات کی تشریح وتعبیر، تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کے ابلاغ کے لئے مکتوب نگاری کو ذریعہ وآلہ بنایا جس کے معاشرے پر نہایت اچھے اور دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ کشمیر سے لے کر راس کماری تک اور زاہدان (بلوچستان) سے لے کر آسام وبرما کے پہاڑوں تک اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔

برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اور مکاتیب محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق قادری محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کی اثر پذیری اظہر من الشمس ہے۔ دورِ اکبری و جہانگیری میں ہزاروں کی اصلاح ہوئی اور وہ مومنِ صادق بنے۔ ہزارہا افراد قشقہٗ و دیر سے تائب ہوکر داخلِ اسلام ہوئے اور ایک خدا، ایک رسول اور ایک حرم کی طرف متوجہ ہوئے۔ بحمد اللہ آج تک ان مکاتیب کا فیض جاری و ساری ہے، بزرگانِ کرام اور صالحینِ امت ان مکاتیبِ مبارکہ سے تزکیۂ قلوب اور اصلاحِ معاشرہ کا کام لیتے رہے ہیں اور لے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ العزیز کے ''مکتوباتِ صدی''، ''مکتوباتِ دوصدی'' اور ''مکتوباتِ بست وہشت'' کی بھی ایک تاریخی، دینی، علمی اور روحانی اہمیت ہے۔ یہ انشاء پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ بلاتکلف خلوص کے ساتھ لکھے گئے ہیں جس کا صرف ایک مقصد تھا کہ بندے کا رشتہ اللہ سے جوڑ دیا جائے۔ ان کے علاوہ حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر سمنانی، حضرت عبد القدوس گنگوہی، حضرت رشید الدین فضل اللہ، حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی، حضرت منیر لاہوری، حضرت میر سید علی ہمدانی، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی قدست اسرارہم کے مکتوبات وملفوظات نے بھی اپنے اپنے دور میں اصلاح معاشرہ، رشد و

ہدایت، تزکیۂ نفوس اور سالکانِ راہِ طریقت کی رہبری و رہنمائی میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اسلوبِ نگارش کی دل پذیری اور ادبی محاسن کی بناء پر ہر دور کے اربابِ علم و دانش کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ صوفیائے کرام کے علاوہ ہندوستان کے سلاطین و بادشاہان میں بھی بعض ایسی صوفی منش اور اہلِ علم شاہی شخصیات گذری ہیں جن کے مکاتیب مذکورہ خصوصیات کے حامل اور اس چمن کے سدا بہار پھول ہیں۔ مثلاً اورنگ زیب عالمگیر کے ''رقعات''۔

اردو میں مکتوب نگاری کی باقاعدہ ابتداء کا سہرا مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ (دسمبر ۱۷۹۷ء۔ ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء) کے ماتھے ہے۔ اس سے قبل کے اردو شعراء و ادباء متقدمین کے خطوط کا پتہ نہیں چلتا۔ ادبی محاسن کے اعتبار سے مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے خطوط کو خاص شہرت حاصل ہوئی۔ وہ اپنے مکاتیب کے بارے میں خود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ:
''میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔'' [۱۶]

ان کے خطوط کے مرتبین و ناقدینِ فن نے ان کے اندازِ نگارش کی بہت سی خصوصیات گنائی ہیں لیکن ممتاز ترین خصوصیت بے تکلفی و سادگی بتائی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ غالب نے اردو مکتوب نگاری کو نیا رنگ اور نیا ڈھنگ بخشا، اس طرح وہ جدید اردو مکتوب نگاری کے بانی ہیں۔ مرزا غالبؔ کے مکاتیب کے متعدد مجموعے: عودِ ہندی، اردوئے معلیٰ (حصہ اول، حصہ دوم)، نادر خطوطِ غالبؔ، مکاتیبِ غالبؔ، نادراتِ غالبؔ، خطوطِ غالبؔ اور غالبؔ کے خطوط وغیرہ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ [۱۷]

غالبؔ کے بعد خطوط کو لکھنے اور انہیں محفوظ کرنے کی ایک روایت کا آغاز ہوتا ہے، جس نے اردو زبان و ادب کے فروغ پر مثبت اثرات ڈالے۔ جن بعض اہم علمی و ادبی شخصیات کے مجموعے کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آئے، ان کے نام یہ ہیں:

سر سید احمد خاں، حالیؔ، نواب محسن الملک، امیر مینائی، اکبر الہ آبادی (عنایت نامے)، شبلی نعمانی، احمد رضا خاں، سید سلیمان ندوی، عبد الماجد دریا آبادی، خواجہ حسن نظامی، نواب مرزا خاں داغؔ دہلوی، ڈاکٹر محمد اقبالؔ، نیاز فتحپوری، مہدی افادی، مولوی عبد الحق، رشید احمد صدیقی، ابو الکلام آزاد، ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی وغیرہم۔

۱۴ رویں صدی ہجری (انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی) مسلمانوں کے دورِ انحطاط کی عکاس ہے۔ لیکن ان دو صدیوں میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان بعض ایسی مشاہیر شخصیات نے جنم لیا جن کے افکار و خیالات اور نگارشات و مکاتیب نے دینی، علمی، ادبی، تعلیمی، سیاسی اور معاشی میدانوں میں مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ بطریقِ احسن انجام دیا اور دورِ جدید کے تقاضوں اور مہمات سے نبرد آزما ہونے کے لئے قرآن و حدیث اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وقت و حالات کے مطابق بہترین لائحۂ عمل اور متبادل منصوبے پیش کئے۔ ان مشاہیر میں امام احمد رضا محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۸۵۶ء۔ ۱۹۲۱ء) کی شخصیت سب سے نمایاں اور امتیازی خصوصیت کی حامل نظر آتی ہے۔

آپ کے علمی، دینی اور روحانی کمالات کا شہرہ آپ کی نوجوانی میں ہندوستان کے افق سے نکل کر عالمِ اسلام کی فضاؤں تک پہنچ گیا تھا۔ غیر منقسم ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے اہلِ علم و عرفان اور تشنگانِ علم آپ سے ملاقات اور کسبِ فیض کے لئے آپ کی بارگاہ میں کشاں کشاں آتے۔ حرمین شریفین اور بلادِ عرب، مصر، شام، الجزائر وغیرہ کے اکابر علماء آپ سے شرفِ بیعت اور علومِ اسلامیہ وعقلیہ ونقلیہ، قدیمہ و جدیدہ میں سند حاصل کرنے کو اپنے لئے باعثِ افتخار و برکت جانتے۔ جو بالمشافہ ملاقات نہیں کر سکتے وہ بذریعہ مراسلت آپ سے استفسارات کرتے اور دینی، علمی، تحقیقی، سیاسی اور عملی زندگی اور دیگر معاشرتی امور میں رہنمائی حاصل کرتے۔ بڑے بڑے مفتیانِ کرام حتیٰ کہ مفتیانِ حرمین شریفین فقہی اشکال اور جدید مسائل میں آپ کی نگارشات سے استفادہ کرتے۔ آپ کے ان تجدیدی کارناموں اور فقہ میں اہم فیصلوں کے پیشِ نظر حرمین شریفین، طرابلس، شام، جامعہ ازہر وغیرہ کے بعض

جید علماء اور برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے سیکڑوں علمائے ربانیین اور مفتیانِ فحول نے آپ کو چودہویں صدی ہجری کے مجدد کے لقب سے نوازا۔ دنیا بھر، ہندوستان، برہما، چین، افغانستان، سری لنکا، حرمین شریفین، بلادِ عرب، شام و مصر و طرابلس، افریقہ، امریکہ، انگلستان وغیرہ سے آپ کے ساتھ مراسلت کے ہجوم کار کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ایک دن میں بیک وقت پانچ، پانچ سو خطوط جمع ہوجایا کرتے تھے۔ گویا آپ مسلمانانِ عالم کے مرجع تھے۔ [۱۸]

جہاں معاصر علمائے عالم نے آپ سے بذریعہ مراسلت اکتسابِ فیض کیا وہاں برصغیر کے لاکھوں پڑھے لکھے (علماء، مشائخ، یونیورسٹی اور کالج کے اساتذہ، وائس چانسلر، وکلاء، جج صاحبان) اور نیم خواندہ مسلمانوں نے خط و کتابت کے ذریعہ آپ سے استفسارات کا سلسلہ جاری رکھا۔ بایں ہمہ کثرتِ کار اور علمی و دینی و تصنیفی مشغولیات، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے کسی عامی کے بھی خط اور استفسار کا جواب نہ دیا ہو، یا اس کے جواب میں بلا جواز تعویق اختیار کی ہو۔ مزید یہ کہ جس نے جس زبان یا صنفِ ادب میں سوال کیا آپ نے اسی زبان اور صنفِ ادب میں جواب دیا۔ اردو، عربی، فارسی، منثور و منظوم ہر طرح کے مکتوب دیکھنے میں آتے ہیں۔

آپ کے مکاتیب میں موضوعات کا تنوع کثرت سے ملتا ہے۔ قرآن و حدیث، فقہ، آثار و سِیَر، سلوک و تصوف، صرف و نحو، شعر و سخن، فلسفہ و سائنس، ریاضیات و فلکیات، دورِ جدید کے معاشی و سیاسی مسائل، غرض کہ سو سے زیادہ علوم و فنون اور موضوعات پر آپ کے کمالِ دسترس کے نمونے ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے مکتوب کے مخاطبین میں وہ حضرات بھی نظر آتے ہیں جو کسی ایک فقہی مسئلہ میں بھٹکے ہوئے ہوں یا اعتقادی گمراہی یا ناہمواری کے راستے پہ چل نکلے ہوں۔ اسی طرح عبدالوہاب نجدی کی تحریکِ وہابیت کے مسموم اثرات کی زد میں آکر جو لوگ دینی و فکری گمراہی کا شکار ہوگئے بالخصوص شاہ اسماعیل دہلوی قتیلِ بالاکوٹ (م م ۱۸۴۲ء) کے متبعین اور معتقدین: ان کو متنبہ کرنے اور افہام و تفہیم کے ذریعہ انہیں مرکزِ عشق و ایمان سیدِ انس و جان محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کی عظمت و شان کو دل و جان سے تسلیم کرانے اور اللہ جل شانہٗ کی اس ''سرتا بہ قدم'' شان ہستی کا احترام بجالانے کی طرف آپ نے اپنے مکاتیب کے ذریعے بار بار توجہ دلائی اور قبولِ حق کی دعوت دی۔ لیکن برسوں مراسلت کے بعد بھی بعض معاندین کی طرف سے پیہم انکار اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا گیا تو آپ نے برملا حکمِ شرع سنا کر ایک طرف تو دعوت و تبلیغ کی حجت تمام کی اور دوسری طرف، اور یہ تجدید و احیائے دین کے اعتبار سے آپ کا بہت اہم کارنامہ ہے، عامۃ المسلمین کے لئے ان معاندین کے مسموم اثرات سے مغلوب ہوجانے کا سدِ باب کر کے ان کے ایمان اور عقیدۂ صالحہ کی حفاظت کا فریضہ بطریقِ احسن انجام دیا۔ امام احمد رضا نے بارگاہِ الٰہی اور شانِ رسالت میں گستاخانہ عبارات کی اشاعت کی بناء پر نجدی و اسماعیلی نظریات سے متاثر جن علماء کی گرفت فرمائی، ان کے نام یہ ہیں:

مولوی محمد قاسم نانوتوی (م م ۱۲۹۷ھ)، مولوی رشید احمد گنگوہی (م م ۱۳۲۳ھ)، مولوی اشرفعلی تھانوی (م م ۱۳۶۲ھ)، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (م م ۱۳۴۶ھ) اور مرزا غلام قادیانی (م م ۱۹۰۸ء)۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی نگارشات کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کرنے والے اہلِ علم و فن پر یہ حقیقت ضرور واضح ہوگی کہ آپ کے فتاویٰ (جو جدید تحقیق، ترتیب و تخریج و تحشی کے ساتھ اب تیس مجلدات میں شائع ہوچکے ہیں)، رسائل، تالیفات و ملفوظات وغیرہ اور اکثر دیگر علمی و فنی تصانیف کسی نہ کسی استفسار کا جواب ہیں۔ انہیں مکاتیب کے ذخیرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن استفتائی یعنی فتویٰ والے خط اور عام مراسلتی مکتوب کے درمیان زبان و بیان، اسلوبِ نگارش، موضوعات، ہیئت اور مکتوب الیہ و مکتوب منہ کے خیالات و خطابات کے اعتبار سے بیّن امتیازات ہیں جو اہلِ فن پر مخفی نہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ''کلیاتِ مکاتیبِ رضا'' (جلد اول) مرتبہ علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی، صفحہ ۲۵ تا ۲۷ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی مجموعۂ

مکاتیبِ رضا اس وقت راقم کے پیشِ نظر ہے۔

یہ مجموعۂ مکاتیب پہلی بار ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء میں دارالعلوم قادریہ صابریہ برکاتِ رضا، کلیر شریف (یوپی، انڈیا) کی جانب سے شائع ہوا (اور اب دوسری بار جلد دوم کے ساتھ بحرالعلوم اکیڈمی، لاہور اور مکتبۂ نبویہ، لاہور کی مشترکہ کوششوں سے پاکستان سے بھی شائع ہوا ہے)۔

کلیاتِ مکاتیبِ رضا کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اس کتاب میں خطوط حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیئے گئے ہیں، تاریخ وار نہیں۔

۲۔ جلد اول، 'الف' تا 'ظ' تک کے خطوط پر مشتمل ہے جبکہ جلد دوم، 'عین' سے 'ی' تک کے خطوط پر مشتمل ہے۔

۳۔ بقول مرتب، کلیاتِ مکاتیبِ رضا کی دونوں جلدوں میں کُل تین سو خطوط ہیں جبکہ زیرِ نظر مجموعہ (جلد اول) ایک سو چھپن خطوط پر مشتمل ہے۔

۴۔ مرتب موصوف نے ان تین سو مکاتیبِ رضا کے حصول و جمع کے لئے بڑی محنت و مشقت اٹھائی اور جدوجہد کی ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے متعدد شہروں کے کئی ماہ کے سفر کئے، متعدد معروف لائبریریوں اور مشہورِ زمانہ علماء و محققین کی ذاتی لائبریریوں کو کھنگالا، اخبارات و جرائد کی قدیم و بوسیدہ فائلوں کی ورق گردانی کی۔ ان خطوط کے مآخذ درج ذیل ہیں:

(الف) مختلف ادوار میں شائع شدہ مجموعۂ مکاتیبِ رضا، جن میں سے بعض نایاب تھے، اور یہ کُل بارہ ہیں۔

(ب) قدیم جرائد و رسائل و اخبارات میں شائع شدہ خطوط، جن کے لئے گذشتہ تقریباً سو سال تک کے متعلقہ جرائد و اخبارات کی فائلوں کی ورق گردانی کرنی پڑی۔

(ج) فتاویٰ رضویہ کی ۱۲ قدیم ضخیم مجلدات میں شائع شدہ بشکلِ استفسارات خطوط۔

(د) نجی لائبریریوں اور امام احمد رضا کے خلفاء، تلامذہ اور متوسلین علماء کے خانوادوں سے حاصل شدہ مخطوطہ کی شکل میں مطبوعہ/ غیر مطبوعہ مکاتیب۔

(ر) مرتب علام ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی نے یہ تمام مکاتیب اپنی پی۔ ایچ۔ ڈی تھیسس بعنوان "امام احمد رضا کی مکتوب نگاری" کی تیاری کے سلسلہ میں جمع کئے۔

زیرِ نظر مجموعۂ مکاتیبِ رضا (جلد اول) کی ابتداء میں صاحبِ مکتوبات کے عنوان سے دس صفحات پر مشتمل ایک طویل مقدمہ بھی شاملِ اشاعت ہے جو آج سے تقریباً ۲۰ سال قبل (۱۹۸۶ء میں) ایک مجموعۂ مکاتیب امام احمد رضا میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مقدمہ کی بطور "قندِ مکرر" اشاعت کی کوئی وضاحت کسی جگہ موجود نہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس اہم اور نادر مجموعۂ مکاتیب پر اس کی تاریخی، دینی اور ادبی اہمیت کے پیشِ نظر نقد و نظر کے ساتھ ایک محققانہ مقدمہ لکھا جاتا۔ اس طرح دینی، علمی اور ادبی حلقے "کلیاتِ مکاتیبِ رضا" کے مطالعے اور اس پر تحقیق کی طرف راغب ہوتے اور اردو ادب میں انشاء پردازی کے حوالے سے نئے گوشہ سامنے آتے۔

امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کی ابتداء اس دن سے ہوتی ہے جب آپ نے ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں تیرہ سال، دس ماہ اور چار دن کی نازک سی عمر میں مسندِ افتاء کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ امام صاحب کے شروع کے بارہ برسوں ۱۲۸۶ھ تا ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۶۹ء تا ۱۸۸۱ء کے مکاتیب و فتاویٰ جمع نہ کئے جا سکے ورنہ اس کم عمری میں مکتوب نگاری کے حوالے سے آپ کی انشاء پردازی کے جوہر بھی کھل کر سامنے آتے[۱۹]۔ جب امام احمد رضا نے تصنیف و تالیف اور مکتوب نگاری شروع کی تو یہ وہ دور تھا جب اردو نثر کے دو مستقل اسلوب موجود تھے:

.........ایک سادہ اور عام فہم اسلوب جس کی مثال میں عام طور پر فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) کی کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں جو ڈاکٹر گلکرائسٹ کے زیرِ اہتمام شائع ہوئیں۔ اس سادہ اور عام فہم اسلوبِ

تحریر کا ایک نمونہ انشاء کی ''دریائے لطافت'' ہے۔

.........دوسرا مقفّٰی و مسجع اور مغلق اسلوبِ تحریر جو اس دور کے عام اہلِ علم و قلم کے نزدیک عالمانہ انداز تھا۔ معمولی معمولی باتوں کو تشبیہوں اور استعاروں کی زبان میں مقفّٰی و مسجع عبارات کے سانچے میں پیش کیا جاتا تھا۔ دراصل یہ فارسی زبان کے اس اسلوبِ نگارش کا پرتَو تھا جو صدیوں سے ہندوستان میں رائج چلا آرہا تھا۔ چونکہ سرکاری زبان فارسی تھی لہٰذا اسی اسلوب کو اپنانا علمیت کا اظہار سمجھا جاتا تھا۔

امام احمد رضا کی انشاء پردازی کی خصوصیات:

امام احمد رضا کے مکاتیب کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو مذکورہ دونوں ہی رنگ نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جیّد عالم، مفسر، محدث، فقیہِ بے بدل، علومِ قدیمہ و جدیدہ عقلیہ و نقلیہ کے بحرِ بے کراں، اردو، ہندی، فارسی اور عربی زبانوں پر یکساں دست رس رکھنے والے تھے۔ اردو کی طرح عربی و فارسی نثر و نظم میں ان کی مشاقی اوجِ کمال پر تھی۔ بیان و نگارش کے محاسن ان کے دل و دماغ میں رچ بس چکے تھے۔ لہٰذا ان کی مکتوب نگاری میں انشاء پردازی کی دونوں ہی خوبیاں جمع ہیں۔ ادب میں یہ مقامِ بلند ہر صاحبِ تحریر اور ہر اہلِ قلم کو میسر نہیں آتا۔ امام احمد رضا کی انشاء پردازی، زبان کی لطافت، الفاظ کی موزونی، بیان کے حسن اور تراکیب کی دل آویزی سے مملو ہے۔ لفظوں کو جوڑ کر فقرے تیار کر لینا یا پیشِ نظر مطالب کو الفاظ کو جامہ پہنا دینا کوئی مشکل امر نہیں، لیکن لفظوں، محاوروں اور روزمرہ کی معنویت کے دقائق کا صحیح ادراک کرتے ہوئے ان کا برمحل استعمال ہی اصل انشاء پردازی کا کمال ہے۔ اس تناظر میں جب ہم امام موصوف کی مکتوب نگاری کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے اندازِ نگارش کی درج ذیل ممتاز ترین خصوصیات محسوس کی جاسکتی ہیں۔

ا۔ بے تکلفی، سادگی اور سلاست:

امام احمد رضا کی طرزِ نگارش کی ایک ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو کچھ لکھتے ہیں، برجستہ لکھتے ہیں، قلم برداشتہ لکھتے ہیں، بے تکلف لکھتے ہیں۔ ان کے خطوط کا مطالعہ کرتے وقت یہ کہیں احساس نہیں ہوتا کہ الفاظ کے انتخاب اور مطلب کی تلاش و جستجو میں انہیں محنت کرنی پڑی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ مطالب کا جامہ پہنے قطار در قطار خود بخود چلے آرہے ہیں۔ گویا ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ ہے جو فوّارے کی مانند امنڈتا چلا آرہا ہے اور چشمِ تمنائی کو طراوت اور قلبِ محزوں کو مسرت بخشتا چلا جارہا ہے۔ آپ کے مکاتیب ''آورد'' کی تکالیف سے پاک اور ''آمد'' کے تسلسل کا نمونہ اور بے تکلفی اور رسمِ راہ سے علیحدگی کا بہترین مرقع ہیں۔ اگر مثالیں پیش کی جائیں تو مکاتیب کے ایک بڑے حصہ کو یہاں دہرانا ہوگا، تاہم چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

(الف) اپنی ناسازیٔ طبع کی وجہ سے ۱۹۱۸ء کی المنک منگوانا بھول گئے، بعد میں یاد آئی تو اپنے شاگردِ عزیز مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ سے اس کے بھیجنے کے لئے تاکید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۲۲؍ذی قعدہ سے آج ۲۲؍ربیع الاول شریف تک کامل چار مہینے ہوئے کہ سخت علالت اٹھائی، مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، جمعہ کے لئے لوگ کرسی پر بٹھا کر لے جاتے اور لے آتے، ۱۱؍محرم شریف سے بارے حاضری کا شرف پاتا ہوں، لوگ بازو پکڑ کر لے جاتے ہیں، نقاہت وضعف اب بھی بشدت ہے، دعا کا طالب ہوں، اس بیماری میں المنک ۱۹۱۸ء منگانی یاد نہیں رہی، نومبر میں منگائی، جواب ملا کہ ختم ہوچکی، ۱۵ دن بعد آئے گی جسے ایک مہینے سے زیادہ ہوچکا، شملہ لکھا کہ شاید وہاں ہو، آج وہاں سے بھی جواب آگیا، آپ نے اگر لی ہو تو ۲۰، ۲۵ روز کے لئے بھیج دیجئے مگر فوراً فوراً.........

والسلام بچیوں کو دعا''

ملاحظہ ہوں کس قدر بے تکلف اور سادہ جملے اور جذبات کی کیسی سچی ترجمانی: ''مدتوں مسجد کی حاضری سے محروم رہا، نقاہت وضعف اب بھی بشدت ہے، دعاؤں کا طالب ہوں، ۲۰، ۲۵ روز کے لئے بھیج دیجئے مگر فوراً فوراً''[۲۰]

(ب) اپنے پیرزادے حضرت سید شاہ آلِ رسول محمد میاں

مارہروی علیہ الرحمۃ کو مسائلِ شرعیہ کے ایک استفسار کے جواب کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"امامتِ فاسق کی نسبت علماء کے دو قول ہیں۔ کراہتِ تنزیہہ، کراہتِ تحریم...... اور اس کی توفیق یہ ہے کہ فاسق غیر معلن کے پیچھے مکروہِ تنزیہی اور معلن کے پیچھے مکروہ تحریمی...... جن صورتوں میں کراہتِ تحریم کا حکم ہے صلحاء وفساق، سب پر اعادہ واجب ہے۔" ۲۱

ملاحظہ ہو کہ کس قدر آسان زبان میں مسئلہ سمجھایا اور دینِ متین کی تبلیغ فرمائی بلکہ اسلامی علوم وفنون خصوصاً فقہی مسائل کو سہل اور سادہ انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا۔ قوتِ استدلال کے ساتھ علمی بحث میں مکتوب الیہ کی علمی استعداد کے بموجب زبان و بیان کا انداز بھی پیشِ نظر رہے۔ پھر یہ کہ اس خط کے اس ایک جملہ کے پیچھے شرعی احتیاط اور مسلم معاشرہ کی اصلاح وفلاح کا کیسا قابلِ قدر اور قابلِ اتباع جذبہ کارفرما ہے، ملاحظہ ہو:

"اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں کہ الفتنۃ اکبر من القتل (یعنی فتنہ وفساد قتل سے زیادہ بڑا جرم ہے۔)"

(ج) سادگی اور انکساری کا ایک اور مرقع ملاحظہ ہو۔ اپنے شاگردِ عزیز مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کو ایک خط میں اپنی پچاس سالہ فتویٰ نویسی کی خدمات کا اظہار کس قدر سادہ زبان اور جذبۂ انکساری اور بارگاہِ الٰہی میں احساسِ تشکر کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: ۲۲

"بحمدہٖ تعالیٰ فقیر نے ۱۴؍شعبان ۱۳۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا۔ اگر سات دن اور زندگی بالخیر رہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہوں گے۔ اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کر سکتا ہے۔

احباب سے گزارش ہے کہ اس تاریخ کو جمع ہو کر درود مبارک جو حلقۂ جمعہ میں پڑھا جاتا ہے، خواہ کوئی اور درود سو سو بار پڑھیں اور مجلسِ میلادِ مبارک منعقد کریں تو بہتر اور ربِ عزوجل کی اس نعمت کا اعلان کریں کہ قرآن عظیم میں اعلانِ نعمت کا حکم ہے اور حدیث میں فرمایا، اعلانِ نعمت شکر ہے اور جو کارروائی فرمائیں، فقیر کو اطلاع بخشیں کہ دعائے خیر زائد کریں۔ والسلام"

ان سطور میں یہ بات بھی خاص طور سے توجہ طلب ہے کہ اعلانِ نعمت بجالانے اور شکرِ نعمت ادا کرنے کا کیسا آسان مگر سب سے زیادہ اجر آور طریقہ بھی عوام الناس کی تعلیم اور فلاح کے لئے ارشاد فرمادیا: نعمتِ عظمیٰ سید وسرورِ دوجہاں ﷺ کے ذکر کا چرچا کرو اور درود وسلام کے نذرانے پیش کرو، دنیا کی ہر نعمت کا شکر ادا ہو جائے گا۔ سبحان اللہ!

اللّٰھم صلّ وسلم وبارک علیہ وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ وعلماء ملتہٖ اجمعین۔

۲۔ جدت وتنوع:

جدت امام احمد رضا کے نثری اور شعری کلام کی جان ہے۔ وہ عموماً کوئی بات فرسودہ انداز میں نہیں کہتے۔ انتہا یہ کہ مکتوب الیہ کو نئے نئے طریق پر مخاطب کرتے ہیں، دعائیہ کلمات میں بھی تنوع ہوتا ہے۔ بعض خطوط کی ابتدائی عبارات ملاحظہ ہوں:

(الف) اپنے پیرزادہ مولانا سید اولادِ رسول مارہروی علیہ الرحمۃ کے لئے لکھتے ہیں: "شاہزادۂ خاندانِ برکات، حضرت مولانا مولوی"

ایک اور جگہ یوں مخاطب فرماتے ہیں: "جناب صاحبزادہ والا قدر، مولانا مولوی حضرت بابرکت دامت برکاتہم"

(ب) اپنے ایک خلیفۂ خاص مولانا عبد السلام جبلپوری علیہ الرحمۃ کے لئے لکھتے ہیں: "مولانا مکرم ذی المجد والکرم"۔ کبھی لکھتے ہیں: "عید الاسلام حضرت مولانا مولوی عبد السلام"

(ج) مولانا عرفان علی علیہ الرحمۃ امام احمد رضا کے چہیتے مرید تھے، عمر میں چھوٹے تھے، ان کے لئے کیسے دل آویز القابات لکھے ہیں: "راحت جانم برادر دینی مولوی عرفان سلمہٗ"، "برادر دینی ویقینی سلمہٗ"، "نورِ دیدہ راحت روانِ من" وغیرہم۔

(د) مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ امام موصوف کے شاگردِ خاص، مرید خاص، خلیفۂ خاص اور دار العلوم منظر اسلام کے

اوّل طالب علم، ان کے لئے محبت ومودّت وشفقت اور تعلقِ خاطر کے کیسے اچھوتے زاویوں کا اظہار درج ذیل القابات میں ہوتا ہے:
''حبیبی وولدی وقرۃ عینی'' ''ولدی وزینی وقرۃ عینی'' ''ولد الاعز'' ''ولدی اعزی اعزک اللہ فی الدنیا و الدین'' ''مولانا المکرّم'' ''اے میرے لڑکے! اللہ تعالیٰ قیامت تک تمہاری حفاظت فرمائے اور ہمیشہ تمہیں دین کی کامیابی عطا فرمائے!'' [۲۳]

۳۔ اندازِ مکالمت:

امام احمد رضا کے خطوط میں بعض جگہ غالب کی طرح اندازِ مکالمت بھی جھلکتا ہے۔ مولانا احمد بخش (ڈیرہ غازی خاں) کے نام ایک خط میں بے تکلف اندازِ تکلم ملاحظہ ہو:

''فقیر دعا گو کہ ان ایام میں ردِّ وہابیہ میں پانچ رسائل لکھنے کی ضرورت ہوئی۔ چار بفضلہٖ عزوجل پورے ہوگئے۔ پانچواں لکھ رہا ہوں۔ ان کی شدّتِ ضرورت کے باعث کثیر استفتاء تعویق میں ہیں۔ فضلِ (الٰہی) سے امید کہ اسی ہفتے اس کی تکمیل ہوجائے۔ تاخیرِ عریضہ ضرور ہوئی۔ اس کی معافی اور دعاء عفو وعافیت کا خواہاں ہوں۔ حاشا کہ مسائل سامیہ کو باعثِ تکلیف خیال کروں، ایسا خیال آنے سے جو تکلیف خاطر سامی کو ہوئی اس کی بھی معافی چاہتا ہوں۔ یہ مشتِ استخواں ادھر کس مصرف کا کہ کسی سوالِ مسائلِ دینیہ کو تکلیف جانے؟'' [۲۴]

ایک دوسرے خط میں موصوف مکتوب منہ کو رجم (زنا) کے ایک اہم دینی مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب مولانا المکرّم! اس مسئلہ میں اضطراب کثیر ہے اور وہ جو فقیر کو کتبِ معتمدہ دلائلِ شرعیہ سے تحقیق ہوا، یہ ہے کہ صورتِ ثانی میں ان مرد وزن کا قتل محض حرام ہے۔ فقط آنے جانے، اٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت نے بھی قتل نہ رکھی، نہ اس قدر خلوت کو مستلزم اور حق یہ ہے کہ مجرد خلوت بلکہ دواعی پر بھی شرع مطہرہ نے قتل نہ رکھا اور سیاست کا اختیار غیر سلطان کو نہیں، بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں کل ذلک معلوم من الشرع بلاخفاء لاجرم یہ ناحق قتلِ مسلم ہوا اور وہ سخت کبیرہ شدیدہ ہے اور قاتل پر قصاص عائد۔ صورتِ اولیٰ میں بھی حکم مطلق نہیں بلکہ واجب کہ پہلے زجر وضرب وقہر کریں۔ اگر جدا ہوجائیں تو اب عامہ کو اس کا قتل حرام ہے۔ ہاں! شہادتِ اربع گزریں یا مروجہ شرعی چار مجلسوں میں چار اقرار، تو ان میں جو محصن ہو سلطان اسے رجم فرمائے گا۔'' [۲۵]

ملاحظہ ہو آج کے ''کاروکاری'' اور ''ونی'' کے جو رسم و رواج سرداروں اور چودھریوں نے اپنی مرضی سے بنا رکھے ہیں اور انہیں آڑ بنا کر دیہاتی معاشرہ میں عورتوں کا خونِ ناحق کیا جارہا ہے، امام احمد رضا نے آج سے تقریباً ۸۰/۹۰ سال قبل کتنے آسان اور سادہ الفاظ میں تفہیم کی ہے کہ شرعِ مطہرہ نے سیاست (سزا و تعزیر و حد جاری کرنے) کا اختیار غیر سلطان کو نہیں دیا، بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں۔ جبکہ آج کے بہت سے نام نہاد علماء و مفتیان، غیرت وحمیت اور قبائلی رسم و رواج کی آڑ میں اس بری رسم کو شرعاً جائز قرار دے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد حسین میرٹھی کو ایک خط میں مکالمت کے تیور ملاحظہ ہوں:

''مولانا اکرمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں آپ کا بھلا کرے مجھے فکر تھی کہ آپ کو خط کہاں لکھوں، چند امور گزارش ہیں، ملحوظ رہیں۔

(۱) نقل بہت صحیح ہو اور مقابلہ بہت غور سے ہو، بلکہ دو تین بار مقابلہ ہو تو بہتر ہے۔

(۲) جب تک کتاب نقل ہو، آپ کتاب میں سے مصنف کا نام ونشان دیکھ کر مجھے فوراً لکھ بھیجیں اور اول یا آخر میں کتاب کی تاریخ ہو، تو وہ بھی۔

(۳) امام عینی کی بنایہ شرح ہدایہ جہاں اور جس قیمت کو مل سکے ضرور خرید لیں۔

(۴) مولوی عبدالحی کا فتاویٰ تیسری بار کتبِ فقیہ پر مرتب ہوکر چھپا ہے، وہ بھی لیجئے۔

(۵) جو خط آپ اس کے نام لے گئے ہیں، اس کے قلم سے اس کا جواب کاتبِ خط کے نام لکھوا لیجئے۔

(۶) اس سے کہئے کہ اگر آپ جاتے ہیں، تو مجھے مولوی عبدالباری صاحب یا مولوی محمد یوسف صاحب سے ملا کر نقل کا انتظام کروا دیجئے۔

(۷) اس کا بھی پتہ چلا لیجئے کہ اس شخص نے کہاں کہاں پڑھا ہے، کون کون استاذ ہیں، ساکن کہاں کا ہے، قوم کیا ہے؟

(۸) ان سب کاموں کے لئے جس قدر روپیہ درکار ہو، فوراً لکھئے کہ میں ان شاء اللہ فوراً روانہ کروں،

(۹) جالب ایڈیٹر "ہمدم" کی آپ کی ملاقات ہے۔ وہ بھی عبدالماجد بی۔اے کے اسلام کا حامی ہے جس نے وہ ملعون صریح کلماتِ کفر بکے کہ رسول کا ماننا کچھ ضرور نہیں اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معاذ اللہ مجہول النسب بچہ اور یہ کہ اپنی تعظیم کی آیتیں حضور نے قرآن میں بڑھا لیں وغیرہ وغیرہ۔

میرے فتوے کے خلاف "ہمدم" و "مشرق" نے مضمون دیئے ہیں۔ ان کا جواب لکھا ہوا رکھا ہے۔ اگر آپ کے ذریعہ سے ممکن ہو تو "ہمدم" اپنے روزانہ پرچے میں اسے بتمامہ چھاپ دے، چاہے اس کے بعد اس کی نسبت کچھ بھی لکھتا رہے، تو میں وہ مضمون آپ کو بھجوا دوں۔ والسلام ۷ ۱۳۳۳ھ "[۲۲]

اس خط میں محققین، مصنفین اور ناقلینِ اصل متنِ عبارات کے لئے کس قدر مفید اور جامع ہدایات ہیں اس پر بھی ذرا نظر رہے۔

۴۔ ذات و ماحول:

امام احمد رضا کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ اثناءِ تحریر ذاتی حالات اور ماحول کی جزئیات بے ساختگی کے ساتھ بیان کر جاتے ہیں۔ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ان کی سوانحِ حیات کا ایک منظر نامہ سامنے آ سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ کب اور کتنی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے، کتنے برسوں سے فتویٰ نویسی کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور آباء و اجداد میں کون حضرات کتنی مدت سے یہ فقہی خدمات انجام دیتے چلے آ رہے ہیں، ان کی صحت کے حالات کیسے ہیں، کن کن بیماریوں سے واسطہ ہے، کیا علاج تجویز ہے، آخری عمر میں ضعف کس رفتار سے ترقی کرتا رہا، نظم و نثر کی اصلاح کا طریقہ کیا ہے، ذاتی اور ملکی حالات کیسے جا رہے ہیں، ملکی سیاست کے احوال کیا ہیں، کون کون ان کے سیاسی حریف ہیں، کون لوگ ان کے حلیف ہیں، رات دن کی مشغولیات کیا ہیں اور ان کا کیا حال ہے، اخلاق کیسا تھا، کن کن مقامات کے سفر کئے، عمر کے آخری حصہ میں رمضان کے روزے رکھنے کن شہروں یا قصبوں میں جاتے تھے، قیام کس جگہ ہوتا تھا، قیام گاہ تنگ تھی یا وسیع، ان کے وسائلِ معاش کیا کیا تھے، کن کن لوگوں سے تعلقات تھے، تلامذہ اور خلفاء میں کون کون سی شخصیات اہم تھیں، کن کن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، دینی اور سیاسی امور میں کن کن علماء اور عمائدینِ سیاست سے اختلافات تھے اور اس کی نوعیت کیا تھی، مسجد میں کون کون سی نمازیں با جماعت ادا کرتے تھے، حالتِ بیماری میں نماز کس طرح ادا کرتے تھے، کن کن مقامات پر تبلیغ و وعظ کے لئے جاتے رہے، کون کون سی کتاب تصنیف و تالیف ہوئیں اور موضوعات کیا ہیں، کون کون سے سیاسی معرکے ہوئے، کون کون سے علمی معرکے ہوئے، کن کن اخبارات میں ان کے بیانات اور مضامین شائع ہوتے تھے، غرض ان کی زندگی کا شاید ہی کوئی پہلو ایسا ہو جس کے متعلق ان کے قلم سے معلومات کا گراں بہا ذخیرہ فراہم نہ ہوا ہو، لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب معلومات غیر اختیاری طور پر دورانِ تحریر مکاتیب میں لکھی گئیں، اس میں ان کے قصد و ارادے کا کوئی دخل نہیں۔

مولانا خلیفہ تاج الدین صاحب کے نام ایک خط میں مولانا ظفر الدین بہاری کا تعارف کراتے ہوئے علمِ توقیت کے احیاء کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اب ہند بلکہ عامہ بلاد میں یہ علم علماء بلکہ عامۃ المسلمین سے اٹھ گیا ہے۔ فقیر نے بتوفیقِ قدیر اس کا احیاء کیا اور سات صاحب بنانا چاہے جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی

صعوبت سے چھوڑ کر بیٹھ رہے، انہوں نے بقدرِ کفایت اخذ کیا۔" ۲۷

امام احمد رضا کے عہد میں "علمِ توقیت" کے جاننے والے معدوم ہو رہے تھے اس لئے یہاں انہوں نے صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام بلاد کے حوالے سے بات کی۔ دوسری طرف اس علم کے سیکھنے سکھانے کی طرف رغبت دلائی ہے۔ جہاں انہوں نے اس علم میں اپنی مہارت کی طرف اشارہ کیا ہے وہیں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ مسلمانوں کو ایسے سائنسی علوم کو جن سے دین کی سمجھ میں آسانیاں اور اس پر عمل پیرا ہونے میں سہولیات بہم پہونچتی ہیں، سیکھنا اور سکھانا اہم امر ہے۔

ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ کے ایک خط بنام مولانا برہان الحق صاحب میں کانگریس اور گاندھوی فرقے کے امام الہند ابوالکلام آزاد صاحب کے دو رسالے "خلافت" اور "جزیرۂ عرب" کی بعض عبارات پر امام احمد رضا نے سخت تنقید کی ہے۔ ان کے ردّ میں شائع ہونے والے ایک مختصر رسالہ "نابغ النور علی سوالات جبلفور" کا ذکر کیا ہے۔ ابوالکلام صاحب کو موصوف نے مسٹر آزاد سے خطاب کیا ہے۔ تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے اہم مسئلہ پر ان کے طریقۂ کار سے امام احمد رضا نے سخت اختلاف کیا اور منصبِ نبوت سے متعلق مذکورہ دو رسالوں میں ان کے بعض خیالات و عقائد کا ردّ کرتے ہوئے اسے صراحتاً کفر قرار دیا ہے۔ اس خط کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو: "مسٹر آزاد، حضرت سیدنا مسیح علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے فقط صاحبِ شریعت ہونے سے ہی منکر نہیں بلکہ رأساً ان کی نبوت ہی سے منکر ہیں اور نہ صرف ان کی نبوت بلکہ جملہ انبیائے کرام، حاملانِ توریت وغیرہ کہ صاحبِ شریعتِ جدیدہ نہ تھے، جن کی گنتی اللہ و رسول ہی جانتے ہیں، بحکمِ حدیث شریف ایک لاکھ سے زائد تھے، آزاد صاحب ان سب کی نبوت سے کفر و انکار رکھتے ہیں۔" ۲۷

۱۳ر نومبر ۱۹۱۴ء بروز جمعہ امام احمد رضا کے سگے بھانجے مولانا حافظ واجد علی خاں صاحب انتقال کر گئے اور ان کے تیسرے دن ان کے بھتیجے مولانا مولوی فاروق رضا ابن استاذِ زمن مولانا حسن رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا انتقال ہوا، اس کے تین دن کے بعد ان کے دوست صوفی دلاور حسین خاں صاحب دنیا سے رخصت ہوئے۔ امام احمد رضا نے اپنے ایک مکتوب بنام حضرت مولانا سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمۃ میں اس غم آگیں واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ ۲۸

"فقیر ادھر مبتلائے حوادث رہا۔ شبِ بستم (۲۰) ذی الحجہ، لیلۃ الثلثاء (منگل) بعد مغرب میرے حقیقی بھانجے مولوی حافظ واجد علی خاں مرحوم نے دو مہینے کی علالت میں انتقال کیا۔ ان کے تیسرے دن بستم دوم (۲۲) ذی الحجہ، یوم الخمیس (جمعرات)، وقتِ ظہر میرے حقیقی بھتیجے نوجوان صالح مولوی فاروق رضا خاں مرحوم نے ۱۷ برس کی عمر میں بعارضۂ وبائی صرف دو روز علیل رہ کر مفارقت کی۔ اب شب بستم پنجم (۲۵) محرم الحرام، لیلۃ الثلثاء (منگل) بعد مغرب میرے احب احباب و اعز اصحاب، جوان صالح، ورع متقی، محبِ اہلِ سنت، عدوئے بدعت و اہلِ بدعت، سنّی، مستقل، مستقیم، قائم مصداق **لا یخافون لومۃ لائم**، دلاور حسین خاں مرحوم مغفور، ساکن جواہر پور نے بعمر ۳۷ سال بعارضۂ وبائی، صرف ۱۰ پہر علیل رہ کر داغِ فراق دیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔**"

اخبار دبدبۂ سکندری، رامپور نے اپنی ۱۶ر نومبر ۱۹۱۴ء کی اشاعت میں اس حادثۂ جانکاہ کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا کے صبر و استقلال کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور پورے واقعہ کی منظر کشی کی ہے جس سے ان کی ذات اور اس وقت کے ماحول پر روشنی پڑتی ہے۔ ۲۶

۵۔ جزئیات نگاری:

امام احمد رضا کے مکاتیب کی ایک خصوصیت جزئیات نگاری ہے۔ مفصل بیان عام طور پر بے لطف ہو جاتے ہیں، لیکن امام موصوف جزئیات کو اس ڈھنگ سے پیش فرماتے ہیں کہ تحریر بے مزہ نہیں ہوتی بلکہ پُر لطف بن جاتی ہے اور قاری پوری تحریر پڑھے بغیر چین سے نہیں

بیٹھتا:

(الف) مولانا عرفان علیہ الرحمۃ کو ایک خط میں جو بھوالی (ضلع نینی تال) سے لکھا گیا تھا، قصبہ بھوالی کا دلچسپ انداز میں نقشہ کھینچا ہے، اقتباس ملاحظہ ہو:

''بھوالی، شہر درکنار کوئی گاؤں بھی نہیں۔ پہاڑ کی تلی میں چند دکانیں اور مسافروں کے ٹھہرنے کے معدود مکان، اس میں جمعہ و عیدین نہیں ہوسکتے۔ نینی تال شہر ہے، اس میں صرف دو مسجدیں ہیں، ایک چھوٹے بازار اور دوسری بڑے بازار میں، جہاں میرے احبابِ اہلسنّت رہتے ہیں۔ اس مسجد کا امام ایک دیوبندی ہے۔ سنّیوں نے مدت سے اس کے پیچھے نماز چھوڑی ہے۔ صوفی عنایت حسین صاحب کی دکان میں جمعہ و عید پڑھتے ہیں۔ مجھے انہی احباب نے نماز پڑھنے کو بلایا تھا۔ اسی دکان میں مدت سے جمعہ ہوتا ہے۔ میں نے اس رمضان شریف میں ایک جمعہ ادا کیا اس کے بعد بھوالی چلا آیا اور اب جاکر نمازِ عید پڑھائی۔ عید تو عید جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں، مکان، دکان، شہر کے میدان، سب میں ہوسکتا ہے۔ سب احباب کو سلام، والسلام۔'' ۲۷

اس خط میں بھوالی بستی کا دلچسپ انداز میں نقشہ کھینچا ہے۔ یہاں صرف یہی نہیں بتایا کہ چند مکانات اور دکانیں ہیں بلکہ تفصیل بھی پیش کی ہے کہ پہاڑ کی تلی میں چند دکانیں اور مسافروں کے قیام کے لئے گنے چنے مکانات ہیں گویا بھوالی میں کس جگہ دکانوں اور مکانوں کا اجتماع ہے، یہ بھی بتادیا۔ اسی کے ساتھ توضیحی نثر کی بھی جھلک دکھائی ہے اور یہ بتایا ہے کہ چونکہ یہ بستی، قصبہ یا شہر کی شرعی تعریف میں نہیں آتی اس لئے یہاں نمازِ جمعہ اور عیدین نہیں ہوسکتی۔ نینی تال کی بھی دو مسجدوں کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ وہاں کے دو بازاروں کے متعلق بھی پتہ چل جاتا ہے۔ پھر مزید اطلاع یہ ملتی ہے کہ بڑے بازار کی مسجد کے قرب و جوار میں اہلِ سنت کی آبادی ہے لیکن اس مسجد میں ایک دیوبندی امام آگیا ہے اس لئے اہلِ سنت نے مدتوں سے وہاں نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے۔ یہ بھی تفصیل بتادی کہ امام احمد رضا کے ایک شناسا صوفی عنایت حسین صاحب جن کی اسی بڑے بازار میں ایک دکان ہے، اب تمام اہلِ سنت ان کی دکان میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھتے ہیں۔ اس خط سے یہ بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ صوفی عنایت حسین صاحب اور ان کے دوستوں نے آپ کو رمضان المبارک کے دوران جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے نینی تال بلایا تھا پھر دوبارہ نمازِ عید بھی انہی لوگوں کے بلاوے پر آپ نے پڑھی۔ اس تحریر میں ایک دینی مسئلہ کی بھی توضیح ملتی ہے کہ نمازِ عید و جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں ہے، مکان دکان، میدان سب جگہ نماز ہوسکتی ہے۔ یہ مکتوب بیانیہ اور توضیحی نثر کا خوبصورت امتزاج ہے۔

۶۔ منظر کشی:

امام احمد رضا نے اپنی دینی، علمی و تحقیقی مصروفیات کی بناء پر سیر و تفریح پر کم توجہ دی ہے کیونکہ آپ کا ایک ایک لمحہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی یاد اور تبلیغِ دین میں گزرتا تھا۔ سیر و تفریح کے لئے فرصت کی ضرورت ہے۔ آپ وقت کے قدر دان تھے۔ زندگی کو اللہ عزوجل کی امانت سمجھ کر اس کا ایک ایک لمحہ اس کی رضا کی خاطر گزارتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نگارشات میں منظر کشی کی کم مثالیں ملتی ہیں۔ پھر بھی بعض خطوط میں منظر کشی اور واقعہ نگاری کے نمونے ملتے ہیں۔ سرِ دست ایک خط کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے اعلیٰ حضرت کی منظر کشی اور واقعہ نگاری کی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ خط آپ کے خلیفۂ خاص مفتی عبدالسلام جبلپوری کے نام ہے۔

''شبِ دوشنبہ ا بجے مع الخیر اسٹیشن بریلی آیا۔ راہ میں بڑی نعمت بفضلہٖ عزوجل یہ پائی کہ نمازِ مغرب کا اندیشہ تھا، شاہجہاں پور ۶-۳۳ پر آمد تھی کہ ہنوز وقتِ مغرب نہ ہوتا اور صرف ۸ منٹ قیام۔ مگر گاڑی بفضلہ تعالیٰ ۱۵ منٹ لیٹ ہوکر شاہجہاں پور پہنچی اور ۱۰ منٹ ٹھہری کہ بہ اطمینان نماز اچھے وقت ادا ہوئی۔ وللہ الحمد۔

اسٹیشن بریلی پر ہجومِ احباب بکثرت تھا۔ وہابیہ خذلہم نے کہ اخبار موحشہ اڑا رکھی تھیں، رَغْمًا لِّاُنُوْفِھِمْ، موٹر کو براہِ شہر کہنہ پر لے گئے اور

بآنکہ میں حتی الامکان شر البقاع اسواقنا سے نفور ہوں، بازاروں میں لائے۔ بیچ میں کمپنی باغ کی ٹھنڈی سڑک پڑی جس کے دونوں پہلو عجب خوشنما و سایہ دار، ہوا بار، اشجار کی قطار دور تک تھی۔ یہ سڑک میں نے عمر بھر میں اسی شب دیکھی۔ موٹر بلحاظِ ہمراہیاں بہت آہستہ خرامی کے ساتھ بدیر مکان پر پہنچا۔ فقیر نے ابتداء بہ مسجد کی۔ نمازِ عشاء ہوئی، پھر گیارہ بجے تک غزل خوانوں (نعت خوانوں) کا ہجوم رہا۔ گیارہ بجے کچھ کھانا کھایا۔ بارہ بجے سے بخار آگیا۔ دو بجے بہت سردی معلوم ہوئی، پلنگ اندر لایا گیا، رضائی اوڑھی اور سردی نہ جاتی تھی۔ دوسرے دن بفضلہٖ عزوجل اور ببرکتِ دعائے جناب، پسینہ خوب آیا اور بخار اتر گیا۔ تیسرے دن پیاس اور درد کی شدت رہی۔ کل، روز چہار شنبہ سب دنوں سے زیادہ کرب رہا۔ آج بفضلہٖ عزوجل بہت اعراض زائل ہیں اور دردِ سر میں اتنی تخفیف کہ یہ نیاز نامہ لکھ رہا ہوں۔''[۲۹]

اس خط میں امام احمد رضا نے جبلپور ریلوے اسٹیشن سے بریلی شریف تک کے سفر کی تصویر لفظوں میں اس طرح کھینچی ہے کہ شاید رنگ وروغن بلکہ وڈیو سے بنائی ہوئی تصویر میں نہ وہ جزئیات سما سکیں اور نہ اس میں وہ روحِ تاثیر پیدا ہو۔ انہوں نے اردگرد کے ماحول کی جو منظر کشی کی ہے اور اس کی جو جزئیات بیان فرمائی ہیں وہ ان کے مشاہدے کی وسعت پر دال ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ رننگ کمنٹری فرما رہے ہیں۔

۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں جب امام احمد رضا دوسری بار سفرِ حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضۂ رسول مقبول ﷺ سے واپس ہوئے تو بذریعہ ٹرین بمبئی سے اجمیر شریف ہوتے ہوئے جبلپور پہونچے اور وہاں اپنے خلیفۂ خاص عبدالسلام جبلپوری علیہ الرحمۃ کے ہاں کچھ روز قیام کے بعد بریلی شریف واپس لوٹے۔ زیرِ بحث خط میں امام احمد رضا نے مولانا جبلپوری کو بخیر و عافیت اپنے وطن پہونچنے کی اطلاع دی تھی لیکن آپ کا یہ مکتوب محض گھر بخیر پہونچنے کی رسید نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی تفصیل سمودی گئی ہے۔ مثلاً: بریلی ریلوے اسٹیشن پر ٹرین پہنچنے کا پہر، دن اور وقت (شبِ دوشنبہ، ۱۰ بجے)، استقبال کے لئے آنے والے محبین کا اژدہام، حج سے واپسی سے قبل وہابیوں کی طرف سے آپ کی ذات سے متعلق بیہودہ افواہ کا پھیلانا، کثیر ہجوم کا آپ کو موٹر (کار) پر بریلی شریف کے پرانے علاقوں کے بڑے بازاروں سے بشکلِ جلوس گزارنا وغیرہ۔ خط کی ابتداء میں شہر شاہجہاں پور پر ٹرین کے پہونچنے کا اصل وقت اور پھر وہاں تاخیر سے پہونچنے کا ذکر، وہاں ٹرین کا وقت سے زیادہ ٹھہر جانے کا معاملہ، لیکن یہ سب تفصیل ضمناً بتائی۔ اصل خوشخبری یہ سنائی کہ بحمد اللہ باطمینان نمازِ مغرب ادا کی گئی۔ اس خوشخبری میں امام احمد رضا کی ورع، خشیتِ الٰہی، تقویٰ اور سنتِ مصطفوی ﷺ کی پیروی کا اعلیٰ جذبہ جھلکتا ہے۔ پھر ملاحظہ ہو: ہجومِ کثیر کے باعث موٹر کا آہستہ اور خراماں خراماں بدیر دولت کدے تک پہونچنا، راستہ میں جلوس کی شکل میں بازاروں سے گزرتے ہوئے بریلی شہر کے پرفضا علاقہ کمپنی باغ کی ٹھنڈی سڑک پر جلوس کا آنا اور پھر اس کے اطراف کے پرفضا ماحول کی ان الفاظ میں منظر کشی: ''بیچ میں کمپنی باغ کی ٹھنڈی سڑک پڑی جس کے دونوں پہلو خوشنما سایہ دار، ہوا بار اشجار کی قطار دور تک تھی، یہ سڑک میں نے عمر بھر میں اسی شب دیکھی''، مکان میں داخل ہونے سے قبل مسجد میں نمازِ عشاء ادا کرنا پھر مکان پر غزل خوانوں (نعت خوانوں) کا نعت و منقبت و میلاد میں مشغول رہنا، شب گیارہ بجے، بعد اختتام جلسہ رات کا کھانا تناول فرمانا، رات بارہ بجے بخار آجانا، دو بجے رات سردی لگنا اور پلنگ کمرے کے اندر لایا جانا، یہ سب اور چند دیگر تفاصیل کو تجریدی سے زیادہ حقیقی بنا کر پیش کیا گیا ہے اور جزئیات تک کا بیان جس حسن و خوبی سے کیا گیا ہے، وہ اردو زبان و ادب کی انشاء پردازی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

علاوہ ازیں امام صاحب نے اس خط میں اپنے گرد و پیش کے ضمن میں پُر اثر انداز میں تاثرات بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً: اول شب بخار، پھر آخر شب سردی میں مبتلا ہونا، اور اگلے دن پسینے کے ساتھ بخار کا اتر جانا، جسے اللہ تعالیٰ کے کرم اور اپنے محبوب دوست مولانا عبدالسلام کی دعا کی تاثیر قرار دینا وغیرہ بیانیہ نثر کے ساتھ تاثراتی نثر کا بھی ایک

اچھا نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی اس تحریر میں ان کے اخلاص اور پیکرِ سنتِ نبوی ﷺ ہونے کی تصویر بھی غیر ارادی طور پر کھینچ گئی ہے۔ خوبصورت ماحول، ٹھنڈی سڑک، پُر فضا موسم، قطار در قطار سڑک پر دورویہ اشجار کی تصویر کشی تو کی گئی کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے لیکن بڑے بازاروں سے گزرنے کے باوجود وہاں کے ہنگاموں اور رنگینیوں کا بالکل ذکر نہ کرنا بلکہ ایسے عامی ماحول سے اپنی بے رغبتی اور بے التفاتی کے اظہار میں یہ کہہ کر گزر جانا کہ ''میں شر البقاع اسواقنا سے نفور ہوں'' سنتِ رسول اللہ ﷺ پر ان کی استقامت کا مظہر ہے۔ پھر خط میں جگہ جگہ نماز باجماعت کا بالتزام ذکر قرآنی حکم: "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط (النحل:۱۶:۱۵۵)

(اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ، پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔ کنز الایمان) کا بہترین نمونہ ہے۔ مزید یہ کہ اس خط کے ایک ایک جملہ سے اپنے محبوب دوست کی دلداری اور احترام ٹپک رہا ہے۔

۷۔ نکتہ آفرینی:

(۱) اعلیٰ حضرت اپنی اخاذ طبیعت، زبان و بیان اور لغاتِ مختلفہ اور الفاظ و محاورات پر دسترس کی بنا پر موقع بہ موقع اپنی تحریر و گفتگو میں لطیف نکتہ بھی پیدا کر لیتے ہیں جس سے پڑھنے اور سننے والے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، مثلاً تحریکِ ترکِ موالات کے خلاف امام صاحب ایک ضخیم رسالہ "المحجة المؤتمنه فی آیات الممتحنه" لکھنے میں مشغول تھے، مولانا ظفر الدین بہاری کو اس کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''آپ کا رسالہ بالاستیعاب اب تک ان وجوہ سے نہ دیکھ پایا۔ متفرق مقامات سے کچھ کچھ دیکھا ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً کثیراً۔ اچھا ہے۔ مگر مشائخِ بہار کی طرف سے یہ تاویل کہ انہوں نے کوئی دینوی کام سمجھ کر اتباع رائے مشرکین جائز رکھا ہے، میری سمجھ میں نہ آئی۔ سلطنتِ اسلام کی حمایت اور اماکنِ مقدسہ کی حفاظت، جن کا پس روانِ گاندھی کو ادعا ہے، کیا کوئی دینوی کام ہے؟ اور وہ تو یہاں تک اونچے اڑ رہے ہیں کہ جو اس میں شرکت نہ کرے مسلمان ہی نہیں، تو اسے نہ صرف کارِ دین بلکہ ضروریاتِ دین جانتے ہیں۔'' [۳۰]

(۲) انہی مولانا ظفر الدین صاحب کے نام ایک اور مکتوب میں نکتہ آفرینی کا یہ انداز بھی ملاحظہ فرمائیں:

''خط ملا، یہ نعمتِ تازہ (بیٹی کی ولادت) مبارک ہو۔ اس کا وہ نام رکھئے کہ ہندوستان میں کسی عورت کو نصیب نہ ہوا۔ یعنی حضرت ربیع بنتِ مسعود انصاریہ صحابیہ بنتِ صحابی علیہما الرضوان کے نامِ مبارک پر ''ربیع خاتون ۱۳۳۹ھ'' [۳۱]

(۳) وہابیہ کے عقائد کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''کیوں وہابیو! ہے کچھ دم؟ ہاں ہاں 'تقویت الایمان' اور 'براہینِ قاطعہ' کی شرک دانی لے کر دوڑیو، مشرک کی تسبیح بھانجیو، کل قیامت کو کھل جائے گا کہ مشرک، کافر، مرتد، خاسر کون تھا۔

سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْکَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر۵۴:۲۶)

(بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا اترونا۔ کنز الایمان)

"اَشِرٌ فِی" بھی دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) "اَشِرٌ قولی" کہ زبان سے بک بک کرے۔

(۲) "اَشِرٌ فعلی" کہ زبان سے چپ اور خباثت سے باز نہ آئے۔

وہابیہ اشر قولی اور اشر فعلی دونوں ہیں۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (التوبہ۹:۳۰)

(اللہ انہیں مارے، کہاں اوندھے جاتے ہیں)'' [۳۲]

(۴) امام احمد رضا کی نکتہ آفرینی کا شاہکار ایک وہ خط بھی ہے جو آپ نے مولانا شاہ سید محمد آصف رضوی صاحب علیہ الرحمۃ کو اپنی ایک نعت جس کا ایک شعر ہے:

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلّی کا ایک ظل
روشن انہی کے عکس سے پتلی حجر کی ہے

میں بیان کردہ بعض نکات کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا تھا، پورا خط پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، چند جملے ملاحظہ ہوں:

''اگر آپ آفتاب اور دھوپ کو دیکھیں تو فرق حقیقت و تجلی کی ایک ناقص مثال پیشِ نظر ہو۔ آفتاب گویا حقیقتِ شمس ہے اور دھوپ اس کا جلوہ۔ حقیقت صفاتِ کثیرہ رکھتی ہے اور اپنے مجالی میں متفرق صفات سے تجلی کرتی ہے.......... حقیقتِ کعبہ مثل حقائق جملہ اکوان حقیقتِ محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی ایک تجلی ہے۔ کعبہ کی حقیقت وہ جلوہ ہے، مگر وہ جلوہ عین حقیقتِ محمدیہ ﷺ نہیں بلکہ اس کے غیر متناہی ظلال سے ایک ظل۔ جیسا کہ اسی قصیدہ میں ہے۔'' ۳۳

(۵) مولانا ظفرالدین بہاری کو ایک اور مکتوب میں درج ذیل نکتہ آفریں جملہ لکھتے ہیں:

''میں جن امور میں ہوں اگر آپ کو تفصیل معلوم ہو تو مجھے عدمِ تحریرِ خطوط میں معذور رکھیں گے، مگر آپ کی یاد، دل کے ساتھ ہے۔ جو عظیم ساعت میسر ہوئی محض عطیۂ الٰہی تھی، اس میں یہ نقوش تیار کئے جو مرسل ہیں۔'' ۳۴

۸۔ شکوہ اور معذرت:

اعلیٰ حضرت کا اندازِ شکوہ و معذرت بھی بڑا دلنشیں اور پُر لطف ہوتا ہے۔ درج بالا اقتباس میں معذرت کا ایک لطیف پیرائے میں اظہار آپ نے ملاحظہ کیا۔ اب اپنے ایک عزیز شاگرد (مولانا ظفرالدین بہاری) سے اندازِ شکایت بھی ملاحظہ ہو:

''پہلے ایک پلندہ ''ابانۃ المتواری'' وغیرہ کا آپ کو بھیجا گیا تھا، وہ نہ پہنچا۔ اب مدت ہوئی ''وقایہ اہلِ سنت'' وغیرہ اشتہارات کا پلندہ بھیجا، اس کی رسید اب تک نہ آئی، اس کی تفتیش کیجئے کہ پلندے کہاں ضائع ہوتے ہیں۔ ایک خط آپ کو جوابِ مسائل میں بھیجا تھا، وہ آپ کو نہ ملا، رجسٹری مرسل تو وہ بھی ہر شخص لے سکتا ہے لہٰذا یہ پلندہ بیرنگ مرسل ہے۔'' ۳۵

ایک ایک لفظ پڑھیں، کس محبت بھرے انداز میں اپنے عزیز شاگرد کو تنبیہ فرمارہے ہیں۔ ڈانٹ ہے، اظہارِ غصہ بھی، لیکن کوئی لفظ اخلاق سے گرا ہوا نہیں۔ اپنے تلمیذ کی عزتِ نفس کا کس قدر پاس ہے۔ آخر میں ان کی کوتاہی کی جو سزا تجویز کی ہے وہ خالی از حکمت نہیں یعنی بغیر ٹکٹ کے خط کی وصولی کہ بیرنگ ہونے پر ارسال لازمی۔ ان شفقت بھرے الفاظ کو پڑھ کر مخاطب، سعادت مند شاگرد بے اختیار پکار اٹھا ہوگا ع

کتنے شیریں ہیں ترے لب۔۔۔۔

امام احمد رضا کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سخت سے سخت مخالف کو بھی خطاب کرتے وقت زبان و بیان کی شستگی، شائستگی و شگفتگی ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں اور دل آزار الفاظ کے استعمال سے حتی المقدور گریز کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیرِ نظر ''کلیاتِ مکاتیبِ رضا'' میں دیوبندی حضرات کے حکیم شیخ اشرفعلی تھانوی صاحب (م م۱۳۶۲ھ) اور ان کے فقیہ النفس شیخ رشید احمد گنگوہی صاحب (م م ۱۳۲۳ھ) کو تحریر شدہ خطوط دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں ان خطوط سے نمونۂ چند اقتباسات تفننِ طبع کے لئے تحریر کئے جاتے ہیں۔

شیخ رشید احمد گنگوہی صاحب نے کوے کو حلال قرار دیا تھا اور ایسی جگہ جہاں کوا کھانے کو لوگ ناجائز/حرام سمجھتے ہوں وہاں اس کے کھانے پر اجر و ثواب کا فتویٰ بھی دیا تھا۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے اعلیٰ حضرت سے بھی استفسار کیا گیا اور گنگوہی صاحب کی تائید میں شائع شدہ دو رسائل اشاعت شدہ اکتوبر ۱۹۰۲ء بھی اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ملاحظہ کے لئے بھیجے گئے۔ اس ضمن میں مزید تحقیق اور وضاحت کے لئے اعلیٰ حضرت نے جناب گنگوہی صاحب کو ایک تفصیلی خط ۷رشعبان المعظم ۱۳۲۰ء کو لکھا جس میں آپ نے نفسِ موضوع پر چالیس سوالات قائم کرکے ان کے جوابات مانگے تھے۔ گنگوہی صاحب نے اس تفصیلی استفسار کے جواب میں محض ایک پوسٹ کارڈ پر چند سطریں لکھ کر بھیج دی تھیں اور ان تمام چالیس سوالات کے جوابات سے یہ کہہ کر گریز کیا تھا کہ ہمیں اس مسئلہ (کوے کے حلال ہونے) پر کوئی شک نہیں کیونکہ ہم

نے مکمل تحقیق کے بعد یہ فتویٰ دیا ہے۔ امام احمد رضا نے ایک مفتی اور عالمِ دین کی حیثیت سے اپنا فرض ادا نہ کرنے اور قائم کردہ سوالات کا جوابات دینے سے پہلوتہی کرنے پر گنگوہی صاحب کو دوبارہ خط لکھا اور انہیں یاد دلایا کہ ان کے جوابات دینا ان کا فرضِ منصبی ہے۔ اس خط کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں جس سے شکوہ سنجی کے علاوہ ان کی انشاء پردازی کی دیگر خصوصیات بھی نمایاں ہیں: ۳۶

ا۔''بنظرِ خاص مولوی رشید احمد گنگوہی سلم علی المسلمین اجمعین۔
آپ کا کارڈ مشعر رسید مسائل مرسلۂ فقیر آیا۔ عجلتِ ارسالِ رسید باعثِ مسرت ہوئی، مگر ساتھ ہی جواب دینے سے انکار پر حسرت۔ میری اپنی مخالفت اصولِ عقائد میں ہے جس میں فقیر بحمد ربہ القدیر جل جلالہ یقیناً حق وہدیٰ پر ہے۔''

۲۔''مگر یہ مسئلہ دائرہ محض فرعی فقہی ہے۔ فقہ میں فقیر بحمدہٖ تعالیٰ حنفی ہے اور آپ بھی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں تو ان مسائل کو ان جلائل پر قیاس کر کے پہلوتہی کرنے کی حاجت نہیں۔ آپ کا جواب کہ ''نہ مسئلہ حلت غرابِ موجودہ دیار میں مجھے کسی قسم کا شبہ یا خلجان ہے جس کے دفع کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت'' سوئے اتفاق سے سخت بے محل واقع ہوا، فقیر نے کب کہا تھا کہ کوے کے مسئلہ میں آپ حالتِ شک میں ہیں، بلکہ صاف لفظ تھے کہ بغرضِ رفعِ شکوکِ عوام وتمیز حلال وحرام خاص آپ سے بعض امورِ مسئول اور آپ کی نسبت یہ الفاظ تھے۔''

''نگاہِ انصاف ہو تو یہ جواب بے محل نہیں بلکہ برعکس آیا۔ آپ اس مسئلہ میں برعکس ہوتے تو یہ جواب کچھ قرینِ قیاس ہوتا ''کہ میں اس میں کیا کہوں، میں خود تردد اور شک میں پڑا ہوں'' اور جب کہ آپ کو حکمِ شرعی تحقیق ہے، شبہ وخلجان اصلاً باقی نہیں۔''

شکوہ سنجی کا یہ خط کافی طویل ہے، زیرِ نظر کتاب کے صفحہ ۲۶۴ سے ۲۷۰ تک پھیلا ہوا ہے، اس کو مطالعہ فرمائیں، اس کے ہر جملہ، ہر لفظ اور ہر سطر سے شائستگی، شستگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا ہے۔ ایک طویل علمی و فقہی خط جو ہندوستان کی ایک عظیم عبقری، فقہی، علمی وادبی شخصیت کی جانب سے لکھا گیا، اس کے جواب میں مخالف گروہ کی ایک مستند علمی شخصیت کا نہایت مختصر، توہین آمیز اور مخاطب کو مشتعل کردینے والا جواب، مگر اس کے باوجود نفسِ موضوع سے گریز کئے بغیر نہایت شستہ اور شائستہ لب ولہجہ میں مدِّ مقابل کو خطاب کرنا امام احمد رضا کی نہایت متوازن، سلیم الطبع حلیم وکریم اور قرآنِ حکیم کے الفاظ میں:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ (آلِ عمران ۳:۱۸)

(اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔ کنزالایمان)

اولوالعلم الانصاف پسند شخصیت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

اس خط میں شکوہ سنجی کے شستہ الفاظ کے علاوہ امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کے جن دیگر محاسن کا اظہار ہوتا ہے وہ خط کشیدہ الفاظ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً: ''عجلتِ ارسالِ رسید پر مسرت ہوئی، مگر ساتھ ہی جواب نہ دینے پر حسرت'' کس قدر بلیغ معانی کا جملہ ہے۔ صنعتِ تضاد کا نمونہ ہے۔ مسرت کا اظہار فرماکر ایک طرف مکتوب الیہ کی دلجوئی کی جارہی ہے اور حکمت وموعظتِ حسنہ کے ساتھ اس کو دعوتِ حق کی طرف بلانے کی کوشش بھی جاری ہے، دوسری جانب لفظِ حسرت کا استعمال کر کے اس کے اندر سوئے ہوئے ''عالمِ دین'' کو خوابِ غفلت سے جگایا جارہا ہے اور حمایتِ دین کی طرف راغب کیا جارہا ہے۔ اسی طرح ''نگاہِ انصاف''، ''بے محل'' اور ''برعکس'' الفاظ کا استعمال کر کے مکتوب الیہ کے ضمیر کو بیدار کرنے کی سعیِ حسن ہے۔ اس مکتوب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمد رضا انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے امت رضی اللہ عنہم کی عزت وعظمت کے بارے میں کس قدر غیرت مند اور ان کی شان بیان کرتے وقت الفاظ کے انتخاب میں کس قدر محتاط اور منتخب واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً حلتِ غراب (کوا) کے بارے میں مذکورہ اشتہاری کتابچہ میں گنگوہی صاحب کے معتقدین نے لکھا تھا کہ ''حضرت مولانا گنگوہی بشر ہیں اور بشریت سے

اولیاء کیا انبیاء علیہم السلام بھی خارج نہیں۔'' یہاں چونکہ گنگوہی صاحب کی بشریت اور انبیاء علیہم السلام کی بشریت میں برابری کا مفہوم پیدا ہوتا ہے اس لئے امام احمد رضا نے گنگوہی صاحب کی توجہ اس طرح مبذول کراتے ہوئے انہیں تنبیہ کی ہے کہ ''ایسی جگہ اکابر کو ضرب المثل بنانا سوئے ادب ہے۔'' اور شفاء شریف کی ایک عبارت پیش کر کے آگاہ کیا ہے کہ ''اس کا قائل مستحقِ تعزیرِ شدید ہے۔'' یہ خط امام احمد رضا کی انشاء پردازی کی خوبیوں کا نمونہ ہے۔ سادگی و سلاست کے علاوہ جگہ جگہ مقفّٰی عبارات نے ایک عجیب لطف پیدا کر دیا ہے جسے پڑھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً:

۱۔ ''مسلمانوں میں اختلاف پڑا ہے، آتشِ خصام شعلہ زاں ہے۔''

۲۔ ''آپ پر لازم ہے کہ حق ان پر واضح کیجئے نہ کہ بعد سوال بھی جواب نہ دیجئے۔''

۳۔ ''آپ اس مراسلۂ فقیر کو مسئلہ دائرہ میں سوالِ سائل سمجھے، یا الاولا، یا کچھ نہ کھلا۔''

۴۔ ''وہی تقدیرِ ثانی یعنی گمانِ مناظرہ، اس پر بھی یہ جواب نہایت عجاب۔''

۵۔ ''پھر انکلوں پر ایسا تیقّن کہ مطلق شبہ نہیں، مزید تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں، مناظر کی بات سنیں گے بھی نہیں، یعنی چہ، کیا الکلمة الحكمة ضالة المؤمن نہیں، کیا آپ یا آپ کے اساتذہ کی انکل میں غلطی ممکن نہیں۔''

۶۔ ''یا آپ اور آپ کے اساتذہ بشریت سے بالکل خالی سہی، یہ خطا بھی فقہا ہی کے ماتھے جائے، شاید انہوں نے الو کی طرح کوّے کو بھی حلال لکھ دیا ہو، مناظر کے کلام سے کشفِ خطا ہو، اس کی بدولت حق کی معرفت عطا ہو۔''

۷۔ ''اور واقعی قبول کرنے میں ہمارا بار اپنے سر آتا تھا اور قبول نہ کرنے میں معتقدین کا دل دُکھتا تھا، بلکہ اپنا ہی ساختہ پرداختہ باطل ہوتا تھا، ناچار سوا اس انکار کے علاج کیا تھا۔''

۸۔ ''لیکن یہ کون سی سعادت مندی ہے کہ بلا سوچے سمجھے ایسے پیرِ مغاں، فقیہِ مسلّم پر اعتراض کر بیٹھے، واہ رے زمانہ غافل و مدہوش میں یہ شور و خروش اور پیرِ مغاں درخوابِ خرگوش۔''

۹۔ ''کتبِ متداولہ درسیہ سے کوا حلال ہونے کا ادّعا اسی وقت تک سزا ہے کہ جوابِ سوالات سے دامن کھینچا ہے، نمبردار ہر سوال کا جواب صاف صاف بے پیچ و تاب دیتے ہیں۔''

۱۰۔ ''آپ فرماتے ہیں صرف یہ کارڈ آپ کے رفعِ انتظار کے لئے بھیجا ہے ورنہ اس کی بھی حاجت نہ تھی، میں کہتا ہوں کہ حاجت تو کوّا کھانے کی بھی نہ تھی، اب کہ واقع ہو لیا، مسائلِ شرعیہ کا جواب دینے کی ضرور حاجت ہے۔''

۱۱۔ ''میں آپ سے پھر گزارش کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے سے رفعِ اختلاف بھلا ہے۔ آپ کا معتقد گروہ دوسرا قرآن سے کہے تو نہیں سنتا، آپ کی بے دلیل کی سنتا ہے اور وہ بھی خود اشارے اشارے میں کہہ چکا کہ ہمارے مولوی سے طے ہو جانا اولیٰ ہے اور اب تو آپ کو پچاس برس سے یہ مسئلہ چھان رکھنے کا ادّعا ہے، آپ نے اساتذہ سے بھی تحقیق کر لینا لکھا ہے، دوسرا آپ سے وضوحِ حق کے لئے سوالاتِ شرعیہ کر رہا ہے اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں حق بیان فرمانے کا عہد لیا ہے۔''

درج بالا اقتباسات مکتوب نگار کی بذلہ سنج و خوش مزاج طبیعت اور طنز و مزاح کے ستھرے ذوق کے آئینہ دار بھی ہیں جو ایک صحت مند ادب کی روایت ہے۔ ایک جید عالمِ دین اور فقیہِ شہیر کی تحریر کی یہ خوبیاں اس کے بلند ادبی ذوق کی عکاس بھی ہیں۔ حالآنکہ فقہا اور علماء کے مکاتیب کی زبان عموماً ان محاسن سے مبرّا، دقیق اور مغلق طرزِ نگارش کا نمونہ ہوتی ہے۔

۹۔ اختصار و ایجاز:

امام احمد رضا ایک عبقری شخصیت تھے، وقت کے قدردان تھے۔ دیگر علمی نگارشات کی طرح ان کے مکتوبات بھی جامعیت اور ایجاز و

اختصار کی خصوصیت کا مظہر ہیں۔ ان کے مکاتیب عام طور پر طویل نہیں ہوتے، غیر ضروری باتوں سے پاک ہوتے ہیں اور الفاظ نپے تلے ہوتے ہیں۔ وہ ہر تحریر کو اپنی ذہنی فراست سے ترجیحات مقرر کرنے کے بعد شروع کرتے ہیں۔ ترجیحات کا جو نقشہ ان کے ذہنی کمپیوٹر میں مرتسم ہو جاتا ہے، اسی حساب سے ان کا قلم چلتا ہے۔ وہ صرف کام کی باتوں کے اظہار کو اہمیت دیتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتوں سے گریز کرتے ہیں البتہ جو کچھ لکھتے ہیں سند و صداقت کے ساتھ لکھتے ہیں۔ آپ کے خطوط کے مطالعہ سے وقت کی قدر شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا ظفر الدین بہاری کے نام ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو، جامعیت، ایجاز و اختصار اور اسناد کا بہترین نمونہ ہے:

(۱) ''تاتارخانیہ سے ایک عبارت علامہ طحطاوی نے ''حاشیۂ درر'' میں بالواسطہ نقل فرمائی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ساتھ ''علیہ السلام'' کا اختصار ''ع'' ''م'' لکھنا کفر ہے کہ تخفیفِ شانِ نبوت ہے۔ اب کبھی بانکی پور جانا ہو تو اس عبارت کو ضرور تلاش کیجئے، اگر آپ کو ملے تو بحوالۂ کتاب و باب و فصل مع نقل عبارت اطلاع دیجئے۔'' ۳۷

اقتباس بالا سے امام احمد رضا کی فقہی قابلیت و صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بحیثیتِ مفتی اور ایک جید دینی اسکالر استنباط و استخراج کی بھرپور صلاحیت عباراتِ بالا سے جھلکتی ہے۔ نیز مکتوب منہ اور مکتوب الیہ دونوں کی علمی شخصیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ قاری کو یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ دونوں کے درمیان کہنے سننے کی فضا موجود ہے۔ مختصر سوال و جواب کی صلاحیت اور پھر اس کے مندرجات میں جو تفصیل ہے، اس کی تفہیم کے بھرپور ادراک کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ غور کیا جائے تو گفتگو بظاہر عالمانہ ہے مگر زبان و بیان کا انداز دیکھیں تو سادہ، عام فہم اور پُرکشش ہے۔ امام احمد رضا کے مکاتیب میں ایجاز و اختصار کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، مگر طوالت کے خوف سے محض ایک اور مثال پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

(۲) مولانا بہاری علیہ الرحمۃ کے نام ایک اور خط ملاحظہ ہو:

''فتویٰ آیا اور تقسیم ہوا اور آپ کو رسید نہ بھیج سکا کہ سرکار مارہرہ مطہرہ حاضر ہونا ہوا۔ چھ روز میں واپس آیا اور صعوبت سفر و ناسازئ طبع سے اکیس روز معطل محض رہا۔ اب مبتلائے بعض افکار ہوں، طالبِ دعا ہوں۔

مسودۂ فتویٰ جو آپ نے بھیجا، اس میں مولوی دیانت حسین صاحب و مولوی مقبول احمد صاحب کے بھی دستخط تھے، اس مطبوعہ میں نہیں، اس کا کیا سبب ہوا، ''مبسوط سرخسی'' کتب خانہ میں ہو تو اس عبارت کو تطبیق کر کے بھیجئے:

''والا صطفاف بين الاسطو انتين غير مكروه لانه صف في حق كل فريق وان لم يكن طويلا و تخلل الالسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع او كفرجة بين رجلين وذلك لايمنع صحة الاقتداء.''

یہ عبارت یونہی ہے کہ اس میں فرق ہے، اس کا سابق و لاحق کیا ہے؟

مبسوط چھپ گئی ہے۔ مگر ابھی یہاں نہ آئی۔ اب کی بار نقشہ ماہ مبارک کا کیا انجام ہوگا؟ یہ خط ابھی نہ بھیجا تھا کہ آپ کا نقشۂ سحر و افطار آیا۔ جزاکم اللہ خیراً کثیراً۔ والسلام'' ۳۸

اس اجمال میں جامعیت کے ساتھ جو تفصیل ہے اور سادگی، سلاست اور حسنِ کلام کی جو جھلکیاں ہیں ان سے اہلِ علم و زبان محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

۱۰۔ مقفّٰی عبارات:

امام احمد رضا کے دور میں عالمانہ انداز بیان کی ایک خصوصیت یہ سمجھی جاتی تھی کہ پوری عبارت مقفّٰی ہو۔ چنانچہ ان کی تصانیف، تالیفات اور تقاریظ میں یہ ڈھنگ بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ لیکن مضامین مکاتیب میں زیادہ تر نثر عاری اور استدلالی کے نمونے ہیں، البتہ

القاب و آداب اور سلام و پیام میں مقفّٰی و مسجّع نثر کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔لیکن کہیں کہیں پورے خط کے مضامین میں بھی مقفّٰی عبارات کا رنگ نمایاں ہے، جس کی کچھ جھلکیاں آپ سابقہ سطور میں دیکھ چکے۔ تفصیل سے گریز کی بناء پر صرف چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں لیکن یہاں بھی ''آورد'' کے بجائے بے تکلف اور قلم برداشتہ اظہارِ خیال کا انداز جھلکتا ہے جو امام احمد رضا کی مکتوب نگاری کا خاصہ ہے۔ملاحظہ ہو:

(۱) تاج العلماء حضرت سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمۃ کے نام ایک خط میں درج کرتے ہیں:

''جواب مسائل حاضر کر چکا تھا۔دوبارہ بصیغہ رجسٹری حاضر کرتا ہے۔اول اپنی حالت عرض کرے۔رمضان مبارک (۳۰ھ) میں چار بار بخار آیا۔شبِ عید (۳۰ھ) میں ۱۰ بجے سے ۱۲ بجے تک اسٹیشن (بریلی) پر کھڑا رہنا ہوا۔پھر حرارت لے کر واپس آیا۔دوسرے دن دو عیدیں (عید جمعہ و عید الفطر) اور احباب کا ملنا۔تکان بڑھ گئی اور جب سے اب تک کئی حملے بخار کے ہوئے۔ادھر اخیر میں دو حملے بہت شدت سے ہوئے کہ حاضری مسجد سے بھی محروم رہا۔آج ظہر و عصر کو نماز کے لئے گیا تھا۔طبیب وہیں مسجد میں ملے اور نبض دیکھ کر کہا ابھی بخار باقی ہے۔چندروز سیڑھیوں کا چڑھنا، اترنا اور موقوف رہے۔

سوالاتِ سابقہ کا جواب عرض کر چکا تھا۔معلوم نہیں کیوں نہیں باریابِ خدمت ہوا۔سوال متعلق بینک کی نسبت بوجہ تپ حافظ امیر اللہ کے داماد سے کہلا بھیجا کہ براہِ راست حاضر کردوں گا۔اب سابق ولاحق سب کا جواب حاضر ہے۔'' ۳۹

(۲) برہان ملت حضرت مولوی محمد برہان الحق علیہ الرحمۃ کو تحریر کردہ ایک مکتوب ملاحظہ ہو:

''۲۷ محرم سے ۳۵ دن کے بخار نے بالکل بے طاقت کردیا۔ طالب دعا ہوں۔حضرت مولانا عید الاسلام عبد السلام کی خیریت اور مقدمہ مسجد کی حالت سے مطلع کیجئے۔

حضرت اور سب احباب کو میرا اسلام پہنچایئے۔یہ مضمون مع خط میں نے دیکھ لیا، بہت ٹھیک ہے۔بارک اللہ تعالیٰ لکم وفیکم وبکم وعلیکم۔ سب صاحبوں کو سلام و دعا، والسلام'' ۴۰

(۳) مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مولیٰ عزوجل پر توکل کر کے قبول کر لیجئے۔ وہ کریم اکرم الاکرمین برکات وافرہ عطا فرمائے اور آپ کو دین سے اور دین سے آپ کو نصر مؤزر پہونچائے۔آمین! آمین! بجاہ الکریم المعین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم اور احسن یہ کہ استخارہ شرعیہ کر لیجئے۔

آپ کا خط دربارۂ پریشانی دنیا آیا تھا، ہفتے ہوئے اور اس کا جواب آج دوں، آج دوں، مگر طبیعت علیل۔بار بار بخار کے دورے اور اعدائے دین کا ہر طرف سے ہجوم۔ان کے دفع میں فرصت معدوم۔ علاوہ اس کے سو سے زائد جواب فتاویٰ کے، اس مہینہ کے اندر چار رسالے تصنیف کر کے بھیجنے ہوئے اور میری تنہائی اور ضعف کی حالت معلوم۔وحسبنا ربی ونعم الوکیل۔

اس سے اعتماد رہتا ہے کہ عدم جوابی کو اعذارِ صحیحہ پر خود محمول فرمائیں گے۔اس خط کے جواب میں کہ چاہتا تھا کہ آیات واحادیث دربارۂ مذمت دنیا ومنعِ التفات بہ تمول اہلِ دنیا لکھ کر بھیجوں مگر وہ سب بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے پیشِ نظر ہیں۔فلاں کو دستِ غیب ہے۔فلاں کو حیدرآباد میں رسوخ ہے، یہ تو دیکھا، یہ نہ دیکھا کہ آپ کے پاس بعونہٖ تعالیٰ علمِ نافع ہے، ثبات علی سنہ ہے، ان کے پاس علم نہیں علمِ مضر ہے۔ اب کون زائد ہے؟ کس پر نعمتِ حق بیشتر ہے۔بشرط ایمان، وعدہ وعلو و غلبہ باعتبار دین ہے نہ یہ کہ دنیوی امور میں مؤمنین کو تفوق رہے، دنیا سجن مومن ہے، سجن مومن ہے، سجن میں اتنا آرام مل رہا ہے، کیا محض فضل نہیں؟ دنیا فاحشہ ہے۔اپنے طالب سے بھاگتی ہے اور ہارب کے پیچھے دوڑتی ہے۔ دنیا میں مومن کا قوتِ کفاف بس ہے۔ والسلام'' ۴۱

(۴) اس ضمن کی دو اور مثالیں ملاحظہ ہوں، امام احمد رضا خاں

علیہ الرحمۃ، مولانا مفتی احمد بخش صادق صاحب، ڈیرہ غازی خان کو ایک مکتوب تحریر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(الف) ''یہ سجیہ رضیہ کہ بفضلہٖ تعالیٰ جناب میں مشہود ہوا۔ ابنائے زمانہ میں مفقود اور اس کا صاحب افرادِ نادرۂ دہر میں محدود۔ آج کل تو ہر طرف حسد، تعصب کی گرم بازاری ہے اور خواص اپنوں سے صرف اس بناء پر کہ اتاھم اللہ من فضلہ، عداوت و بیزاری، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

دو عنایت نامے سابق کا جواب کہ بوجہ ہجوم کار اور تراکم افکار و تعدادِ امور وغیرہ اعراض نہ ہوا اور جب تک کہ تکلیفِ انتظار ہوگی، اس کی معافی چاہتا ہوں۔ عفا اللہ تعالیٰ عنی وعنکم وعن المسلمین وجعلنی وایاکم من خدم الدین المتین والشرع المبین وعبید سید المرسلین ﷺ وبارک علیہ وعلیھم اجمعین۔ [۴۲]

(ب) جناب اشرفعلی تھانوی صاحب کے نام لکھے ہوئے خط کے ایک اقتباس میں ہم قافیہ الفاظ کے استعمال کے ساتھ سادگی اور سلاست و روانی کی بہار ملاحظہ ہو:

''رئیسوں کا دباؤ تھا ناچار دفع وقتی کو وہی چاند پوری صاحب آپ کے وکیل بنے۔ فقیر نے اپنے خط و قلم سے جناب کو رجسٹری شدہ کارڈ بھیجا کہ کیا آپ مناظرۂ معلومہ پر آمادہ ہوئے؟ کیا آپ نے چاند پوری صاحب کو اپنا وکیل مطلق کیا؟ سات مہینے سے زائد گزرے۔ آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ واقعی آمادہ ہوئے ہوتے، واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا، تو وہاں لکھ دینا دشوار نہ تھا، مردانہ وار اقرار سے فرار نہ ہوتا۔ یہ ہے وہ فرضِ لایعنی غیر واقع بے معنی معاہدہ جس سے عدول کا ادھر الزام لگایا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! اپنے وکیل بالا دعاء کی وکالت آپ نہ مانیں اور عدول جانب خصم سے جانیں۔

ہاں! جناب تو نہ بولے، سولہ دن بعد انہیں آپ کے متوکل صاحب نے لب کھولے کہ ہم جو روساء کے سامنے اپنے منہ سے آپ ہی دعویٰ وکالت کر چکے ہیں اور جناب تھانوی صاحب سے دریافت کرنا ذلت و رسوائی۔ گردن کا طوق، ناپاک چالیں، بے شرمی کے حیلے ہیں۔''

سبحان اللہ! کیا زبان و بیان کا لطف ان جملوں میں ہے۔ ذرا مقفّٰی ٹکڑے دیکھیں: ۱۔ دفعِ وقتی کو وہی چاند پوری ۲۔ ''کیا آپ مناظرۂ معلومہ پر آمادہ ہوئے؟۔۔۔۔۔ سات مہینے زائد گزرے'' ۳۔ ''واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا، تو وہاں لکھ دینا دشوار نہ تھا، مردانہ وار اقرار سے فرار نہ ہوتا'' ۴۔ ''جناب تو نہ بولے، سولہ دن بعد انہیں آپ کے متوکل صاحب نے لب کھولے'' وغیرہ [۴۳]

۱۱۔ دلداری و دل افروزی اور دنیوی و روحانی تربیت:

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کیونکہ سراپا عشق تھے، مئے عشقِ رسول ﷺ سے اس قدر سرشار تھے کہ ان کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، لکھنا پڑھنا، سفر و حضر، حتیٰ کہ جینا مرنا سب کچھ اپنے محبوب کی رضا جوئی کی خاطر تھا۔ آپ کی زندگی اسوۂ حسنہ کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی۔ حیاتِ مستعار کے ہر زاویہ میں سنتِ رسول ﷺ کی روشنی کا اجالا تھا۔ ہر ایک کے ساتھ وداد و محبت، شفقت و رافت آپ کا وطیرہ تھا۔ آپ کے الفاظ زخمی دلوں کے لئے مرہم اور ڈوبتوں کے لئے سہارا تھے۔ آپ اپنی تمام تر دینی، علمی و روحانی مشاغل کے باوجود احباب، تلامذہ، ارادتمند اور دین کی سمجھ حاصل کرنے والوں کے خطوط کا جواب دینا اور اصلاحِ احوال کے لئے بذریعہ خط ان کی رہنمائی کرنا اپنا دینی اور اخلاقی فرض جانتے تھے۔ آپ کی تحریروں میں ان کی سکون بخشی اور تسلی و تشفی کا سامان بھی تھا اور گمراہوں اور بے دینوں کے لئے راہِ ہدایت کا نشان بھی اور اصلاح پذیر طبیعتوں کے لئے دلکش طریقہ کار بھی۔ آپ کے مکاتیب میں دوائے درد بھی ہے اور دردِ لا دوا بھی۔ چند

عبارات کے نمونے مطالعہ فرمائیں۔

۱۔خط بنام مولانا ظفر الدین بہاری:

''شبِ براُت قریب ہے۔ اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل بطفیل حضور پُرنور شافع یوم النشو رعلیہ افضل الصلوات والسلام مسلمانوں کے ذنوب معاف فرماتا ہے۔ مگر چند ان میں وہ دو مسلمان، جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے: ان کو رہنے دو، جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں۔

لہٰذا اہلِ سنت کو چاہئے کہ حتی الوسع قبلِ غروبِ آفتاب، چودہ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں، کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائفِ اعمال خالی ہوکر بارگاہِ عزت میں پیش ہوں۔ حقوقِ مولیٰ تعالیٰ کے لئے توبۂ صادقہ کافی ہے۔ **التائب من الذنب کمن لاذنب له.** ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اس شب میں امید مغرفتِ تامہ ہے، بشرطِ صحتِ عقیدہ، **وھو الغفور الرحیم**۔

یہ سب مصالحتِ اخوان و معافی حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے۔ امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجراء کرکے **من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها الی یوم القیامة لاینقص من اجورھم شیئا** کے مصداق ہوں۔ یعنی جو اسلام میں اچھی راہ نکالے، اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں ان سب کا ثواب ہمیشہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی آئے۔

اور اس فقیر ناکارہ کے لئے عفو و عافیت دارین کی دعا فرمائیں۔ فقیر آپ کے لئے دعا کرے گا اور کرتا ہے۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے، نہ نفاق پسند ہے، صلح و معافی سب سچے دل سے ہو۔ والسلام۔'' ۴۴

یہ خط امام احمد رضا کی فرض شناسی اور دینی کام میں اشتغال و انہماک کا مظہر ہے، علاوہ ازیں صلاح و فلاح و اتفاق بین المسلمین کا پیامبر بھی۔

۲۔خط بنام مولانا برہان الحق علیہ الرحمۃ:

''نور عینی و دُرّۃ زینی ادام اللہ تعالیٰ عزک۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''مطالع البروج'' بہت صحیح بنائے۔ بارک اللہ وفیک وعلیک صرف ایک جگہ غلطی زیادہ تھی اور باقی چند جگہ خفف وہ سب سرخی سے بنادی ہیں۔

برادرم! کسی مکابر بے دین کی زبان بند کرنے کا کسے اختیار ہے۔ قیامت میں رب العزت کے حضور تو بکے جائیں گے۔ یہاں تک کہ **الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا بایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون.** اس وقت مجبور ہوں گے۔'' ۴۵

ایک تلمیذ و مریدِ خاص کے لئے یہ الفاظ کس قدر طمانیت، خوشی و مسرت اور ہمت افزائی کا باعث بنے ہوں گے جس نے نہایت محنت سے کوئی تحقیقی و تحریری کام کیا ہو۔ امام احمد رضا کے مکتوب میں ہونہار/ نوخیز مصنفین و محققین کی دلداری اور ہمت افزائی اور ستائش کے بہتیرے نمونے موجود ہیں جس سے اندازہ ہوتا کہ فروغِ تعلیم اور اپنے شاگرد و متوسلین کی تعلیم و تربیت میں وہ کس قدر دلچسپی لیتے تھے۔ تحریر و تقریر اور درس و تدریس کے علاوہ امام احمد رضا اپنے مکتوب سے بھی ان کی علمی، اخلاقی اور روحانی تربیت اور اصلاحِ احوال کی سعیِ بلیغ فرماتے ہیں، تحقیقی مسائل میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور جسمانی و روحانی دونوں بیماریوں کے علاج بھی تجویز فرماتے ہیں جیسا کہ ان سے قبل کے بزرگوں مثلاً حضرت مخدوم شیخ یحییٰ منیری، مجدد الف ثانی، محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی قدست اسرارھم کا معمول رہا ہے۔

جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے ہم میں سے ہر شخص متوحش رہتا ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کے لئے اپنے تمام وسائل بروئے کار لانے سے گریز نہیں کرتا۔ لیکن ''ایمان'' جو سب سے اہم ترین دولت ہے اس کی حفاظت کی طرف سے ہم میں سے اکثر غفلت برتتے ہیں۔ امام احمد رضا کا احسان یہ ہے کہ انہوں نے جان مال، عزت و آبرو کی طرح ایمان و عقیدہ کی حفاظت کا بھی وافر سامان فراہم کیا ہے، جس کی بیّن دلیل ان کی تصانیف اور مکاتیب ہیں۔ ان مکاتیب سے چند کے اقتباسات ملاحظہ ہوں:

مکتوب بنام مولانا عرفان علی رحمۃ اللہ علیہ: ۴۶

ا۔ ''نورِ دیدہ و راحت روانِ من مولوی عرفان علی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

آدمی کو اس قدر گھبرانا نہ چاہئے۔ اللہ عزوجل پر توکل چاہئے۔ بدمعاش لوگ ایسی دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ وہ محض بے اصل باذن اللہ تعالیٰ ہوتی ہیں۔

۱) صبح عصر کے فرضوں کے بعد قبل کلام کرنے اور قبل پاؤں بدلنے کے اسی ہیأتِ التحیات پر بیٹھے ہوئے دس بار پڑھئے: ''لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد ط بیدہ الخیر ط یحیی ویمیت ط وھو علی کل شیء قدیر ط'' صبح کو پڑھئے، شام تک ہر بلا سے محفوظ رہئے اور شام کو پڑھئے تو صبح تک۔ عصر کے بعد نہ ہو سکے تو مغرب کے فرضوں کے بعد پڑھئے۔

۲) صبح یعنی آدھی رات ڈھلے سے سورج نکلنے تک اور شام یعنی دوپہر ڈھلے سے سورج ڈوبنے تک، اس بیچ میں کسی وقت دس دس بار ''حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت ج وھو رب العرش العظیم ۝'' صبح کا پڑھنا شام تک ہر بلا سے امان ہے اور شام کا پڑھنا صبح تک۔

۳) (ان اوقات) میں تین بار تینوں قل صبح و شام یہی فائدہ رکھتے ہیں۔

۴) صبح و شام میں تین تین بار ''بسم اللہ ط ماشاء اللہ ط لایسوق الخیر الا اللہ ط ماشاء اللہ ط لا یسرف السوء الا اللہ ط ماشاء اللہ ماکان من نعمۃ فمن اللہ ط ماشاء اللہ ط لاحول ولا قوۃ الا باللہ ط'' پڑھا کیجئے۔ صبح کا پڑھنا شام تک ۱جلنے، ۲ڈوبنے، ۳چوری، ۴سانپ، ۵بچھو، ۶شیطان، ۷قہر حاکم سے امان ہے اور شام کا پڑھنا صبح تک۔''

۲۔ ''برادرم سلمہٗ۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مولیٰ تعالیٰ آپ کے ایمان، آبرو، جان، مال کی حفاظت فرمائے۔ بعد نمازِ عشاء ایک سو گیارہ بار ''طفیل حضرت دستگیر، دشمن ہوئے زیر'' پڑھ لیا کیجئے، اول و آخر گیارہ بار درود شریف، اور آپ کے والد ماجد صاحب کو مولیٰ تعالیٰ سلامت باکرامت رکھے، ان سے فقیر کا سلام کہئے، یہی عمل وہ بھی پڑھیں۔ نیز آپ دونوں صاحب ہر نماز کے بعد ایک بار آیۃ الکرسی اور علاوہ نمازوں کے ایک ایک بار صبح و شام سوتے وقت، بعونہٖ تعالیٰ ہر بلا سے حفاظت رہے گی۔ دوپہر ڈھلے سے سورج ڈوبنے تک شام ہے اور آدھی رات ڈھلے سے سورج چمکنے تک صبح، اس بیچ میں ایک ایک بار علاوہ نمازوں کے ہو جایا کرے اور ایک بار سوتے وقت۔ آپ کے والدِ ماجد صاحب کو سلام۔''

۳۔ برادرم دینی و یقینی مولوی عرفان علی سلمہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

مولیٰ تعالیٰ مرض دفع فرمائے اور ہر جگہ اہلِ سنت کی حفاظت کرے۔ شیخ عبد اللطیف صاحب مرحوم بہت خوب آدمی اور فقیر کے خالص مخلص تھے، مولیٰ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ ان کی تعزیت کسے اور کس پتے پر لکھوں؟

ہر مکان میں بعد مغرب سات سات بار اذان بآوازِ بلند ہوا کرے۔

سورۃ التغابن شریف روز پانی پر دم کرکے اپنے اپنے گھر سب کو پلایا کریں۔''

۴۔''راحت جانم سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مضمون دیکھ کر اغلاط بنا کر بھیج دیا، حدیث شریف صحیح کا ارشاد ہے: ''ان الله یبعث لهذه الامة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لها امر دینها'' ۔(بے شک اللہ ہر صدی کے ختم پر اس امت کے لئے ایک مجدد بھیجے گا کہ امت کے لئے اوس (اس) کا دین تازہ کرے۔) پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز تھے، دوسری صدی کے مجدد امام شافعی و امام محمد و امام علی رضا و علیٰ ہذا القیاس (رضی اللہ عنہم)۔ یہ خیال کہ صرف مجدد الفِ ثانی مجدد ہوئے اور یہ کہ مجدد ہزار برس کے بعد ہوتا ہے، سب جاہلانہ خیال ہیں۔''

اقتباس نمبر (۱) اور (۲) میں ایمان، آبرو، جان و مال کی حفاظت کی دعا کے ساتھ مکتوب منہ (سائل) کی دین و دنیا کی جملہ پریشانیوں کے تدارک کے لئے وظیفہ تجویز کیا جا رہا ہے اور توکل علی اللہ کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ اقتباس نمبر (۳) میں مکتوب منہ کے مرض سے شفایابی اور جملہ اہلِ سنت کی حفاظت کی دعا کے ساتھ وبائی مرض کے دفع کے لئے ہر گھر میں قرآنِ کریم سے تجویز کردہ سورۂ مبارکہ پڑھنے کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ تینوں خطوط اگر تفصیلاً دیکھیں تو ان کی عبارات کے ایک ایک لفظ میں مکتوب منہ کے لئے جذبۂ ترحم، دلجوئی، اصاغر نوازی اور سب سے بڑھ کر تمام عامۃ المسلمین کے لئے فلاح و صلاح کے جذبات کارفرما نظر آ رہے ہیں۔ اسی طرح اقتباس نمبر (۴) میں مکتوب منہ کے ایک مضمون کی اصلاح و تصحیح کا ذکر ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بایں ہجومِ کار کہ بیک وقت پانچ، پانچ سو خطوط کے تقریباً روزانہ ہی جواب لکھنے لکھانے اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شب و روز جاری رہنے کی وجہ سے عدیم الفرصتی کے قوی عذر کے باوجود آپ نوجوان علماء و طلباء کو تحریر و تحقیق کے میدان میں آگے لانے کے لئے ان کی تربیت فرمانے اور ان کے مقالہ جات کی اصلاح و تصحیح کے لئے وقت نکالنے سے حتی الامکان گریز نہ کرتے۔ آپ کا یہ عمل احباب، اصاغر اور تلامیذ و عقیدتمند علماء کے ساتھ شفقت و محبت اور مؤدت و دلجوئی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اس خط میں ضمناً حدیثِ مجدد کی تصحیح کا بھی ذکر آیا ہے جو غالباً مکتوب منہ نے اپنے مقالہ میں نقل کی ہوگی، پھر ''مجدد'' کے ظہور کے متعلق عوام الناس میں زبان زدِ عام بعض غیر مستند روایات کی تردید بھی کی گئی ہے۔ اس طرح سے مقالہ نگار کو لکھنے لکھانے کی تحریک و تشویق کے ساتھ اس کے علمی اشکال رفع فرما کر اس کی مکمل تسلی و تشفی بھی کی گئی ہے۔

(نوٹ: اس خط کے مندرجات سے ''مکتوباتِ مسعودی'' ۲۰۰۵ء، مرتبہ عبد الستار طاہر نقشبندی، کے صفحہ ۶۷ پر حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ سے منسوب ایک غلط عبارت کی حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ وجاہت)

ایک اور خط میں مسلمانوں کے محسن اور شفیق امام نے ایک نہایت پریشان حال اور نہایت مایوس برادرِ دینی کے لئے ایسے شفقت بھرے محبت آمیز، تسلی بخش اور رنج و محن دور کرنے والے کلمات تحریر فرمائے ہیں کہ غیر بھی اسے سنے یا پڑھے تو اس کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ جائیں اور ادراکِ حقیقت کے ساتھ یہ شعر گنگناتا مطمئن اور شاداں و فرحاں اپنے مقصدِ تخلیق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کارہائے زندگی کی دیانت دارانہ انجام دہی میں بہ نیتِ عبادت مشغول ہو جائے۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

آپ فرماتے ہیں: ؎

''برادرِ دینی ویقینی سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اتنا پریشان و مایوس ہونا ہرگز نہ چاہئے۔ دریائے رحمت کھلے ہوئے ہیں، استغاثہ و استعانت حضور سید عالم ﷺ و حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے برابر جاری رہے۔ حضور کا توشہ مان لیجئے، بلکہ نصف توشہ پہلے کردیجئے اور پورا بعد کے لئے مان لیجئے۔''

امام احمد رضا محدثِ بریلوی کی تصانیف اور مکاتیب سے ان کے وسعتِ مطالعہ، ژرف نگاہی، فطانت وذہانت، بالغ نظری، کثیر علوم وفنون پر دسترس اور حکیمانہ بصیرت کا آئینہ ہوتے ہیں۔ ان خوبیوں کی بناء پر سچ پوچھئے تو ان کی ذات قرآن حکیم کی درج ذیل آیت کریمہ کا اپنے عہد میں مظہرِ اتم نظر تھی۔ یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ج وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (البقرہ۲:۲۶۹) (اللہ تعالیٰ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی، اسے بہت بھلائی ملی، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ کنزالایمان)

یعنی آپ جیسے حکیم، دانا و بینا، ماہرِ علومِ قرآن وحدیث وفقہ، صاحب تقویٰ اور صاحبِ روحانیت ذات کو صاحب فراست وبصیرت حضرات ہی پہچانتے ہیں، اور ان کے علم سے مستفیض ہونے اور حکمت و دانائی کے ملفوظات سے مستفید ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ان کے سوانح نگاروں نے کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ باقاعدہ طبیب کی حیثیت سے لوگوں کا علاج ومعالجہ کرتے ہوں۔ مگر جس طرح دینی ودنیوی مسائل میں لوگ ان سے رجوع کرتے تھے، امراضِ جسم کے علاج اور شفا کے لئے بھی آپ کی بارگاہِ عالی میں عرض گذاشت ہوتے تھے۔ جب اس جہت سے آپ کے علم وتحقیق کو پرکھا جائے تو آپ ایک ایسے حکیم حاذق نظر آتے ہیں جو اپنے ہم عصر عظیم حکماء واطباّ سے کسی طرح کم نہیں۔ چنانچہ پاکستان میں طبِ اسلامی کے پیشرو اور امام، حکیم محمد سعید صاحب، امام احمد رضا کی طبّی بصیرت کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''فاضلِ بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ اس لئے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں مگر طبّ اور اس علم کے دیگر شعبے، مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقتِ نظر اور طبّی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی ہی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اسلوب و معیار سے دین وطب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہوجاتی ہے۔''

لہٰذا امام احمد رضا کے مکاتیب میں متعدد ایسے مکتوب ہیں جن میں آپ نے اپنے احباب اور تلامذہ کے علاج کے لئے دوائیں تجویز کی ہیں اور نسخے تحریر فرمائے ہیں۔ اس طرح ان کی مکتوب نگاری کی ایک خصوصیت طبّی بصیرت ومہارت کا اظہار بھی ہے۔

۱۲۔ تعزیتی خطوط:

مکاتیبِ رضا میں تعزیتی خطوط بھی ہیں جو ان کے کمالِ تحریر کا ایک نمونہ ہونے کے ساتھ ایک جدید اسلوب کو بھی متعارف کراتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف ایک نمونہ پیش کیا جارہا ہے:

آپ کے عزیز شاگرد، مرید وخلیفہ ومخلص دوست وخلیفہ کے صاحبزادے، مولانا مفتی برہان الحق ابن مولانا عبدالسلام جبلپوری علیہما الرحمۃ کے کمسن صاحبزادے کے انتقال پر محدثِ بریلوی نے ان کے اور ان کی اہلیہ کے نام ایک مشترکہ تعزیتی خط تحریر کیا، اس کے چند

اقتباسات ملاحظہ ہوں: ۴۸

ا۔"جانِ پدر، نورِ بصر، بعلہ اللہ تعالیٰ کا اسمہ برہان الحق المبین و عزیزہ عفیفہ ذکیہ سلمہما اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

..........بے شک اللہ ہی کا ہے جو اس نے لیا۔ اسی کا ہے جو اس نے دیا۔ اور ہر چیز کی اس کے یہاں ایک عمر مقرر ہے۔ جس میں کمی بیشی نامتصور ہے اور محروم تو وہ ہے جو ثواب سے محروم رہا اور جو صبر کریں ان کے لئے ثواب ہے پورا۔

ا۔ میرے عزیز بچو! مولیٰ تعالیٰ تمہیں صبرِ جمیل و اجر جزیل ونعم البدیل عطا فرمائے۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

۲۔".........اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اے محبوب! خوشخبری دو ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہونچے تو کہیں: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ جو ایسا کہیں ان پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت ہے اور وہ لوگ ہدایت پر ہیں۔"

۳۔"اللہ کی بشارت، رسول اللہ ﷺ کی بشارت، اللہ کی درودیں، اللہ کی رحمت، اللہ کی ہدایت، یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ آدمی لاکھ جانیں دے کر لے تو سستی ہیں۔ بے صبری سے، جو چیز گئی آنہیں سکتی مگر یہ عظیم دولتیں ہاتھ سے جاتی ہیں۔ دیکھو! ایک اسی کلمہ انا للہ وانا الیہ راجعون میں کیسی کیسی صبر کی تلقین فرمائی ہے: کہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں، جب ہمارا اور ہماری ہر چیز کا وہی مالک ہے تو مالک اگر اپنی مِلک کسی سے لے، اس کا غم کیا معنیٰ؟ اور ہم کو اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ ایک جاتا اور ہم کو یہیں رہنا ہوتا تو غم تھا کہ اب ملنا کیسے ہوگا؟ ہم کو بھی تو وہیں جانا ہے، تو فکر اس کی چاہئے کہ ایمان پر اٹھیں کہ جانے والے سے ملیں، وہ ہماری شفاعت کرے۔"

۴۔"مسلمانوں کے چھوٹے بچے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی گود میں دیئے جاتے ہیں، وہ انہیں پرورش فرماتے ہیں۔ درختِ طوبیٰ کے سائے میں رکھتے ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ کی گود اچھی ہے یا تمہاری؟ طوبیٰ کی چھاؤں اچھی یا تمہاری چھت کی؟"

۵۔" آپ دونوں صاحب اللہ کے سچے وعدوں پر پورے اطمینان کے ساتھ کہیں: **الحمد للہ، انا للہ وانا الیہ راجعون o عسی ربنا ان یبدلنا خیرا امنہا انا الی ربنا راغبون اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منہا۔**

صحیح حدیث میں ہے اس کا کہنے والا اس گئی ہوئی چیزوں سے بہتر بدل پائے گا۔"

ان سطورِ بالا میں تلقینِ صبر، امیدِ حصولِ ثواب، صبر پر مژدۂ عظیم، راضی برضائے الٰہی رہنے کے ابدی انعامات، دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دائمی زندگی کے ثمرات کو فرامینِ الٰہی اور ارشاداتِ رسولِ مکرم ﷺ سے مربوط کر کے جس احسن انداز میں پیش کیا گیا ہے وہ امام احمد رضا ہی کے قلم کا اعجاز ہے۔ ہر جملہ اثر پذیری میں اپنی مثال آپ ہے۔ القاب سے لے کر اختتامی کلمات تک تمام خط تاثراتی نثر کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مصیبت پر صبر کے انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ کی بشارت، رسول اللہ ﷺ کی بشارت، اللہ جل شانہٗ کی درودیں، رحمٰن ورحیم اللہ کی رحمتیں، ہدایتیں.........یہ تمام انعامات جس مؤثر و مربوط لب ولہجہ اور تواتر و ترتیب کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، مخاطب اسے پڑھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

قاری کے ذہن میں معاً اللہ مالک و مولیٰ کی ملکیت کا ایسا تصور ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کا ایمان مزید مستحکم ہو جاتا ہے اور صبر کی دولت ہاتھ آجاتی ہے کہ یہ اخروی نعمتیں لاکھوں جانیں دے کر بھی نہیں حاصل کر سکتا۔ ذرا اندازہ کیجئے درج ذیل بول کس قدر منطقی اور ایک

مومن کے قلب کے لئے کس قدر باعثِ تسلی وتشفی اور "قلبِ مضطرب" کو "قلبِ مطمئنہ" بنانے والے ہیں:

"ہم اللہ ہی کی مِلک ہیں۔ جب ہمارا اور ہماری ہر چیز کا مالک ہی وہی ہے، تو مالک اگر اپنی مِلک کسی سے لے لے اس کا غم کیا معنیٰ؟ اور ہم کو اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ ایک جاتا اور ہم کو یہیں رہنا ہوتا تو غم تھا کہ اب ملنا کیسے ہوگا؟ ہم کو بھی تو وہیں جانا ہے، تو فکر اس کی چاہئے کہ ایمان پر اٹھیں، کہ جانے والے سے ملیں، وہ ہماری شفاعت کرے۔"

منطقی اندازِ تحریر کے ساتھ ساتھ ان جملوں میں پوشیدہ ایجاز و اختصار، سادگی و بے ساختگی اور مقفّٰی طرزِ نگارش کا جوحسن اور اشاروں کنایوں میں قرآن وحدیث کی جزئیات کے حوالے اور ایمان باللہ و ایمان بالرسول اور ایمان بالغیب کی تفاصیل ہیں وہ اہلِ علم ونظر سے مخفی نہیں۔

۱۳۔ جذبات نگاری:

امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کی ایک خصوصیت سید عالم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے ان کا بے پناہ لگاؤ اور جذبۂ کمالِ عشق ہے۔ ان کے اس والہانہ عشق کا اظہار ان کی منثور ومنظوم تمام نگارشات سے ہوتا ہے۔ جذبات نگاری کی یہ دلکشی اور اثر آفرینی ان کے مکاتیب کے الفاظ اور جملوں میں بھی بدرجۂ اتم محسوس کی جاسکتی ہیں۔ گوکہ ان کے عشقِ صادق کی اصل تصویر ان کے مجموعۂ نعت حدائقِ بخشش ہی میں نظر آتی ہے لیکن مکاتیب میں بھی ایسے ادبی شہ پارے جابجا بکھرے نظر آتے ہیں جن میں ان کا جذبۂ صادق، نصب العین، عقائدِ صالحہ، جذبۂ فروغِ عشقِ رسول ﷺ اور تبلیغِ تعلیمِ قرآن وسنت کی خدمت اور احیائے دینِ متین کے اظہار کا مدّعا با آسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ خوبی آپ کی تحریر میں منکسر المزاجی، کسرنفسی اور شرافت و غیرتِ دینی کا عنصر زیادہ غالب نظر آتا ہے، حتیٰ کہ معاندین اور مخالفین سے بھی درویشانہ اندازِ گفتگو اور فقیرانہ لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں۔ صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

دیوبندی حضرات کے حکیم شیخ اشرفعلی تھانوی (م م۱۳۶۳ھ) کے نام ایک مکتوب میں تھانوی صاحب کے ہم نواؤں کے نہایت جارحانہ سوقیانہ اندازِ تکلم کے جواب میں آپ کا عالمانہ و ادیبانہ اور باوقار اسلوبِ نگارش ملاحظہ ہو: [۴۹]

"الحمدللہ! یہ زبانی ادّعا نہیں بلکہ میری کاروائیاں اس پر شاہد عدل ہیں۔ موافق ومخالف سب دیکھ رہے ہیں کہ امرِ دین کے علاوہ جتنے ذاتی حملے مجھ پر ہوئے، کسی کی اصلاً پروانہ کی، اصحابِ فقیر نے آپ کی طرف کے ہر قابلِ جواب اشتہار کے جواب دیئے جو بحمداللہ تعالیٰ لاجواب رہے، مگر جناب کے مہذب عالم، مقدس متکلم، مولوی مرتضیٰ حسین دیوبندی، چاند پوری کے کمال شستہ وشائستہ دشنام نامہ کی نسبت قطعی ممانعت کردی..................

..................ایسے وقائع بکثرت ہیں اور اب جو صاحب چاہیں اطمینان فرمائیں، ان شاءاللہ تعالیٰ ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہوگا۔ سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے، عزّتِ سرکار ﷺ کی حمایت کروں، نہ کہ اپنی۔ میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں، اتنی دیر محمد رسول اللہ ﷺ کی بدگوئی، منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں۔ میں چھاپ چکا اور پھر لکھتا ہوں، میری آنکھ کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ میری اور میرے آبائے کرام کی آبروئیں عزتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے سپر رہیں۔ اللّٰھم اٰمین۔"

(خصوصی نوٹ: مولوی مرتضی حسن چاند پوری، دیوبندی مذہب کی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل اور اس کے ناظمِ تعلیمات تھے۔ وہ خود کو شیخ اشرفعلی تھانوی کا وکیل کہتے تھے۔ انہوں نے اسی حیثیت سے

ایک اشتہار اعلیٰ حضرت پر ذاتی حملوں اور سب وشتم سے لبریز شائع کرادیا تھا جس کا عنوان تھا: ''بریلی چیپ شاہ گرفتار''۔ اسی طرح مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بریلی شریف میں علمائے اہلِ سنت سے مناظرے میں شکستِ فاش ہوئی، مگر انہوں نے اپنے اشتہار میں اس کے برعکس چھاپا اور اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت پر ایسے ذاتی حملے کئے جس سے انسانیت اور شرافت دونوں شرم سے پانی پانی ہوگئے۔ حاشیہ کلیاتِ مکاتیبِ رضا۔ ص: ۱۶۸)

''یہ مانا کہ جب جواب بن ہی نہ پڑے تو کیا کیجئے؟ کہاں سے لائیے؟ کس گھر سے دیجئے۔ مگر والا جنابا! ایسی صورتوں میں انصاف یہ تھا کہ اپنے اتباع کا منہ بند کرتے، معاملہ دین میں ایسی ناگفتنی حرکات پرانہیں لجاتے، شرماتے، اگر جناب کی طرف سے ترغیب نہ تھی تو کم از کم آپ کے سکوت نے انہیں شہ دی، یہاں تک کہ انہوں نے ''سیف النقی'' جیسی تحریر شائع کی جس کی نظیر آج تک کسی آریہ یا پادری سے بھی نہ بن پڑی، یعنی میرے رسائل قاہرہ کے اعتراض اتارنے کا یہ ذریعہ شنیعہ ایجاد کیا کہ میرے والدِ ماجد وجد امجد و پیرو مرشد قدست اسرارہم و خود حضور پرُنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اسمائے طیبہ سے کتابیں گڑھ لیں، ان کے نام بنالئے، مطبع تراش لئے، فرضی صفحوں کے نشان سے عبارتیں تصنیف کرلیں۔''

۱۴۔ کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی کا ایک اپنا اسلوبِ نگارش اور منفرد اظہارِ بیان ہے لیکن اس کے باوجود اپنے مکاتیب میں انشاء پردازی کی خصوصیات کے حوالے سے اظہارِ مدعا کے بیان میں بہت سے مقامات پر مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ سے بڑی حد تک مماثلت جھلکتی ہے۔ جب اربابِ سخن امام احمد رضا کے مکاتیب کا بالاستعیاب مطالعہ کرتے ہیں تو یہ کہنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ غالب کے علاوہ بھی: ع

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے

طوالت کے خوف سے دونوں کے مکتوب کے ایک ایک اقتباس ملاحظہ ہوں:

۱۔ غالبؔ کا خط بنام نواب انوار الدولہ شفقؔ: ۵۰

''نہ تم میری خبر لے سکتے ہو نہ میں تم کو مدد دے سکتا ہوں۔ اللہ اللہ اللہ، دریا سارا تیر چکا ہوں، ساحل نزدیک ہے، دو ہاتھ لگائے اور بیڑا پار ہے۔''

۲۔ مکتوب محدثِ بریلوی بنام علامہ عبدالسلام جبلپوری علیہ الرحمۃ: ۵۱

''دعائے جناب و احباب سے غافل نہیں، اگرچہ منہ دعا کے قابل نہیں۔ اپنے عفو و عافیت کے لئے طالبِ دعا ہوں کہ سخت محتاجِ دعائے صلحاء ہوں۔ اجل نزدیک اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل''

(نوٹ: واضح ہو کہ یہ خط امام احمد رضا نے اپنے وصال سے ایک سال قبل ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ کو لکھا تھا۔ ایک سال قبل وقتِ وصال سے آگاہی، یہ مرتبہ محبوبانِ خدا ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ وجاہت)

دونوں کے جملوں میں سادگی، بے ساختگی، روانی، بے تکلفی اور قوافی میں مماثلت قابلِ توجہ ہیں۔ موت کے متعلق خوبصورت کنایہ و اشارے ہیں لیکن بیانِ احوالِ آخرت اور خشیتِ الٰہی کے حوالے سے امام احمد رضا کا اسلوبِ تحریر زیادہ پُر اثر ہے۔ محاورات کا استعمال دونوں اقتباسات میں برمحل ہے۔ اقتباس نمبر (۱) میں خبر لینا، دریا تیر چکنا، دو ہاتھ لگانا، بیڑا پار ہونا وغیرہ استعمال کرکے زندگی کے آخری ایام کی خوبصورت تصویر کشی کی گئی ہے۔ جبکہ اقتباس نمبر (۲) میں دعائے احباب سے غافل نہ ہونا، منہ دعا کے قابل نہ ہونا، دعا کا طالب ہونا، صلحاء کی دعا کا محتاج ہونا، اجل نزدیک اور عمل رکیک، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، بالترتیب کہہ کر قربِ وقتِ موت کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ پہلے اقتباس سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اس لئے کہ یہاں ایک جانب ''عملِ رکیک'' کے اقرار سے خوفِ پرسشِ محشر کا اظہار کیا گیا لیکن دوسری جانب معاً اس کے بعد ''وحسبنا اللہ ونعم الوکیل'' کی قرآنی دعا یاد کرکے

رحمت و مغفرتِ الٰہی پر بھر پور ایمان اور اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے اور خوبصورت اشارے وکنایے میں اپنی بخشش کی خوشخبری بھی سنادی ہے۔ روزہ مرہ محاورات کا استعمال جس چابکدستی کے ساتھ دلنشین اور ترتیب وار انداز میں کیا گیا ہے اس سے امام احمد رضا کی اردو زبان پر کمالِ قدرت کا احساس ہوتا ہے۔ ایک خاص بات اور ہے جو قارئین کی توجہ کی طالب ہے، وہ یہ کہ غالب اپنی تحریر میں اپنی موت کے قریب ہونے کی خبر کے ساتھ ساتھ اپنی بے بسی اور مایوسی کا اظہار کررہے ہیں اور مکتوب الیہ سے مدد حاصل کرنے یا اس کی مدد کرنے سے عجز کا اظہار بھی کررہے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اپنی تحریر میں یہ عقیدہ دے رہے ہیں کہ ایک مومنِ صادق زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اپنے احباب کی دعائے خالص اور ایصالِ ثواب کے ذریعہ مدد کرسکتا ہے اور دعاو مغفرت چاہنے والے احباب کی رفاقت کو اللہ کا انعام قرار دے رہے ہیں۔ غالب اپنی تحریر میں انجام کار رستگاری سے مایوس نظر آرہے ہیں جبکہ امام احمد رضا کی تحریر یہ عقیدہ دے رہی ہے کہ مومنِ صالح باذنِ الٰہی دنیا و آخرت میں ایک دوسرے کے مددگار اور یہ وعدۂ الٰہی انجام کار رستگار ہیں۔

امام احمد رضا کی شخصیت مکاتیب کے آئینے میں:

واضح ہو کہ راقم نے امام احمد رضا کے مکاتیب کے اسلوبِ نگارش کی محض چند خصوصیات قلمبند کیں اور جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا کہ مکاتیب کسی بھی شخصیت کا بہترین آئینہ ہوتے ہیں، ان تین سو خطوط میں جنہیں مرتبِ محترم جناب غلام جابر شمس مصباحی پورنوی صاحب نے نہایت جانفشانی اور تلاش وجستجو کے بعد جمع فرمایا ہے، امام احمد رضا کی بلند قامت شخصیت کے مختلف زاویئے اس قدر واضح طور پر نظر آتے ہیں کہ اگر کوئی محقق چاہے تو تنہا انہی کو سامنے رکھ کر ان کی حیاتِ مبارکہ کا جامع نقشہ تیار کرسکتا ہے۔ ان مکاتیب میں امام صاحب کے اطوار و اخلاق اور عادات و معمولات کے پہلو بھی صاف نظر آتے ہیں۔ لہٰذا ہم بلاخوفِ تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ زیرِ نظر مکاتیب صرف اس وجہ سے بیش بہا اور اہمیت کے حامل نہیں کہ یہ ایک عبقریٔ وقت اور مجددِ دین وملت کے مکاتیب ہیں بلکہ ان کے قیمتی ہونے کی کچھ اور بھی وجوہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ ان قلم برداشتہ خطوط کے آئینہ خانے میں محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ کی شخصیت ایسے واضح اور شفاف رنگ میں نظر آتی ہے کہ ان کے اکثر اصحاب کو ان کی حیاتِ مستعار کے لمحات میں بھی اسے اس تفصیل سے دیکھنے کا موقع شاید ہی میسر آیا ہو۔

۲۔ مذکورہ خطوط اردو زبان و ادب کی تاریخ میں گوناں گوں اسالیبِ زبان وبیان کا ایک بہت اہم اور نادر ودلکش مرقع ہے۔

۳۔ ان میں امام موصوف کی حیات کا کافی ووافی ذخیرہ موجود ہے۔

۴۔ کہتے ہیں کہ خطوط کسی کے قلب و ذہن کے عکاس ہوتے ہیں، مذکورہ مکاتیب کے آئینے میں ایک عبقریٔ وقت کے قلب وذہن اور فکر ونظر کی مکمل تصویر خود ان کے سرِ خامہ کے باریک بین کیمرے سے کھینچ کر سامنے آگئی ہے۔ بقولِ بعضے محققین، مکتوب نگار کی فکر ونظر کی یہ تصویر اس کے شعر وسخن اور نثری نگارشات کے آئینہ خانہ سے کہیں زیادہ جامع اور واضح ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی خط لکھتا ہے تو وہ تخلیہ میں لکھتا ہے اور وہاں اس کے اور مکتوب الیہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوتا۔ ایسے میں راز ونیاز اور سرِّ دل برآں کا اظہار بلا تکلف ہوتا ہے اور بقولِ مومن، کیفیت یہ ہوتی ہے۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

آخر میں عرض ہے کہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی قدس سرہٗ کے زیرِ نظر مکاتیب کا مجموعہ ترتیب پانے سے قبل بھی دورِ جدید اور ماضی قریب کے بعض اکابرِ علم وفضل کے مکاتیب ترتیب پائے اور زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ بلکہ اب ان کے بعد کے دور میں بھی بعض دیگر مشاہیرِ علم وادب کے مجموعۂ خطوط بھی سامنے

آرہے ہیں، لیکن کلیاتِ مکاتیبِ رضا کے مطالعہ کے بعد کوئی بھی صاحبِ علم ونظر یہ تسلیم کرنے میں تامل نہ کرے گا کہ امام احمد رضا نے اپنی اس قلم برداشتہ بے تکلف نگارشات میں ذات و ماحول کے متعلق معلومات کا جو گراں قدر خزانہ بلاقصد ونیت مہیا کردیا ہے، وہ ہماری دینی، علمی وادبی وسیاسی تاریخ کا ایسا قیمتی اثاثہ ہے جس کی مثال اردو انشاء پردازی میں کم ملے گی۔ علاوہ ازیں اسلوبِ نگارش میں ابداع کی جو فراوانی آپ کے خطوط میں موجود ہے وہ اردو ادب کے نقادوں اور ادیبوں کو کھلے لفظوں میں دعوتِ تحقیق ونقد ونظر دے رہی ہے ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

بالفاظ دیگر، امام احمد رضا نے دوسرے علوم وفنون کی طرح مکتوب نگاری میں بھی اپنی انفرادیت اور یکتائی کا جلوہ دکھایا جوان کے عبقریٔ وقت ہونے کی ایک اور بیّن دلیل ہے۔ کاش کہ کوئی محقق ادیب، امام احمد رضا کے ان مکاتیب اور ان کے علاوہ ہزار ہا دیگر خطوط جو ابھی تک گوشۂ گمنامی میں قدر دانوں کی نگاہوں سے روپوش ہیں، ان کو بازیاب کراکے ان پر پوری توجہ فرمائے تاکہ امام موصوف کے شعری کلام کی طرح یہ بھی اہلِ علم وادب کی بے اعتنائی کا شکوہ نہ کرسکیں۔ فاضل نوجوان اور محقق رضویات مولانا مفتی ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مکاتیب کو ایک جذبۂ عشق وجنوں کے تحت بصد تلاش وجستجو حاصل کیا اور پھر اس پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا ایک نہایت محققانہ اور وقیع مقالہ لکھا۔ یقیناً رضویات کی تاریخ میں یہ ایک اہم علمی پیشرفت ہے۔ پھر ان تمام حاصل کردہ خطوط کا مرتب ہوکر کتابی شکل میں شائع ہونا علامہ ڈاکٹر مصباحی صاحب کی علم دوستی اور رضویات سے ان کے شغف کا ایک زندۂ جاوید ثبوت ہے۔ یہ ان کا وہ عظیم علمی کارنامہ ہے جو اہلِ علم وادب سے داد لئے بغیر نہیں رہ سکتا اور رہتی دنیا تک امام احمد رضا کی حیات کا اصل دستاویزی حوالہ قرار پاتا رہے گا۔

کلیاتِ مکاتیبِ رضا، جلد اوّل کے اندرونی سرورق پر ان مجموعۂ مکاتیب کے متعلق یہ تبصرہ بڑا جامع ہے کہ یہ مجموعہ ''امام احمد رضا بریلوی کے مکتوبات کا جامع ترین مجموعہ، مکتوب نگار کی وفات کے کچھ کم سو سال بعد یہ پہلا قدم، علم وادب، فکر ونظر، فلسفہ واخلاق اور ہدایت وارشاد کا قیمتی خزانہ، حیاتِ رضا، فکرِ رضا، علمِ رضا اور اخلاصِ رضا کا ایک شفاف آئینہ (ہے)، وہ آئینہ جس میں ان کی احیائی وتجدیدی، اصلاحی ودعوتی، دینی وسیاسی، معاشی ومعاشرتی، قومی وملّی اور تہذیبی وتمدنی کارناموں کی اجلی تصویریں صاف دکھائی دیتی ہیں۔''

'رحمتِ حق بہانہ می جوید' کے مصداق مکاتیبِ امام احمد رضا پر تحقیقات کے نیک عمل کا ایک عظیم صلہ علامہ ڈاکٹر شمس مصباحی صاحب کو یہ بھی عطا فرمایا کہ انہوں نے پی۔ ایچ۔ ڈی تھیسس کی تحریر کے دوران امام احمد رضا کی نادر تحقیقات کے حوالے سے ۱۸ مزید مقالہ جات قلمبند کرلئے جو اب اپنی طباعت کے لئے علم دوست، سخن پرور، صاحبِ ورع وتقویٰ اہلِ ثروت حضرات کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ''مردے از غیب بروں آید کہ کارے بکند!''

بفضلہٖ تعالیٰ اگر ایسا جلد ہوجائے (اور ان شاء اللہ وثم ان شاء رسولہٖ ایسا یقیناً ہوگا) تو حیاتِ رضا اور علومِ رضا کی ایسی نئی نئی جہتیں اور نامعلوم ونادیدہ وناشنیدہ گوشے منظرِ عام پر آجائیں کہ اہلِ علم وفن کی آنکھیں خیرہ ہوجائیں اور اس طرح علم وادب کے سرمایہ میں ایک معتد بہ اضافہ ہوجائے۔ راقم بارگاہِ الٰہی میں دعاگو ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری ان دعاؤں کو مرتب ممدوح کے حق میں قبول فرمائے اور موصوف کے علم وعمل اور رزق وعمر میں مزید برکتیں عنایت فرمائے تاکہ وہ اپنی فتوحاتِ علمی خصوصاً تحقیقاتِ رضویہ سے ہمیں اسی طرح ہمہ تن متوجہ ہوکر اور اسی مستعدی کے ساتھ مستفیض فرماتے رہیں۔ آمین بجاہِ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

می کند حافظ دعائے بشنو آمینی بگو
روزیِ مابعد لعلِ شکر افشانِ شما

حوالہ جات

۱ محمد ظریف، ابلاغ کا مفہوم اور ذرائع، ماہنامہ تدریس القرآن، کراچی۔ جنوری ۲۰۰۶ء

۲ المنجد (عربی اردو)، مطبوعہ دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۸۵۹

۳ ایضاً ۴ ایضاً، ص ۵۵۷

۵ ایضاً، ص ۳۸۴ ۶ ایضاً، ص ۸۵۹

۷ المورد، بیروت، ۱۹۸۹ء، ص ۵۲۳،۲۲

۸ مہدی بیگم، مکاتیب مہدی، مقدمہ از سید سلیمان ندوی، گورکھپور، ص ۱۵۸

۹ ادبی تبصرے، ص ۶۷ ۱۰ اے۔ آر۔ ڈبلیو ریمزے سم، انگلش لیٹر رائیٹر، ص ۸

۱۱ احمد رضا خان، امام، خالص الاعتقاد ۳۴، بحوالہ جامع الاحادیث مکمل ج ۷، ص ۱۷۸، ناشر امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف، یوپی، انڈیا۔

۱۲ رسالہ نور حبیب

۱۳ مکتوبات نبوی ﷺ (اردو)، مؤلف مولانا سید محبوب رضوی، ناشر یونائیٹڈ آرٹ پرنٹرز لاہور، اشاعت دوم، اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص ۴۱۔۴۴

۱۴ محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، آخری پیغام، مطبوعہ سرہند پبلیکیشنز، کراچی، ص ۶۷ تا ۱۲۱

۱۵ خلیق انجم، غالب کے خطوط، مطبوعہ غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ص ۱۳۵، ۱۳۶ (ملخصاً)

۱۶ غلام رسول مہر، خطوط غالب، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء، ص ۲۹

۱۷ ایضاً، ص ۱۶، ۱۷

۱۸ احمد رضا، امام، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، (قدیم) ج ۴، ص ۱۴۹

۱۹ محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، حیات مولونا احمد رضا خاں بریلوی، ناشر اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ، ص ۱۲۷

۲۰ ڈاکٹر شمس مصباحی پورنوی، کلیات مکاتیب رضا، ج ۱، ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا

۲۱ ایضاً، ص ۵۴ ۲۲ ایضاً، ص ۳۶۵، ۳۶۶

۲۳ کلیات مکاتیب میں مذکورہ مکتوب الیہ کے نام خطوط ملاحظہ ہوں۔

۲۴ ایضاً، ص ۱۲۶۔

۲۵ ایضاً، ص ۱۲۶، ۱۲۷ ۲۶ ایضاً، ص ۲۲۱، ۲۲۲

۲۶ب۔ ایضاً ص ۲۱۰ ۲۷ ایضاً، ص ۲۰۲

۲۸ محمود احمد قادری، پیر، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، ناشر مکتبہ رضویہ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۳

۲۹ برہان الحق جبلپوری، مفتی، اکرام امام احمد رضا، ص ۹۹۔۱۰۰

۳۰ شمس مصباحی پورنوی، ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا، ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا، کلیر شریف، ص ۳۸۴

۳۱ ایضاً، ص ۳۸۸۔ ۳۲ احمد رضا خان، امام، خالص الاعتقاد، ص ۳۴۔۳۸

۳۳ شمس مصباحی پورنوی، ڈاکٹر، کلیات مکاتیب رضا، ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا، کلیر شریف، ص ۱۰۱، ۱۰۲

۳۴ ایضاً، ص ۳۳۶ ۳۵ ایضاً، ص ۳۳۱، ۳۳۲

۳۶ ایضاً، ص ۲۶۴ تا ۲۷۰ ۳۷ ایضاً، ص ۳۶۸

۳۸ ایضاً، ص ۳۳۴ ۳۹ ایضاً، ص ۵۵

۴۰ ایضاً، ص ۱۹۸ ۴۱ ایضاً، ص ۳۹۱، ۳۹۲

۴۲ ایضاً، ص ۱۱۵، ۱۶۹

۴۳ کلیات مکاتیب رضا، ص ۱۶۹

۴۴ ایضاً، ص ۳۵۶ ۴۵ ایضاً، ص ۱۹۶، ۱۹۷

۴۶ محمود احمد قادری، پیر، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، ناشر مکتبۂ رضویہ، لاہور، ص ۱۹۹ تا ۲۰۲

۴۷ ایضاً، ص ۲۰۷

۴۸ شمس مصباحی، پورنوی، کلیات مکاتیب رضا، ناشر دار العلوم قادریہ صابریہ برکات رضا، کلیر شریف، ص ۲۰۴ تا ۲۰۷

۴۹ ایضاً، ص ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۰

۵۰ غلام رسول مہر، خطوط غالب، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء، ص: ۳۷۲

۵۱ محمود احمد قادری، پیر، مولانا، مکتوبات امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، ناشر مکتبۂ نبویہ، لاہور، ص: ۴۷

پروفیسر محمد اسلم کے "سفرنامہ ہند" سے متعلق چند معروضات

تحریر: خلیل احمد رانا

پروفیسر محمد اسلم (۱۹۳۲ء۔۱۹۹۸ء)، سابق صدر شعبہ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ہمارے ملک کے مشہور تاریخ داں، محقق، ادیب علم الانساب کے ماہر اور کئی اہم کتابوں کے مصنف تھے۔[۱] راقم کو صرف ایک مرتبہ انہیں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ یوں کہ ۲۶/نومبر ۱۹۸۳ء کو یوم رضا کے موقع پر نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور میں مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ [۲] (۱۹۲۷ء۔۱۹۹۹ء) کو وہ پروفیسر محمد ایوب قادری (۱۹۲۶ء۔۱۹۸۳ء) [۳] کے حادثہ میں فوت ہوجانے کی خبر دینے آئے تھے۔

پروفیسر صاحب اگرچہ کئی کتب کے مصنف و مؤلف ہیں مگر ان کی زیر بحث کتاب "سفرنامہ ءِ ہند" اردو سفرناموں میں انتہائی مفید اضافہ ہے۔ اس سے پہلے ہندوستان کا ایسا دلچسپ اور معلوماتی سفرنامہ شائع نہیں ہوا، سفرنامہ میں مقابر و مزارات کے الواح اور کتبوں کی نقل بہت اہم کام ہے اور ایسے کام کو وہی ہاتھ لگاتا ہے جسے تاریخ میں تحقیق کا جنون کی حد تک شوق ہو، سفرنامہ میں سنین وفات درج کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، مجموعی طور پر یہ سفرنامہ علمی اعتبار سے معلومات کا ذخیرہ ہے لیکن چند باتیں ایسی بھی ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے کیونکہ یہ تحقیق اور دیانت کے اصولوں سے متصادم ہیں جس سے کتاب کی ثقاہت مجروح ہوتی ہے۔

پروفیسر صاحب دہلی کے سفرنامہ میں لکھتے ہیں:

"شاہ زید ابوالحسن (م۱۹۹۳ء) جامعہ ازہر کے فاضل اور خانقاہ شاہ ابوالخیر کے سجادہ نشین تھے، انہوں نے ساٹھ برس اس خانقاہ کی خدمت کی ہے، ان کی تصانیف میں سے مقامات خیر، حضرت مجدد اور اُن کے ناقد [۴] اور ابن تیمیہ [۵] جیسی تصانیف قابل ذکر ہیں، جب میں ان سے ملا تو ان دنوں وہ شاہ اسماعیل شہید کے خلاف مواد جمع کرنے میں مصروف تھے، یہ جان کر مجھے بڑا دکھ ہوا کہ موصوف کس کام میں لگ گئے ہیں"۔[۶]

حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا اسماعیل دہلوی کے بارے میں جو کتاب لکھی ہے، اس کا نام "مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان" ہے، حقیقت یہ ہے کہ شاہ زید فاروقی نے یہ کتاب لکھ کر تحقیق و انصاف کا حق ادا کردیا ہے، کتاب لائق مطالعہ ہے، طرز تحریر نہ متکلمانہ ہے اور نہ ہی مناظرانہ بلکہ سراسر دعوت فکر ہے۔ ان کی شخصیت میں جانبداری شمہ بھر بھی نہ تھی، اور ان کی کتب کا جنہوں نے مطالعہ کیا ہے وہ بالضرور اس بات کی تائید کریں گے کہ ان کی تحریروں میں غیر جانبداری اور تحقیق و انصاف جیسے اصولوں کی پیروی جگہ جگہ ملے گی۔ اس لئے آپ پر کسی طرف جھکاؤ کا الزام نہیں دیا جاسکتا۔ وہ خود اس کتاب کے مقدمہ میں "رسالہ کی وجہِ تالیف" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: "میں نے تقویۃ الایمان کا مطالعہ بلا ادنیٰ تعصب اور اعتساف کے کیا اور افسوس ہوا کہ مولانا اسمٰعیل کیا لکھ گئے ہیں۔۔۔ مجھ کو تقویۃ الایمان میں وہابیت کے اثرات نظر آئے لہٰذا میں نے مختصر طور پر محمد بن عبدالوہاب کے حالات کا مطالعہ کیا۔۔۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ مولانا نے جو کچھ اس رسالہ میں رکھا ہے، نجدی ردّ الاشراک سے لیا ہے۔"

ڈاکٹر ابوالفضل فاروقی دہلوی (م ۱۹۸۴ء) اس کتاب کے اداریئے میں لکھتے ہیں:

"حضرت مؤلف مدظلہٗ کا تعلق ہندوستان کی کسی جماعت سے نہیں، یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی مسئلہ پیش آتا ہے، آپ مستند قدیم کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اس کا اظہار فرماتے ہیں"۔[۷]

پروفیسر محمد اسلم صاحب کا سفرنامہ ۱۹۹۵ء میں لاہور سے شائع ہوا ہے، جبکہ شاہ ابوالحسن زید کی کتاب ۱۹۸۴ء میں دہلی سے اور ۱۹۸۴ء ہی میں لاہور سے اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے، معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے اس کتاب کا ذکر کیوں نہیں کیا، پروفیسر صاحب کی کتاب "سفرنامہ ہند" کے کئی باب جو کہ پہلے مختلف رسائل میں شائع ہو چکے تھے، "سفرنامہ ہند" میں ترمیم و اضافہ کے ساتھ شامل کئے گئے، تو کیا وجہ ہے کہ دہلی کے سفرنامہ میں ایک دو سطر کے اضافہ کے ساتھ شاہ ابوالحسن زید فاروقی کی کتاب کا ذکر کیوں نہ ہو سکا؟ اس سے قارئین کو حضرت زید دہلوی علیہ الرحمہ کے مؤقف کا بھی علم ہو جاتا۔

مولانا اسماعیل دہلوی (م ۱۸۳۱ء) اپنی کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں خود کہتے ہیں:

"اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے"۔

مزید کہتے ہیں:

"گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے"۔[۸]

مولانا اسماعیل دہلوی نے کتاب لکھ کر لڑائی، جھگڑے، فتنہ فساد اور اختلافات کی بنیاد تو خود رکھ دی تھی اور اس پر طرہ یہ کہ اس کا انہیں اعتراف بھی تھا۔ اب اگر کوئی ان سے اختلاف کرتا ہے تو پروفیسر صاحب کا رنجیدہ ہونا عجیب لگتا ہے، حالانکہ ہر آدمی کو جائز اور دلیل کے ساتھ اختلاف کا حق حاصل ہے۔ مولانا اسمٰعیل دہلوی ہی کے بارے "امداد المشتاق علیٰ اشرف الاخلاق" میں مذکور یہ روایت کہ

"مولوی اسمٰعیل شہید موحد تھے۔ چونکہ محقق تھے چند مسائل میں اختلاف کیا اور مسلکِ پیرانِ خود مثل شاہ ولی اللہ وغیرہ پر انکار فرمایا"[۹]

پروفیسر صاحب دہلی کے سفرنامہ میں مزید لکھتے ہیں:

"پیر شرافت نوشاہی[۱۰] نے "شریف التواریخ" میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جامع مسجد (دہلی) کے قبلہ کا رُخ شاہ رحمٰن بھڑی والا[۱۱] نے شاہجہان کی درخواست پر درست کیا تھا، بقول شرافت نوشاہی، شاہ رحمٰن پیشہ کے اعتبار سے دھوبی تھے، انہوں نے کپڑا نچوڑتے ہوئے قبلہ رُخ دیوار کی سمت درست کر دی، ہمارے خیال میں تاج محل، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی جیسی عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرنے والے معماروں پر ایک اتہام ہے کہ انہوں نے مسجد کی بنیاد رکھتے وقت سمتِ قبلہ کا خیال نہیں رکھا، حالانکہ یہ خاندان ریاضی دانی اور جومیٹری کے علم میں مہارت کے لئے پورے عالم میں اپنی مثال آپ تھا"۔[۱۲]

پروفیسر صاحب ایک ولی اللہ کی کرامت کا انکار کرنے کے لئے معماروں کی تعریف کر کے انہیں تہمت سے بچا رہے ہیں، لیکن درج ذیل واقعہ کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ بانیٔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا محمد علی مونگیری (م ۱۹۲۷ء) کے مرتبہ، حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہٗ (م ۱۸۹۵ھ) کے ملفوظات میں ہے کہ:

"ایک شب مسجد کانپور جسے ہندوؤں نے شہید کر دیا تھا کا تذکرہ ہوا، جس میں مَیں نماز پڑھتا ہوں، میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ مسجد ٹیڑھی ہے، قبلہ کے رُخ نہیں، ارشاد ہوا کہ تم سیدھی نہیں کر دیتے، (پھر) ایک گاؤں کا نام لے کر فرمایا کہ اس میں ایک مسجد کو لوگ ٹیڑھی کہتے تھے، میں نے وہاں نماز پڑھی اور تھوڑی دیر بیٹھا، پھر میں نے لوگوں سے کہا کہ دیکھو تو یہ مسجد سیدھی ہے یا ٹیڑھی، خدا کی قدرت پھر جو دیکھا تو مسجد سیدھی تھی، یعنی تھوڑی دیر بیٹھ کر جو آپ نے توجہ اور ہمت فرمائی تو خدا تعالیٰ نے اس مسجد کو سیدھا کر دیا۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ"[۱۳]

ایک اور مقام پر بھی پروفیسر صاحب بزرگوں کی کرامت سے انکار کرنے کے لئے جدید تحقیق کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ امروہہ کے سفرنامہ میں لکھتے ہیں:

"(محمود احمد) عباسی مرحوم (م ۱۹۷۴ء) کے گھر سے ہم شاہ ولایت حسین ابن علی نقوی واسطی سہروردی المعروف بچھوؤں والے پیر

کا مزار دیکھنے گئے، اس بزرگ کے مزار پر بچھوؤں کے لکڑی اور لوہے کے بڑے بڑے مجسمے آویزاں ہیں اور زندہ بچھو بھی درگاہ کے احاطے میں چلتے پھرتے دیکھے جاسکتے ہیں، وہاں کے عوام کا یہ کہنا کہ شاہ ولایت کی کرامت سے احاطہ مزار کے اندر بچھو ڈنگ نہیں مارتے، مولانا نسیم احمد فریدی (امروہوی) نے ہمیں بتایا کہ جدید تحقیق کے مطابق صدیوں پرانے قبرستان میں فاسفورس کی مقدار اتنی زیادہ ہوجاتی ہے کہ وہاں کے رہنے والے سانپوں بچھوؤں کا زہر ختم ہوجاتا ہے، اس لئے ان کا گزند نہ پہنچانے کا شاہ ولایت کی کرامت سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔[۱۴]

اس معاملہ میں ہمیں نامور شاعر اور دانشور جناب رئیس امروہوی (م ۱۹۸۸ء) کی شہادت اخبارات کی فائل سے ملی ہے، جس سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ فاسفورس کی زیادتی بچھوؤں کے نیش زنی کرنے میں مانع ہے یا وہ پرانے قبرستانوں کے بچھو ہوتے ہیں۔

مشہور ماہر تعلیم، دانشور، ادیب، پروفیسر محمد عثمان مرحوم (م۱۹۸۷ء، سابق ڈائریکٹر ادارہ تعلیم وتحقیق جامعہ پنجاب لاہور) اپنے ایک مضمون ''تصوف اور اسلام'' میں غلام احمد پرویز کی کتاب ''تصوف اور اسلام'' پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(مشہور صحافی، کالم نگار) منو بھائی نے اپنے کالم ''گریبان'' (روز نامہ جنگ، لاہور، ۱۸/ جون ۱۹۸۳ء) میں حضرت شاہ ولایت امروہوی کے بارے میں کچھ اس قسم کی بات لکھی کہ ملک کے نامور اور واجب الاحترام بزرگ شاعر اور دانشور رئیس امروہوی کو ایک مفصل خط لکھنا پڑا، جسے منو بھائی نے اپنے کالم میں مورخہ ۵/ جولائی (۱۹۸۳ء) کو شائع کیا، خط کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

''لوگ یہ کرتے ہیں کہ احاطہ درگاہ میں رینگنے والے بچھوؤں کو ہاتھوں سے پکڑ لیتے ہیں اور ایک مدت مقرر کرکے انہیں احاطہ درگاہ سے باہر لے جاتے ہیں، اگر مدت مقررہ میں بچھو کو درگاہ میں نہیں پہنچاتے تو وہ نیش زنی شروع کردیتا ہے، میں خود اس واقعہ کا چشم دید گواہ ہوں کہ یوپی کے گورنر سر مالکم ہیلی [۱۵] جب مغربی یوپی کے دورہ پر آئے تو ان کی ایک منزل امروہہ بھی تھی، گورنر بذات خود اس کرامت کی تصدیق کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے قصبہ کانٹھ سے بچھو پکڑ وائے (یہاں کے بچھو بہت زہریلے ہوتے ہیں) اور انہیں احاطہ درگاہ مزار کے قریب چھوڑ دیا، گورنر کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مجاوروں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی ان بچھوؤں کو ہاتھوں میں اٹھالیا اور کسی کو گزند نہ پہنچا، سر مالکم ہیلی نے درگاہ شریف کی معائنہ بک میں بطور خاص اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بچھو اس درگاہ کے احاطے میں اپنی فطرت (مقتضائے طبیعت) سے کیوں منحرف ہوجاتے ہیں اور درگاہ سے باہر جاکر ان کی جبلت نیش زنی کیوں بروئے کار آجاتی ہے؟ سال گذشتہ میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ ہندوستان کے دورے کے سلسلے میں امروہہ بھی گیا تھا، کراچی کے ان دوستوں نے اس کرشمے کو صرف دیکھا ہی نہیں، خود بھی تجربہ کرکے متعجب اور محظوظ بھی ہوئے''۔[۱۶]

پروفیسر صاحب رام پور کے سفر نامہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اگلے روز میں حکیم محمد حسین شفا کے ساتھ رام پور کے مشہور عالم مولانا ارشاد حسین مجددی (م۱۸۹۳ء) کا مزار دیکھنے گیا، ان کے علمی مقام کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے تلامذہ میں مولانا شبلی نعمانی (م۱۹۱۴ء)، نواب کلب علی خاں (م۱۸۸۷ء)، اور حافظ عنایت اللہ مجددی جیسے فضلاء کے نام آتے ہیں، ان کے احاطۂ مزار میں مولوی سلامت اللہ خاں کی بھی قبر ہے، یہ بزرگ رام پور کے احمد رضا خاں تھے''۔[۱۷]

پروفیسر صاحب نے مندرجہ بالا عبارت کے آخر میں مولانا سلامت اللہ خاں مجددی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ (م۱۹۱۹ء) کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۹۲۱ء) سے جو تشبیہ دی ہے، یہ عشق رسول ﷺ کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی حمایت شریعت اور ردّ وھابیہ کی وجہ سے طنزاً لکھا ہے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے بارے

میں پروفیسر صاحب کا مؤقف یہ ہے کہ وہ الزام تراش تھے، فتوے باز تھے اور علماء کی تکفیر کرتے تھے۔[۱۸]

پروفیسر صاحب ہی کی طرح بعض اور لوگوں نے بھی بے بنیاد اور خود ساختہ تأثر قائم کر رکھا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ تو ایک فتوے باز قسم کے، بھاری بھرکم جسم والے، حلوے مانڈے کے شوقین اور فتنہ پرور مولوی تھے، استغفر اللہ العظیم

جبکہ حقائق اس کے برعکس ہیں اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے متعلق ایسا تأثر بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ مولانا موصوف تو غریبوں کے غم خوار، انتہائی نرم خُو، کم گو، کم خوراک، دبلے پتلے، جھکی نظریں اور ہر وقت مطالعہ میں منہمک قسم کے انسان تھے۔

مشہور صحافی، ادیب، کالم نگار، سابق مدیر ماہنامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' لاہور، جناب مقبول جہانگیر (م ۱۹۸۵ء) لکھتے ہیں:

''شاعر مشرق علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمہ) کے معاصرین میں سے تھے، آپ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے، ایک موقع پر علامہ اقبال نے فرمایا: یہ روایت ڈاکٹر عابد احمد علی مرحوم[۱۹] (م ۱۹۷۴ء) کی ہے۔

''ہندوستان کے دورِ آخر میں مولانا احمد رضا خاں جیسا طباع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا، اُن کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی، جو اُن کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد و عادل ہیں، مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں، اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں، اسی لئے انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی، بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی''۔

اقبال نے اعلیٰ حضرت کے ہاں جس ''شدت'' کا ذکر فرمایا ہے اس میں نفسانیت کا شائبہ بھی نہ تھا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی سوزش تھی، جسے حدّت کہہ لیجئے یا شدّت اور یہ شدت بھی صرف اعدائے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی ورنہ اعلیٰ حضرت تو ہر مومن اور ہر اہل محبت کے لئے سراپا لطف و کرم تھے، یا بقول اقبال۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم[۲۰]

مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری رحمتہ اللہ علیہ بھی نہایت متقی اور درویش صفت عالم دین تھے، مولانا عبدالحئی ندوی (م ۱۹۲۳ء)، حافظ احمد علی شوق رامپوری (م ۱۹۳۳ء) اور مولانا محمود احمد کانپوری نے ان کے جو حالات لکھے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

''سراج الاصفیاء حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری قدس سرہٗ دراصل اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، قرآن مجید کے حافظ تھے، رامپور آکر مولانا ارشاد حسین مجددی قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر تکمیل علوم کی، انہی سے بیعت ہو کر اجازت و خلافت سے نوازے گئے، پھر رامپور ہی میں خواجہ احمد قادری قدس سرہٗ کے مدرسے میں مدرس ہو گئے، صرف پندرہ روپے ماہوار تنخواہ تھی، تنخواہ کی وصولی کا طریقہ یہ تھا کہ رومال بھیج دیتے تھے اور خواجہ صاحب روپے گوشۂ رومال میں باندھ دیتے، آپ رومال کو ویسے ہی گھر لا کر اہلیہ کے حوالے فرما دیتے، آپ نہایت قانع، متورع، متوکل، برگزیدہ اور پابند اوقات تھے، امراء سے کوئی تعلق نہ رکھا اور نہ کبھی امراء سے ملے، نواب حامد علی خاں رامپوری (م ۱۹۳۰ء) ملاقات کے آرزومند رہے مگر آپ نے کبھی ملاقات نہ فرمائی، بازار سے سودا خود لاتے، دکاندار سامان اچھا دے یا خراب، آپ نے کبھی شکایت نہ کی، ہمیشہ بغیر تکیہ اور بستر کے سوتے، غذا میں جو کی روٹی پر گزارا تھا، غرباء پر بے حد شفقت فرماتے، آمدنی بہت قلیل تھی پھر بھی اہل محلّہ کی دستگیری فرماتے، داڑھی منڈانے والوں سے مصافحہ اور سلام نہیں کرتے تھے، (یہ ایک طرح کی خاموش تنبیہہ اور سنت نبوی پر عمل کی ترغیب تھی) مدرسہ کے علاوہ گھر پر بھی درس دیتے تھے، اس میں بھی متشرع ہونے کی خاص قید تھی، ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کو عالم بالا کا سفر اختیار کیا، مولانا ارشاد حسین مجددی رامپوری

قدس سرہٗ کے احاطہ مزار میں مرقد بنا''۔[۲۱]

رہی یہ بات کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ نے علماء کی تکفیر کی ہے تو اس مسئلہ کی وضاحت مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م ۱۹۷۴ء) کے اس بیان سے بھی ہو جاتی ہے:

''حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ علماء کسی کو کافر نہیں بناتے اور نہ کوئی کسی کو کافر بنا سکتا ہے، کافر تو خود اپنے قول و فعل سے بنتا ہے، البتہ علماء اس کو یہ بتا دیتے ہیں کہ اس قول و فعل سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، کافر بنانا علماء کے اختیار میں نہیں اور بتا دینا جرم نہیں''۔[۲۲]

امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے کسی کو کافر نہیں بنایا، بلکہ شرعی فریضہ ادا کیا اور بتایا کہ تم لوگوں کی یہ عبارتیں تنقیص الوہیت و رسالت کی وجہ سے کفریہ ہیں، تمہیں اسلام سے خارج کر رہی ہیں، ان سے توبہ کیجئے، یہ کہنا کوئی جرم نہیں بلکہ خیر خواہی ہے، امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ ۱۳۰۹ھ میں رسالہ ''سبحٰن السبوح'' پہلی بار شائع ہوا، اس میں گنگوہی صاحب اور قائلینِ امکانِ کذب پر اٹھتر (۷۸) وجہ سے لزوم کفر ثابت کیا، لیکن تکفیر نہیں کی، ۱۳۱۶ھ میں رسالہ ''الکوکبۃ الشہابیۃ'' شائع ہوا، جس میں مولانا اسماعیل دہلوی کے ستر (۷۰)) کفریات دکھائے، لیکن تکفیر سے اجتناب ہی کیا۔[۲۳]

امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز الزام تکفیر کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

''ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرہ ذرہ سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں، اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحاق صاحب کو کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا، پھر جن کی حیاء اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا، مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب کو کہہ دیا، پھر جو پورے ہی حد حیاء سے اونچے گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دیا، غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا، اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا، یہاں تک کہ ان کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی مرحوم مغفور سے جا کر جڑی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کو کافر کہہ دیا، مولانا کو اللہ تعالیٰ جنت عالیہ عطا فرمائے، انہوں نے آیہ کریمہ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا پر عمل فرمایا، خط لکھ کر دریافت کیا، جس پر یہاں سے رسالہ ''انجاء البری عن وسواس المفتری'' لکھ کر ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا، غرض ہمیشہ ایسے ہی افتراء اٹھایا کرتے ہیں''۔[۲۴]

پروفیسر صاحب بریلی کے سفرنامہ میں لکھتے ہیں:

''ریلوے سٹیشن سے چند قدم کے فاصلے پر بریلی ہوٹل اور سول اینڈ ملٹری ہوٹل نام کے دو بڑے اچھے ہوٹل ہیں، میں نے اس بار بریلی ہوٹل میں قیام کیا اور نہا دھو کر سیر و تفریح کے لئے نکلا، ہوٹل کے قریب ہی ایک مسجد تھی جہاں میں نے مغرب کی نماز قدرے تاخیر سے ادا کی، وہاں ایک بورڈ نصب تھا جس پر یہ عبارت مرقوم تھی کہ یہاں دنگا فساد اور مذہبی بحث کرنے والا نتائج کا خود ذمہ دار ہوگا۔ مسجد کے صحن میں چند آدمی بیٹھے ہوئے تھے، جب میں نماز ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو ایک شخص نے مجھے ٹوکا اور کہا کہ میں اپنی گھڑی اُتار لوں کیونکہ کلائی کے ساتھ گھڑی باندھنے سے نماز نہیں ہوتی، میں نے اس کی سُنی ان سُنی ایک کر دی اور نماز ادا کر کے مسجد سے باہر آیا، قریب ہی ایک مسلمان کا ریستوران تھا، میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے مولانا احمد رضا خاں کے مزار کا اتہ پتہ پوچھا، ڈرنے کی بات یہ تھی کہ اگر میں مولانا صاحب کے لئے لمبے چوڑے القاب استعمال کرتا اور وہ دیوبندی ہوتا تو میں مشکل میں پھنس جاتا اور اگر میں ان کا ذکر عام الفاظ میں کرتا اور میرا

مخاطب بریلوی ہوتا تو مجھے جان بچانا مشکل۔ بہر حال اس بھلے آدمی نے مجھے ان کے مزار کا اتہ پتہ بتایا تو میں نے اس سے کہا کہ وہ کسی رکشے والے کو سمجھا دے اور وہ مجھے وہاں پہنچا دے، اس نے فوراً ایک رکشا والے کو بلایا اور اس سے کہا! یہ بڑے مولوی صاحب کے ہاں جا رہے ہیں، انہیں وہاں تک لے جاؤ اور خبردار ایک روپیہ پچیس پیسہ سے زیادہ کرایہ وصول نہ کرنا''۔[۲۵]

پروفیسر صاحب نے ہوٹل کے قریب جس مسجد کا ذکر کیا ہے وہ مسجد بریلویوں کی ہوگی، پروفیسر صاحب پر ہم بدگمانی نہیں کرتے کہ انہوں نے جان بوجھ کر نماز تاخیر سے ادا کی اور اگر معاملہ دانستہ ہے تو عرض ہے کہ ایک مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی (م م۱۹۴۳ء) سے:

''ایک شخص نے پوچھا کہ ہم بریلی والوں کے پیچھے نماز پڑھیں تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ فرمایا (حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی نے) ہاں! ہم ان کو کافر نہیں کہتے''۔[۲۶]

پروفیسر صاحب کو جس شخص نے یہ کہا کہ کلائی پہ اگر گھڑی بندھی ہو تو نماز نہیں ہوتی، تو کیا اس شخص کا کہنا یہ صحیح نہیں تھا یا پھر پروفیسر صاحب کو بات سمجھ نہ آئی، یا انہوں نے سمجھنا ہی نہیں چاہا؟ بات یہ ہے کہ گھڑی کا پہننا جائز ہے، گھڑی پہن کر نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے مگر وہ گھڑی جس کی چین یا زنجیر سونے، چاندی یا سٹیل وغیرہ کسی دھات کی ہو، اس کا استعمال ناجائز ہے اور ایسی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کا اعادہ واجب ہے، امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے یہی مسئلہ اپنے رسالہ ''الطیب الوجیز'' (۱۳۰۹ھ) میں تفصیل سے Discuss کیا ہے۔[۲۷]

چونکہ اس مسئلہ کا تعلق فقہ سے ہے اور فقہ پر جو دسترس امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کو حاصل تھی اس کی ایک دنیا معترف ہے اور فتاوٰی رضویہ اس کا شاہد ہے۔ دنیائے علم و ادب کی معروف شخصیت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد (پ ۱۴ نومبر ۱۹۲۴ء، سابق صدر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''امام احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ اپنے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے، فقہ کی جزئیات پر جو ان کی نظر تھی وہ شاید اس صدی کے کسی عالم کو نہ تھی''۔[۲۸]

پروفیسر صاحب نے لکھا کہ ''میں نے ایک مسلمان ریستوران والے سے ڈرتے ڈرتے مولانا احمد رضا خاں کے مزار کا اتہ پتہ پوچھا'' الخ۔

پروفیسر صاحب کے ان خود ساختہ شوخ خدشات کے برعکس بریلی شریف کے ریستوران والے مسلمان کا اخلاق اور برتاؤ قارئین کے سامنے ہے اور لائق تحسین ہے۔

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں (م۱۹۲۱ء) کے مزار تک جانے کے لئے پرانے شہر کے اندر پُر پیچ اور تنگ گلیوں سے گزر کر جانا ہوتا ہے، راستے میں ایک چھوٹا سا بازار پڑتا ہے جسے بجریا کہتے ہیں، اس بازار کی دکانوں اور مکانوں کی ساخت دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ کسی وقت یہ بریلی کا بازارِ حسن ہوگا، بجریا سے گزر کر سوداگری محلے میں جا پہنچتے ہیں، یہی محلہ مولانا صاحب کی دینی سرگرمیوں کا مرکز تھا''۔[۲۹]

اس اقتباس میں بھی بعض باتیں لائق تصریح ہیں:

اوّل یہ کہ مزار پرانے شہر میں نہیں پرانا بریلی شہر مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے مزار سے مشرقی جانب تین چار فرلانگ کے فاصلہ پر ہے۔ دوم یہ کہ محلّہ سوداگراں پرانے شہر میں نہیں پرانا شہر بریلی وہ ہے جہاں محلّہ گھیر جعفر خاں میں جامع مسجد اکبری ہے۔

سوم یہ کہ لفظ ''بجریا'' سُن کر پروفیسر صاحب کا ذہن بازارِ حسن کی طرف چلا گیا، حالانکہ شمالی صوبہ یوپی کی زبان میں چھوٹے تنگ بازار کو ''بجریا'' بھی کہہ دیتے ہیں، اصل میں یہ لفظ ''بزریہ'' ہے جو کہ لفظ ''بازار'' کی تصغیر ہے، بریلی میں اس نام سے کئی جگہ موسوم ہیں مثلاً بزریہ موتی لال، بزریہ پورن مل، بزریہ صندل خاں، بزریہ ملوک پور وغیرہ۔[۳۰]

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں:

''سوداگری محلے کی ایک گلی کے موڑ پر ایک عام سے مکان کے باہر ایک بورڈ لگا ہوا تھا، جس پر جامعہ رضویہ مظہر اسلام، مہتمم ریحان رضا خاں لکھا ہوا تھا، اس جامعہ میں گنتی کے چار پانچ کمرے ہوں گے، جامعہ سے چند قدم کے فاصلے پر تکونی مسقف مسجد ہے، جس کا صحن نہیں ہے، کیونکہ اتنی گنجان آبادی میں بڑی مسجد تعمیر کرنی ممکن ہی نہیں تھی، اس مسجد کے قریب ہی ایک مکان کے اندر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا مزار ہے، اس مکان کے دروازے پر ایک بورڈ لگا ہوا ہے جس پر یہ مصرع درج ہے:

ع ''بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہ ہست''۔[۳۱]

جناب پروفیسر صاحب نے مسجد چھوٹی ہونے کے بارے میں تو خود ہی وضاحت کر دی کہ ''اتنی گنجان آبادی میں بڑی مسجد تعمیر کرنی ممکن ہی نہیں تھی'' مدرسہ کے بارے میں عرض ہے کہ پروفیسر صاحب نے جس بورڈ پر ''جامعہ رضویہ مظہر اسلام، مہتمم ریحان رضا خاں'' لکھا ہوا دیکھا، اس بورڈ کے پڑھنے میں پروفیسر صاحب کو مغالطہ ہوا، یہ ''مدرسہ مظہر اسلام'' نہیں بلکہ ''مدرسہ منظر اسلام'' ہے، [۳۲] مدرسہ مظہر اسلام، بریلی شریف محلہ بہاری پور کی ''مسجد بی بی جی'' اور اس کے شمالی کمروں میں قائم ہے، جسے مفتی اعظم ہند مولانا مصطفٰے رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۱ء) نے قائم فرمایا تھا، اس کے مہتمم مولانا خالد علی خاں ہیں۔[۳۳]

راقم نے بریلی شریف کا سفر نہیں کیا☆ ورنہ مدرسہ منظر اسلام کی عمارت کے متعلق بھی کچھ لکھتا، بہر حال مدرسہ کی عمارت کا چھوٹا یا بڑا ہونا کوئی عیب یا بڑائی کی بات نہیں، اگر مدرسہ کی عمارت کا بڑا ہونا ہی حق کی دلیل ہے تو مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی، بھارت) چلے جایئے جہاں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا فیض علمی ''جامعہ اشرفیہ'' عربی یونیورسٹی کی شکل میں وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، اس عظیم منصوبہ کا ذکر جب کچھ لوگوں نے قاری محمد طیب قاسمی (م ۱۹۸۳ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے کیا تو انہوں نے کہا:

''حافظ عبدالعزیز مہتمم جامعہ اشرفیہ (مبارکپور) کی شخصیت واقف ہوں، مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔'' [۳۴]

اب خدا لگتی بات یہ ہے کہ مدرسہ منظر اسلام بریلی کی عمارت وسیع اس لئے نہ بن سکی کہ مدرسہ کی امداد کا ذریعہ تو صرف عوام اہل سنت کی حلال کمائی تھا اور ہے، الحمد للہ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (پ ۴ جنوری ۱۹۲۸ء) مدیر ماہنامہ ''جہان رضا'' لاہور لکھتے ہیں:

''ہفت روزہ ''اخبار جہاں'' کراچی نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۸ر جولائی ۱۹۹۵ء میں ''مکتوب دہلی'' کے عنوان سے سید عبدالوحید حسینی کے قلم سے ایک مقالہ سپرد اشاعت کیا ہے، جس میں فاضل مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ:

''ہندوستان کے وزیر اعظم نرسیما راؤ نے بریلی میں حضرت امام احمد رضا کے مزار کی تزئین و آرائش اور جدید کمپلیکس کی تعمیر کے لئے ایک کروڑ روپیہ دینے کی پیشکش کی ہے، ہندوستان کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ سلمان خورشید ایک کروڑ روپیہ لے کر دربار پہنچ گئے، مگر پانچ ہزار سے زائد مسلمانوں کے ہجوم نے وزیر مملکت کو مزار پر جانے سے روک دیا، مشتعل ہجوم نے وزیر مملکت کو ایک کروڑ روپے

☆ اس وقت منظرِ اسلام کی عمارت تین منزلہ ہے اور تقریباً پندرہ کمروں پر مشتمل ہے۔ اسی عمارت کے بالمقابل ایک جدید عمارت قائم کی گئی ہے جس میں دارالعلوم کا مطبخ اور طلباء کا ہوسٹل ہے۔ یہ ہوسٹل افریقی ہوسٹل کے علاوہ ہے جہاں جنوبی افریقہ سے آئے ہوئے طلباء ٹھہرا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ منظرِ اسلام سے فارغ التحصیل اور خانوادۂ رضا نے کے حضرات نے بریلی شریف میں تین اور دارالعلوم مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، جامعہ نوریہ رضویہ، باقر گنج اور اسلامک یونیورسٹی ''مرکز الدراسات الاسلامیہ'' رام پور روڈ بریلی، پر قائم کئے ہیں۔ مؤخر الذکر دو دارالعلوم عمارت اور وسعت کے اعتبار سے کافی بڑے ہیں جبکہ مرکز الدراسات اسلامیہ سب سے بڑا ہے، یہاں اس وقت تین ہزار سے زیادہ طلباء زیرِ تعلیم ہیں، انداز ہے کہ مکمل تعمیر کے بعد مسافر طلباء کی تعداد پانچ ہزار سے بھی زیادہ تجاوز کر جائے گی۔ (وجاہت)

کے بریف کیس سمیت بھگا دیا''۔

''مکتوب دہلی'' کے الفاظ کو بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے غریب نام لیوا اور ان کے مزار کے تہی دست سجادہ نشین کس ملی غیرت سے اتنی خطیر رقم کو ٹھکرا رہے ہیں، ہندوستان میں ایک کروڑ کی رقم کوئی معمولی رقم نہیں، مگر اعلیٰ فاضل بریلوی کی روح آج بھی پکار رہی ہے ۔

''میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں'' [۳۶]

اس کے برعکس ایسے مشہور مدارس بھی ہیں جن پر انگریز حکومت کا خاص دستِ شفقت رہا، پروفیسر صاحب نے بھی اپنے سفر نامہ میں ان مدارس کا ذکر بہت محبت و عقیدت سے کیا ہے [۳۵]، تاریخ میں ان کا کردار کن الفاظ میں رقم ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

شیخ محمد اکرام (۱۹۰۸۔۱۹۷۳ء) اپنی معروف کتاب'' یادگار شبلی'' میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے متعلق لکھتے ہیں:

''ندوہ کی تاریخ میں ۱۹۰۸ء کا سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، اس سال صوبہ کے گورنر نے دارالعلوم کی وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور حکومت کی طرف سے ندوہ کو بعض مقاصد کے لئے پانچ سو روپیہ ماہوار کی امداد ملنی شروع ہوئی''۔ [۳۷]

سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴۔۱۹۵۳ء) نے بھی دارالعلوم ندوہ کے متعلق اسی قسم کی شہادت دی ہے۔ [۳۸]

پروفیسر ڈاکٹر غلام جعفر یونیورسٹی آف بلوچستان اپنے مضمون ''مولانا عبید اللہ سندھی'' میں دارالعلوم دیوبند کے متعلق لکھتے ہیں:

''دارالعلوم کے ارباب اہتمام اور انگریزی سرکار کے درمیان دوستانہ تعلقات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ گورنر یوپی کو دارالعلوم میں مدعو کیا گیا اور اس کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا، جس پر حکومت وقت کا شکریہ ادا کیا گیا کہ حکومت نے حافظ محمد احمد [۳۹] کو شمس العلماء کا خطاب عطا فرما کر علماء کی عزت افزائی فرمائی، سپاسنامہ کے الفاظ کچھ یوں تھے:

''یور آنر کی خدمت میں اور ان کے توسط سے ہندوستان کے حکمران ہز ایکسی لینسی وائسرائے کی خدمت میں مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم (دیوبند) کو شمس العلماء کا خطاب اور خصوصی سند مرحمت فرمانے پر جو کہ علماء کی عزت افزائی اور شاہی عطایا کی روایت کا نمونہ ہے اور اپنے پُر خلوص قلبی جذباتِ تشکر کا اظہار کرتے ہیں، حکومت کے عمل سے یہی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انہی مسلمان لیڈروں اور رہنماؤں کی عزت کرتی ہے جو اس کے اہل ہیں، بلکہ آزادی کے دعویداروں کے اس سوال کا جواب بھی فراہم ہو جاتا ہے کہ اعزازات واقعی اہل لوگوں کو دیئے جاتے ہیں، یہ درست ہے اور حقیقت کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مادی اور دنیاوی مفادات حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہنا نہ تو ہمارا فطری رجحان اور نہ ہمارے دینی فرائض کا حصہ ہے، لیکن خدا کی مرضی کے مطابق ہمارے موجودہ حکمران اگر ہمیں کوئی اعزاز دیں تو ہم اسے کیوں نہ قبول کریں اور شایانِ شان طور پر ان کی ستائش کیوں نہ کریں، اگر ہم ایسا کریں (یعنی اعزاز کی قدر اور اس پر شکر گزاری کا اظہار نہ کریں) تو خدا معاف کرے گویا ہم ممنونیت اور شکر گزاری کے اس فرض سے روگردانی کریں گے، جس کی ہمارے پاک مذہب نے ہمیں تعلیم دی ہے، اس سے غفلت برت کر ہم حکومت کی نظر میں اور خدا اور سول کے آگے اور تمام اخلاقی اصولوں کے آگے ذلیل و خوار ہوں گے۔

یور آنر! اگرچہ آج ہم ایک خاص ''احسان و عنایت'' کا شکریہ ادا کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں، جو صرف منیجر (مہتمم) صاحب ہی پر نہیں بلکہ ہمارے پورے طبقہ پر کیا گیا ہے، ساتھ ہی ہمارے پیش نظر دارالعلوم کے لئے آپ کی نوازشیں بھی ہیں، جن کا حال منیجر صاحب وقتاً فوقتاً بتلاتے رہتے ہیں، اس نظر کرم کی وجہ سے مسلم پبلک کا دارالعلوم پر اعتماد بحال ہوگا اور اس سے ہماری اس پالیسی کو تقویت ملے گی جس کی تعریف یورپ کے بڑے بڑے آفیسر کرتے رہے ہیں...... ہمارا ایک اور صرف ایک مقصد ہے اور وہ ہے مذہبی آزادی کا تحفظ اور صرف مذہبی آزادی کا تحفظ، اس سے ہٹ کر سیاسی تحریک کو مسترد کرنا یا قبول کرنا

ہمارے قائم اور نا قابل تبدیل نظریے کے باہر ہے''۔

اس کے بعد پروفیسر ڈاکٹر غلام جعفر لکھتے ہیں:

''سپاس نامہ کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ ارباب دارالعلوم (دیوبند) حکومت برطانیہ سے دوستانہ تعلقات استوار کر چکے تھے۔''[۴۰]

مشہور محقق، مؤرخ ونقاد پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری (م ۱۹۸۳ء) لکھتے ہیں:

''۳۱ر جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمیپا مر نے اس مدرسہ (دیوبند) کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا''۔ (اور اپنی خفیہ رپورٹ میں لکھا) ''یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد معاون سرکار ہے''[۴۱]

پروفیسر صاحب خوب جانتے ہیں کہ جب ایسے حالات ہوں، تو مدارس کی عمارتیں بھی وسیع بنتی ہیں اور اشاعتی ادارے بھی خوب چلتے ہیں، لیکن امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے غیرتِ ایمانی کی وجہ سے انگریز حکومت کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہ رکھا تھا، جس کے نتیجہ میں نہ تو شمس العلماء کا خطاب ملا، نہ مدرسہ وسیع بن سکا اور نہ ہی آپ کی تصانیف شائع ہوسکیں۔

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں:

''دروازے پر ایک سبز رنگ کا پردہ لٹک رہا تھا، میں پردہ ہٹا کر اندر داخل ہوا، اس کمرے میں کئی قبریں ہیں، مولانا احمد رضا خاں کی قبر وسط میں تھی اور اس کے گرد ایک غلام گردش بنا ہوا ہے، جسے ان کے معتقدین مطاف کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اسی کمرے میں مولانا صاحب کے فرزند حامد رضا خاں کی بھی قبر ہے اور ان کے لوح مزار پر اُن کے نام کے ساتھ ''قامع بدعت محیٔ سنت'' کا لقب بھی کندہ تھا''۔

پروفیسر صاحب نے لکھا کہ ''مولانا احمد رضا خاں کی قبر کے گرد ایک غلام گردش بنا ہوا ہے، جسے ان کے معتقدین مطاف کے طور پر استعمال کرتے ہیں''۔[۴۲]

یہ صریح بہتان اور مذہبی تعصب کی کارفرمائی ہے، طواف قبر کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''بلا شبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدۂ ہماری شریعت میں حرام ہے''۔[۴۳]

اہل سنت کے ایسے واضح عقائد ہونے کے بعد الزام تراشی کرنا اہل علم کو زیب نہیں دیتا۔

پروفیسر صاحب پھر لکھتے ہیں:

''اسی کمرے میں مولانا صاحب کے فرزند حامد رضا خاں کی بھی قبر ہے اور ان کے لوح مزار پر اُن کے نام کے ساتھ ''قامع بدعت محیٔ سنت'' کا لقب بھی کندہ تھا''۔

پروفیسر صاحب نے یہ فقرہ طنز کے طور پر لکھا ہے، پروفیسر صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو تو ہم بدعتی کہتے ہیں، ان کے لئے یہ لقب کیسے؟ پروفیسر صاحب نے اسی پیراگراف کو بغیر کانٹ چھانٹ کے ایک دوسرے رسالہ میں ایسے لکھا ہے:

''ان کے لوح پر ان کے نام کے ساتھ ''قامع بدعت محیٔ سنت'' کا پُر فریب لقب بھی کندہ تھا، لوح مزار کی عبارت پڑھ کر مجھے بے ساختہ ہنسی آئی، خدا کا شکر ہے کہ اس وقت وہاں کوئی بریلوی نہ تھا ورنہ میری شامت آجاتی، کیونکہ ایسے موقعوں پر ڈھول دھپہ جمانے میں یہ حضرات بڑے دلیر واقع ہوئے ہیں''۔[۴۴]

افسوس! تعصب انسان کی سوچ کو کس منفی رجحان کی طرف لے جاتا، یہ سب کچھ پروفیسر صاحب کے مفروضے ہیں کہ ایسے ہوتا تو ایسے ہوجاتا، امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے مخالفین کی مخالفت کی بنیاد صرف جھوٹے الزامات پر قائم ہے، اگر سچے ہیں تو اُن کی کسی کتاب کا جواب تو لکھیں، لیکن اُن کے کسی مخالف میں یہ جرأت نہیں، وہابیہ اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اہل سنت کے عقائد کے خلاف نئی نئی باتیں نکالیں، امام احمد رضا اور ان کے اخلاف نے انہی بدعات کی سرکوبی کی، بہر حال یہاں کی لوح مزار پڑھ کر تو پروفیسر صاحب کو ہنسی آگئی، لیکن

ہندستان کے سفر میں پروفیسر صاحب نے ایک اور مزار کی لوح بھی پڑھی تھی، جسے پڑھ کر نہ تو پروفیسر صاحب کو ہنسی آئی اور نہ افسوس ہوا، اور نہ ہی ان بظاہر مخالف توحید اشعار کو پڑھ کر ان کے عقیدہ توحید کو ٹھیس پہنچی اور نہ ہی بدنام کرنے کے لئے کوئی تبصرہ فرمایا، اس لوح کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مزار پاک کی زیارت کرنا، صاحب مزار کا سارے عالم میں جلوہ نما ہونا اور اس مرقد پاک کی زیارت سے رب العالمین کا دیدار ہونا وغیرہ جائز ہے۔[۴۵]

پروفیسر صاحب آگے لکھتے ہیں:

''مزار سے ملحقہ عمارت ''رضوی افریقی دارالاقامہ'' کے نام سے موسوم ہے، وہاں غالباً جامعہ مظہر اسلام کے طلباء رہتے ہیں، مولانا صاحب نے فتاویٰ افریقہ کے نام سے ایک مجموعہ فتاویٰ چھاپا تھا، شاید اس دارالاقامہ کا نام بھی اسی مناسبت سے رکھا گیا ہو''۔[۴۶]

رضوی افریقی دارالاقامہ میں افریقی ممالک کینیا، جنوبی افریقہ، ماریشس وغیرہ سے آئے ہوئے طلباء قیام کرتے ہیں، اسی نسبت سے اس کا نام رکھا گیا ہے، فتاویٰ افریقہ سے دارالاقامہ کا کوئی تعلق نہیں ہے، فتاویٰ افریقہ تو افریقہ سے آئے ہوئے ایک سو گیارہ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔

پروفیسر صاحب بریلی ہی کے سفر نامہ میں لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خان کے مزار سے اندازاً ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے پر چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے نامور بزرگ شاہ نیاز احمد بریلوی (م۱۸۳۴ء) کی خانقاہ ہے...... شاہ نیاز احمد، حضرت مولانا فخر الدین عرف فخر جہاں (م۱۷۸۴ء) کے خلیفہ تھے، یہ دونوں بزرگ علی الاعلان تفضیلی عقیدے کا اظہار کیا کرتے تھے''۔[۴۷]

حضرت مولانا خواجہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی علیہ الرحمہ دونوں بزرگ اہل سنت کے عقائد رکھتے تھے، ان کو تفضیلی شیعہ بتانا درست نہیں، اس بارے میں حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی علیہ الرحمہ کی اپنی کتاب ''عقائد نظامیہ'' (جو کہ عقائد اہل سنت کے موضوع پر لکھی گئی ہے) سے صحابہ کرام کی افضلیت کے بارے میں اُن کا عقیدہ درج ذیل ہے:

''افضل الناس بعد وجود مبارک حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق بن قحافہ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ایشاں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ایشاں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ایشاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب''۔

ترجمہ۔آدمیوں میں سب سے بزرگ بعد وجود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق بن قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ان کے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ان کے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعد ان کے حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب ہیں''۔[۴۸]

پروفیسر محمد اسلم صاحب کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ ناصبی عقیدہ رکھتے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو قصور وار ٹھہراتے تھے اور اہل بیت سے ناراض تھے۔

اہل بیت کرام کی محبت رفض نہیں، علماء و مشائخ اہل سنت کو رافضی یا شیعہ کہنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ مدت سے خارجیوں اور ناصبیوں کا طریقہ چلا آرہا ہے، اہل سنت کے مقتدر امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس الزام سے نہ بچ سکے، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۲۰۴ھ) فرماتے ہیں! ؎

"قالوا ترفضت قُلت كلّا
ماالرفض ديني ولااعتقادي
لكن توليت غير شك
خير امام وخير هادي
ان كان حب ولي رفضاً
فانى ارفض العبادي

ترجمہ۔لوگ کہتے تو رافضی ہوگیا، میں کہتا ہوں ہرگز نہیں، میرا دین رفض نہیں اور نہ ہی میرا عقیدہ ہے، میں کسی شک وشبہ کے بغیر بہتر امام بہتر ہادی سے محبت کرتا ہوں، اگر ولی سے محبت رفض ہے تو میں یقیناً سب لوگوں سے بڑا رافضی ہوں۔'' [۴۹]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے درس میں ایک روہیلہ پٹھان آفتاب نامی شریک ہوا کرتا تھا، ایک دن شاہ صاحب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب بیان فرمائے تو اس کو اس قدر غصہ آیا کہ (خود شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کا بیان ہے)

''بندہ راشیعہ فہمیدہ، آمدن درس موقوف کرد''۔

ترجمہ۔ بندہ کو شیعہ سمجھ کر درس میں شریک ہونا بند کر دیا''۔[۵۰]

پاکستان میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل ومناقب بیان کرنے پر اہل سنت کو شیعہ کہتے ہیں، اس ناصبی گروہ میں سرفہرست ''محمود احمد عباسی امروہوی'' (م۱۹۷۴ء) تھا۔ [۵۰]، یہ شخص کھلم کھلا حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے گستاخانہ کلمات اور مغلظات استعمال کرتا تھا، اس کے بعد اس کے شاگرد

عزیز احمد صدیقی، کراچی
مولوی اسحاق سندیلوی، کراچی
مولوی عظیم الدین، کراچی
ثناء الحق صدیقی (م۱۹۹۶ء)، کراچی
محمد سلطان نظامی، لاہور
ابو یزید محمد دین بٹ (م۱۹۸۱ء)، لاہور، مصنف: رشید ابن رشید
حکیم فیض عالم صدیقی، جہلم

وغیرہ نے اس کام کو سرانجام دیا۔

پروفیسر صاحب پھر لکھتے ہیں:

''اس عقیدے میں شاہ نیاز احمد کے غلو کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار ایک شخص ان سے ملنے گیا، اس کے پاس شاہ ولی اللہ کی تصنیف ''ازالۃ الخفاء'' کا ایک نسخہ تھا جو اس نے کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا، شاہ صاحب نے باتوں باتوں میں اس سے کہا! مجھے خروج کی بو آرہی ہے، سچ سچ بتاؤ اس کپڑے میں کیا چھپا رکھا ہے اس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا کہ اس کے پاس ازالۃ الخفاء ہے''۔[۵۲]

پروفیسر صاحب نے حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی علیہ الرحمہ (م) کے بارے میں اتنی بڑی بات کہہ دی بغیر حوالہ کے، حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور مؤرخ، نقاد پروفیسر خلیق احمد نظامی (م۱۹۹۷ء) مدفون علی گڑھ (بھارت) لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ نیاز احمد، شاہ فخر صاحب کے مشہور ترین خلفاء میں سے تھے، علم وفضل میں یکتائے عصر، زہد وتقویٰ میں بے مثال...... دہلی میں شاہ فخر الدین صاحب کی خدمت بابرکت میں علوم ظاہری کی تکمیل کے لئے حاضر ہوئے اور ذہانت اور دل جمعی کے باعث ۱۷ ارسال کی عمر میں معقول ومنقول، فروع واصول، حدیث وتفسیر میں کمال حاصل کرلیا، بڑے جید عالم تھے، ان کی تصانیف ان کی علمیت کی شاہد ہیں''۔[۵۳]

پروفیسر صاحب شاہ نیاز احمد علیہ الرحمہ کے وصال کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شاہ صاحب شعر وسخن کے قدر دان اور سماع کے دلدادہ تھے، ان کے انتقال کے بارے میں یہ روایت زبان زد خلائق ہے کہ ایک بار اُن کی خانقاہ میں سماع ہورہی تھی، قوال نے جونہی یہ مصرع اُٹھایا ۔

سجدہ گاہِ عاشقاں میان دو ابروئے علی

تو حضرت چونک پڑے اور قوال سے کہنے لگے! میاں کیا کہا پھر سے کہنا، اس نے دو تین بار یہ مصرع دہرایا تو حضرت بھی اس کے ساتھ اس مصرعے کی تکرار کرنے لگے اور اسی حالت میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی''۔[۵۴]

پروفیسر صاحب نے شاہ نیاز احمد علیہ الرحمہ کے وصال کا جو واقعہ لکھا ہے، یہ واقعہ حضرت شاہ نیاز احمد علیہ الرحمہ کا نہیں بلکہ آپ کے پوتے سراج السالکین شاہ محی الدین عرف ننھے میاں صاحب علیہ الرحمہ

کا ہے، پروفیسر صاحب نے غزل کا مصرعہ بھی صحیح نہیں لکھا، واقعہ اس طرح ہے کہ شاہ محی الدین علیہ الرحمہ نے قوال کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ وہ غزل گاؤ جس کا مطلع ہے ۔

باشد ایماں مصحف روئے علی
سجدہ گاہِ ماست محراب دو ابروئے علی

قوال نے عرض کیا کہ حضرت مجھے یہ غزل یاد نہیں، تو آپ نے اپنے بھانجے ظہور اللہ شاہ صاحب کو حکم دیا کہ شعر متذکرہ بالا کی تکرار کرو، اس شعر کو سن کر مصرعہ ثانی ۔

سجدہ گاہِ ماست محراب دو ابروئے علی

کی اپنی زبان سے تکرار کی اور قبلہ رو ہو کر سجدہ فرمایا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔[۵۵]

پروفیسر صاحب علی گڑھ کے سفرنامہ میں لکھتے ہیں:

''(مسلم یونیورسٹی) قبرستان کے شمالی حصہ میں ایک چار دیواری کے اندر چند قبریں نظر آتی ہیں، ان میں سب سے نمایاں قبر مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم کی ہے، مولانا شعبہ دینیات کے سربراہ تھے اور میلاد خوانی کی محفلوں میں خاص طور پر مدعو کئے جاتے تھے، ان کے بارے میں فیکلٹی آف تھیالوجی کے ترجمان '' مجلّہ علوم الدین'' میں پروفیسر حمید الدین مرحوم کا ایک دلچسپ مضمون طبع ہوا ہے، مولانا کو دوپہر کے وقت سونے کی عادت تھی، ایک دن کوئی اجنبی ان سے دوپہر کے وقت ملنے آیا، مولانا نے اسے دروازے ہی سے چلتا کیا، اس نے جاتے وقت کہا! آپ کا اخلاق تو آج دیکھ لیا، علم پھر دیکھ لیں گے، مولانا یہ واقعہ خود مزے لے لے کر اپنے احباب کو سنایا کرتے تھے''۔[۵۶]

پروفیسر صاحب کی اس تحریر سے یہ تأثر ملتا ہے کہ علامہ سید سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۳۹ء) کا اخلاق اچھا نہیں تھا، یہ اس لئے لکھا کہ سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کے خلیفہ مجاز تھے اور امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ سے پروفیسر صاحب کو دیوبندی ذہنیت کے باعث خدا واسطے کی دشمنی ہے، سارے سفرنامہ میں علماء اہل سنت کے ساتھ ان کا یہی سلوک رہا، بہر حال اَب اصل واقعہ سنئے:

اُردو ادب کے نامور ادیب پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم (م ۱۹۷۷ء) سابق صدر شعبہ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

''عرصہ کی بات ہے کہ ایک دن خود بخود فرمانے لگے، ہم اس مغالطہ میں مبتلا تھے کہ ہم جیسا خبطی شاید ہی کہیں ملے، لیکن ایک ہم سے بھی زیادہ بگڑے دل نکلے، صبح کمرے میں سو رہا تھا، حسب معمول رضائی اوڑھ کر اور کمرہ بند کرکے، ایک صاحب نشست کے کمرے میں آئے، دیکھا کوئی نہیں ہے، سونے کے کمرے پر دستک دی اور اسلام علیکم کچھ اس انداز ولہجہ سے کہا کہ میں چونک پڑا، رضائی کے اندر ہی سے جواب دیا، وعلیکم السلام، انہوں نے فرمایا مزاج شریف! میں نے کہا ابھی آنکھ لگی تھی، فرمایا! مولانا میں نے آپ کے ملاحظہ کے لئے ایک کتاب بھیجی تھی، جواب میں عرض کیا گیا بھیجی ہوگی، آتی ہی رہتی ہیں، بولے آپ نے مطالعہ کیا؟ میں نے کہا یہ کیا ضرور ہے کہ مطالعہ کی جائے، یہ سب کچھ وہ کھڑے کھڑے فرما رہے تھے اور میں رضائی کے اندر ہی سے جواب دے رہا تھا، اتنے میں آواز آئی، مولانا آپ کی دو باتوں کی شہرت سُنی تھی، ایک اخلاق کی اور دوسرے علم کی، اخلاق کا حال تو معلوم ہوگیا، علم کی تصدیق بھی کسی دن ہو جائے گی، اسلام علیکم، میں گڑ بڑا کر چارپائی سے اُٹھا اور جلدی جلدی نشست کے کمرے میں آیا لیکن وہ جا چکے تھے''۔[۵۷]

پروفیسر رشید احمد صدیقی اپنی یادداشتوں میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''مرحوم کے ہاں ایک بڑے سن رسیدہ بزرگ اور بڑے جید عالم ٹھہرے ہوئے تھے، آپس میں بے تکلفی تھی ورنہ ظاہر ہے خانقاہ میں کون بار پا سکتا تھا، چلّے کی سردی تھی، مرحوم حسب معمول برآمدے میں سو رہے تھے اور مہمان کمرے کے اندر، مہمان تہجد کی نماز پڑھنے اُٹھے،

دروازہ کھولنے پر مرحوم کی آنکھ کھل گئی، پوچھا کون؟ جواب ملا کوئی نہیں میں ہوں، بولے خیر تو ہے،؟ کہا وضو کروں گا، تو کیجئے نا کسی کی نیند کیوں حرام کرتے ہو، انہوں نے دبی زبان سے کہا! تھوڑا گرم پانی مل جاتا، فرمایا جہنم میں، مہمان نے کہا مکرر ارشاد ہو پورے طور پر سُن نہ پایا، بولے گرم پانی جہنم میں ملے گا، انہوں نے جواب دیا تو اُٹھو راہ بتاؤ، مرحوم نے قہقہہ لگایا، بولے نیند تو غارت کی لیکن فقرہ خوب کہا'' ۔[۵۸]

لطیف ذوق رکھنے والے اہل علم کے ہاں ایسے لطائف و واقعات ہو جاتے ہیں، اس میں بد اخلاقی اور طعن کی کوئی بات نہیں ہوتی، پروفیسر رشید احمد صدیقی، سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''زندگی میں ہر طرح کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، لیکن اکثر محسوس ہوا کہ مخاطب میں کہیں نہ کہیں کوئی خامی ہے.....لیکن مرحوم کی شخصیت اتنی جامع اور متنوع تھی کہ وہ ہر موضوع ہر موقع سے اس خوبی سے عہدہ براء ہوتے کہ ان کی صحبت میں جی لگتا اور کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ فلاں جگہ کمی ہے جسے پورا کرنے کے لئے کسی اور کو ڈھونڈنا چاہئے'' ۔[۵۹]

پروفیسر الحاج محمد زبیر (کراچی) سابق لائبریرین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

''دارالعلوم علی گڑھ کی یہ امتیازی خصوصیات دیکھئے کہ اس کے بانی سرسید کے زمانہ سے یہاں کے عملے میں ہندوستان اور بیرون ہند کے دینی و دنیوی علوم کے ممتاز ماہرین شامل ہوتے رہے ہیں، ان میں مولانا سید سلیمان اشرف جیسی انوکھی شخصیت کسی کی نہ تھی، انہوں نے انفرادیت کا جو درجہ حاصل کر لیا تھا، اس نے ان کے حساس مزاج کی راہیں سب سے الگ تھلگ کر دیں تھیں، ان اچھوتی راہوں کے نشیب و فراز کا ہماری نئی نسل تصور بھی نہیں کر سکتی، اس سے صرف یہی کہا جا سکتا ہے ۔

افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی'' ۔[۶۰]

آخر میں عرض ہے کہ تاریخ علم و ادب کے ریکارڈ کی درستی کے پیش نظر یہ چند معروضات پیش کی گئی ہیں، اُمید ہے کہ صاحبان علم اسے کشادہ دلی کے ساتھ قبول فرمائیں گے۔

حواشی وحوالہ جات

[۱]۔ پروفیسر محمد اسلم مشرقی پنجاب کے مردم خیز خطہ جالندھر کے قصبہ پھلور میں مورخہ ۲۸/نومبر ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے، انہوں پرائمری سے لے کر ایم اے تک لاہور میں تعلیم پائی، یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد انگلستان چلے گئے، جہاں نو برس مقیم رہ کر ڈرہم یونیورسٹی، مانچسٹر یونیورسٹی، کیمبرج یونیورسٹی میں علوم اسلامیہ اور تاریخ کا مطالعہ کیا، ۱۹۶۷ء میں وطن واپس آ گئے اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبہء تاریخ سے منسلک ہو گئے، بعد میں صدر شعبۂ تاریخ کا تقرر ہوا، جہاں سے ۲۲/نومبر ۱۹۹۲ء کو سبکدوش ہوئے، تین سال تک مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور کے اعزازی سیکرٹری رہے، بعد ازاں ان کی خدمات علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن نے حاصل کر لیں اور وہ ماہنامہ ''تہذیب الاخلاق'' لاہور کو بطور مدیر معاون مرتب کرنے لگے، ان کے ذخیرۂ نودرات میں مسکوکات کا بھی ایک بیش قیمت ذخیرہ موجود تھا، ان کے کم وبیش دوصد مضامین و مقالات پاک و ہند کے علمی و تحقیقی جرائد میں چھپ چکے ہیں، ان کا ایک نہایت ہی تحقیقی وو قیع مقالہ بعنوان ''بیگم پورہ لاہور کے آثار قدیمہ'' مجلّہ نقوش لاہور کے شمارہ ۱۳۸ میں اشاعت پذیر ہوا، جس پر انہیں ۱۹۸۹ء میں نقوش ایوارڈ ملا، برصغیر کے جن علمی و ادبی جرائد میں ان کے مضامین و مقالات اشاعت پذیر ہوتے رہے، ان میں سے بعض کے اسماء درج ذیل ہیں:

نقوش (لاہور)، مجلّہ تاریخ (پنجاب یونیورسٹی لاہور)، تہذیب الاخلاق (لاہور)، سہ ماہی العلم (کراچی)، برھان (دہلی)، معارف (اعظم گڑھ) وغیرہ۔

مضامین و مقالات کے علاوہ پروفیسر صاحب نے متعدد علمی و تحقیقی کتابیں بھی تصنیف کیں، جن کے نام یہ ہیں:

دین الٰہی اور اس کا پس منظر : لاہور، ندوۃ المصنفین ۱۹۷۰ء

تاریخی مقالات : لاہور، ندوۃ المصنفین، ۱۹۷۰ء

طہماس نامہ : لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۶ء

وفیات مشاہیر پاکستان: اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۰ء

خفتگان کراچی : لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۹۱

خفتگان خاک لاہور : لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب،

۱۹۹۳

Muslim Conduct of State: Islamabad, 1994

ملفوظاتی ادب کی تاریخ اہمیت: لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۹۵ء

سفرنامہ ہند : لاہور، ریاض برادرز، ۱۹۹۵ء

وفیات اعیان پاکستان: لاہور، ندوۃ المصنفین، سمن آباد، س ن

اسی طرح رسالہ "صاحبیہ" جنرل ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان (پنجاب یونیورسٹی) میں شائع ہوا۔

(مختار حق، محمد عالم، پروفیسر محمد اسلم مرحوم۔ ایک دیوبندی سکالر: مشمولہ، جہان رضا (ماہنامہ):

لاہور، شعبان ۱۴۱۹ھ/ دسمبر ۱۹۹۸ء، ص ۳۶-۴۲)

[۲]۔ حضرت مخدومی حکیم محمد موسیٰ امرتسری ۲۷/ اگست ۱۹۲۷ء کو امرتسر (مشرقی پنجاب، بھارت) میں پیدا ہوئے، والد مکرم حکیم فقیر محمد چشتی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۵۲ء، مدفون: بجوار حضرت میاں میر قادری لاہور) کے ایما پر حضرت میاں علی محمد خاں چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۵ء۔ بسی شریف، ضلع ہوشیار پور ہندوستان والے، مدفون: درگاہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہٗ پاکپتن شریف) سے بیعت ہوئے، قرآن پاک کی تعلیم قاری کریم بخش سے حاصل کی، مفتی عبدالرحمٰن امرتسری سے فارسی ادب پڑھا، مولانا محمد عالم آسی امرتسری سے بھی بعض علوم پڑھے، طب کی تمام کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور آئے، رام گلی میں علیحدہ مطب جاری کرنے کے علاوہ اہل علم کا حلقہ پیدا کیا، آپ کی مجلس میں علمی گفتگو جاری رہتی، آپ احباب کے لئے نہایت مخلص، اہل علم کے لئے بڑے خدمت گار اور ملنے والوں کے لئے نہایت خلیق تھے، آپ کا سب سے بڑا علمی اور اعتقادی کارنامہ "مرکزی مجلس رضا" کا قیام اور پھر اسے شہرت دوام بخشنا ہے، اس مجلس نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام عالم میں متعارف کرانے کے لئے بڑا کام کیا، ۱۹۷۴ء میں حج کیا اور مدینہ منورہ میں شیخ العرب والعجم شیخ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۱ء) سے سلسلہ قادریہ رضویہ میں بیعت ہوئے، آپ کی تصانیف میں ذکر مغفور (تذکرہ سید مغفور القادری)، اذکار جمیل (تذکرہ سید برکت علی شاہ خلجیانوی امرتسری)، تذکرہ مولانا غلام محمد ترنم امرتسری، بہت مشہور ہوئیں، علمی کتابوں پر زوردار دیباچے لکھے، جن میں مقدمہ کشف المحجوب، مقدمہ مکتوبات امام ربانی اور مقدمہ عباد الرحمٰن (تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف) بہت مشہور ہوئے، ۸/ شعبان ۱۴۲۰ھ/ ۱۷/ نومبر ۱۹۹۹ء کو لاہور میں وفات پائی۔ قبرستان میاں میر میں دفن ہوئے۔ (فاروقی، پیر زادہ اقبال احمد، تذکرہ علماء اہل سنت و جماعت لاہور: لاہور، مکتبہ نبویہ، ۱۹۷۵ء، ص ۳۹۶-۳۹۷)

[۳]۔ پروفیسر محمد ایوب قادری ۲۸/ جولائی ۱۹۲۶ء/ ۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ کو ضلع بریلی کے قصبہ آنولہ میں پیدا ہوئے، اپنے والد مولوی مشیت اللہ قادری سے عربی فارسی پڑھی، ۱۹۵۰ء میں اسلامیہ کالج بدایوں سے انٹر پاس کر کے کراچی آ گئے، ۱۹۵۶ء میں اردو کالج کراچی سے بی اے، ۱۹۶۲ء میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور اردو کالج میں لیکچرار ہو گئے، ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، کئی کتابیں تصنیف کیں اور کئی کتابوں کے تراجم و حواشی لکھے، جن میں تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، مولانا محمد احسن نانوتوی، مولانا فیض احمد بدایونی، ارباب فضل و کمال بریلی، جنگ آزادی، کاروان رفتہ، غالب اور عصر غالب، عہد بنگش کی سیاسی، ثقافتی اور علمی تاریخ، خط اور خطاطی، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ وغیرہ مشہور ہیں، جن کتابوں کو ترجمہ، حواشی اور تعلیقات سے مزین کیا ان کے نام یہ ہیں، وقائع عبدالقادر خانی، تذکرہ علمائے ھند، مجموعہ وصایا اربعہ، مآثر الامراء، فرحت الناظرین، سیر العارفین، طبقات اکبری وغیرہ، ۲۵/ نومبر ۱۹۸۳ء کو ایکسیڈنٹ کے حادثہ میں کراچی میں فوت ہوئے۔

(صابر براری، تاریخ رفتگاں : کراچی، ادارہ فکر نو، ۱۹۸۶ء، ص ۲۴۸

بھٹی، محمد اسحاق۔ حرف چند: مشمولہ ، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ: لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۳-۱۴)

[۴]۔ کتاب کا پورا نام "حضرت مجدد اور ان کے ناقدین" ہے۔

[۵]۔ کتاب کا پورا نام "علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم عصر علماء" ہے

[۶]۔ اسلم، پروفیسر محمد، سفرنامہ ہند: لاہور: ریاض برادرز، ۱۹۹۵ء، ص ۹۰

[۷]۔ فاروقی، شاہ ابوالحسن زید، مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان: لاہور، مرکزی مجلس رضا، ۱۹۸۴ء، ص ۳

[۸]۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، ارواح ثلاثہ: لاہور، اسلامی اکادمی، ۱۹۷۶ء، ص ۹۸

[۹]۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، امداد المشتاق الیٰ اشرف الاخلاق: لاہور مکتبہ اسلامیہ ، س ن ، ص ۷۹

[۱۰]۔ ابوالظفر سید شریف احمد شرافت نوشاہی ولد مولانا سید غلام مصطفیٰ

نوشاہی ۱۹رشعبان ۱۳۲۵ھ/ ۲۸رستمبر ۱۹۰۷ء کو بمقام ساہن پال شریف تحصیل پھالیہ ضلع گجرات پنجاب میں پیدا ہوئے، اپنے جد بزرگوار سید حافظ محمد شاہ سے قرآن مجید اور دیگر فارسی کی کتابیں پڑھیں، عربی کی کتابیں اپنے والد محرم سے پڑھیں، فن کتابت مولانا محمد حسین مبارک رقم ساکن عادل گڑھ ضلع گوجرانوالہ سے سیکھا، والد ماجد نے سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں خلافت واجازت سے نوازا، تقریباً دو سو کے قریب کتابیں تالیف کیں، ۲۲رمضان ۱۴۰۳ھ/۴رجولائی ۱۹۸۳ء کو ساہن پال شریف ضلع گجرات میں وفات ہوئی۔ (مجددی، محمد اقبال، احوال وآثار سید شرافت نوشاہی: لاہور، دارالمؤرخین، ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء، ص۱۱،۱۲)

فدا، ابوالطاہر فدا حسین، معدن التواریخ: لاہور، ادارہ معارف نعمانیہ، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء، ص۵۱

[۱۱]۔ التوفی ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء، مدفون بھڑی شاہ رحمان، ضلع حافظ آباد، پنجاب (پاکستان)

[۱۲]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص۸۵،۸۶

[۱۳]۔ مونگیری، مولانا محمد علی، ارشاد رحمانی وفضل یزدانی: لاہور، سنی لٹریری سوسائٹی، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء، ص۵۲

[۱۴]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص۱۸۹،۱۹۰

[۱۵]۔ لارڈ میلکم ہیلی، ۱۵رفروری ۱۸۷۲ء کو انگلستان میں پیدا ہوئے، آکسفورڈ سے فرسٹ کلاس میں ایم اے کی ڈگری لی، ۱۸۹۵ء میں آئی سی ایس سے منسلک ہوئے، ۱۹۰۲ء میں جہلم میں آبادکاری کے افسر رہے، ۱۹۰۷ء میں حکومت پنجاب کے سیکرٹری مقرر ہوئے، ۱۹۰۸ء میں حکومت ہند میں ڈپٹی سیکرٹری بن گئے، ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۴ء تک گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن رہے، ۱۹۲۴ء اور ۱۹۲۸ء کے دوران پنجاب کے گورنر رہے، ۱۹۲۸ میں پنجاب یونیورسٹی نے ڈی لٹ کی ڈگری دی، ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک یوپی کے گورنر رہے۔ (احسن، عبدالشکور، زندگی نامہ: لاہور، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۹۵ء، ص۱۹۵)

[۱۶]۔ عثمان۔ پروفیسر محمد، تصوف اور اسلام: مشمولہ، جنگ (روزنامہ): لاہور، پیر، ۲۱رشوال ۱۴۰۳ھ/یکم اگست ۱۹۸۳ء، ص۳

[۱۷]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص۱۹۵

[۱۸]۔ اسلم، پروفیسر محمد، بھارت کا تازہ سفر نامہ: مشمولہ، الحق (ماہنامہ): اکوڑہ خٹک شمارہ اپریل ۱۹۸۵ء، ص۴۰

[۱۹]۔ مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر سید عابد احمد علی ابن سید احمد علی ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے، علی گڑھ سے ایم اے کیا اور ڈی فل کی ڈگری آکسفورڈ سے لی، سرسید احمد خاں کے ہم جد تھے، ۱۹۴۷ء سے قبل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ عربی کے استاد رہے، پھر پاکستان چلے آئے اور گورنمنٹ ڈگری کالج سرگودھا کے پرنسپل رہے، سرکاری ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد بیت القرآن پنجاب پبلک لائبریری لاہور سے منسلک ہوگئے تھے، قاضی ابو یوسف فقیہہ کی مشہور کتاب ''کتاب الخراج'' کا انگریزی ترجمہ بھی کیا تھا، ۱۷ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ/۱۰رمئی ۱۹۷۴ء بروز اتوار لاہور میں وفات پائی۔ (اسلم، پروفیسر محمد، خفتگان خاک لاہور: لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۹۳ء، ص۱۶)

[۲۰]۔ مقبول جہانگیر، مضمون اعلیٰ حضرت بریلوی، مشمولہ، اردو ڈائجسٹ (ماہنامہ): لاہور، اپریل ۱۹۷۵ء، ص۴۹

[۲۱]۔ ندوی، عبدالحی حسنی، نزھة الخواطر وبھجة المسامع والنواظر: کراچی، مکتبہ خیر کثیر، ۱۹۷۶ء، ۸: ۱۶۰۔۱۶۱

شوق، حافظ احمد علی، تذکرہ کاملان رامپور: پٹنہ، خدابخش اورینٹل لائبریری، ۱۹۸۶ء، ص۱۵۸

کانپوری، مولانا محمود احمد، تذکرہ علمائے اہل سنت: کانپور، رفاقتی کتب خانہ، ۱۳۹۱ھ، ص۹۷

[۲۲]۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، مسلمان کون کافر کون: لاہور، ادارہ اسلامیات انارکلی، ص۱۱

تھانوی، اشرفعلی، الافاضات الیومیة من افادات القومیة: کراچی، ادارہ اشرفیہ پاکستان، س ن، ۴: ۴۹، (ملفوظ ۷۴:)

[۲۳]۔ اس حقیقت کو خود امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے: ''مسلمانو! یہ روشن ظاہر، واضح قاہر عبارات تمہارے پیش نظر ہیں، جنہیں چھپے ہوئے دس دس اور بعض سترہ اور تصنیف کو انیس سال ہوئے اور ان دشنامیوں کی تکفیر تو اب چھ سال یعنی ۱۳۲۰ھ سے ہوئی ہے، جب سے ''المعتمد المستند'' چھپی، اب عبارات کو بغور نظر فرماؤ اور اللہ ورسول کے خوف کو سامنے رکھ کر انصاف کرو۔

یہ عبارتیں فقط اُن مفتریوں کی افتراء ہی نہیں رد کرتیں بلکہ صراحۃً صاف صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہرگز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا، جب تک یقینی قطعی واضح روشن جلی طور سے اُن کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہولیا، جس میں اصلاً اصلاً ہرگز ہرگز کوئی گنجائش، کوئی تاویل نہ نکل سکی۔ آخر یہ بندہ خدا وہی تو ہے جو ان کے اکابر پر ستر ستر وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی کہتا ہے کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر

سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔ یہ بندہ خدا وہی تو ہے جو خود ان دشنامیوں کی نسبت جب تک ان کی دشنامیوں پر اطلاع یقینی نہ ہوئی تھی، اشہر وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا کہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز انکی تکفیر پسند نہیں کرتا۔ جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہوگئی؟ جب ان سے جائداد کی کوئی شرکت تھی اب پیدا ہوئی؟ حاشا للہ مسلمانوں کا علاقہ محبت وعداوت صرف محبت وعداوت خدا ورسول ہے، جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی، یا اللہ ورسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی، اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایت احتیاط سے کام لیا، حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا، مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا، جب صاف صریح انکار ضروریات دین ودشنام دہی رب العٰلمین وسید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر آئمہ دین کی تصریحیں سن چکے۔

بریلوی، امام احمد رضا خاں، تمہید ایمان: لاہور، ادارہ معارف نعمانیہ ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء، ص ۴۹۔۵۰

مرتضیٰ حسن دربھنگی (م ۱۹۵۱ء) سابق ناظم تعلیمات شعبہ تبلیغ دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں:

''اگر (مولانا احمد رضا) خاں صاحب کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے تھے جیسا کہ انہوں نے سمجھا، تو خاں صاحب پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے''۔

(دربھنگی، مرتضیٰ حسن، اشد العذاب: دہلی، مطبع مجتبائی جدید، س ن، ص ۱۳)

[۲۴]۔ بریلوی، امام احمد رضا خاں، تمہید ایمان: ص ۴۵۔۴۶

[۲۵]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۱۹۹۔۲۰۰

[۲۶]۔ تھانوی، اشرف علی، قصص الاکابر: لاہور، مکتبہ اشرفیہ، س ن، ص ۲۵۲

اسی سلسلہ میں تھانوی صاحب کا ایک ملفوظ ملاحظہ فرمایئے جو کہ دیوبند کے حکیم الامت کی تہذیب اور مخصوص ذہنیت کا آئینہ دار بھی ہے۔

''ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دیوبند کا بڑا جلسہ ہوا تھا تو اس میں ایک رئیس صاحب نے کوشش کی تھی کہ دیوبندیوں اور بریلویوں میں صلح ہو جائے، میں نے کہا ہماری طرف سے تو کوئی جنگ نہیں، وہ نماز پڑھاتے ہیں ہم پڑھ لیتے ہیں، ہم پڑھاتے ہیں وہ نہیں پڑھتے، تو ان کو آمادہ کرو (مزاحاً فرمایا کہ ان سے کہو آ، مادہ، نر آ گیا) ہم سے کیا کہتے ہو''۔

تھانوی، اشرف علی، الافاضات الیومیة من افادات القومیة: تھانہ بھون مکتبہ تالیفات اشرفیہ، س ن، ۱/۷، ۱۳ (ملفوظ: ۱۲)

[۲۷]۔ بریلوی، امام احمد رضا خاں، الطیب الوجیز: لاہور، نوری کتب خانہ، س ن، ص ۱۴

[۲۸]۔ احمد، پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین (علی گڑھ)، مکتوب: بنام مولوی حسن علی رضوی (میلسی)، محررہ ۶/ جون ۱۹۹۵ء، مملوکہ، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی (لاہور)

[۲۹]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۲۰۰

[۳۰]۔ بریلوی، مولوی عبد العزیز خاں، تاریخ روہیل کھنڈ و تاریخ بریلی: کراچی، مہران اکیڈمی، ۱۹۶۳ء، ص ۲۴۷، ۲۵۰

[۳۱]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۲۰۰

[۳۲]۔ ادارہ، مضمون ''امام احمد رضا کی کہانی تصویروں کی زبانی'' المیزان (ماہنامہ)، امام احمد رضا نمبر: بمبئی، شمارہ اپریل، جون ۱۹۷۶ء، ص ۴۳

[۳۳]۔ ایضاً: ص ۷۵

[۳۴]۔ مضمون ''حافظ ملت ایک غیر معمولی شخصیت''، مضمون نگار ڈاکٹر شکیل احمد الہٰ آباد (یوپی، بھارت)، اشرفیہ (ماہنامہ)، حافظ ملت نمبر: مبارکپور (ضلع اعظم گڑھ)، شمارہ جون، جولائی، اگست، ۱۹۷۸ء، ص ۲۰۸

[۳۵]۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، اداریہ، جہان رضا (ماہنامہ): لاہور، شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء، ص ۱۰

[۳۶]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۲۲۴، ۲۸۱

[۳۷] اکرام، ایس ایم، یادگار شبلی: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۴ء، دوم، ص ۳۴۶

[۳۸]۔ ندوی، سید سلیمان، حیات شبلی: اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۹۴۳ء، ص ۶۳۴

[۳۹]۔ حافظ محمد احمد، مولوی محمد قاسم نانوتوی (م ۱۸۸۰ء) کے فرزند تھے

[۴۰] غلام جعفر، ڈاکٹر، مولانا عبید اللہ سندھی: مشمولہ، المعارف (سہ ماہی): لاہور، جمادی الاول، رجب ۱۴۱۷ھ/ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۶ء، ص ۷۱، ۷۲، ۷۳، بحوالہ شاہجہانپوری، ابوسلمان، مولانا عبید اللہ سندھی کا دار العلوم دیوبند سے اخراج پس منظر کے واقعات پر ایک نظر (تیسری قسط): مشمولہ، الولی (ماہنامہ): حیدرآباد،

نومبر، دسمبر ۱۹۹۱ء/ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۴۱۲ھ، (ج ۱۵: ش ۲، ۳) ص ۳۰، ۳۲

نوٹ: یہ مقالہ چار اقساط میں ماہنامہ الولی (حیدر آباد) میں بالترتیب

قسط اول: اگست ۱۹۹۱ء/محرم ۱۴۱۲ھ، (ج ۱۴: ش ۱۱)، ص ۱۹۔۳۲

قسط دوم: ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۱ء/صفر، ربیع الاول ۱۴۱۲ھ (ج ۱۴، ۱۵: ش ۱۲)، ص ۲۰۔۳۰

قسط سوم: نومبر، دسمبر ۱۹۹۱ء/ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۴۱۲ھ، (ج ۱۵: ش ۲، ۳) ص ۵ تا اختتام

قسط چہارم: جنوری، فروری ۱۹۹۲ء/جمادی الثانی، رجب ۱۴۱۲ھ (ج ۱۵: ش ۴، ۵) ص ۱۸۔۲۷ شائع ہوا تھا۔

[۴۱]۔ قادری، پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب، مولانا محمد احسن نانوتوی: کراچی، مکتبہ عثمانیہ ۱۹۶۶ء، ص ۲۱۷

[۴۲]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۲۰۰

[۴۳]۔ بریلوی، امام احمد رضا خاں، احکام شریعت: کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، س ن ۳: ۲۳۴

[۴۴]۔ اسلم، پروفیسر محمد: بھارت کا تازہ سفر نامہ: مشمولہ، الحق (ماہنامہ): اکوڑہ خٹک، شمارہ اپریل ۱۹۸۵ء، ص ۴۰

[۴۵]۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب ''کاندھلہ اور اس کے مضافات'' کے سفر نامہ میں لکھتے ہیں:

''کیرانہ سے چل کر ہم جھنجھانہ پہنچے...... آبادی سے باہر جانب مغرب ایک وسیع قبرستان ہے، اس قبرستان میں ایک جدید تعمیر شدہ مسجد کے شمال میں ایک چھوٹے سے احاطہ قبور میں حضرت میں نور محمد جھنجھانوی (م ۱۸۴۳ء) محوِ خواب ابدی ہیں، ان کے مزار مبارک کے سرہانے جو کتبہ نصب ہے، اس پر اُن کے مرید خاص حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۸۹۹ء) کی ایک طویل منقبت سے لئے گئے چند اشعار کندہ ہیں:۔

شہر جھنجھانہ ہے اک جائے ہدیٰ
مسکن وماویٰ ہے اس جا آپ کا
مولد پاک آپ کا ہے اور مزار
اس جگہ تو جان لے اے ہوشیار
اس جگہ ہے مرقد پاک جناب
سر جھکاتے ہیں جہاں سب شیخ وشاب
سارے عالم پر ہے پَر تو آپ کا
کون سی جا وہ نہیں جلوہ نما
جس کو ہوئے شوق دیدار خدا
ان کے مرقد کی کرے زیارت وہ جا
دیکھتے ہی ان کے مجھ کو ہے یقین
اس کو ہو دیدار رب العالمین

(اسلم، پروفیسر محمد: ص ۶۳، ۶۴)

[۴۶]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۲۰۱

[۴۷]۔ ایضاً: ص ۲۰۱

[۴۸]۔ دہلوی، خواجہ فخر الدین، نظام العقائد المعروف بہ عقائد نظامیہ: پاک پتن شریف، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء، سوم، ص ۲۷

[۴۹]۔ المکی، علامہ ابن حجر الہیثمی، الصواعق المحرقہ: ملتان، مکتبہ مجیدیہ، س ن، ص ۱۳۳

[۵۰]۔ نظامی، پروفیسر خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت: اسلام آباد، دار المصنفین، ۵: ۷۰

[۵۱]۔ مشہور محقق حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحب (کراچی)، محمود احمد عباسی کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محمود احمد عباسی صاحب سے میرا تعارف پاکستان آکر غالباً ۵۴۔۱۹۵۳ء میں ہوا تھا، انہیں کسی کتاب کی ضرورت تھی، اس لئے کسی کی نشان دہی پر میرے یہاں آئے تھے، جب یہ معلوم ہوا کہ وہ ہمارے استاد، امام الطب حکیم فرید احمد عباسی مرحوم مغفور (م ۱۹۶۲ء) کے چھوٹے بھائی ہیں تو ایک قرب کا پہلو نکل آیا اور طرفین کی آمد ورفت شروع ہوگئی۔

کچھ ہی دنوں بعد ان کی کتاب (خلافت معاویہ ویزید) کے چرچے علمی حلقوں میں شروع ہوئے مگر مطالعے کی لت کے باوجود مجھے اس کتاب کے مطالعے کی اکساہٹ نہیں ہوئی، کیونکہ اہل تسنن اور اہل تشیع کے اختلافات میرا موضوع فکرو مطالعہ ہیں نہ میری افتادِ مزاج کو خلافیات سے کوئی مناسبت ہے، بہر حال یہ کتاب نہ پڑھ سکا، مگر ایک بار خود عباسی صاحب مرحوم ہی نے مجھے ''خلافت معاویہ ویزید'' عنایت فرمائی تو اس مطالعے کی لت کے ہاتھوں اس کا مطالعہ کر گزرا اور خلاف مزاج پاکر الماری میں سجادی اور یوں عباسی صاحب کے افکار و آراء کا تعارف حاصل ہوگیا، لیکن اس موضوع پر ان سے گفتگو کی کبھی نوبت نہیں آئی، حالانکہ انہوں نے بار ہا سلسلہ چھیڑا، مثلاً ایک بار انہوں نے فرمایا تم حسنی سید ہو یا حسینی؟ میں اس سے پہلے کئی حضرات سے سن چکا تھا کہ وہ شجروں اور انساب پر گفتگو

کرتے ہیں، اس لئے تڑاخ سے جواب دیا کہ میں نے آپ سے کب کہا ہے کہ میں سید ہوں؟ اس پر وہ خاموش ہوگئے، اسی طرح میں نے جب سرسید مرحوم کی کتاب ''سیرت فریدیہ'' ایڈٹ کی اور اس کے مقدمہ میں سرسید کے سیاسی کردار پر تنقید کی تو عباسی صاحب ایک روز فرمانے لگے، کل ہمارے ایک دوست کہہ رہے تھے کہ تمہارے عزیز (میری طرف اشارہ تھا) نے تمہارے مقتداء (سرسید) پر بڑی سخت تنقید کی ہے، تو میں نے برجستہ جواب دیا کہ جی ہاں وہ صاحب مجھ سے بھی کہہ رہے تھے، مگر میں نے ان سے کہہ دیا کہ عباسی صاحب نے ہمارے نانا (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) کو نہیں بخشا تو ہم ان کے مقتداء کو کیوں بخشتے، اس پر وہ بڑی دیر تک ہنسے اور بات آئی گئی ہوئی۔ عباسی صاحب سے ان ملاقاتوں میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ معمولی صلاحیتوں کے آدمی تھے، عربی غالباً بالکل نہیں جانتے تھے، فارسی پر بھی عبور نہیں تھا، میں نے ان کو فارسی کی غلط عبارتیں پڑھتے کئی بار سنا ہے، تحریر کا کام بھی وہ مسلسل نہیں کرتے رہے، آغاز عمر میں ''تاریخ امروہہ''، ''تحقیق الانساب'' اور ''تذکرۃ الکرام'' لکھی تھیں، اس کے بہت عرصہ بعد ۷۰ سال سے زیادہ عمر میں ''خلافت معاویہ ویزید'' لکھی، اس کتاب کے سلسلے میں ان کو متعدد اہل علم وقلم کا تعاون حاصل رہا، جن میں سے ایک نام کے متعلق مجھے تحقیق ہے اور وہ ہے مولانا تمنا عمادی کا نام، جو ان کے لئے کتب تاریخ سے اقتباسات اور ان کے ترجمے لکھ کر بھیجا کرتے تھے، ایک بار وہ عباسی صاحب کے یہاں چند روز مقیم بھی رہے، اور وہاں میں نے بھی انہیں یہی کام کرتے دیکھا ہے۔ دوسرا تاثر میرا یہ تھا کہ وہ اپنی تحریک کے سلسلے میں مخلص نہیں تھے، زبان وقلم سے ردّ شیعت کے باوجود اہل تشیع سے ان کے گوناگوں مراسم تھے، ایک بار میں پہنچا تو چند نامور شیعہ اہل قلم ان کے یہاں بیٹھے تھے اور بڑا پُر تکلف ناشتہ کررہے تھے اور بہت اپنائیت کی باتیں ہورہی تھیں، ان کے جانے کے بعد از خود صفائی کرنے لگے کہ ان بچوں سے وطن ہی سے مراسم ہیں، بڑی محبت کرتے ہیں، میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں، میں نے جی کہہ کر بات ٹال دی کہ مجھے اس سے کیا دلچسپی؟ اسی طرح ایک بار انتخاب میں انہوں نے ایک شیعہ امیدوار کو ووٹ دیا اور میرے سامنے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے خاندان سے قدیم مراسم ہیں اور میں اسے اہل بھی سمجھتا ہوں، ایک بار ان کی اہلیہ محترمہ جو مجھ پر بڑی شفقت فرماتی تھیں، اپنے ایک ہمسائے کی شکایت کرنے لگیں کہ وہ آج صبح انہیں (عباسی صاحب کو) گالیاں دے رہا تھا، اور یزید اور یزید کی اولاد تک کہہ گیا، اس پر میں نے از راہ تفنن کہہ مارا کہ یہ تو آپ کے نقطۂ نظر کے پیش نظر مدح ہوئی، قدح نہیں ہوئی، اس پر وہ بہت برہم ہوگئے اور اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے اور ان کی اہلیہ محترمہ کہنے لگیں کیوں چھیڑتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں وہ دل سے یزید اور شیعہ دشمن نہیں تھے بلکہ دانستہ یا نادانستہ کسی اسلام دشمن تحریک یا طاقت کے آلۂ کار تھے اور افتراق بین المسلمین کی مہم میں سرگرم تھے، میں نے ان میں شیعت کے مظاہر تو کئی بار دیکھے، مثلاً مجالس تک ان کے یہاں برپا ہوتی تھیں اور ذکر کرتے روتے اور رُلاتے تھے، مگر ان کی پابندی احکام شریعت کا منظر اور واقعہ میرے علم وذہن میں نہیں ہے، کم از کم میں نے ان کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا، نہ کسی سے سنا، تجارت اور معاشی منفعت بھی اس مہم میں یقیناً ان کے پیش نظر تھی، ایک بار نیاز فتحپوری کا ایک خط انہوں نے ایک دوسرے خط کے دھوکے میں مجھے پڑھنے کے لئے دیا، میں بھی جب خط پڑھ چکا تو پتہ چلا کہ یہ وہ مطلوبہ خط نہیں ہے، خط انہیں واپس کیا تو وہ بھی چکرا سے گئے، بہر حال اس خط کا جو مضمون ذہن میں مستحضر ہے کچھ اس قسم کا تھا کہ خوب کتاب لکھی ہے، کچھ ہنگامہ رہے گا، لطف رہے گا، خوب نکل رہی ہوگی، میں نے بھی اس پر تبصرہ لکھا ہے، کتابی شکل میں بھی آئے گا، اسے وہاں نکلوائیں اور اپنی کتاب کے اتنے نسخے تاجرانہ نرخ پر مجھے بھجوائیں کہ تبصرہ پڑھ کر کتاب کی مانگ بھی آئے گی۔

اسی طرح ایک صاحب جو نہ خدا کے قائل تھے نہ مذہب کے، ان سے اپنی تحقیق کا ذکر کرکے چاہتے تھے کہ وہ اپنی رائے دیں، انہوں نے کہا: میری رائے کا کیا کریں گے، میری نظر میں آپ کے حسین اور آپ کے یزید دونوں گھٹیا تھے، عالمی سطح پر ان کی حیثیت نہیں ہے، تاریخ عالم کے اکابرین میں ان کو محسوب نہیں کیا جاسکتا، تخت کے دو معمولی امیدوار لڑ پڑے تھے اور ایک مارا گیا، اس پر عباسی صاحب نے تائید اور مسرت کا اظہار ایک قہقہے سے کیا اور انگریزی میں چند جملے کہے، جن کا مفہوم یہ تھا کہ بالکل یہی رائے میری اور ہر پڑھے لکھے آدمی (Educated) کی ہے، مگر ان صاحب (Gentleman) کے سامنے بات نہ کیجئے، یہ لوگ قدامت گزیدہ (آرتھوڈکس) ہوتے ہیں، عباسی صاحب نے مجھے انگریزی سے نابلد سمجھا تھا، میں نابلد ہی بنا رہا اور اجازت چاہی، جو بڑی خوش دلی سے دے دی گئی۔ ان کے مسلک کے بودے پن کے سلسلے میں یہ دلچسپ واقعہ بھی سننے کا ہے، ایک بار معلوم ہوا کہ لاہور سے حکیم حسین احمد صاحب عباسی مرحوم آئے ہوئے ہیں اور محمود احمد عباسی صاحب کے یہاں مقیم ہیں، چنانچہ میں اور میرے رفیق درس اور عزیز دوست حکیم جامی صاحب (جو کہ کوٹری سے حسین میاں سے ملنے کے لئے ہی تشریف لائے تھے) عباسی صاحب کے یہاں پہنچے، حسین میاں تو نہیں ملے، البتہ عباسی صاحب ضرور مل گئے اور حسب عادت وہی موضوع چھیڑ دیا، میں حسب دستور تحمل سے کام لیتا رہا، مگر جامی صاحب تحمل کے قائل نہیں اور ردّ باطل کے

لئے ہمہ وقت آمادہ و مستعد رہتے ہیں اور زبان و بیان تک کی اغلاط کی تصحیح کو جہاد سمجھتے ہیں، چنانچہ عباسی صاحب اسلامی تاریخ کے ماخذ پر گفتگو کر رہے تھے اور ''طبری'' وغیرہ کو نامعتبر بتا رہے تھے، اچانک سیدنا حسین کے لئے فرمانے لگے کہ انہیں خناق کا مرض تھا اور اطباء نے لکھا ہے کہ اس مرض میں مبتلا انسان کی قوت فیصلہ بہت متاثر ہوجاتی ہے۔ اب جامی صاحب کے جہاد کی گھڑی آ گئی تھی، عباسی صاحب سے پوچھا یہ بات کس نے لکھی ہے؟ عباسی صاحب روانی میں کہہ گئے کہ ''طبری'' نے لکھا ہے، اس پر جامی صاحب نے ایک بڑے زہریلے قسم کا طنزیہ سر کیا اور بولے جی ہاں وہی طبری جو نامعتبر ہے، اس پر عباسی صاحب نے اپنے موقف کے ضعف کو اپنی برہمی سے قوت میں بدلنا چاہا اور آپے سے باہر ہوگئے، کھڑے ہوکر کہنے لگے میرے بھائی (بابائے طب مرحوم مغفور) کا شاگرد ہوکر مجھ پر تنقید کرتا ہے اور ایسی ہی حواس باختگی کی بہت سی باتیں بڑے جوش غضب کے عالم میں کہہ گزرے، جامی صاحب نے جو ایسے معرکوں کے عادی اور ماہر اور جسمانی صحت سے بھی مایہ دار ہیں، بڑے اطمینان اور ٹھہرے ہوئے لہجہ میں جواب دیا بڑے میاں! پہلے تو بیٹھ جاؤ، ہانپ رہے ہو، پھر تم اس یگانۂ وقت اور باخدا بزرگ (بابائے طب) سے کیا نسبت رکھتے ہو، اور ان سے نسبت جتاتے ہو جس کی تصدیق کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں اگر ہے تو اسے ثابت کرو اور اچھے آدمیوں کی طرح معقولیت سے بات کرو، اپنی باتوں کے تضاد کو رفع کرو اور اگر کشتی ہی لڑنا ہے تو لو میں بھی کھڑا ہوجاتا ہوں، (اسی دوران دونوں کی بلند آوازیں سن کر زنانے میں سے ایک نوجوان غالباً نواسہ نکل آیا تھا اسے مخاطب کرکے جامی صاحب نے پچکارتے ہوئے ہوئے کہا) میاں ابا کی مدد کے لئے صرف تم سے کام نہیں چلے گا اللہ کے فضل سے ۲۵ آدمیوں سے بیک وقت لڑوں گا، وہ نوجوان تو مرعوب ہوکر پیچھے ہٹ گیا، اور میں نے جامی صاحب کی آتش جلال کو سرد کرنے کے لئے کچھ کہنا چاہا تھا کہ جامی صاحب کڑکے! معاف فرمایئے محمود میاں! میں باطل اور گمراہ کن اور بے سروپا باتیں سن کر آپ کی طرح خاموش ہوجانا اور تردید کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنا گناہ سمجھتا ہوں، اب میں اس شخص کو بھگتنے کے لئے کیا کوٹری سے پھر بھی آؤں گا یا یہ مجھے معقول جواب دے ورنہ میں (اپنے بھرے بازو دکھاتے ہوئے) ان کو حرکت میں لاؤں گا، عباسی صاحب یہ عالم، یہ رنگ دیکھ کر بڑے خوف زدہ اور بدحواس ہوگئے تھے، میں نے اپنے مراسم کے زور پر جامی صاحب کو بجبر التواءِ جہاد پر آمادہ کیا اور ان کو گھسیٹتا ہوا وہاں سے لے آیا۔

عباسی صاحب سے آخری ملاقات یوں ہوئی کہ میرے فاضل دوست جناب اقتدار ھاشمی صاحب اور میں عباسی صاحب کے یہاں گئے، ھاشمی صاحب تاریخ اسلام پر بڑا عبور رکھتے ہیں اور ان کے اور عباسی صاحب کے درمیان کتب مطالعہ کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا تھا، عباسی صاحب اور ہاشمی صاحب اسی موضوع (حسین ویزید) پر گفتگو کرنے لگے، میں ایک کتاب ہاتھ میں لے کر وقت گزارنے لگا، مطالعہ سے میری توجہ بلند ہوتی ہوئی آواز نے ہٹائی۔

ایڈیٹ؟ (بیوقوف)

ہاں، ایڈیٹ تھا

علی ایڈیٹ؟ علی ایڈیٹ؟

یس، علی ایڈیٹ، علی واز ایڈیٹ

اور ہاشمی صاحب جو پاؤں اٹھائے تخت پر بیٹھے تھے پاؤں لٹکا کر جوتا پہنتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے، حکیم صاحب! آپ ٹھہریں گے؟ میں تو چلا، اب برداشت کی بات نہیں رہی، میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا فوراً چلئے، اب یہاں کبھی نہیں آنا ہے توبہ توبہ، اور عباسی صاحب، حکیم صاحب ہاشمی صاحب چیختے رہے مگر ہم وہاں سے نکل آئے اور پھر کبھی وہاں نہیں گئے، یہاں تک کہ عباسی صاحب اس کے دربار میں پہنچ گئے جس کے سامنے ان کا باطن ظاہر ہوگا۔ (محمود احمد برکاتی، لالوکھیت کراچی، ۳۰ مارچ ۱۹۸۰ء)

(امروہوی، علی مطہر نقوی، محمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں: کراچی، ادارہ تحفظ ناموس اہل بیت، ۱۹۸۳ء، ص ۳۰ تا ۳۶)

[۵۲]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۲۰۱

[۵۳]۔ نظامی، پروفیسر خلیق احمد: ص ۲۷۹، ۲۸۰

[۵۴]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۲۰۲

[۵۵]۔ نیازی، سید محبوب الرحمٰن، امام السالکین: دہلی لکشمی پرنٹنگ ورکس، س ن، ص ۵۱

[۵۶]۔ اسلم، پروفیسر محمد: ص ۲۰۷

[۵۷]۔ صدیقی، رشید احمد، گنج ہائے گراں مایہ: لاہور، آئینہ ادب، ۱۹۶۷ء، ششم، ص ۴۹۔۵۰

[۵۸]۔ ایضاً ص ۴۳

[۵۹]۔ ایضاً ص ۴۷

[۶۰]۔ زبیر، پروفیسر محمد، پروفیسر علامہ سید سلیمان اشرف بہاری کی شخصیت اور مقام علمی: مشمولہ، معارف رضا (سالنامہ): کراچی، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۹۸۶ء، ص ۱۷۷۔۱۷۸

انتقادی نظریات اور امام احمد رضا کا اصول نقد

ڈاکٹر محمد امجد رضا خان امجد *

اصول تنقید کے موضوع پر اردو ادب کے ناقدین نے بہت کچھ لکھا ہے جن میں حالی وشبلی، امداد امام اثر، نیاز فتح پوری اور محی الدین قادری زور سے لیکر کلیم الدین احمد، احتشام حسین اور آل احمد سرور کی تحریریں بہر حال نمایاں اور اختصاصی توجہ کی مستحق ہیں اسی طرح پاکستان کے وزیر آغا، انور سدید، حسن عسکری اور سلیم اختر کی تنقیدی خدمات بھی اہمیت کے حامل ہیں۔مگر ہمارے انتقادی ادب کا یہ المیہ ہے کہ تذکروں کے تنقیدی مواد اور شعراء کے تنقیدی شعور کی یا د داشتوں سے لے کر زمانہ حال کے ناقدین کی تحریروں تک اس موضوع پر ہزاروں صفحات پڑھ جایئے اور بڑے بڑے نقادوں کے تنقیدی نظریات کھنگال ڈالئے پھر بھی آپ کو ایسے جامع اور منضبط تنقیدی اصول نہیں ملیں گے جو اصل ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں۔

یوں تو تنقید کے سلسلے میں صاحب قطب مشتری کے منظوم خیالات، ولی اور فائز کے تنقیدی افکار، گلشن بے خار اور نکات الشعراء کے بیانات، مجموعہ نغز اور آب حیات کی تحریریں بار بار حوالوں کے کام میں آتی رہی ہیں اور ''اردو تنقید کی تاریخ جیسی کتاب میں ڈاکٹر مسیح الزماں نے عربی وفارسی اصول نقد پر گفتگو کرتے ہوئے ابو الفرج قدامہ بن جعفر کے ''نقد الشعر'' اس کی شرح عقد الشعر، اور ابن رشیق کی کتاب ''مراۃ الشعر'' سے بہت کچھ کام کی باتیں اخذ کی ہیں اور انہیں سلیقے سے سامنے لایا ہے۔لیکن فی الواقع یہ سب کچھ بنیادی طور پر شاعری کے اصول ہیں جنہیں خالص تنقید کے جامع اصول کہنا بڑی حد تک تکلف سے خالی نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بیشتر ناقدین فن اب تک یہی فیصلہ نہیں کر سکے کہ انفرادی پسندیدگی کو معیار بنا کر اصول وضع کئے جائیں، یا اجتماعی پسندیدگی کو وضع اصول کا معیار بنایا جائے۔نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تنقیدی دبستانوں کی تاریخ بڑھتی رہی اور دوسری طرف آزاد نقاد، جیسا کہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں:

''ضروری ہے کہ ہم خود اپنے لئے اصول مرتب کر لیں چونکہ آج کل فن انتقاد کے متعدد اصول پائے جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے لئے علیحدہ قوانین مقرر کر لئے ہیں ایک آزاد نقاد کیلئے بہترین طریقہ یہی ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو کسی ایک اسکول کا پیرو نہ سمجھے اور خود اپنی قوت تمیز سے کام لے کر حسن وقبح کا فیصلہ کرے'' اس کو صرف اپنی رائے پر اعتماد کرنا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی صحیح ہے''۔

ظاہر ہے کہ اس صورت میں نقد ادب کے متخالف نظریات اور متضاد اصولوں کا سامنے آنا اور پروان چڑھنا ناگزیر ہے کیونکہ ہر شخص کے ذوق کا معیار اور پیمائش کا زاویہ نہ تو یکساں ہوتا ہے اور نہ ہی یکساں ہوسکتا ہے۔نظریاتی بکھراؤ کے اس ماحول میں ایک ہی ادب پارہ حکم اور تعین مراتب کے وقت بعض کے نزدیک ادب میں اضافے کا باعث ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک ناقابل اعتنا قرار پاتا ہے۔

یہیں پہنچ کر ہمیں ایک ایسے جامع ومانع اور منضبط ومحکم اصول کی ضرورت کا شدید احساس ہوتا ہے جو عقل ومنطق کی کسوٹی پر پورا اترتا ہو، جس میں سائنس کی سی صحت وقطعیت ہو، جو ذاتی پسند وناپسند سے، بالا تر ہو کر دوٹوک فیصلہ کرنے اور فن اور فنکار کے ساتھ انصاف سے کام لینے کی صلاحیت رکھتا ہو اور حکم وتعیین مراتب میں کسی کشمکش، بیجا مصلحت، ذاتی یا گروہی عصبیت کا شکار نہ ہو۔اگر پوچھا جائے کہ اردو تنقید میں اب تک ایسے اصول وضع ہوئے، یا نہیں جنہیں کلیتاً عقلی ومنطقی کہا جاسکے اور جو تنقید کے تمام دبستان کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو بہ ہمہ وجوہ یعنی ترتیب وتنظیم اور جامعیت ومعنویت کے اعتبار سے اس سوال کا مثبت جواب یقیناً مشکل ہی نہیں قریب المحال

* ڈائریکٹر القلم فاؤنڈیشن و ایڈیٹر سہ ماہی رفاقت، پٹنہ، بہار، انڈیا

برائے تفریح نہ ہو) الفاظ کی حیثیت حقیقۃً ذرائع و وسائل کی ہوتی ہے مقصود کی نہیں۔ دوسری اور تیسری سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ مقصود کے اثبات کے لئے دلائل و شواہد کے طور پر پیش کئے گئے مواد کی حیثیت محض مقصود کے معاون کی ہوتی ہے۔۔۔ چاروں اقسام بیان کرنے کے بعد امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''اس ترتیب میں جو مرتبہ جتنا اترتا ہے اسکی طرف التفات متکلم اسی قدر گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ جانب الفاظ نظر نہایت سرسری اور محض بے پروائی کے ساتھ رہ جاتی ہے۔''

مفہوم یہ ہے کہ قسم دوم و سوم میں اگر کوئی فنی نقص در آئے تو اس سے فنکار کی شخصیت اور فن پارے کے اصل مقصود کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا ہاں! یہ ضرور ہے کہ جس میں نقص واقع ہو، اسے فنی لحاظ سے نا قابل اعتبار کہا جائے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''کتب اصول میں جو مسائل فرع مذکور ہوں وہ کتب فقہ کے مخالف ہوں تو پاۂ اعتبار سے مجروح ہوں گے جب مسئلہ کا ایک حکم اس کے باب میں مذکور اور دوسرا اس کے خلاف باب میں مسطور، تو باب کا حکم غیر باب سے اولیٰ اور معتبر تر ہے''۔

پھر چوتھی قسم یعنی الفاظ کے متعلق فرماتے ہیں:

جب قسم دوم سوم کا تنزل اس درجہ موجب تساہل ہوتا ہے تو قسم سوم چہارم (الفاظ) کس درجہ بے پروائی و سہل انگاری کی محل ہونی چاہیے''۔

ان چاروں اقسام کی تعریف و تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تنقید مقصود فن پر ہونی چاہیے لواحق مقصود اور ذریعۂ اظہار یعنی الفاظ پر نہیں کہ اصلاً بڑے فنکار کی توجہ قدرت فن کے باوجود یا تو دیگر مصالح سے اس طرف ہوتی ہی نہیں ہے یا اگر ہوتی ہے تو پورے اہتمام کے ساتھ نہیں ہوتی۔۔۔ ایسی صورت میں دراصل ناقد کا کام یہ دیکھنا ہے کہ فنکار نے اپنے فن پارے اور ادیب نے ادب پارے میں کیا پیش کیا ہے اور جو کچھ پیش کرنا چاہا ہے اس میں وہ کامیاب ہے یا نہیں۔۔۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ متذکرہ اصولوں کی پیش کش کرنے والے فاضل رسالہ نگار کا رجحان معنی مراد کی طرف غالب ہے۔ وہ کسی بھی تخلیق کا مطالعہ و مشاہدہ خالص جمالیاتی اور ہیئتی اعتبار سے نہیں کرتے بلکہ الفاظ کا نقاب الٹ کر حسن معانی کا بنظر غائر مطالعہ و مشاہدہ کرتے ہیں۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ امام احمد رضا کے یہاں الفاظ، زبان و بیان اور خارجی ہیئت کی کوئی اہمیت ہی نہیں، جمالیات کا ان کے یہاں بھی ایک پاکیزہ توانا تصور موجود ہے اور انہیں بھی تمام ادبیاتی لٹریچر میں جمالیاتی عناصر کی تلاش رہتی ہے۔۔۔ مگر وہ شبلی نعمانی اور نیاز فتحپوری کی طرح حسن کے معاملہ میں انتہا پسند واقع نہیں ہوئے ہیں کہ ادب کی روح سے اغماض کرسکیں اور خارجی حسن پر جان چھڑکتے جائیں۔۔۔ الفاظ کو ذریعۂ اظہار کہنے سے ان کا مفہوم یہ ہے کہ جس تخلیق کا مقصود ادب نہیں کوئی اور موضوع ہو وہاں الفاظ کی حیثیت محض ابلاغ و ترسیل اور سلیقۂ اظہار کی ہوگی اور اس تخلیق پر تنقید کرتے وقت خارجی ہیئت کو نہیں بلکہ اس کے اصل مقصود کو موضوع بنانا ہوگا۔۔ مگر جس تخلیق کا مقصود ہی ادب ہو وہاں الفاظ و معانی اور مواد و ہیئت دونوں پر یکساں نظر رکھی جائیگی کہ یہاں مقصود میں مواد اور ہیئت دونوں شامل ہیں اور ادب دونوں کے تلازم ہی کا نام ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ایک انگریز نقاد (فرل) کا قول نقل کیا ہے کہ ادب کو فنون لطیفہ کی ایک شاخ اور سماجی عمل دونوں حیثیتوں سے دیکھنا چاہیے جب ادب کو اس طرح دیکھا جاتا ہے تو اس کے دو پہلو نظر آتے ہیں۔ (۱) ایک افادی FUNCTIONAL اور (۲) دوسرا جمالیاتی AESTHETIC اور ادب ان دونوں نقطوں سے مل کر بنتا ہے'' اس لئے ادبی نگارشات پر تنقید کے وقت دونوں پہلوؤں پر نظر رہنی چاہئے مگر اس یقین کے ساتھ ہیئت کے مقابلہ میں مواد کی اہمیت زیادہ ہے۔ خالص جمالیاتی عینک لگا کر ادب کا مطالعہ کرنا ادب کے ساتھ انصاف نہیں بلکہ یک گونہ انتہا پسندی کی دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ نہیں وہ ادب کی ظاہری آرائش اور معنویت کی خارجی تزئین کے باوجود ادب کی روح کا درجہ

برائے تفریح نہ ہو) الفاظ کی حیثیت حقیقۃً ذرائع ووسائل کی ہوتی ہے مقصود کی نہیں۔ دوسری اور تیسری سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ مقصود کے اثبات کے لئے دلائل وشواہد کے طور پر پیش کئے گئے مواد کی حیثیت محض مقصود کے معاون کی ہوتی ہے۔۔۔ چاروں اقسام بیان کرنے کے بعد امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''اس ترتیب میں جو مرتبہ جتنا اترتا ہے اسکی طرف التفات متکلم اسی قدر گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ جانب الفاظ نظر نہایت سرسری اور محض بے پروائی کے ساتھ رہ جاتی ہے۔''

مفہوم یہ ہے کہ قسم دوم وسوم میں اگر کوئی فنی نقص در آئے تو اس سے فنکار کی شخصیت اور فن پارے کے اصل مقصود کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا ہاں! یہ ضرور ہے کہ جس میں نقص واقع ہو، اسے فنی لحاظ سے ناقابل اعتبار کہا جائے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''کتب اصول میں جو مسائل فرع مذکور ہوں وہ کتب فقہ کے مخالف ہوں تو پایۂ اعتبار سے مجروح ہوں گے جب مسئلہ کا ایک حکم اس کے باب میں مذکور اور دوسرا اس کے خلاف باب میں مسطور، تو باب کا حکم غیر باب سے اولیٰ اور معتبر تر ہے''۔

پھر چوتھی قسم یعنی الفاظ کے متعلق فرماتے ہیں:

جب قسم دوم سوم کا تنزل اس درجہ موجب تساہل ہوتا ہے تو قسم سوم چہارم (الفاظ) کس درجہ بے پروائی وسہل انگاری کی محل ہونی چاہیے''۔

ان چاروں اقسام کی تعریف وتفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ تنقید مقصود فن پر ہونی چاہیے لواحق مقصود اور ذریعۂ اظہار یعنی الفاظ پر نہیں کہ اصلاً بڑے فنکار کی توجہ قدرت فن کے باوجود یا تو دیگر مصالح سے اس طرف ہوتی ہی نہیں ہے یا اگر ہوتی ہے تو پورے اہتمام کے ساتھ نہیں ہوتی۔۔۔ ایسی صورت میں دراصل ناقد کا کام یہ دیکھنا ہے کہ فنکار نے اپنے فن پارے اور ادیب نے ادب پارے میں کیا پیش کیا ہے اور جو کچھ پیش کرنا چاہا ہے اس میں وہ کامیاب ہے یا نہیں۔۔۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ متذکرہ اصولوں کی پیش کش کرنے والے فاضل رسالہ نگار کا رجحان معنی مراد کی طرف غالب ہے۔ وہ کسی بھی تخلیق کا مطالعہ ومشاہدہ خالص جمالیاتی اور ہیئتی اعتبار سے نہیں کرتے بلکہ الفاظ کا نقاب الٹ کر حسن معانی کا بنظر غائر مطالعہ ومشاہدہ کرتے ہیں۔

مگر اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ امام احمد رضا کے یہاں الفاظ، زبان وبیان اور خارجی ہیئت کی کوئی اہمیت ہی نہیں، جمالیات کا ان کے یہاں بھی ایک پاکیزہ توانا تصور موجود ہے اور انہیں بھی تمام ادبیاتی لٹریچر میں جمالیاتی عناصر کی تلاش رہتی ہے۔۔۔ مگر وہ شبلی نعمانی اور نیاز فتحپوری کی طرح حسن کے معاملہ میں انتہا پسند واقع نہیں ہوئے ہیں کہ ادب کی روح سے اغماض کرسکیں اور خارجی حسن پر جان چھڑکتے جائیں۔۔۔ الفاظ کو ذریعۂ اظہار کہنے سے ان کا مفہوم یہ ہے کہ جس تخلیق کا مقصود ادب نہیں کوئی اور موضوع ہو وہاں الفاظ کی حیثیت محض ابلاغ وترسیل اور سیلۂ اظہار کی ہوگی اور اس تخلیق پر تنقید کرتے وقت خارجی ہیئت کو نہیں بلکہ اس کے اصل مقصود کو موضوع بنانا ہوگا۔۔۔ مگر جس تخلیق کا مقصود ہی ادب ہو وہاں الفاظ ومعانی اور مواد وہیئت دونوں پر یکساں نظر رکھی جائیگی کہ یہاں مقصود میں مواد اور ہیئت دونوں شامل ہیں اور ادب دونوں کے تلازم ہی کا نام ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ایک انگریز نقاد (فرل) کا قول نقل کیا ہے کہ ادب کو فنون لطیفہ کی ایک شاخ اور سماجی عمل دونوں حیثیتوں سے دیکھنا چاہیے جب ادب کو اس طرح دیکھا جاتا ہے تو اس کے دو پہلو نظر آتے ہیں۔ (۱) ایک افادی FUNCTIONAL اور (۲) دوسرا جمالیاتی AESTHETIC اور ادب ان دونوں نقطوں سے مل کر بنتا ہے'' اس لئے ادبی نگارشات پر تنقید کے وقت دونوں پہلوؤں پر نظر رہنی چاہئے مگر اس یقین کے ساتھ ہیئت کے مقابلہ میں مواد کی اہمیت زیادہ ہے۔ خالص جمالیاتی عینک لگا کر ادب کا مطالعہ کرنا ادب کے ساتھ انصاف نہیں بلکہ یک گونہ انتہا پسندی کی دلیل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ نہیں وہ ادب کی ظاہری آرائش اور معنویت کی خارجی تزئین کے باوجود ادب کی روح کا درجہ

نہیں پاسکتے اور روح کی برتری بہر حال جسم پر غالب ہے۔امام احمد رضا لکھتے ہیں۔

''لفظ قالب ہے اور معنیٰ روح ،متوجہ روح کو تزئین بدن سے چنداں کام نہیں ہوتا جب انہیں اصل مقصود سے کام ہے تو اسی کا اہتمام ہے،لفظ کی طرف اتنی توجہ بالتبع رکھتے ہیں کہ افادۂ مراد کرے''

یہی نظریہ ائمہ کرام اور علماء کبار کا ہے چناچہ امام ظہیر الدین فتاویٰ ظہیر یہ میں اور امام سمعانی خزانۃ المفتیین میں فرماتے ہیں۔ ''ان الا لفاظ قوالب ما لھا عبر ۃ انما العبر ۃ للمذ عا'' یعنی الفاظ ایک ڈھانچہ ہے اس کا اعتبار نہیں ہاں! مدعیٰ و مقصود کا اعتبار ہے۔اسی وجہ سے یہ حضرات الفاظ کی طرف اتنی ہی توجہ رکھتے ہیں جس سے اپنی مراد کو ظاہر کرسکیں ،زبان و بیان اور فنی قواعد سے انہیں بنیادی غرض نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف میں قواعد زبان سے بے پروائیوں کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں ۔علامہ سعد الدین تفتا زانی اپنی کتاب ''تلویح شرح توضیح'' میں امام صدر الشریعہ کے بارے میں فرماتے ہیں ''المصنف کثیر اما یتسا مح فی صلا ت الا فعال میلا الی جانب المعنیٰ'' معنی کی طرف میلان زیادہ ہونے کیوجہ سے افعال کا صلہ لانے میں وہ اکثر تسامح کر جاتے ہیں۔۔۔۔فقہ حنفی کی مشہور کتاب ھدایہ کے مصنف امام علی بن ابی بکر کے تعلق سے مفتاح السعادہ نامی مستند کتاب میں لکھا ہے ''انہ لا یذ کر الفاء فی جواب اما اعتما د اعلیٰ ظھور المعنیٰ'' یعنی ظہور معنیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے وہ نحوی قاعدہ کے خلاف حرف شرط اما کی جزا پر ''فا'' استعمال نہیں کرتے تھے۔حضرت مولانا روم کی مثنوی بہت مشہور و معروف اور مستند ہے مگر اس میں بھی بہت سے اشعار اور مصرعے ایسے ہیں جو خلاف قواعد ہیں اور بقول امام احمد رضا۔

''ان کی گنتی ہی نہیں جنہیں صحیح کر کے پڑھئے تو ایسے زحافات میں پڑیئے جو نظم فارسی میں ممنوع یا طبع و گوش کو سخت نا مطبوع''۔

امام احمد رضا نے اپنے رسالہ میں امام مسلم ،امام بیہقی ،امام قاضی عیاض ،امام قاضی خان ،امام صدر الشریعہ، امام کروی ،امام سیوطی، علامہ مناوی ،علامہ زرقانی ،علامہ علی قاری اور فقہی کتب ھدایہ ،خلاصہ، خزانہ ،منیہ ،بحر الرئق ،نہر الفائق اور درر کے مصنفین اور عربی ادب کے اکابرین کے یہاں قواعد زبان کے اغلاط پر مشتمل تیس مثالیں دی ہیں اور فرمایا ہے:

''ان اکابر کی ہمم ہمالیہ کا جانب معنیٰ مصروف ہونا ان امور زائدہ (یعنی الفاظ اور قواعد زبان کی طرف توجہ) میں بے پروائی کا باعث ہوتا ہے نہ کہ معاذ اللہ انہیں علم یا ادائے صحیح پر اقتدار نہ تھا''

مولانا روم نے بھی اپنی مثنوی میں معنی کو مغز اور لفظ کو چھلکے سے تعبیر کیا ہے اور مثالوں سے اسکی حقیقت واضح کردی ہے فرماتے ہیں

مغز علم افزود کم شد پوستش
زانکہ عاشق را بسوزد دوستش
چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را گلیم

بہر حال اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ تنقید مقصود فن پر ہونی چاہئے خواہ ادب کا مقصود مواد ہو یا ہیئت ،یا پھر مواد و ہیئت دونوں ہی۔

تنقید کا دوسرا اصول امام احمد رضا کے نزدیک ادب پارے کے شعوری اور غیر شعوری حصے کی شناخت ہے اس اصول نقد کا تعلق نفسیات سے ہے۔۔۔۔۔نفسیاتی تنقید میں تخلیق کے وجود میں آنے کے داخلی اسباب اور محرکات کا پتہ لگانا ہوتا ہے امام احمد رضا نے متذکرہ رسالہ میں زیر بحث عربی قصیدہ غوثیہ پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ عملی تنقید کی اچھی مثال قائم کی ہے بلکہ اس میں ایسے اصول سے بھی کام لیا ہے جو آج کی اصطلاح کے لحاظ سے نفسیاتی تنقید کے ذیل میں آتے ہیں ۔اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہر تخلیق اور ہر ادب پارے کو ایک ہی عینک سے دیکھنے کے قائل نہیں تھے بلکہ ادب کے شعوری اور غیر شعوری حصے میں تفریق کرتے تھے ذیل میں ان کے اس نظریہ تنقید کا وہ اقتباس ملاحظہ کیجئے جو موقع کے لحاظ سے تو ایک مخصوص

مگر یہ جواز سب کے لئے نہیں، اور نہ موقع بے موقع ہر جگہ ضرورت کی راگ الاپنا صحیح ہوسکتا ہے۔۔ایک صاحب نے اپنے ایک شعر

پاک ہے وہ جسم و جوہر عرض سے
مادہ سے اور مکاں سے مرض سے

میں عرض کی طرح مرض کی را کو ساکن باندھا تھا اعتراض ہوا تو کہنے لگے کہ بضرورت جائز ہے اور اس کا نام تفریس ہے، امام احمد رضا نے اس کی گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

''ایسے تصرفات کا ہمیں اختیار نہیں دیا گیا کہ سماع بے سماع ہر جگہ جاری رکھ سکیں اور ضرورت کا جواب وہی ہے کہ ''شعر گفتن چہ ضرور''

اگر ایسی کوئی غلطی اکابر اساتذہ فن سے ہو جائے تو وہ بے پروائی پر محمول ہوسکتی ہے دوسروں کے لئے اسے دلیل بنانا جائز نہیں ۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

''کوئی عیب لفظی ہو خواہ معنوی، ایسا نہیں جس کی مثال اساتذہ کے کلام سے نہ دی گئی ہو، اس سے نہ وہ جائز ہو جاتا ہے اور نہ عیب ہونے سے باہر آتا ہے نہ اس میں ان کی تقلید روا ہو''

مگر غلطی بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جس سے معنی و مفہوم میں فساد لازم آئے، یہ قابل گرفت ہے خواہ کسی مبتدی سے صادر ہو یا کسی ماہر فن سے، اس طرح کے تصرف کی اساتذہ فن کو بھی اجازت نہیں۔۔۔دوسری وہ جس سے معنی میں فساد تو نہ ہو مگر ادب کی ظاہری ہیئت خلاف قواعد ہو، اور جیسا کہ ابھی ایک اقتباس میں کہا گیا یہ صورت داخل اباحت ہے۔

اب آیئے، اردو کے اکابر تنقید نگاروں کے اصولی نظریات کی طرف! کہنے کی ضرورت نہیں کہ خواہ سب کچھ بھی ہو بہرحال حالی کے مقدمہ شعر و شاعری کا، اصل موضوع شاعری ہے، تنقید نہیں۔ تاہم اسمیں جو نظریات قلمبند ہوئے ہیں اگر وہ تنقید کے اصول فرض بھی کر لئے جائیں تب بھی وہ زیادہ سے زیادہ نظم کے اصول نقد ہوں گے نثر کے نہیں۔ یہی حال شبلی کے ''موازنہ انیس و دبیر'' اور ''شعر العجم'' کا بھی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ مواد و ہیئت کے معاملہ میں ہیئتی ہو کر رہ گئے ہیں جو اصول سازی کے لئے قطعاً مناسب نہیں۔۔۔۔

دیگر ناقدین کی طرف دیکھا جائے تو ان کے یہاں بھی اصول نقد کی جامعیت بڑی حد تک مفقود ہے مثلاً حالی کے مسدس پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولوی عبدالحق ادیب کے ماحول، اس کی افتاد طبع اور اس کے ذہنی رجحان کی تلاش و تفتیش تو کرتے ہیں مگر تنقید کے دوسرے اصولوں سے ان کا دامن خالی نظر آتا ہے۔

ترقی پسند ناقدین میں احتشام حسین کا بڑا نام ہے اور انہوں نے اصول سازی کے لئے درپیش مسائل کو جابجا پیش کیا ہے مگر وہ بھی کوئی جامع اصول پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں ان کے یہ سوالات:

(الف) ادب کا کتنا حصہ شعوری کوششوں کا نتیجہ ہے اور کتنا غیر شعوری مجبوریوں کا۔

(ب) مصنف کی نیت اور اس کے ما فی الضمیر کا تجزیہ کیا جائے کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا اور کیا کہہ سکا۔

(ج) اثر الفاظ و اظہار سے پیدا ہوتا ہے یا موضوع، مقصد اور مثال سے۔

اہمیت کے حامل ضرور ہیں مگر ان کے یہاں ان سوالوں کا کوئی غیر جانبدارانہ جامع اور اصولی جواب بہ مشکل تمام ہی مل سکتا ہے۔کلیم الدین احمد نے نظم و نثر کیلئے الگ الگ اصول ضرور متعین کئے اور اس خصوص میں بلاشبہ وہ منفرد ہیں مگر ان اصولوں میں بھی اسلوب و ہیئت کو زیادہ دخل ہے اور معنویت کو کم۔۔۔۔ناقدین ادب کی ردیف عالیہ میں ایک خاص حد تک صرف محی الدین قادری زور ایسے ناقد ہیں جن کے تنقیدی اصول نسبتاً زیادہ جامع کہے جاسکتے ہیں۔ان کی کتاب ''روح تنقید'' میں پانچ اصول بیان کئے گئے ہیں جن میں چار اس طرح خصوصی اہمیت کے حامل ہیں کہ امام احمد رضا کے اصول نقد سے قریبی مطابقت رکھتے ہیں۔

(۱) کتاب ظاہری شکل کے اعتبار سے جس صنف سے متعلق ہو اسکی خصوصیات پر حاوی ہے یا نہیں۔

(۲) معانی و مطالب کے لحاظ سے موضوع کی تمام خوبیوں سے متصف ہے یا نہیں۔

(۳) زیر تنقید ادبی کارنامے کی زبان اور اسلوب پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

(۴) مصنف کی ذات، اس کے ماحول اور اسکی تصنیف کے ماخذ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے زور کے ان اصول نقد کی تعریف تو کی ہے اور انہیں بڑی حد تک سائنٹیفک کہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے:

''اتنی سختی سے اصولوں کی پابندی اردو تنقید میں اس سے قبل کسی اور نقاد نے نہیں کی شاید اسی وجہ سے ڈاکٹر اس سلسلہ میں انتہا پسند ہوگئے ہیں''

گویا ایک ایسے اصول کی سختی سے پابندی جو سائنٹیفک ہوں عبادت بریلوی کی نظر میں یک گونہ انتہا پسندی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اصول بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے اور کسی کے انتقادی نظریات اور عملی تنقیدوں میں اصول کی کھوج کیا معنیٰ رکھتی ہے۔ پھر مذاق و مزاج کی دورنگی کا یہ عجیب سانحہ ہے کہ ایک طرف ایسے حضرات تنقیدوں میں تجزیہ کی شان بھی دیکھنا پسند کرتے ہیں اور نہ ملنے کی صورت میں اسے تنقید کی خامی بتاتے ہیں یہاں تک کہ محمد حسین آزاد کے تنقیدی خیالات میں بھی جانب داری نظر آتی ہے اور کہیں یہ حضرات تنقیدوں میں سائنٹیفک تجزیہ کی کیفیت دیکھ کر زور جیسے نقاد پر انتہا پسندی کا الزام لگاتے ہیں اس طرح ڈاکٹر زور سے قطع نظر بالعموم بڑے بڑے ناقدین کے یہاں نظریاتی مسقومات اور دوہرے معیار و میزان کا تکلیف دہ اندازہ ہوتا ہے۔۔ پھر یہ کہ اردو ناقدین کے جتنے اصول ونظریات سامنے آئے ہیں عبادت بریلوی اور کئی دوسرے حضرات کی تحقیق کے بموجب تقریباً وہ سبھی مغرب سے مستعار ہیں۔۔۔ مثلاً حالی ملٹن اور مکالے سے متاثر ہیں، شبلی مشرقی ذہنیت کے باوجود صاف طور پر مل اور لوئس سے متاثر ہیں، مولوی عبدالحق کی تنقیدات میں بھی ادبیات مغریب کے براہ راست مطالعہ نے ہی مزید گہرائی پیدا کی، کلیم الدین احمد کی مغرب زدگی بھی طشت از بام ہے اور احتشام حسین کی تنقید بھی اثرات مغرب سے بے نیاز نہیں ہے۔ حد تو یہ کہ ڈاکٹر زور کے تنقیدی اصول میں بھی جہاں نسبتاً کچھ زیادہ جامعیت ہے، اناطول، فرانس، سوبرن، میتھو آرنلڈ، ہینٹ بیو اور سائٹر ملے کے خیالات کی گونج سنائی دیتی ہے اور عبادت بریلوی نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ:

''یہ خیالات جو تنقید کے متعلق ڈاکٹر زور نے پیش کئے ہیں براہ راست نقادوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں'' انہوں نے اپنی طرف سے بہت کچھ لکھا ہے اگر صرف ہڈسن اور میتھو آرنلڈ کی دو کتابوں کو سامنے رکھا جائے تو دونوں ہی میں یہ خیالات مل جائیں گے''

یہ ہے آئینہ ہماری اردو تنقید کا جو پوری طرح مغرب سے مستعار ہے مگر امام احمد رضا کے تنقیدی اصول ونظریات خالص مشرقی ہیں اور ان کی اپنی فکری کوششوں کا نتیجہ۔۔۔۔ ان میں اسلامی لٹریچرز کے مطالعہ کی جھلک ضرور نظر آتی ہے مگر اصول بہر حال ان کے اپنے ہیں، ان کا جزئیہ مشرق سے آیا ہے ان میں مغربی ادبیات سے درآمد کوئی جزئیہ نہیں ہے کیوں کہ مغربی زبان وادب سے ان کا کوئی شخصی اور اکتسابی رابطہ نہیں تھا۔

اس طرح امام احمد رضا کا اصول نقد تہذیبی اور فکری تاریخ کے لحاظ سے ہمارے لئے حد درجہ قابل فخر بات ہے اور یقیناً یہ کئی اعتبار سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کیوں کہ یہ اصول نقد عقلی بھی ہے اور سائنٹیفک بھی، اور اس میں حد درجہ ترتیب اور انضباط بھی پایا جاتا ہے یہ اصول اس وقت کی یادگار ہیں جب کہ بایں انداز اور بایں ضرورت اصول سازی کی طرف توجہ بھی نہیں دی گئی تھی۔

☆☆☆

(۱) کتاب ظاہری شکل کے اعتبار سے جس صنف سے متعلق ہو اسکی خصوصیات پر حاوی ہے یا نہیں۔

(۲) معانی و مطالب کے لحاظ سے موضوع کی تمام خوبیوں سے متصف ہے یا نہیں۔

(۳) زیرِ تنقید ادبی کارنامے کی زبان اور اسلوب پر نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

(۴) مصنف کی ذات، اس کے ماحول اور اسکی تصنیف کے مآخذ کا گہرا مطالعہ کیا جائے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے زور کے ان اصول نقد کی تعریف تو کی ہے اور انہیں بڑی حد تک سائنٹیفک کہا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ بھی لکھ دیا ہے:

''اتنی سختی سے اصولوں کی پابندی اردو تنقید میں اس سے قبل کسی اور نقاد نے نہیں کی شاید اسی وجہ سے ڈاکٹر اس سلسلہ میں انتہا پسند ہو گئے ہیں''

گویا ایک ایسے اصول کی سختی سے پابندی جو سائنٹیفک ہوں عبادت بریلوی کی نظر میں یک گونہ انتہا پسندی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اصول بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے اور کسی کے انتقادی نظریات اور عملی تنقیدوں میں اصول کی کھوج کیا معنی رکھتی ہے۔ پھر مذاق و مزاج کی دورنگی کا یہ عجیب سانحہ ہے کہ ایک طرف ایسے حضرات تنقیدوں میں تجزیہ کی شان بھی دیکھنا پسند کرتے ہیں اور نہ ملنے کی صورت میں اسے تنقید کی خامی بتاتے ہیں یہاں تک کہ محمد حسین آزاد کے تنقیدی خیالات میں بھی جانب داری نظر آتی ہے اور کہیں یہ حضرات تنقیدوں میں سائنٹیفک تجزیہ کی کیفیت دیکھ کر زور جیسے نقاد پر انتہا پسندی کا الزام لگاتے ہیں اس طرح ڈاکٹر زور سے قطع نظر بالعموم بڑے بڑے ناقدین کے یہاں نظریاتی مسقومات اور دوہرے معیار و میزان کا تکلیف دہ اندازہ ہوتا ہے ۔۔ پھر یہ کہ اردو ناقدین کے جتنے اصول و نظریات سامنے آئے ہیں عبادت بریلوی اور کئی دوسرے حضرات کی تحقیق کے بموجب تقریباً وہ سبھی مغرب سے مستعار ہیں ۔۔۔ مثلاً حالی ملٹن اور مکالے سے متاثر ہیں، شبلی مشرقی ذہنیت کے باوجود صاف طور پر مل اور لوئس سے متاثر ہیں، مولوی عبدالحق کی تنقیدات میں بھی ادبیات مغریب کے براہ راست مطالعہ نے ہی مزید گہرائی پیدا کی، کلیم الدین احمد کی مغرب زدگی بھی طشت از بام ہے اور احتشام حسین کی تنقید بھی اثرات مغرب سے بے نیاز نہیں ہے۔ حد تو یہ کہ ڈاکٹر زور کے تنقیدی اصول میں بھی جہاں نسبتاً کچھ زیادہ جامعیت ہے، اناطول، فرانس، سوئبرن، میتھو آرنلڈ، ہینٹ بیو اور سائٹر ملے کے خیالات کی گونج سنائی دیتی ہے اور عبادت بریلوی نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ:

''یہ خیالات جو تنقید کے متعلق ڈاکٹر زور نے پیش کئے ہیں براہ راست نقادوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں'' انہوں نے اپنی طرف سے بہت کچھ لکھا ہے اگر صرف ہڈسن اور میتھو آرنلڈ کی دو کتابوں کو سامنے رکھا جائے تو دونوں ہی میں یہ خیالات مل جائیں گے''

یہ ہے آئینہ ہماری اردو تنقید کا جو پوری طرح مغرب سے مستعار ہے مگر امام احمد رضا کے تنقیدی اصول و نظریات خالص مشرقی ہیں اور ان کی اپنی فکری کوششوں کا نتیجہ ۔۔۔۔ ان میں اسلامی لٹریچرز کے مطالعہ کی جھلک ضرور نظر آتی ہے مگر اصول بہر حال ان کے اپنے ہیں، ان کا جز ئیہ مشرق سے آیا ہے ان میں مغربی ادبیات سے درآمد کوئی جزئیہ نہیں ہے کیوں کہ مغربی زبان و ادب سے ان کا کوئی شخصی اور اکتسابی رابطہ نہیں تھا۔

اس طرح امام احمد رضا کا اصول نقد تہذیبی اور فکری تاریخ کے لحاظ سے ہمارے لئے حد درجہ قابل فخر بات ہے اور یقیناً یہ کئی اعتبار سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتا ہے کیوں کہ یہ اصول نقد عقلی بھی ہے اور سائنٹیفک بھی، اور اس میں حد درجہ ترتیب اور انضباط بھی پایا جاتا ہے یہ اصول اس وقت کی یادگار ہیں جب کہ بایں انداز اور بایں ضرورت اصول سازی کی طرف توجہ بھی نہیں دی گئی تھی۔

☆☆☆

مولانا احمد رضا خاں کے تخلیقی رویّے اور محرکاتِ شاعری

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی*

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی (۱۸۵۶ء، ۱۹۲۱ء) کا خاندان کئی پشتوں سے مذہبی اور علمی خاندان چلا آرہا تھا۔ دینی اور دینوی ہر اعتبار سے انکا خاندان ایک اعلےٰ خاندان تھا اور وہی خاندانی شرافت ونجابت انکے اندر بھی موجود تھی بلکہ بدرجہ اتم موجود تھی۔ یہ تقریباً چودہ سال کی عمر میں نقلی وعقلی علوم وفنون سے آراستہ ہو گئے تھے۔ اور انھوں نے فتویٰ نویسی کی ابتداء کردی تھی۔

مولانا موصوف کا عہد مذہبی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی وتمدنی ہر اعتبار سے بڑے ہی اضطراب وانتشار کا عہد تھا۔ انگریزی حکومت، جبر وظلم کا دور دورہ، عیسائی مشنریوں کا عیسائیت کی تبلیغ میں انگریز حکومت کے سہارے کے ساتھ زن اور زر کا استعمال، مسلمانوں کے مذہب اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر رکیک حملے، علاوہ ان کے آریوں کا بھی انکی دیکھا دیکھی مسلمانوں سے مذہبی چھیڑ چھاڑ اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں گستاخیوں کے سلسلے کو دراز کرنا، مناظرے بازی۔ تحریری وزبانی نیز خود مسلمانوں کا انگریزوں کی فتنہ پروری کی وجہ سے عقائد کی بنیاد پر مختلف فرقوں اور جماعتوں میں منقسم ہو جانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت واقدس پر خود اپنوں یعنی انھیں کا کلمہ پڑھنے والوں کا حملہ...... یہ اور دیگر فتنہ سامانیاں اس دور کا طرۂ امتیاز تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب، اختیارات وتصرفات، واقعہ معراج، ان کی محبوبیت اور دیگر فضل وکمال اور معجزات وغیرہ سے انکار کی ایک مہم چل نکلی تھی۔

اسی ماحول میں مرزا غلام احمد قادیانی کا ختم نبوت کا فتنہ، نوع نوع کی تعلیمی وسیاسی تحریکوں کا جنم لینا، ترکِ موالات اور خلافت کی تحریکیں، غیر مسلموں کی رہنمائی اور پیشوائی قبول کر لینا۔ غرض یہ کہ میدان سیاست وریاست سے لیکر درس گاہ وتصوف کرنے تک ہر جگہ ایک ہلچل برپا تھی۔ مولانا ایسے عالم میں کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ ان کا علم وفضل، ان کا ایمان اور ان کے عشق کی غیرت کسی بھی قیمت پر اسلام اور ملت کی پائمالی نیز کونین کے سرور، مدنی محبوب، جانِ جان وجانِ جہان وجانِ ایمان، پیغمبر ذیشان ﷺ کی تقدیس وعصمت وعظمت پر کسی بھی رخ سے کوئی ضرب یا حملہ کیسے برداشت کرسکتا تھا۔ پس انھوں نے ہر باطل سے نبرد آزمائی کی، ہر مسئلہ اور ہر جملہ کا جواب دیا اور نبی کونین ﷺ کے تمام کمالات کو دلائل شرعیہ کی روشنی میں ظاہر وباہر کردیا اور اس طرح ناموس رسالت کے پاسبان بن گئے اور حق وصداقت اور عشق ومحبت کے وہ تقدیسی نغمے اور فردوسی ترانے چھیڑے کہ وجودِ انسانی کے ذرہ ذرہ کو سحاب سرمدی کی سرشاریوں میں گم کردیا اور ذہن کے دریچوں کو بہارابد کی جانفزا ہواؤں کیلئے وا کردیا۔

لیکن فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خانصاحب علیہ الرحمۃ کا وصف یہ ہے کے نبی کونین ﷺ کی عظمت وبرتری کے ہر رخ اور ہر پہلو کو اجاگر کرنے اور ثابت کرنے کیلئے سیکڑوں کتب ورسائل تصنیف کیں اور علوم وفنون کو وہ وسعت بخشی کہ علم وفن وآگہی کی تاریخ میں ایسی مثال کم ہی ملے گی۔

مولانا احمد رضا خانصاحب کی شاعری کے موضوعات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حمد وثنائے الٰہی
۲۔ نبی کریم ﷺ کا علم غیب
۳۔ نبی کونین ﷺ کا حاظر وناظر ہونا اور انکی حیاتِ جاودانی۔
۴۔ نبی کریم ﷺ کا اللہ عزوجل کا نور اور تکوین عالم کی اصل ہونا۔
۵۔ نبی کریم ﷺ کی محبوبیت (اللہ کا محبوب اکبر اور حبیب اعظم ہونا)

---

* ڈائرکٹر رضا اکیڈیمی، بریلی۔ یوپی، انڈیا

فاضل بریلوی حضرت احمد رضا خاں صاحب کی نعت دراصل ان کے جذبات کی تصویر، ان کے دل کی صدا اور رب کعبہ کے مدنی محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی عشق ووفا کا اظہار اور ان کے جمال وکمال کا اقرار ہے۔ مولانا نے اس اظہار واقرار کو شاعری نہیں سمجھا البتہ جذبوں کی تصویر کشی میں انہوں نے جہاں بہت سارے رنگ بھرے ہیں رنگ شریعت کو ہر رنگ میں نمایاں رکھا ہے۔ انہوں نے اپنے آقا ومولا کی مدح وثناء میں ان کے حکم اور ان کی شریعت کے خلاف کسی بھی لفظ کو داخلہ کی اجازت نہیں دی ہے اور نعت رسول اکرم ﷺ میں زبان وبیان کی تمام خوبیاں کیساتھ جس بڑی خوبی یعنی پاس شرع کی موجودگی لازمی ہے اس وصف کو ثنائے رسول ﷺ میں نمایاں رکھنے پر انھیں مسرت بھی ہے اور ناز بھی۔ فاضل بریلوی کو اگر کوئی للک تھی تو شریعت کی پائیداری کی اور اسی کا انھیں جنبہ تھا۔

وہ اپنی ایک رباعی میں اسطرح کہتے ہیں۔

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھکو
ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھکو
مولیٰ کی ثناء میں حکمِ مولیٰ کا خلاف
لوزینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھکو

مولانا احمد رضا خاں نے کسی سلطان، نواب، راجہ، حاکم یا دنیادار امیر وکبیر کی قصیدہ خوانی نہیں کی ہے۔

ایک بار کچھ لوگوں نے ان سے راجہ نان پارہ کی مدح میں اشعار کہنے کی فرمائش کی اور لالچ دی کے راجہ صاحب آپ کو خوش کردیں گے۔ اس پر مولانا بہت برہم ہوئے اور اس طرح للکارا:

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

مولانا احمد رضا خاں کی شاعری کے جملہ اوصاف سے واقفیت:

مولانا احمد رضا خانصاحب شاعری کے تمام فنی وادبی محاسن اور نزاکتوں سے خواب واقف تھے۔ ادب، نحو، لُغت اور عروض وغیرہ پر ان کی تصانیف موجود ہیں جو اس بات کی گواہ ہیں۔

چند کتب ورسائل کے اسماء حسب ذیل ہیں:

۱۔ صنائع بدیعہ (عربی، فارسی، ہندی) مبیضہ ومسودہ
۲۔ فتح المعلی (اردو) مبیضہ
۳۔ زمزمتہ القمریہ (اردو)
۴۔ حاشیہ تاج العروس (عربی)
۵۔ حاشیہ میزان الافکار (فارسی)
۶۔ شرح مقالہ مذاقیہ (اردو)
۷۔ نعت واستعادات (اردو)۔ وغیرہ

۱۔ مولانا بریلوی کی شاعری اور اوصافِ شاعری سے واقفیت کے بارے میں پروفیسر محمد اسحاق قریشی تحریر کرتے ہیں۔

'' کہتے ہیں کہ شاعر کو شعر گوئی کا ملکہ فیاضِ فطرت عطا کرتی ہے وہ شعر کہتا نہیں شعر اس سے ہو جاتا ہے، مولانا ایسے ہی مطبوع اور فطری شاعر تھے کہ شعر ان پر نازل ہوتے تھے۔ اس وہبی کمال کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے مطالعہ اور محنت سے شعری علوم پر بھی مکمل دسترس حاصل کرلی تھی۔ انھیں شعر کے تمام جوانب کا احساس رہتا تھا۔ لفظوی مناسبت اور معنوی حسن ان کے شعری ذوق کے بنیادی عناصر تھے۔ ایک ایک لفظ منتخب ہے اور معانی کا ہر پہلو ذوق جمال کے معیار پر تلا ہوا ہے حتیٰ کہ کسی دوسرے سے کچھ سنتے تو نامحبوب خیال یا نامانوس لفظ پر فوراً گرفت فرماتے۔ یہ خیال کبھی محو نہ ہوتا کہ دربار گہربار میں تحائف ناپسندیدہ نہ ہونے چاہئیں''۔

۲۔ مولانا احمد بخش تونسوی علیہ الرحمہ نے ۱۱۴/اشعار کا ایک مدحیہ قصیدہ برائے اصلاح حاضر کیا تو بیماری کے باوجود اور کتب حوالہ کی عدم دستیابی کے باوصف ۱۰۱ شعروں میں ترمیم واصلاح فرمائی، ۲۶/اشعار بدل دئے اور اپنی جانب سے اضافہ کردیا۔ اصلاح کا ایک

ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ لغوی، صرفی، نحوی اور عروضی کوئی پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوا اور سب سے بڑھکر مقام کی عظمت کے خیال سے مجموعی تاثر کی بھی اصلاح فرمائی۔ مولانا عقائد میں جھول اور نظریات میں رعایت کے قائل نہ تھے اسلئے جہاں ایسا محسوس ہوا فوراً تفہیم کی....

ایک شعر کو مکمل طور پر بدل دیا اور لکھا ''ابنی میں حمزہ وصل ہے۔ اور یہاں فاعلن نامطبوع اور تساہل غالباً متعدی بنفسہٖ نہیں اور تاسیس تھی اور پہلا رکن بے محل تھا''۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں: دوفقیر نہ عروضی ہے نہ لغوی، فنون وادب میں ورسیات بھی نہ پڑھیں نہ یہاں پہاڑ پر کوئی کتاب لغت، ادب و عروض کی حاضر، اپنے ذوق پر جو خیال میں آیا عرض کیا۔ مزید لکھتے ہیں میرے نزدیک حتیٰ الامکان احتیاج تاویل سے بچنا چاہیے۔ حدیث میں فرمایا۔ ایاک وما یعتذ ر منه : پھر عربی ادبیات کے حوالے سے اپنے شعری ذوق کی بنا پر فرماتے ہیں زحاف با مطبوع سے اگر چہ مجوز بلکہ عرب میں رواج بھی ہو حتیٰ الوسع احتراز اچھا معلوم ہوتا ہے۔ فعلن ضرب میں بدلنا تو ضرور تھا ہی بوجہ کثرت عروض میں رہنے دیا ہے ورنہ میرے مذاق پر ثقیل ہے، نظم عربی میں دخل وتاسیس کی رعایت واجب ہے، ہوتا تو سب میں ہوتا حالانکہ ۸۶ میں نہیں صرف ۲۸ میں ہے، انھیں کو بدل دیا''۔ (۴)

یہ حوالہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب کے تنقیدی شعور کی گواہ ہے اور یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ مولانا موصوف شاعری کے جملہ اوصاف اور لغوی، نحوی وعروضی پہلوؤں پر ماہرانہ دسترس رکھتے تھے۔

۳۔ یوں تو مولانا احمد رضا خانصاحب کو اپنے معاصرین یا اپنے عہد سے ماقبل شعراء کے غزلیہ، بہاریہ اور دیگر قسم کے دواوین کے مطالعہ کا کوئی شوق تھا اور نہ ہی دینی، علمی وتحقیقی کاموں سے اتنی فرصت تھی کہ وہ سیرِ دواوین کرتے جیسا کہ انہوں نے خود اپنے قطعہ میں یہ کہہکر:

''رہانہ شوق کبھی بسلو سیرِ دیواں سے''

واضح کر دیا ہے لیکن دینی وعلمی تحقیق کی خاطر انھوں نے عربی و فارسی شعراُ کے کلام اور ان کی نگارشات پر ضرور نظر رکھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر ان کی کسی نعت کے کسی لفظ کی معنویت پر کسی نے اعتراض کیا تو اسکا فوری طور پر شافی جواب دیا۔ مثلاً۔

۸/ذلحجہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء کو کانپور سے محمد آصف نامی کسی شخص نے لکھا کہ دیوان حدائق بخشش کی ایک نعت کے اس مصرعہ ''حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو''۔ میں لفظ شہنشاہ کا استعمال مناسب نہیں اس لئے اسکو یوں بدل دیا جائے۔ ''حاجیو! آؤ مرے شاہ کا روضہ دیکھو''۔ حضرت فاضل بریلوی نے لفظ شہنشاہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل شعراء صوفیاء اور علماء کے اشعار اور نگارشات سے استدلال کیا۔ امام رکن الدین ابوبکر محمد بن ابی المفاخرین عبدالرشید کرمانی۔

علامہ خیرالدین زرکلی ، مولانا جلال الدین رومی ، شیخ مصلح الدین سعدی ، حضرت امیر خسرو ، مولانا جامی ، حافظ شیرازی ، مولانا نظامی ، شیخ شہاب الدین وغیرہ وغیرہ۔

ان حضرات نے حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے شہنشاہ، ملک الملوک اور سلطان السلاطین وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

۴۔ اسی طرح محمد یار نامی ایک صاحب نے گڑھی اختیار خاں تحصیل خانپور سابق ریاست بہاول پور سے ۹/شعبان ۱۳۳۴ھ کو فاضل بریلوی کو خط لکھا کہ ایک محفل میں جب ان کا مشہور قصیدہ قصیدۂ معراجیہ۔ (۵) پڑھا گیا تو بعض لوگوں نے ان اشعار پر اعتراض کیا جن میں بیت اللہ کو دلہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دولہا سے تشبیہ دی ہے۔ ان صاحب نے مولانا احمد رضا فاضل بریلوی سے اس اعتراض کا جواب چاہا۔ مولانا موصوف نے فوری طور پر جواب ارسال کیا اور اپنے موقف کی تائید میں مختلف کتب سے شواہد ونظائر اور آثار واخبار پیش کئے

ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ لغوی، صرفی، نحوی اور عروضی کوئی پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوا اور سب سے بڑھکر مقام کی عظمت کے خیال سے مجموعی تاثر کی بھی اصلاح فرمائی۔ مولانا عقائد میں جھول اور نظریات میں رعایت کے قائل نہ تھے اسلئے جہاں ایسا محسوس ہوا فوراً تفہیم کی....

ایک شعر کو مکمل طور پر بدل دیا اور لکھا۔ ''ابنی میں حمزہ وصل ہے۔ اور یہاں فاعلن نا مطبوع اور تساہل غالباً متعدی بنفسہ نہیں اور تاسیس تھی اور پہلا رکن بے محل تھا''۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں: دو فقیر نہ عروضی ہے نہ لغوی، فنون وادب میں درسیات بھی نہ پڑھیں نہ یہاں یہاڑ پر کوئی کتابِ لغت، ادب و عروض کی حاضر، اپنے ذوق پر جو خیال میں آیا عرض کیا۔ مزید لکھتے ہیں میرے نزدیک حتیٰ الامکان احتیاجِ تاویل سے بچنا چاہیے۔ حدیث میں فرمایا۔ ایاک وما یعتذر منه : پھر عربی ادبیات کے حوالے سے اپنے شعری ذوق کی بنا پر فرماتے ہیں زحاف یا مطبوع سے اگر چہ مجوز بلکہ عرب میں رواج بھی ہو حتیٰ الوسع احتراز اچھا معلوم ہوتا ہے۔ فعلن ضرب میں بدلنا تو ضرور تھا ہی بوجہ کثرت عروض میں رہنے دیا ہے ورنہ میرے مذاق پر ثقیل ہے، نظم عربی میں دخل و تاسیس کی رعایت واجب ہے، ہوتا تو سب میں ہوتا حالانکہ ۸۶ میں نہیں صرف ۲۸ میں ہے، انھیں کو بدل دیا''۔ (۴)

یہ حوالہ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب کے تنقیدی شعور کی گواہ ہے اور یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ مولانا موصوف شاعری کے جملہ اوصاف اور لغوی نحوی وعروضی پہلوؤں پر ماہرانہ دسترس رکھتے تھے۔

۳۔ یوں تو مولانا احمد رضا خانصاحب کو اپنے معاصرین یا اپنے عہد سے ماقبل شعراء کے غزلیہ، بہاریہ اور دیگر قسم کے دواوین کے مطالعہ کا کوئی شوق تھا اور نہ ہی دینی، علمی و تحقیقی کاموں سے اتنی فرصت تھی کہ وہ سیرِ دواوین کرتے جیسا کہ انہوں نے خود اپنے قطعہ میں یہ کہکر:

''رہانہ شوق کبھی مجھکو سیرِ دیواں سے''

واضح کر دیا ہے لیکن دینی و علمی تحقیق کی خاطر انھوں نے عربی و فارسی شعراء کے کلام اور ان کی نگارشات پر ضرور نظر رکھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر ان کی کسی نعت کے کسی لفظ کی معنویت پر کسی نے اعتراض کیا تو اسکا فوری طور پر شافی جواب دیا۔ مثلاً۔

۸ر ذلحجہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء کو کانپور سے محمد آصف نامی کسی شخص نے لکھا کہ دیوان حدائق بخشش کی ایک نعت کے اس مصرعہ ''حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو''۔ میں لفظ شہنشاہ کا استعمال مناسب نہیں اس لئے اسکو یوں بدل دیا جائے۔ ''حاجیو! آؤ مرے شاہ کا روضہ دیکھو''۔ حضرت فاضل بریلوی نے لفظ شہنشاہ کو صحیح قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل شعراء صوفیاء اور علماء کے اشعار اور نگارشات سے استدلال کیا۔ امام رکن الدین ابوبکر محمد بن ابی المفاخرین عبدالرشید کرمانی۔

علامہ خیرالدین زرکلی ، مولانا جلال الدین رومی ، شیخ مصلح الدین سعدی ، حضرت امیر خسرو ، مولانا جامی ، حافظ شیرازی ، مولانا نظامی ، شیخ شہاب الدین وغیرہ وغیرہ۔

ان حضرات نے حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے شہنشاہ، ملک الملوک اور سلطان السلاطین وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

۴۔ اسی طرح محمد یار نامی ایک صاحب نے گڑھی اختیار خاں تحصیل خانپور سابق ریاست بہاول پور سے ۹ر شعبان ۱۳۳۴ھ کو فاضل بریلوی کو خط لکھا کہ ایک محفل میں جب ان کا مشہور قصیدہ قصیدۂ معراجیہ۔ (۵) پڑھا گیا تو بعض لوگوں نے ان اشعار پر اعتراض کیا جن میں بیت اللہ کو دلہن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دولھا سے تشبیہ دی ہے۔ ان صاحب نے مولانا احمد رضا فاضل بریلوی سے اس اعتراض کا جواب چاہا۔ مولانا موصوف نے فوری طور پر جواب ارسال کیا اور اپنے موقف کی تائید میں مختلف کتب سے شواہد و نظائر اور آثار و اخبار پیش کئے

جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ، بیت اللہ شریف اور جنت کو دولھا اور دلہن سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جن کتابوں کے حوالے حضرت فاضل بریلوی نے پیش فرمائے وہ حسب ذیل نہیں:۔

تاریخ بغداد، معجم اوسط، مسند امام احمد، مواہب الدنیہ، شعب الایمان، مستدرک حاکم، سنن بیہقی، نہایہ، قوت القلوب، احیاء العلوم، کتاب التذکرہ، مدارج النبوۃ وغیرہ وغیرہ:۔(۶)

۵۔ مولانا احمد رضا فاضل بریلوی اشعار کی شرح کرتے وقت شعراء کے مزاج کو بھی مدنظر رکھتے تھے بلکہ تاویل کی کوشش کرتے تھے۔ مارہرہ ضلع ایٹہ (یو۔ پی۔ انڈیا) سے سید نور عالم صاحب نے مرزا محمد رفیع سودا کے اس شعر:۔

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

کی تشریح چاہی تو انھوں نے برجستہ شرح فرمائی اور شعر کو شرعی گرفت سے بچا کر معنی کو بلندی پر پہنچا دیا۔(۷)

تصور پر مبنی دیگر اشعار کی شرح بشمول شرح شعر سودا ان کے ایک رسالہ میں یکجا ہیں۔(۸)

مندرجہ بالا تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب فن شاعری اس کی شرح اور تنقید نگاری میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی گو ہمہ وقت شعر گوئی یا شعراً کے دواوین وغیرہ کے مطالعہ میں مصرف نہ رہتے تھے بلکہ دینی و علمی کاموں میں مصروف رہتے تھے تاہم شعراً کے جو اشعار سن رکھے تھے یا اتفاقیہ ان کے دواوین کی ورق گردانی کرتے وقت کوئی زمین پسند آجاتی تھی تو اسے حافظہ میں رکھتے تھے۔ اس طرح مولانا کے یہاں قاسم نامی ایک نعت گو کے ایک خمسہ کی تضمین اور علاوہ اس کے غالب، داغ اور امیر مینائی کی زمینوں میں بھی نعتیں موجود ہیں۔

مرزا غالب کی مشہور زمین ''دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت سے درد بھر نہ آئے کیوں'' میں داغ دہلوی کی بھی ایک غزل گلزار داغ میں ہے۔ مولانا بریلوی نے بھی ان زمین میں نعتیہ غزل کہی ہے۔ مطلع ہے

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

غالب کا ایک مصرعہ ہے۔

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں

اس زمین پر بھی مولانا نے نعت کہی ہے، مطلع ہے:

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفٰی کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

امیر مینائی کے مشہور مطلعوں میں ایک مطلع ہے۔

جب سے باندھا ہے تصور اس رخ پر نور کا
سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغ طور کا

اسی زمین میں فاضل بریلوی کا یہ مطلع ہے۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اس زمین پر مولانا موصوف کی جو نعت ہے اور جو قصیدۂ نور کے نام سے مشہور ہے، اس میں ۴۶ مطلع ہیں۔ کل تعداد اشعار ۵۹ ہے۔ امیر مینائی کی ایک زمین ہے۔

''اے ضبط دیکھ عشق کی ان کو خبر نہ ہو''

اس پر بھی فاضل بریلوی نے نعت لکھی ہے۔ مطلع ہے:۔

پل سے اتار و راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

مولانا موصوف کا ایک شعر جو امیر مینائی کے ایک شعر کا ہم قافیہ ہے، اس طرح ہے۔

اکبر وارثی میرٹھی نے بھی مولانا احمد رضا بریلوی سے ملاقات کی ہے اور اپنے دیوان کیلئے قطعہ تاریخ کہنے کی درخواست بھی کی۔(۱۵)

۳۔ مشہور نعت نگار حضرت محسن کاکوروی مرحوم نے بھی مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمہ سے ملاقات کی ہے اور انھیں اپنا مشہور قصیدہ۔قصیدہ معراجیہ سنایا ہے۔

مولانا یاسین اختر مصباحی لکھتے ہیں۔

''حضرت محسن کاکوروی نے ایکبار اپنا قصیدہ سنانے کیلئے حضرت رضا کی بارگاہ میں بریلی حاضری دی۔ان کا قصیدہ بھی معراجیہ تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت محسن نے ان کے اشعار سنانے شروع کئے۔ابھی دو ہی اشعار پڑھ سکے تھے کہ حضرت رضا نے فرمایا۔اب بس کیجئے عصر کی نماز کے بعد بقیہ اشعار سنے جائیں گے۔اسی ظہر اور عصر کے درمیان آپنے اپنا یہ قصیدہ معراجیہ۔

معروف بہ ''تہنیتِ شادی اسریٰ''

کہد یا اس قصیدہ میں ۶۷ راشعار ہیں۔مطلع ہے:۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کیلئے تھے

اور جب مجلس بیٹھی تو حضرت رضا نے اپنا قصیدہ سنایا۔اسے سنکر حضرت محسن نے فرمایا۔مولانا اب بس کیجئے اسکے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔''(۱۶)

اطہر ہاپوڑی، محسن کاکوروی، اکبر میرٹھی اور دیگر شعراء کا مولانا بریلوی کو کلام سنانا، برائے اصلاح کلام ارسال کرنا، تاریخی قطعہ رقم کرنے کی فرمائش کرنا اس امر کا غماز ہے کہ یہ حضرات مولانا موصوف کی علمی، دینی و شرعی قابلیت کیساتھ ساتھ ان کی شعری و ادبی اور فنی صلاحیتوں اور تنقیدی نظر و شاعرانہ عظمت سے بھی واقف تھے اور ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان سے رجوع کرتے تھے۔

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب کے سینے میں شاعری کی صلاحیت ودلیعت کر دی گئی تھی، انکو خدا نے جہاں علم و فضل و معرفت کے خزانے سے بہت کچھ عطا کر کے مالا مال کر دیا تھا وہیں شعر و سخن کی شکل میں انھیں رب کریم، رحمٰن و رحیم نے انعام خاص سے نوازا تھا۔

جیسا کہ شعرا کے بارے میں کہا گیا ہے:۔''الشعراء تلامیذ الرحمٰن'' یعنی شعراء رحمٰن کے شاگرد ہیں تو یہ بات مولانا احمد رضا خاں پر حرف بہ حرف صادق آتی ہے۔مولانا تو حبیب رحمٰن کے مداح تھے پھر کائنات کا خالق و مالک مدنی محبوب کے اس محبّ صادق اور فدائی وغلام کو محبوب ہی کی مدح و ثنا کیلئے شعری صلاحیت اور زبان و بیان کی خوبیوں سے کیوں نہ نوازتا؟ اور خالق کل جہان کی اسی نوازش کا برملا اظہار مولانا بریلوی اس طرح کرتے ہیں۔

مگر جو ہاتفِ غیبی مجھے بتاتا ہے
زبان تک اسے لاتا ہوں میں بمدح حضور (۱۷)

مولانا اپنے کلام کو ہاتف غیبی کا فیض بتاتے ہیں۔

مولانا کا یہ شعر تصوف کے اس پہلو کیطرف بھی ایک اشارہ ہے کہ وہ ہاتف غیبی کے ترجمان ہیں۔

اپنے کلام کو خدا کی طرف منسوب کرنا صوفیاء اور شعراء کے مسلک میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔فارسی کے مشہور شاعر حضرت حافظ شیرازی کا یہ شعر کس کی نظر سے نہیں گزرا ہوگا۔

درپسِ آیئنہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت بگو، می گویم

حضرت حافظ اپنے کلام کو استاد ازل یعنی خدائے لم یزل کا کلام بتا رہے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال نے بھی حضرت احمد رضا خاں کے بہت بعد اسیطرح کا اعلان کیا ہے۔

محمد بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرف شیریں ترجماں میرا ہے یا تیرا (۱۸)

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا یہ شعر انکی شریعت اور طریقیت کی جامعیت کا بھرپور اعلان ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کا بھی غمّاز ہے کہ ان کے یہاں غلو، آزادانہ روی، شاعرانہ نمائش نہیں ہے، بلکہ جو کچھ ہے عشق وصداقت کا اظہار ہے۔

ایک جگہ اور بھی مولانا محترم اپنا شعری مسلک بیان کرتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنۃ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ (۱۹)

نعت گوئی کے سلسلے میں ایک اور مقام پر مولانا موصوف نے اسطرح اظہار خیال کیا ہے۔

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جسکو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچا جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے''۔ (۲۰)

مولانا کا شعری مسلک بھی واضح ہے اور ان کی شاعری کے محرکات بھی واضح ہیں۔

تخلیقی رویّے:۔

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے کس عمر سے شعر گوئی شروع کی اور ان کے تخلیقی رویّے کیا ہیں؟

مولانا کی شعر گوئی کی ابتداء کا حال ان کے تذکروں سے نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں سے اس طرح کی روایت ملتی ہے کہ وہ باقاعدہ قلم کاغذ لیکر شعر گوئی کا التزام کرتے تھے یا اکثر یا ہمہ وقت اسی کیفیت میں ڈوبے رہتے تھے۔ البتہ چند واقعات سے ان کی تخلیق کے رویّے کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

۱۔ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے اپنا مشہور معراجیہ قصیدہ معروف بہ ''تہنیتِ شادی اسریٰ'' حضرت محسن کاکوروی کے قصیدہ معراجیہ کے دو شعر سننے کے بعد نظم کیا اور وہ بھی صرف چند گھنٹوں میں ۶۷ / اشعار کہدئے۔

ان کے خاندان کے موجودہ بزرگوں اور پرانی خادماؤں کی زبانی یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس قصیدہ کو نظم کرنے سے پہلے مولانا موصوف نے گھر کی خواتین سے ایک زیور جھومر اور وہ ملبوسات جن میں گوٹے اور لچکے ٹکے ہوتے ہیں اور جھڑیاں پڑی ہوتی ہیں لیکر ایک نظر دیکھا تھا۔

اس قصیدہ میں ان سے متعلق یہ اشعار ہیں۔

وہ جھوما میزاب زرکا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے
نہا کے نہروں نے وہ دمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حُباب تاباں کے تھل ٹکے تھے

جھومر اور کپڑے دیکھنے کی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مولانا شعر میں صداقت اور اصلیت بھرنے کے قائل تھے اور مشاہدے کے بغیر یہ ممکن نہیں ہوتا۔

۲۔ پہلی بار بعمر ۲۲ سال جب حضرت احمد رضا خاں ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء میں حج وزیارت کو گئے تو حج سے فراغت کے بعد مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ بغرض حاضری سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوتے وقت انھوں نے ایک نعت کہی۔ مطلع ہے۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

چونکہ شہنشاہ کونین کے روضہ اقدس کی حاضری کو روانہ ہورہے تھے۔ دل امنگوں سے معمور تھا، نگاہیں سنہری جالیوں کے طواف اور سبز گنبد کے نظارہ کیلئے مضطرب تھیں، غلام آقا کی بارگاہ میں حاضر ہونیوالا

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا یہ شعر انکی شریعت اور طریقیت کی جامعیت کا بھرپور اعلان ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کا بھی غمّاز ہے کہ ان کے یہاں غلو، آزادانہ روی، شاعرانہ نمائش نہیں ہے، بلکہ جو کچھ ہے عشق وصداقت کا اظہار ہے۔

ایک جگہ اور بھی مولانا محترم اپنا شعری مسلک بیان کرتے ہیں۔

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنتہ للہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ (۱۹)

نعت گوئی کے سلسے میں ایک اور مقام پر مولانا موصوف نے اسطرح اظہار خیال کیا ہے۔

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جسکو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچا جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے''۔ (۲۰)

مولانا کا شعری مسلک بھی واضح ہے اور ان کی شاعری کے محرکات بھی واضح ہیں۔

تخلیقی رویّے:۔

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے کس عمر سے شعر گوئی شروع کی اور ان کے تخلیقی رویّے کیا ہیں؟

مولانا کی شعر گوئی کی ابتداء کا حال ان کے تذکروں سے نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں سے اس طرح کی روایت ملتی ہے کہ وہ باقاعدہ قلم کاغذ لیکر شعر گوئی کا التزام کرتے تھے یا اکثر یا ہمہ وقت اسی کیفیت میں ڈوبے رہتے تھے۔ البتہ چند واقعات سے ان کی تخلیق کے رویّے کا ضرور پتہ چلتا ہے۔

۱۔ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے اپنا مشہور معراجیہ قصیدہ معروف بہ ''تہنیتِ شادی اسریٰ'' حضرت محسن کاکوروی کے قصیدہ معراجیہ کے دو شعر سننے کے بعد نظم کیا اور وہ بھی صرف چند گھنٹوں میں ۶۷/ اشعار کہہ دیئے۔

ان کے خاندان کے موجودہ بزرگوں اور پرانی خادماؤں کی زبانی یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ اس قصیدہ کو نظم کرنے سے پہلے مولانا موصوف نے گھر کی خواتین سے ایک زیور جھومر اور وہ ملبوسات جن میں گوٹے اور لچکے ٹکے ہوتے ہیں اور جھڑیاں پڑی ہوتی ہیں لیکر ایک نظر دیکھا تھا۔

اس قصیدہ میں ان سے متعلق یہ اشعار ہیں۔

وہ جھوما میزاب زر کا جھومر کہ آرہا کان پر ڈھلک کر
پھوہار برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے
نہا کے نہروں نے وہ دمکتا لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا حُبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے

جھومر اور کپڑے دیکھنے کی روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مولانا شعر میں صداقت اور اصلیت بھرنے کے قائل تھے اور مشاہدے کے بغیر یہ ممکن نہیں ہوتا۔

۲۔ پہلی بار بعمر ۲۲ سال جب حضرت احمد رضا خاں ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء میں حج وزیارت کو گئے تو حج سے فراغت کے بعد مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ بغرض حاضری سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوتے وقت انھوں نے ایک نعت کہی۔ مطلع ہے۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

چونکہ شہنشاہ کونین کے روضہ اقدس کی حاضری کو روانہ ہو رہے تھے۔ دل امنگوں سے معمور تھا، نگاہیں سنہری جالیوں کے طواف اور سبز گنبد کے نظارہ کیلئے مضطرب تھیں، غلام آقا کی بارگاہ میں حاضر ہونیوالا

تھا۔اس وقت کا عالم تو کسی عاشقِ صادق سے ہی پوچھئے کہ اس کے دل کی کیا کیفیت ہوگی۔محبوب کے دربار کی حاضری، محبوب کے دیار و شہر کی زیارت۔ عاشق کیوں نہ مستانہ وارنعرے لگاتا اور عظیم سرور وحبیب اکبر ﷺ کے ہر فدائی و شیدائی اور ایک ایک غلام کو اسکی بارگاہ میں حاضری کی دعوت کیوں نہ دیتا۔جذبات تھم نہ سکے، جذبوں کا سیل رواں بہہ نکلا اور ہونٹوں سے یہ صدا مچل اٹھی۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

اس طرح متعدد اشعار پر مشتمل ایک مستانہ نعت ہوگئی۔

۳۔ اس حج سے واپسی کے بعد آپ سخت بیقرار ہوئے۔کاش! درِ حضور سے واپسی نہ ہوتی۔اسی عالم بیقرادی میں اور حالت مجبوری میں ایک نعت بطور معروضہ پیش کیا ہے۔جس کا مطلع ہے۔

خرابِ حال کیا دل کو پر ملال کیا
تمہارے کوچہ سے رخصت نے کیا نہال کیا

۴۔ مولانا کو دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ وابستگی تھی مدینہ کے پھول تو پھول وہ وہاں کے خار کو بھی ادب واحترام کا درجہ دیتے ہیں اور اسے دل میں اتارنیکی تمنا اس طرح کرتے ہیں۔

اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

مدینۂ امینہ تو شہر حبیب ہے۔انھیں تو سرزمین عرب سے بھی وابستگی تھی ہے اس لئے کہ محبوب عربی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے کہ ''عرب اور اہل عرب سے محبت بھی ایمان کی علامت ہے۔''

حضرت فاضل بریلوی کی نگاہ میں عرب کے بیاباں کے گرد ودھول کی کیا قدر و قیمت ہے، دیکھئے! ۔

تابِ مرأتِ سحر گردِ بیابانِ عرب
غازۂ روئے قمر دودِ چراغانِ عرب

مدینہ تو ان کی جان ہے، شہرِ آرزو اور ارمان ہے۔اسکی سلامتی اور احترام وادب کا کس طرح اظہار کرتے ہیں۔

مدینے کے خطے خدا تجھکو رکھے
فقیروں غریبوں کے ٹھہرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے! سر کا موقع ہے اوجانے والے

مولانا بریلوی جب بھی زمانۂ حج میں حجاج کو جانب عرب روانہ ہوتے دیکھتے تو عالم بےقراری میں چیخ اٹھتے۔

جان ودل ہوش وخرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضؔا سارا تو سامان گیا

۵۔ حضرت فاضل بریلوی جب دوسری بار ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء حج وزیارت کو گئے تو آپ نے اس موقع پر ایک نعت نظم کی جس کا عنوان انھوں نے ''حضورِ جانِ نور'' رکھا۔یہ نام تاریخی ہے۔بحساب ابجد اس کے اعداد ۱۳۲۴ ہوتے ہیں اور یہی حاضری کا ہجری سن ہے۔یہ نظم دو حصوں میں ہے۔ایک کو انھوں نے'' وصلِ اوّل رنگِ علمی'' اور دوسرے کو''وصل دوم رنگِ عشقی'' لکھا ہے۔وصل اول میں ۶۲/اشعار ہیں اور وصل دوم میں ۶۳/اشعار ہیں۔وصل اول کا مطلع ہے۔

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

وصل دوم کا مطلع ہے:۔

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے
کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

وصل اول میں ایک شعر ہے۔

وہ دیکھو جگمگاتی ہے شب اور قمرا بھی
پہروں نہیں کہ بست و چہارم صفر کی ہے

الگ ردیف قافیہ میں منقبتوں کے اشعار جمع ہوتے گئے بعد میں ترتیب وار یکجا کر لئے گئے۔ مولانا نے کبھی چند اشعار اس وقت کہے جب آپ کے مخالفین اور حاسدین نے آپ کو پریشان کیا یا کرنا چاہا تو آپ نے غوث اعظم قدس سرہٗ سے مدد طلب کی۔

کبھی کسی سے مرتبۂ غوثیت یا ان کی کرامات پر بحث چھڑ گئی تو آپ نے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبے اور ان کی کرامتوں کا بڑے ہی والہانہ مگر حقیقت پسندانہ انداز میں اظہار کیا۔

ایکبار مرگی کے مرض کا تذکرہ چھڑ گیا، اس پر مولانا نے فرمایا۔

''حضور غوث اعظم کے زمانہ میں ایک شخص کو مرگی ہوگئی۔ حضور نے فرمایا اس کے کان میں کہدو کہ غوث اعظم کا حکم ہے کہ بغداد مقدس میں مرگی نہیں ہوئی''۔

اس واقعہ کو سنانے کے بعد مولانا نے یہ اشعار کہے۔

حکم نافذ ہے ترا خامہ ترا سیف تری
دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا
جس کو للکار دے آتا ہو تو الٹا پھر کے
جس کو چمکار دے ہر پھر کے وہ تیرا تیرا (۲۷)

اسی طرح مختلف حالات و کیفیات میں فاضل بریلوی نے مختلف نعتیں، منقبتیں اور اشعار کہے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ فاضل بریلوی نے کسی کا کلام سنا اور سن کر متاثر ہوئے تو اسی مضمون اور زمین پر خود بھی اشعار کہدئے مگر اپنے فکر کی تازہ کاری سے مضمون کو تازگی اور دل کشی عطا کردی۔

۷۔ مولانا بریلوی نے دوسرے شعراء کی سنی ہوئی نعتوں پر تضمین بھی کہی ہے۔

ایک نعت گو جناب قاسمؔ کے نعتیہ خمسہ کو مولانا نے اپنے قلم کی سحر طرازی سے لاجواب بنادیا ہے۔

پہلا بند اور مقطع کا بند دیکھیں۔

اے کاش شانِ رحمت میرے کفن سے نکلے
جاں بوئے گل کی صورت باغِ بدن سے نکلے
ارماں طفیلِ نام شاہِ زمن سے نکلے
حسرت ہے یا الٰہی جب جان تن سے نکلے
نکلے تو نام اقدس لیکر دہن سے نکلے
لاکھوں ہیں سینہ بریاں مثل رضاؔ و کافی (۲۸)
انجام کا رسب نے اپنی مراد پائی
دشت طلب میں ہو کر آوارہ کھوگئے جی
وہ دن بھی ہو الٰہی جب صورتِ شہیدی (۲۹)
حضرت کی جستجو میں قاسمؔ وطن سے نکلے (۳۰)

۸۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی وہ مشہور زمانہ نعت جو صنعتِ ملمع میں ہے۔ جسمیں عربی، فارسی، اردو اور ہندی چار زبانوں کا استعمال ہے اور جو حضرت امیر خسروؔ کی نظم فارسی، اردو اور بھاشا تین زبانوں میں ہے اس کا مصرع اول اسطرح ہے:-

زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نیناں لگائے بتیاں

لیکن فاضل بریلوی کی غزل چار بلکہ سنسکرت کے الفاظ کو بھی شامل کریں تو پانچ زبانوں میں ہے اسے اردو شاعری میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ مطلع ہے۔

لم یاتِ نظیرُک فی نظرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھکو شہ دوسرا جانا

یہ نعتِ غزل جناب رضاؔ نے اپنی زبان دانی، علم وفضل یا فن کے اظہار یا کسی نمائش اور کسی کو مرعوب کرنیکی خاطر نہیں کہی بلکہ ارشادؔ اور ناطقؔ نامی دو شعراء جو ان کے محبّین میں تھے، کی فرمائش پر کہی۔

اس لیے مقطع میں کہتے ہیں۔

بس خامۂ خام نوائے رضاؔ نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشادؔ احبّاء ناطقؔ تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

الگ ردیف قافیہ میں منقبتوں کے اشعار جمع ہوتے گئے بعد میں ترتیب وار یکجا کر لئے گئے۔ مولانا نے کبھی چند اشعار اس وقت کہے جب آپ کے مخالفین اور حاسدین نے آپ کو پریشان کیا یا کرنا چاہا تو آپ نے غوث اعظم قدس سرہٗ سے مدد طلب کی۔

کبھی کسی سے مرتبۂ غوثیت یا ان کی کرامات پر بحث چھڑ گئی تو آپنے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبے اور ان کی کرامتوں کا بڑے ہی والہانہ مگر حقیقت پسندانہ انداز میں اظہار کیا۔

ایکبار مرگی کے مرض کا تذکرہ چھڑ گیا، اس پر مولانا نے فرمایا۔

''حضور غوث اعظم کے زمانہ میں ایک شخص کو مرگی ہوگئی۔ حضور نے فرمایا اس کے کان میں کہدو کہ غوث اعظم کا حکم ہے کہ بغداد مقدس میں مرگی نہیں ہوئی''۔

اس واقعہ کو سنانے کے بعد مولانا نے یہ اشعار کہے۔

حکم نافذ ہے ترا خامہ ترا سیف تری
دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا
جس کو للکار دے آتا ہو تو الٹا پھر کے
جس کو چمکار دے ہر پھر کے وہ تیرا تیرا (۲۷)

اسی طرح مختلف حالات و کیفیات میں فاضل بریلوی نے مختلف نعتیں، منقبتیں اور اشعار کہے ہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ فاضل بریلوی نے کسی کا کلام سنا اور سن کر متاثر ہوئے تو اسی مضمون اور زمین پر خود بھی اشعار کہدئے مگر اپنے فکر کی تازہ کاری سے مضمون کو تازگی اور دلکشی عطا کر دی۔

۷۔ مولانا بریلوی نے دوسرے شعراء کی سنی ہوئی نعتوں پر تضمین بھی کہی ہے۔

ایک نعت گو جناب قاسم کے نعتیہ خمسہ کو مولانا نے اپنے قلم کی سحر طرازی سے لاجواب بنادیا ہے۔

پہلا بند اور مقطع کا بند دیکھیں۔

اے کاش شان رحمت میرے کفن سے نکلے
جاں بوئے گل کی صورت باغ بدن سے نکلے
ارماں طفیل نام شاہِ زمن سے نکلے
حسرت ہے یا الٰہی جب جان تن سے نکلے
نکلے تو نام اقدس لیکر دہن سے نکلے
لاکھوں ہیں سینہ بریاں مثل رضا و کافی (۲۸)
انجام کا رسب نے اپنی مراد پائی
دشت طلب میں ہو کر آوارہ کھوگئے جی
وہ دن بھی ہو الٰہی جب صورتِ شہیدی (۲۹)
حضرت کی جستجو میں قاسم وطن سے نکلے (۳۰)

۸۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی وہ مشہور زمانہ نعت جو صنتِ ملمع میں ہے۔ جسمیں عربی، فارسی، اردو اور ہندی چار زبانوں کا استعمال ہے اور جو حضرت امیر خسرو کی نظم فارسی، اردو اور بھاشا تین زبانوں میں ہے اس کا مصرع اول اسطرح ہے:۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نیناں لگائے بتیاں

لیکن فاضل بریلوی کی غزل چار بلکہ سسنکرت کے الفاظ کو بھی شامل کریں تو پانچ زبانوں میں ہے اسے اردو شاعری میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ مطلع ہے۔

لم یاتِ نظیرُک فی نظرِ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھکو شہِ دوسرا جانا

یہ نعتِ غزل جناب رضا نے اپنی زبان دانی، علم و فضل یا فن کے اظہار یا کسی نمائش اور کسی کو مرعوب کرنیکی خاطر نہیں کہی بلکہ ارشاد اور ناطق نامی دو شعراء جو ان کے محبین میں تھے، کی فرمائش پر کہی۔

اس لیے مقطع میں کہتے ہیں۔

بس خامۂ خام نوائے رضا نہ یہ طرز مری نہ یہ رنگ مرا
ارشاد احبّاء ناطق تھا ناچار اس راہ پڑا جانا

مولانا موصوف نے انکساراً اپنے خامہ کی ناپختگی اور اپنی بیچارگی کا بھی اظہار کیا ہے اور یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ احباب کا ارشاد ناطق تھا اس لئے ان کی خوشی کی خاطر مجبوراً یہ رنگ اور یہ راستہ اختیار کرنا پڑا۔

۹۔ جب سیدنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عظمت اور ان کے علوِ مرتبت سے انکار اور ان کی بارگاہِ قدس میں گستاخیوں کا ایک نیا سلسلہ دواز ہوا تو جہاں فاضل بریلوی نے فقہ و حدیث اور عقائد و کلام کی روشنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کو اجاگر کر کے گستاخیوں کو منہ توڑ جواب دیا وہیں نعت کے تاریخی پس منظر میں اشعار کے ذریعہ نبی کونین ﷺ کی مدحت سرائی اور منکرینِ عظمت مصطفےٰ کو للکار کر جواب بھی دیا۔

یہ اندازِ نعت گوئی حضرت فاضل بریلوی کے واردات قلبی اور ان کے جذبات اور احساسات کی سچی عکاسی کرتے ہیں۔

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ وسلم اصل تکوین عالم ہیں:

یہی ہے اصل مادّہ ایجادِ خلقت کا
یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

۲۔ وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہاں ہے

۳۔ تم سے خدا کا ظہور اس سے تمہارا ظہور
لم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروڑوں درود

۴۔ انہیں کی بو مایۂ سمن ہے انھیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انھیں کی رنگت گلاب میں ہے

۵۔ وہی نورِ حق وہی ظل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں انکی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

۶۔ وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے وہی اصلِ عالم ودہر ہے
وہی بحر ہے وہی لہر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے

۷۔ تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

حضرت فاضل بریلوی نے ہر مخلوق کی موت کو برحق مانا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موت آئی اسلئے کہ یہ وعدہ الٰہیہ ہے۔ لہٰذا حضرت فاضل نے یہ ثابت کیا ہے کہ انبیاء کرام کو موت ضرور آتی ہے مگر بعد از مرگ انکی حیات پھر پہلے کی طرح جسمانی ہوتی ہے۔ مندرجہ بالا اشعار میں اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثلِ سابق وہی جسمانی ہے

خاتم النبیین:

۱۔ نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی
چٹکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغِ رسالت کا

۲۔ فتح بابِ نبوت پہ لاکھوں درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شفاعت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء:۔

۱۔ گنہگاروں کو ہاتف سے نوید خوشی آئی ہے
مبارک ہو شفاعت کیلئے احمد سا والی ہے

۲۔ سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے
گر ان کی رسائی ہے تو بن آئی ہے

۳۔ سب تمہارے آگے شافع تم حضور کبریا ہو

۴۔ جسکے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

اختیار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم:۔

۱۔ مصطفےٰ خیر الوریٰ ہو
سرور ہر دوسرا ہو

۲۔ ملک کونین میں انبیاء تاجدار

تاجداروں کا آقا ہمارا نبی

۳۔ زمین وزماں تمہارے لئے مکین ومکاں تمہارے لئے
چنین وچناں تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے

۴۔ مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

۵۔ سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اک اشارے سے ہو چاک
اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

علم غیبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:۔

ا۔ اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

محبوبیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم:۔

ا۔ خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

۲۔ اپنے مولا کا پیارا ہمارا نبی
دونوں عالم کا دولھا ہمارا نبی

وصلِ الٰہی اور لامکاں تک پہنچ:۔

ا۔ بندہ ملنے کو قریب حضرتِ قادر گیا
لمعہ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا

۲۔ وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش، تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے کہ جسکا مکاں نہیں

اس طرح حضو صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اوصاف اور فضائل وغیرہ نیز عقائد صحیحہ کو اشعار میں پیش کئے ہیں اور یہ سب جذبۂ اظہارِ حق اور عشق کی تڑپ کا کرشمہ ہے۔

نبی کریم کی یاد منانے کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائشِ مولیٰ کی دھوم
مثلِ فارس نجد کے قلعے گراتے جائیں گے
خاک ہو جائیں عدو جلکر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

مسلمانوں کی بے اعمالی اور دین وایمان کے رہزنوں سے انھیں ہوشیار کرنے کے سلسلے میں بھی حالات زمانہ سے متاثر ہوکر اشعار کہے ہیں۔

دن بھر کھیلوں میں خاک اڑائی
لاج آئی نہ ذروں کی نہیں سے
شب بھر سونے سے ہی غرض تھی
تاروں نے ہزار دانت پیسے
ایمان پہ موت بہتر اونفس
تیری ناپاک زندگی سے
دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرم نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونیوالو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے
سُونا پاس ہے، سُونا بن ہے سونا زہر ہے اُٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

بار بار نصیحت بھی کرتے ہیں مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور انکی محبت کو ایمان بتاتے ہوئے دنیا اور آخرت کی فلاح تا یقینا دیا ہے۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
ایمان ہے قالِ مصطفائی
قرآن ہے حالِ مصطفائی

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑے رہو
قافلہ تو اے رضاؔ اول گیا آخر گیا

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتا تا ہے انھیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

نورِ الٰہ کیا ہے محبت حضور کی
جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے

سا ئلو دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جا ئیگا

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اپنے اقوال، مختلف واقعات اور تذکرہ جات سے پتہ چلتا ہے کہ:۔

۱۔ مولانا شاعری کو پیشہ یا ذریعہ عزت نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ خود کو شاعر بھی نہیں مانتے تھے۔

۲۔ وہ کسی کے شاگرد تھے نہ انھوں نے کسی سے اصلاح لی اور نہ ہی، شعر وسخن کی محفلوں یا شعری ماحول اور شعراء کی صحبت سے انکی وابستگی رہی۔

۳۔ ان کی خاندانی علمیت و مذہبیت، انکا اپنا علم وفضل، دین و ملّت کا درد، معاشرہ کی اصلاح، عقائد حقہ اسلامیہ کی تبلیغ اور پرسوز عشقِ نبی کی شمع فروزاں کرنیکا جذبۂ صادق.....ان سب نے انھیں شعر گوئی پر اکسا یا اور انھوں نے مختلف کیفیات اور حالا ت میں جذ بات و احساسات کا اظہار کیا جس میں ان کی تجرِ علمی نے ساتھ دیا۔

انھوں نے شعر کہنے یا لکھنے کا با قاعدہ التزام نہیں کیا:۔ان کا کلام ہاتف غیبی کا فیض ہے۔مولانا نے عشق کیجا طر۔ ماسواء عشق، دنیا کی ہر شے سے اپنی مکمل بے تعلقی بے خبری، گمشدگی اور بے اعتنائی کا اظہار کیا۔

مولانا کے تخیل نے پرواز کی، فکر کو بال و پر عطا ہوئے، بزم عشق قائم رہی، گرم رہی اور جذبات کی مرئی شکلیں جو سینہ ودل اور لبوں سے باہر آئیں وہ مہکتی دمکتی ہوئی صدائیں بن گئیں۔خوبصورت اور دلکش اشعار اور رضاؔ سے کہنے والے کہنے لگے۔

آسنا دے عشق کے بولوں میں کچھ رضاؔ
مشتا ق طبع لذت سوزجگر کی ہے

اور پس اس لئے رضاؔ نے بھی کہد یا جو شاعر کی انا یت نہیں بلکہ شاعر کی صدا، شاعر کا مسلک اور اظہار حقیقت ہے۔

مگر جو ہا تف غیبی مجھے بتا تا ہے
زباں تک اسے لا تا ہوں میں بدحِ حضور

اور جب انکا کلامِ ہاتف غیبی کا فیض ہے تو پھر وہ تحدیث نعمت کے طور پر کیوں نہ کہیں۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضاؔ سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

اور اسی لئے پروفیسر نعیم قریشی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے مولانا احمد رضا بریلوی کی شاعری پر اپنے تاثرات اس طرح پیش گئے ہیں۔

''محمدی لوائے عظمت ابد کی چو ٹیوں پر ایک سرمدی شان سے لہرا رہا ہے اور اس کے مقدس سائے تلے حضرت رضاؔ بریلوی جاوداں کامرانیوں سے سرفراز وشادکام ہو رہے ہیں۔

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے''۔(۳۱)

مزید اظہار خیال کرتے ہیں:۔

''سرور کا ئنات ﷺ کے حضور شرف یابی حاصل ہے۔نوائے شوق نغمہ والہانہ بن گئی ہے، ذوقِ فدائیت شباب پر ہے۔

شیفتگی دنیا کیشی، ہمہ آواز، ہمہ سرور مستانہ، ہمہ ارتعاشِ قلب، مضطر ہوگئی ہیں۔روحانی سرمستی کے عالم میں حضرت رضا خلد آشیانی کی زبانِ حقیقت ترجمان سے جو حرف نکلا ہے، باغ کا مرانی کا سدا بہار پھول بن گیا ہے''۔(۳۲)

پروفیسر سید یونس شاہ رقمطراز ہیں:۔

''مولانا موصوف ایک موقع پر خود لکھتے ہیں شعر وسخن میرا مذاق طبع نہیں، جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار بیقرار دل کو تسکین دیتا ہوں۔ ان کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ وہ عالمِ اربابِ سخن کی طرح صبح سے شام تک اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے بلکہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تڑپاتی اور دردِ عشق آپ کو بیتاب کرتا ہے تو از خود زبان پر نعتیہ اشعار جاری ہو جاتے ہیں''۔(۳۳)

''خود بدولت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مولانا احمد رضا خاں صاحب) فرماتے ہیں۔

راز باہر قلب شاں مستور نیست
لیک افشا کرد نش دستور نیست
ہر کجا گنجے دو یعت دا شتند
قفل بر در بہر حفظش بستہ اند
در دل شاں گنجے اسرارے نکو
بر لب شاں قفل امرِ اتقوا

ہاں جوقت بحر عشق ومحبت جوش مارتا اور ضبط کی طاقت نہ رہتی تو شاعری کے پردہ میں ان رموز واسرار کا بیان ہو جاتا''۔(۳۴)

حوالہ جات

۱۔ حدائق بخشش حصہ سوم
۲۔ بادام کا حلوہ۔ نمبر ۲ لہسن
۳۔ حدائق بخشش حصہ اول
۴۔ فاضل بریلوی اور عربی شاعری مشمولہ معارف رضا کراچی ۱۹۹۰ء ص ۱۰۰
۵۔ قصیدۂ معراجیہ: مسلم یونی ورسٹی پریس، علیگڑھ سے چھپ کر شائع ہوا تھا۔
۶۔ احمد رضا خاں: حجب العوار عن مخدوم بہار، مطبوعہ لاہور ص ۲۰۔۲۹
۷۔ الملفوظ دوم ص ۳۸ تا ۴۱: مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی
۸۔ کشف حقائق واسرار ودقائق: مولانا احمد رضا خاں ۱۳۰۸ھ
۹۔ معارف رضا کراچی ۱۹۸۶ء ص ۱۶۵
۱۰۔ سید کفایت علی کافی مراد آبادی، نعت گو شاعر
۱۱۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے برادر اوسط مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی
۱۲۔ الملفوظ حصہ دوم: مولانا مصطفےٰ رضا خاں۔ ص ۳۹
۱۳۔ مضمونِ کلام رضا اور عشقِ مصطفیٰ: معارف رضا کراچی ۱۹۸۶ء ص ۱۶۵
۱۴۔ الملفوظ حصہ دوم ص ۳۹: مصطفےٰ رضا خاں
۱۵۔ ملخصاً حیات اعلحضرت ص ۱۴۱: مولانا ظفر الدین
۱۶۔ امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات ص ۲۲۷
۱۷۔ حدائق بخشش
۱۸۔ بال جبریل
۱۹۔ رباعی۔ حدائق بخشش
۲۰۔ الملفوظ حصہ دوم ص ۴۰۔۴۱: مصطفیٰ رضا خاں، مولانا
۲۱۔ الملفوظ حصہ دوم ص ۳۱: مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی
۲۲۔ ملخصاً حیات اعلیٰ حضرت ص ۴۴: مولانا ظفر الدین
۲۳۔ مولانا ماہر القادری: ماہنامہ فاران کراچی ۱۹۷۳ء ص ۴۴۔۴۵
۲۴۔ الملفوظ حصہ سوم ص ۳۲۰: مصطفیٰ رضا خاں
۲۵۔ الملفوظ حصہ سوم ص : مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی
۲۶۔ الملفوظ حصہ سوم ص ۳۲ : مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی
۲۷۔ حدائق بخشش
۲۸۔ مولانا سید کفایت علی کافی مراد آبادی (م ۱۸۵۸ء)
۲۹۔ مولوی کرامت علی خاں شہیدی (م ۱۲۵۶ھ)
۳۰۔ حدائق بخشش حصہ سوم
۳۱۔ ماہنامہ المیز ان بمبئی: امام احمد رضا نمبر ۱۹۷۶ء ص ۵۴۹
۳۲۔ ماہنامہ المیز ان بمبئی ۱۹۷۶ء: امام احمد رضا۔ ص ۵۴۹
۳۳۔ تذکرۂ نعت گویان اردو۔ ص ۱۲۸
۳۴۔ (حصہ دوم) حدائق بخشش حصہ سوم۔ ص ۹

امام احمد رضا اور تحقیقاتِ آب

مولانا محمد شمشاد حسین رضوی*

حضرت سیّدنا امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا نام زبان پر آتے ہی تصور کی دنیا میں علم شعور، فکر و تخییل کی چاندنی بکھر جاتی ہے، تحقیق و تدقیق اور قوتِ استدلال کے اجالے پھیل جاتے ہیں، ذہن و احساس کے چمن میں سرسبز و شادابی، حسن و رعنائی ......رونق بہار...... اور موسم گل کا شباب آجاتا ہے۔ فن و شعور.... فکر و آگہی ...... تلاش و جستجو اور تحقیق و تدقیق کا ایک ایسا نوری پیکر نگاہوں میں پھر جاتا ہے۔ جس کے روبرو علم و فن کا طمطراق......اور شانِ زیبائی سر بہ خم نظر آتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم و شعور اور فن و ادراک کو امام احمد رضا کی ذات پر فخر و ناز ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ انہوں نے تازیست علم و فن کی برہم زلفوں کو سنوارا ہے۔ اور اس کے رخِ زیبا پر افشاں بکھیرا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیمات و نظریات کا جائزہ لیجئے۔ ان کے یہاں صرف ماورائی تصورات اور غیر مادی خیالات ہی نہیں ہیں بلکہ سماجی و معاشرتی زندگی کے بہترین تصورات بھی ہیں اقتصادی اور عمرانی خیالات بھی ہیں۔ تہذیبی و تمدّنی حالات بھی ہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے روزمرّہ کے حالات ،اور گرد و پیش کے ماحول پر بے لاگ تبصرہ فرمایا ہے۔ حیات کے ایک ایک پہلو کو انہوں نے دیکھا اور فکری تناظر میں اسے پرکھا بھی ہے اور سائنسی اندازِ فکر سے اسکا تجزیہ اور تنقید بھی کیا ہے۔ وہ کون سا علم ہے؟ وہ کون سا فن ہے؟ وہ کیسا شعور ہے؟ جس کے قبائے لمس میں انکی حیات و شخصیت کی سرسراہٹ نہیں......تاب توانائی نہیں...... نشاط انگیز و حیات آفریں خوشبو نہیں...... میرے خیال میں ایسا کوئی علم نہیں ......قرآن و حدیث......فقہ و تفسیر...... فلسفہ و منطق...... ریاضی و ہیت......توقیت و تکسیر......جفر و رمل......تدوینِ حدیث...... تدوینِ فقہ......اور جدید فلسفہ پر آپ نے سیر حاصل گفتگوں کی ہے... درجنوں علوم و فنون پر آپ کی تصنیفات موجود ہیں۔ اور دنیا کی بیشتر زبان و ادب پر آپ کو پورا ملکہ حاصل تھا۔ آپ نے جس طرف رخ کیا اپنی عبقریت کی دھاک بٹھادی۔

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضؔا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ ایسے مفکر اور دانشور تھے۔ جن کی تابناکی آج بھی میکدۂ علم و شعور میں نظر آتی ہے۔ ایسی عبقری شخصیت بار بار جنم نہیں لیتی۔ بلکہ برسوں بعد چمنِ جہاں میں کوئی دیدہ ور آتا ہے اور اپنا جلوۂ زیبا دکھا کر روپوش ہو جاتا ہے۔ علم و فن کی کوئی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر ادھوری اور نامکمل رہے گی۔ امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے جہاں بہت سارے علمی گوشوں پر تحقیقات کی ہیں۔ ان میں تحقیقاتِ آب بھی شامل ہے۔

لفظِ آب اور اس کی تحقیق:۔

آب فارسی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے متعدد معانی ہوتے ہیں
(۱) پانی (۲) چمک (۳) عزّت و آبرو۔ وغیرہ

آب کا معنی حقیقی ''پانی'' ہے اور اس کو عربی زبان میں ''ما'' کہتے ہیں۔ یہی پانی انسانی حیات کا منبع و مبدا ہے۔

کِمَا قَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ۔
خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ جست کرتے ہوئے پانی سے بنایا گیا۔

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسان ادھورا اور نامکمل ہے۔ کائنات کی بہت ساری چیزوں کا دار و مدار صرف پانی پر ہے۔ فرض کر لیجئے اگر پانی نہ ہو تو زمین میں نمی کہاں سے آئے گی؟ زراعت کا نظام کس طرح چلے گا؟ پیڑ، پودے، بناتات، گلوں کی بہار،

* مدرسہ شمس العلوم، گھنٹہ گھر، بدایوں شریف

کلیوں کی چٹک، غنچوں کا تبسم، شبنم کی خنکی، ہواؤں میں ٹھنڈک اور موسم بہار کا خوبصورت نظارہ، تعمقِ نظر سے دیکھئے تو یہ سب پانی کی بدولت ہیں۔ اس کے علاوہ تشنہ لبی، سوکھے ہونٹ اور خشک زبان جیسے الفاظ و جملے پانی کی یاد دلاتے ہیں۔ ہر زبان کی صنفِ سخن میں لفظ آب کا استعمال ہوا ہے۔ کبھی معنیٔ حقیقی میں تو کبھی معنیٔ مجازی میں۔ معنیٔ مجازی میں یہ مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ پانی پانی ہونا، پانی کا اتر جانا، اور پانی کا مرنا وغیرہ وغیرہ۔ انسانی زندگی میں پانی کی کیا اہمیت وافادیت ہے۔ ہر انسان اس سے واقف ہے۔ کیونکہ انسان کا کوئی بھی اہم کام پانی کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ پیاس کی شدت بجھانے کے لئے، کھانا پکانے کے لئے، کھانا کھانے کے لئے، وضوو غسل کے لئے، ازالۂ نجاست کے لئے پانی کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی اہمیت کے پیشِ نظر اربابِ طب نے "پانی" کو موضوعِ سخن بنایا اور اس کے فوائد بھی بتائے۔ مثلاً

(۱) پانی میں اگر چہ عام طور پر غذائیت نہیں ہوتی لیکن حقیقت میں یہ غذا کا جزو اعظم ہے۔ کیونکہ انسانی جسم میں ۷۰ فیصد یا دو تہائی سے تین چوتھائی تک پانی ہوتا ہے اس لئے پانی انسانی جسم کیلئے بطور غذا بھی ہے۔ اور آبِ زم زم میں تو غذائیت بھی ہے۔

(۲) پانی منہضم غذا کو تحلیل کرتا ہے۔ اس کے جذب ہونے یا جز وبدن ہونے میں مدد کرتا ہے۔

(۳) پانی خون کی رقت کو قائم رکھتا ہے۔ خون میں پانی ۸۰ فیصد ہوتا ہے۔

(۴) پانی فضلاتِ جسم کو براہ بول و براز۔ اور پسینہ کے راستے خارج کرتا ہے۔

(۵) ایک تندرست آدمی اپنے پھیپھڑوں، آنتوں، گردوں اور جلد سے شبانہ روز میں ۳ رسے ۵ ر پونڈ تک پانی خارج کرتا ہے۔

سائنس اور آب:۔

اربابِ سائنس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو ان کے یہاں بھی پانی کے تعلق سے بحث ملتی ہے۔ انھوں نے بھی پانی پر اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ سترھویں صدی عیسوی تک دنیا کے تمام حکماء، دانشور اور صاحبانِ علم وحکمت پانی کو عنصر اور بسیط مانتے رہے ہیں لیکن ۱۷۸۰ عیسوی میں انگریزی کے ایک مشہور کیمیا داں نے پانی کو مفرد نہیں بلکہ مرکب کہا ہے۔ اس تعلق سے "کے ونڈش" کا یہ نظریہ ہے کہ پانی دو گیسوں سے مرکب ہے آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ پانی میں ایک حصہ ہائیڈروجن ہوتا ہے اور ۲ ر حصے آکسیجن کے ہوتے ہیں۔ سائنس میں مندرجہ ذیل موضوعات بھی زیرِ بحث آتے ہیں۔

(۱) پانی بسیط ہے یا مرکب؟

(۲) پانی کن کن گیسوں سے مرکب ہے؟

(۳) پانی زمین کے کتنے حصّوں میں پھیلا ہوا ہے؟

(۴) پانی کی نکاسی کس طرح ہوتی ہے؟

(۵) گندے پانی کس طرح صاف کئے جائیں؟

(۶) پانی نکالنے کے لئے نئی مشینوں کی ایجاد۔

(۷) پانی صاف کرنے والی مشینوں کی ساخت۔

(۸) پانی کی قلت کا بحران۔

(۹) پانی کی ذخیرہ اندوزی۔

(۱۰) پانی کی جغرافیائی کیفیت، وغیرہ وغیرہ

اربابِ طب اور سائنس دانوں نے پانی کے صفات بھی بتائے ہیں۔

(۱۱) پانی میں کسی قسم کی بو نہ ہو۔

(۱۲) پانی بے رنگ ہو۔

(۱۳) پانی خوش ذائقہ ہو۔

(۱۴) پانی ہلکا ہو اور ثقیل نہ ہو۔

(۱۵) مفید اور کار آمدہ پانی ہوتا ہے جس میں ہوا کی مقدار زیادہ ہو۔

پانی خدا کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت اور بے مثال تحفۂ ربانی ہے۔ خالق ارض وسماء نے زمین کے اوپر اور زمین کے اندر پانی کا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ جس میں کمی کا سوال ہی نہیں۔ زمین کھودتے ہی

پانی اُبل پڑتا ہے۔ پہاڑوں کا رخ کیجئے۔ آبشاروں کا ترنم سامعہ نواز ہوتا ہے۔ آبادی سے باہر نکلئے سمندر میں اٹھتی ہوئی لہریں دکھائی پڑتی ہیں۔ وادیوں میں جایئے چشمے لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی جب کبھی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ آسمان سے موسلا دھار بارش ہوجاتی ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ اسلام پیاس کی شدّت سے بیتاب ہوئے تو ایڑیوں کی ضرب سے زم زم جاری ہوگیا۔ صحابۂ کرام کو وضو کے لئے پانی کی حاجت درپیش ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے چشمۂ سیال نکل پڑا۔ قربان جایئے قدرت کے اس انوکھے انداز پر کہ۔ اس نے وافر مقدار میں پانی کا انتظام فرمادیا ہے۔ جس سے انسان، حیوان اور نباتات یکساں طور پر مستفید ہورہے ہیں۔ اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔

اسلامی شریعت اور پانی:۔

جہاں تک اسلامی شریعت کی بات ہے اس میں بھی پانی کا تذکرہ ہے۔ قرآنِ حکیم نے بھی پانی کے تعلق سے کلام کیا ہے۔ حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے۔ فقہ کی کتابوں میں ''باب المیاہ'' کے نام سے ایک مکمل باب ہے۔ پانی پینے کے کام آتا ہے ازالۂ نجاست بھی پانی سے کیا جاتا ہے۔ یہی وہ پانی ہے جو اعضاءِ جسم کو پاک وصاف کھتا ہے۔ اور کام ودہن کی تطہیر بھی کرتا ہے۔ پانی پاک ہے یا ناپاک؟ طاہر ہے یا مطہر؟ مکروہ ہے یا مستعمل؟ کس سے ازالۂ نجاست ہوگا اور کس سے نہیں ہوگا؟ ان موضوعات پر فقہ کی کتابوں میں بحث ملتی ہے سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی پانی پر تحقیقات کی ہیں وراس کے تمام گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ اس وقت میرے سامنے امام موصوف کا وہ خاص رسالہ ہے جو پانی کے عنوان پر لکھا گیا ہے۔ یہ رسالہ اس قدر اہم اور معرکتہ الآرا ہے کہ میری آنکھوں نے اب تک ایسا کوئی دوسرا رسالہ دیکھا نہیں۔ اس میں علم وفن تحقیق وتدقیق، تلاش وتتبع کا ایک بحرنا پیدا کنار ہے۔ جو موجزن ہے۔ اس کے اندر سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا فکر وتخیل بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی بے پناہ صلاحیت ہے جو اپنا جلوۂ نو بہار پیش کرتی ہے اس رسالہ کی اہمیت وافادیت ان سے پوچھئے۔ جو اہلِ علم وفن ہیں۔ صاحبانِ فکر وشعور ہیں۔ اس رسالہ کا نام ''النور والنورق لاسفارِ الماءِ المطلق'' ہے یہ نام متعدد خصوصیات کا حامل ہے۔

اولاً.....رسالہ کا نام تاریخی ہے جس میں کل پانچ الفاظ ہیں۔

۱۔ النور.....................۲۸۷

۲۔ والنورق....................۳۹۳

۳۔ الاسفار....................۳۷۲

۴۔ الماء.......................۷۳

۵۔ المطلق....................۲۰۹

۲۸۷+ ۳۷۲+ ۳۹۳+ ۷۳+ ۲۰۹= ۱۳۳۴ ہوا ہے۔ اور یہی اس رسالہ کا سنِ تصنیف ہے۔

ثانیاً۔ یہ کہ لفظ نور اور نورق سے متعدد معانی مراد لئے جاسکتے ہیں

(الف) نور بالضم سے مراد ''روشنی'' ہے اور یہاں وہ روشنی مراد ہے جسے امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فقہ کی کتابوں سے اخذ کیا۔ اور ''نورق'' دولفظوں کا مرکب ہے۔ نو، اور رق۔ نو سے مراد جدید اور رق سے مراد وہ سفید کاغذ یا چھال جس پر لکھا جاتا ہے مگر یہاں وہ جدید معلومات مراد ہیں جو خاص عنایتِ الٰہی سے امام موصوف کے مبارک قلب پر وارد ہوئے ہیں اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ رسالہ قدیم اور جدید روشنی ومعلومات کا ایسا مجموعہ ہے جو ماءِ مطلق کی مکمل توضیح کرتا ہے۔

(ب) یا اس سے یہ مراد ہے کہ یہ رسالہ مثل چاند اور اس کی چاندنی کے ہے جو ماءِ مطلق کو اجلا کرتا ہے۔

ثالثاً۔ یہ رسالہ اسم بامسمّٰی ہے۔ اس میں ایسی خوبی جو اپنا تعارف خود پیش کرتا ہے اس نام میں یہ خوبی اس وجہ سے آئی کہ اس میں ''براعتہ الاستھلال'' کا اہتمام کیا گیا ہے۔ نام کا جز ''ماءِ مطلق'' مضمونِ رسالہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ان خصوصیات کے علاوہ رسالہ کے خطبہ میں بھی ایسے الفاظ لائے گئے ہیں جو مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں رسالہ کے خطبہ میں ان خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے۔

الحمد لله انزل من السماء ماء طهورا ليطهرنا به تطهيرا حمداً مطلقا غير مقيد معد دالا واحد دائماً ابداً كثيراً كثرا والصلوة والسلام على الطيب الطاهر الطهور المطهر المفضل على الخلق فضلا كبيرا وعلى آله و صحبه وابنه وحزبه ماامطرت السحب ماءً غيرا.

خطبۂ مذکورہ کے یہ خط کشیدہ الفاظ بطور ''براعتہ الاستھلال'' لائے گئے ہیں جو فکر وتخیل کی رفعت وبلندی پر دلالت کرتے ہیں۔ مصنف کی اعلیٰ ذہنی صلاحیت اور قوتِ ادراک کو نمایاں کرتے ہیں۔ میں نے بہت سی کتابوں اور اس کے خطبوں کو پڑھا ہے۔ جس کثرت سے امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ''براعتہ الاستھلال'' کا استعمال کیا ہے، کہیں اور نظر نہیں آتا۔ اس اعتبار سے بھی امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی انفرادی صلاحیت اور اعلیٰ شخصیت کا انکشاف ہوتا ہے۔ ان کی کسی بھی کتاب کا تجزیاتی مطالعہ کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لئے ماہرِ علم وفن ہونا ضروری ہے۔ مجھ جیسے کم علم سے یہ کب ممکن؟ میں نے تصورِ فہم وفراست سے جو محسوس کیا۔ اسے پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔ تاکہ یہ دھندلی اور مدھم لو زندگی کے کسی موڑ پر مشعلِ راہ بن جائے

اس رسالہ میں دو ضمنی رسائل بھی ہیں۔

(۱) عطاء النبى لا فا ضةاحكام ماء الصبى

(۲) الدقة و التبيان لعلم السيلان

ذرا سوچئے قلبِ امام پر علم وفن اور شعور وادراک کا ایساز بردست ورود ہوا کہ ایک رسالہ لکھنے کو تیار ہوئے۔ اور مزید دو رسالے وجود میں آگئے۔ یہ علم لدنی نہیں تو پھر کیا ہے؟

رسالہ، النور والنورق.........اور پس منظر

کسی بھی شئے اور کام کا تعلق اس کے پس منظر سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی پس منظر شئی کے وجود کا باعث اور اس کی اہمیت وافادیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس رسالہ کا پس منظر یہ ہے کہ سن ۱۳۳۴ ہجری میں امام احمد رضا کی بارگاہ میں ایک استفتاء آیا جس کا متن درج ذیل ہے۔

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ مطلق جو وضو اور غسل کے لئے درکار ہے اس کی کیا تعریف ہے اور آبِ مقید کس کو کہتے ہیں''۔

یہ متن مختصر سہی لیکن اس میں معنویت اور گہرائی ہے.........یہ کوئی آسان سوال نہیں بلکہ بہت زیادہ پر معنی اور فکر وتخیل کا حامل ہے۔ عام لوگوں کی نظر میں یہ ایک سطحی سوال ہوسکتا ہے مگر ایک مفکر اور دانش ور کا اس کے بارے میں کیا تاثر ہے۔ درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے حضرت سیدنا امام احمد رضا خود فرماتے ہیں۔

یہ سوال بظاہر چھوٹا اور اس کا جواب بہت زیادہ طول چاہتا ہے۔ یہ مسئلہ نہایت معرکتہ الآرا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۴۴۳)

متنِ سوال اور امام احمد رضا کے تاثر پر غور کیجئے۔ رسالہ کی اہمیت وافادیت کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا۔

رسالہ کا اجمالی خاکہ

یہ رسالہ پانچ فصل اور چند فوائد پر مشتمل ہے۔

فصل دوم
آبِ مطلق مقید کی تعریف
۳ تعریفات — تنقید و تجزیہ — اضافات

فصل سوم
ضوابط جزئیہ میں
۸ مسائل اجماعیہ — ۲ ضابطے — ۱۱۰ ابحاث — ۲۰ فوائد

فصل چہارم
ضوابط کلیہ میں
ض امام ابو یوسف — ض امام محمد — ض علامہ برجندی — ض زیلعی — ض امام النسفی — ض رضویہ

فصل پنجم
جزئیات جدیدہ میں
آب کے ۱۴۳ اقسام جدیدہ ہیں

فصل ششم
فوائد منثورہ
سات نفیس فوائد کی تفصیل ہے۔

تحقیقاتِ آب کی انفرادی حیثیت:۔

اگر چہ تمام اربابِ فن نے آب کے تعلق سے اپنی اپنی تحقیقات پیش کی ہیں مگر امام احمد رضا بریلوی اس تحقیقاتِ آب میں اپنی الگ اور انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔محکمۂ زراعت سے معلوم ہوا ہے کہ اس کے یہاں پانی کی کل ۳۶ رقسمیں ہیں اور میڈیکل سائنس نے ۵۸ر قسموں کا ذکر کیا ہے۔لیکن قربان جائیے اور خراجِ تحسین پیش کیجئے امام احمد رضا کی بارگاہ میں جنہوں نے اپنے مذکورہ سالہ میں پانی کی کل ۳۵۰ قسمیں بتائی ہیں۔یہ بیان صرف اعداد میں نہیں بلکہ ہر ایک قسم کا نام اور اس کا شرعی حکم بھی بیان فرمایا ہے۔اور مختلف جہات سے اس پر بحث بھی کی ہے۔

حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیقِ آب کے دوران پانی کی حیثیت کا تعین فرمادیا۔اور واضح فرمادیا کہ یہ تحقیق پانی کی کس حیثیت سے تعلق رکھتی ہے۔ان کے کلام سے واضح ہوتا ہے کے پانی کے تین مرتبے ہیں۔

اول۔مرتبۂ لابشرطِ شی۔یعنی مطلق آب
دوم۔مرتبۂ بشرط لاشی۔یعنی آبِ مطلق
سوم۔مرتبۂ بشرطِ شی۔یعنی آبِ مقید

چونکہ مرتبۂ بشرطِ شی کا خارج میں کوئی مستقل وجود نہیں ہوتا ہے۔بلکہ وجودِ افراد سے ہی اسکا وجود متفاہم ہوتا ہے۔آج تک کوئی یہ بتا نہیں سکتا کہ مطلق آب یہ ہے یا وہ ہے۔اس لئے تحقیق آب کے دائرہ سے وہ باہر ہے۔حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق صرف ''مرتبۂ بشرط لاشی'' اور ''مرتبۂ بشرطِ شی'' یعنی آبِ مطلق اور آبِ مقید سے تعلق رکھتی ہے اور اسی کا مطالبہ سائل نے اپنے سوال میں کیا اور یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آبِ مطلق کو آبِ مقید پر تقدم حاصل ہے۔اس تقدم طبعی کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے آبِ مطلق کا ذکر فرمایا جس سے وضو و غسل اور ازالۂ نجاست جائز و مباح ہے۔

تفصیلاتِ آب:۔

رسالہ ''النور والنورق لاسفار الماء المطلق'' میں فصلِ اول اور میں کل اقسامِ آب کے لئے مخصوص ہیں، فصل اول میں کل اقسامِ آب ۳۰۷ر ہیں۔اور فصل پنجم میں ۱۴۳ر ہیں ۳۰۷ر اور ۱۴۳ر کل اقسامِ آب ۳۵۰ر ہوئے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(الف) وہ پانی جن سے وضو صحیح ہے۔

(۱) مینھ، دریا اور چشمے کا پانی۔(۲) سمندر کا پانی۔(۳،۴) پالا،

اولے جب پگھل کر پانی ہوجائے ۔(۵) کل کا برف جب پگھل جائے۔ (۶) آبِ شبنم۔(۷) آبِ زلال۔(۸) گرم پانی۔(۹) اپلوں سے گرم کیا ہوا پانی۔(۱۰) دھوپ کا گرم پانی۔(۱۱) عورت کی طہارت سے بچا ہوا پانی ۔(۱۲) اس کنویں یا حوض کا پانی جس سے بچے، عورتیں گنوار، فساق ہر طرح کے لوگ گھڑے ڈال کر پانی بھریں۔

(۱۳) وہ پانی جس میں ایسا برتن ڈالا گیا ہو جو زمین پر رکھا جاتا ہے۔

(۱۴) ہنود وغیرہم کفار کے کنوؤں یا برتنوں کا پانی ۔(۱۵) وہ پانی جس میں بچہ ہاتھ یا پاؤں ڈالدے ۔(۱۶) وہ پانی جس میں مشکوک کپڑا گرگیا ہو۔(۱۷) وہ پانی جس میں استعمالی جوتا گرگیا ہو۔(۱۸ تا ۲۱) شکاری پرندوں اور حشرات الارض اور بلی اور چھوٹی ہوئی مرغی کا جھوٹا۔

(۲۲) اس جانور کا پانی جس میں خوف سائل نہیں ۔ (۲۳) تا (۲۴) حوض کا پانی یا جس بستی پر عذاب نازل ہوا ہو اس کے کنوؤں اور تالابوں کا پانی۔ (۲۵) آبِ مغصوب۔(۲۶) کسی مملوک کنویں کا پانی جو اس کی اجازت کے بغیر بھرا گیا ہو۔ (۲۷) اس برتن کا پانی جو کسی کے صحن میں تھا، مینھ برسا اور بھر گیا۔ (۲۸) اس برتن کا پانی جو اس نیت سے رکھا گیا ہو کہ بارش ہو اور بھر جائے (۲۹) آبِ سبیل جو پینے کیلئے لگائی گئی ہو۔

(۳۰) مسجد کے سقایہ اور حوض کا پانی جو اہلِ جماعت مسجد کی طہارت کے لئے بھرے جاتے ہیں۔(۳۱) وہ پانی جو طہارت کے لئے سفر میں پاس ہے مگر یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر اس سے طہارت کرے گا تو کوئی آدمی یا جانور پیاسا رہ جائیگا۔ (۳۲) وہ پانی کہ نابالغ نے آبِ مملوک مباح سے لیا۔(۳۳) وہ پانی کہ نابالغ نے آبِ مملوک غیر مباح سے بے اجازت لیا۔ (۳۴) وہ پانی کہ اس سے باجازت لیا مگر مالک نہیں کہا بلکہ بطور اباحت دیا۔ (۳۵) وہ پانی کہ نابالغ خدمت گار نے آقا کے لئے نوکری کے وقت بھرا۔ (۳۶) خاص پانی کہ جس کو بھرنے پر نابالغ اجر متعین وقت تھا اور اسی وقت میں بھرا۔ (۳۷) وہ پانی جس کو خاص طور سے مستاجر نے متعین کردیا تھا۔ کہ اس حوض اور تالاب کا کل پانی۔ (۳۸) وہ پانی جس کے بارے میں نابالغ اجیر کہتا ہے کہ یہ پانی مستاجر کیلئے بھرا ہے اور ولی کی اجازت سے یہ مزدوری کی ہے۔

(۳۹) اگر چہ اس پانی کے بارے میں اس نے زبان سے کہا، کہ اس نے مستاجر کیلئے بھرا ہے مگر اس کے برتن میں بھرا ہے۔(۴۰) ان مذکورہ نو صورتوں میں پانی کا جو بھی مالک ہو وہ استعمال کرسکتا ہے یا پھر اس کی اجازت سے کوئی اور بھی استعمال کرسکتا ہے۔(۴۱) وہ پانی جسے کسی مالک آب نے نابالغ حر کو بطور تملیک دیا (۴۲) وہ پانی جسے حُر غیر اجیر نے آبِ مباح غیر مملوک سے اپنے لئے بھرا ہے۔ (۴۳) وہ پانی جسے حُر غیر اجیر نے خود بطور دوسروں کیلئے بھرا۔ (۴۴) وہ پانی جسے حُر غیر اجیر نے کسی کی فرمائش سے بلا معاوضہ بھرا۔ (۴۵) وہ پانی جسے اجیر نے آقا کے کہنے سے بھرا مگر یہ کام اس کے ذمہ نہ تھا۔ (۴۶) پانی بھرنا اس کے ذمہ تھا مگر اس نے وقت مقررہ سے باہر پانی بھرا۔ (۴۷) وہ پانی جس کے بھرنے پر وہ اجیر تھا۔ مگر نہ وقت مقرر تھا نہ پانی۔ (۴۸) وقت مقرر تھا مگر پانی اس سے باہر بھروایا۔

نوٹ:۔ یہاں تک اس پانی کا ذکر تھا جن میں غیر کے آب کا خلط نہ تھا۔ اب اس پانی کا ذکر کیا جا رہا ہے جن میں غیر کے پانی کا خلط ہے ۔ اور یہ کل سترہ ہے یعنی ۴۹ تا ۶۵ اس بارے میں کتبِ کثیرہ معتمدہ میں تصریح ہے۔ کہ اگر نابالغ نے حوض میں سے ایک کوزہ بھرا، اور اس میں سے کچھ پانی پھر سے اس میں ڈالدیا۔ تو اب اس حوض کے پانی کا استعمال کسی کے لئے حلال نہ رہا۔ مگر اس میں حرجِ عظیم ہے اور زبردست دشواری ہے۔ حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس جزیہ سے ۱۷ قسم کے پانیوں کو مستثنیٰ کیا۔ اس استثنائی صورتوں کو شامل کر کے سلسلہ آب ۶۵ تک پہونچ جاتا ہے تفصیل کیلئے دیکھئے (فتاوی رضویہ جلد اول ص ۴۷۰)

(۶۶) وہ پانی جس میں ماءِ مستعمل کے چند قطرے گر گئے ہوں۔

اس آب کی تفصیل جس سے غیر کے آب کا خلط ہو۔ (۶۷، ۶۸) وہ پانی جس میں آبِ دہن یا آبِ بنی پڑ جائے ۔ (۶۹) وہ پانی جس میں مٹی، ریت اور کیچڑ مل جائے (۶۰) اُبلا ہوا پانی اگر چہ گدلا

ہو اور مزہ بھی بدل گیا ہو۔(۷۱) ان ندیوں کا پانی جو برسات میں گدلی ہو جاتی ہیں۔(۷۲) وہ پانی کہ کائی کی کثرت سے جس کی بو وغیرہ میں تغیر آ گیا ہو۔(۷۳) کچی کنیاں کا وہ پانی جو سڑ کر بدبودار ہو گیا بلکہ رنگ و مزہ سب متغیر ہو گیا۔(۷۴) اس تالاب کا پانی جس میں سن گلائی گئی اور اس کے سبب اس کے تینوں وصف بدل گئے (۷۵) اس کونڈے کا پانی جس میں آٹا لگا ہو اور اس میں پانی رکھنے سے اسکا رنگ وغیرہ بدل گیا ہو۔(۷۶) اس حوض کا پانی جس میں موسم خزاں کے سبب کثرت سے پتے گر گئے ہوں اور پانی سبز معلوم ہوتا ہو۔(۷۷) وہ پانی جس میں اس کثرت سے پتے گرے کہ واقعی پانی سبز ہو گیا ہو۔(۷۸) اس تالاب کا پانی جس میں سنگھاڑے کی بیل سڑ جانے کے سبب پانی کے تمام اوصاف متغیر ہو جائیں۔(۷۹) وہ پانی جس میں اوراقِ شجر کے سبب پانی کے اوصاف بدل جائیں۔(۸۰،۸۱) وہ پانی جس میں شنجرف یا کسم زردی کاٹنے کیلئے بھگو دیتے ہیں اس کا رنگ اگر چہ بدل جاتا ہے مگر قابلِ وضو ہے۔(۸۲۔۸۳) وہ پانی جس میں گچ یا چونا مل جائے۔(۸۴) چونے کا وہ پانی جو چونے کے تہہ نشین ہو جانے کے بعد نتھر جاتا ہے۔(۸۵) وہ پانی جس میں ریشم پکایا جاتا ہے۔(۸۶) وہ پانی جس مینڈک یا کوئی آبی جانور یا غیر آبی جانور جس میں خوف سائل نہ مر گیا ہو۔(۸۷) وہ پانی جس میں چاول دھویا جاتا ہے۔(۸۸) وہ پانی جس میں چنے بھگوئے جائیں۔(۸۹) وہ پانی جس میں باقلا بھگوئے جائیں۔(۹۰) گھوڑے کا جھوٹا پانی۔(۹۱) گائے، بھینس، بیل وغیرہ کا جھوٹا پانی۔(۹۲) وہ پانی جس میں کولتار پڑ جائے اور اس میں سخت بدبو آ جائے۔(۹۳) وہ پانی جس میں روٹی بھگوئی جائے۔(۹۴) وہ پانی جس میں آم بھگویا جائے۔(۹۵) وہ پانی جس میں گوشت دھویا گیا ہو۔(۹۶) صابون کا پانی۔(۹۷) اشنان کا پانی۔(۹۸) ریحان کا پانی۔(۹۹) آبِ بابونہ (۱۰۰) آبِ خطمی۔(۱۰۱) وہ پانی جس میں بیری کے پتے ڈالے جائیں۔(۱۰۲۔۱۰۷) وہ پانی جس میں صابون، اُشنان، ریحان، بابونہ، خطمی، بیری کے پتے ڈال کر جوش دیا جائے۔(۱۰۸۔۱۰۹) وہ پانی جس میں دوا یا غذا ڈال کر پکایا ابھی وہ کچی ہے اور پانی گاڑھا نہ ہوا ہو۔(۱۱۰) وہ پانی جس میں چائے دم کی اور جلد نکال لی کہ اس کو چائے نہ کہہ سکیں (۱۱۱ تا ۱۱۴) عرق گاؤزبان، یا اترے ہوئے گلاب، کیوڑہ یا بید مشک جن میں خوشبو نہ رہی پانی میں ڈالا اور وہ پانی کی مقدار سے کم ہے۔(۱۱۵) ہر وہ عرق جو پانی سے رنگ، مزہ، بو، کسی میں ممتاز نہ ہو۔(۱۱۶) وہ پانی جس میں چھوہارا ڈالا اور تھوڑی دیر کے بعد نکال لیا۔(۱۱۷) وہ پانی جس میں اتنی مقدار میں شکر یا بتاشہ ڈالا کہ وہ شربت کی حد تک نہ پہونچا۔(۱۱۸) وہ پانی جس میں دوا ڈالی اور پانی میں دوا کا اثر نہ آیا۔(۱۱۹،۱۲۰۔۱۲۱،۱۲۲) وہ پانی جس میں کسم، کیسر، کسیس، مازو، اتنی کم حل ہو کہ پانی رنگنے، لکھنے یا حرف کا نقش بننے کے قابل نہ ہوا۔(۱۲۳) وہ پانی جس میں رنگ کی پڑیا ڈالی گئی اور پانی رنگنے کے قابل نہ ہو۔(۱۲۴) وہ پانی جس میں رشنائی ڈالی، اور اس کے ملانے کے سبب لکھنے کے لائق نہ ہو۔(۱۲۵،۱۲۶) وہ پانی جس میں زعفران، شہاب اتنا کم پڑے کہ اس کی رنگت پانی پر غالب نہ آئے۔(۱۲۷) اسی طرح پڑیا حل کیا ہوا پانی جس کا رنگ غالب نہ ہو،(۱۲۸) وہ پانی جس میں آب تربوز اس قدر کم ہو کہ اس کا مزہ پانی پر غالب نہ ہو۔(۱۲۹) وہ پانی جس میں سفید انگور کا شیرہ ملا ہو اور اس کا مزہ غالب نہ ہو۔(۱۳۰) وہ پانی جس میں سفید انگور کا سرکہ ملا ہو مگر اس کا مزہ اور اس کی بو پانی پر غالب نہ ہو۔(۱۳۱) وہ پانی جس میں رنگت والا سرکہ اس قدر ملا ہو کہ اس کا کوئی وصف بدلہ نہیں یا صرف بو غالب ہو۔(۱۳۲) وہ پانی جس میں ایسا ذی لون سرکہ ملا کہ اس کا مزہ اس کے سب اوصاف پر قوی ہو کہ اس کا قلیل سب سے پہلے مزہ کو بدلے اس سے زائد ملے تو بو یا رنگ میں تغیر آئے۔اس صورت میں پانی کا کوئی وصف نہ بدلے یا صرف مزہ متغیر ہو۔(۱۳۳) اگر سرکہ کا رنگ سب سے زیادہ قوی ہے، اس کے ملنے سے پانی کا رنگ نہیں بدلا تو اس سے وضو جائز ہے۔(۱۳۴) وہ پانی جس میں دودھ ملنے سے اس کا رنگ نہیں بدلا۔(۱۳۵) وہ پانی جس میں پاک انڈے نیم برشت

کئے جائیں۔(۱۳۶) وہ پانی جس میں سونا، چاندی، لوہا تپایا گیا ہو۔ (۱۳۷) وہ پانی جس سے کسی باوضو شخص یا نابالغ بے وضو نے اعضاء ٹھنڈے کئے ہوں یا میل دور کئے ہوں یا غسل بے نیتِ قربت کیا ہو۔ (۱۳۸) وہ پانی جس میں چوتھی بار بلا وجہ ہاتھ ڈالا حالانکہ معلوم تھا کہ تین بار اسے دھو چکا ہے، اور پانی خشک بھی نہیں ہوا ہو۔(۱۳۹) وہ پانی جس میں پیٹھ یا ران دھوئی حالانکہ غسل کی حاجت نہ تھی اور قربت کی نیت بھی نہ تھی۔(۱۴۰) وہ پانی جس سے باوضو یا بے وضو نابالغ نے کلی کی ہو کھانے کے لئے ہاتھ دھویا ہو۔(۱۴۱) وہ پانی جس سے باوضو یا نابالغ نے وضو سکھانے کے لئے وضو کیا ہو۔(۱۴۲) وہ پانی جس سے مسواک دھویا، یا اس سے ادائے سنت کی ہو۔(۱۴۳) وہ پانی جس میں مسواک دھوئی یہ پانی مکروہ بھی نہ ہوگا اگر مسواک نئی ہو یا پہلے دھل چکی ہے۔(۱۴۴) وہ پانی جس سے آفتابہ دھویا (۱۴۵) وہ پانی جس سے پاک کپڑا دھویا (۱۴۶) وہ پانی جس سے کھانے کا برتن دھویا اگر چہ اس میں سالن لگا ہو۔(۱۴۷) وہ پانی جس سے سل یا مسالے کا پتھر دھویا (۱۴۸) وہ پانی جس سے برادہ صاف کرنے کو برف دھویا، اور برادہ نے اس کی رقت پر اثر نہ کیا ہو۔(۱۴۹) وہ پانی جس سے تختی دھوئی اور سیاہی سے پانی گاڑھا نہ ہوا۔(۱۵۰) وہ پانی جس میں آم یا کسی پھل کا چیپ دھوئی۔(۱۵۱) وہ پانی جس سے پکے فرش کو گرد و غبار صاف کرنے کے لئے دھویا۔(۱۵۲) وہ پانی جس سے نابالغ بچہ نے وضو کیا۔ (۱۵۳) وہ پانی جس سے نابالغ کو نہلایا۔(۱۵۴) وہ پانی جس سے گھوڑے کو نہلایا۔(۱۵۵) وہ پانی جو کسی باوضو نظر لگانے والے کے اعضاء کو دھو کر دفع نظر کے لئے سر پر ڈالتے ہیں۔(۱۵۶) وہ پانی جو کسی نئی نویلی دلہن جبکہ باوضو ہو یا نا بالغہ دلہن کے پاؤں کا دھون ہو۔ (۱۵۷) وہ پانی جس سے حائضہ یا نفساء نے قبلِ انقطاعِ دم بے نیتِ قربت غسل کیا۔(۱۵۸) وہ پانی جس سے کسی مرد نے وضو یا غسل کیا اور پانی بچ گیا ہو۔(۱۵۹) وہ پانی جس میں بعض مغسول دوائیں خوب باریک پیس کر ڈالی جب دوا تہ نشیں ہو جائے اور پانی نتھر جائے۔

(۱۶۰) وہ پانی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارک کہ، مثلاً نعلین پاک، موئے مبارک یا جبۂ مقدس کا پاک غسالہ ہو۔

اس پانی کی تفصیل جن سے وضو درست نہیں (۱۶۱) آبِ نجس۔ (۱۶۲) آبِ مستعمل۔(۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵) عرقِ گلاب، کیوڑہ، عرقِ بید مشک وغیرہ۔(۱۶۶) عرقِ گاؤ زبان، بادیان وغیرہ (۱۶۷، ۱۶۸) آب کاسنی، آب مکوہ۔(۱۶۹) وہ پانی جو تر زعفران سے نکالا جائے۔ (۱۷۰) تا (۱۷۹) وہ پانی جو خر بوزہ، تر بوز، ککڑی، سیب، انار، کدو، وغیرہ میوؤں پھلوں سے نکالا گیا ہو۔(۱۸۰) اس تر بوز کا پانی جو خطِ استوا کے قریب بعض ریگستانوں میں پایا جاتا ہے۔(۱۸۱) وہ پانی جو کسی درخت کی شاخیں اور پتے کوٹ کر نکالا جائے۔(۱۸۲) شراب ریباس (۱۸۳) شربت انار شیریں (۱۸۴) شربت انار ترش۔(۱۸۵) شربتِ انگور۔(۱۸۶) آبِ مقطر ہر قسم کا سرکہ۔(۱۸۷) آبِ کامہ۔(۱۸۹) نمک کا پانی۔(۱۹۰) نمک کا پانی جو نمک بن جاتا ہے۔ (۱۹۱) نوشادر کا پانی کہ اس کے بہنے سے بنتا ہے۔(۱۹۲) آبِ کافور کہ اس کے پگھلنے سے حاصل ہوتا ہے۔(۱۹۳) آبِ کافور کہ درخت کاٹتے وقت اس سے ٹپکتا ہے۔(۱۹۴) آب نفط بالکسر۔ یہ ایک روغنی رطوبت ہے جو بعض زمینوں سے ابلتا ہے۔(۱۹۵) مٹی کا تیل۔(۱۹۶) درخت صنوبر کا نر جو پھل نہیں دیتا۔(۱۹۷) رایتانج درخت صنوبر کے مادہ کا جو پھل دیتا ہے۔(۱۹۸) قطران ایک قسم کا درخت سرو کا۔(۱۹۹) قیر ایک سیاہ رطوبت جو بعض زمینوں سے ابلتی ہے۔(۲۰۰) 'قفر الیہوذ' ایک بودار رطوبت جو بعض دریاؤں سے نکلتی ہے۔(۲۰۱) عنبر کو یہ بھی ایک رطوبت ہے۔(۲۰۲، ۲۰۳) مومیائی، سلاجیت یہ دونوں پتھر کے مد ہیں جو ابتدا میں سیال ہوتے ہیں۔ (۲۰۴) نیم وغیرہ درختوں کا مد جو سیال ہوتا ہے اور پھر منجمد ہو جاتا ہے۔ (۲۰۵) وہ پانی جو موسم بہار میں انگور کی بیل سے از خود ٹپکتا ہے۔ (۲۰۶) تاڑی۔(۲۰۷) سیندھی۔(۲۰۸) (۲۰۹) دہی کا پانی کہ کپڑے میں باندھ کر ٹپکائیں، (۲۱۰) مٹھا۔(۲۱۱) چاولوں کا پیچ۔

(۲۱۲) ماء اللحم وغیرہ۔ (۲۱۳) گوشت کا پانی کہ سر بند برتن میں بے پانی رکھ کے اوپر پانی بھر کر آنچ دینے سے خود گوشت سے مثلِ عرق نکلتا ہے۔ (۲۱۴) آب یخنی۔ (۲۱۵) ہر قسم کا شوربا۔ (۲۱۶، ۲۱۷) وہ پانی جس میں چنے یا باقلا پکایا اور پانی گاڑھا ہوگیا۔ (۲۱۸) وہ پانی جس میں میوے ڈال کر جوش دیا گیا ہو اور ان سے عرق نچوڑا۔ (۲۱۹) وہ پانی جس میں میوے جوش دیئے اور میوے پک گئے اور پانی متغیر ہوگیا۔ (۲۲۰) سر پر مہندی یا خضاب یا ضماد ہے۔ اور مسح کرنے میں ہاتھ اس پر سے ہوتا ہوا گزرا وہ مہندی یا ضماد مثل روغن ہے تو اس کی جگہ مسح کیا۔ اور اگر جرم دار ہے تو اس کے باہر چہارم کی قدر مسح کیا۔ مگر ہاتھ اس پر سے گزرا اگر اس گزرنے میں ہاتھ کی تری میں خضاب، ضماد کے اجزا ایسے مل گئے کہ اب وہ تری پانی نہ کہلائے گی تو مسح جائز نہ ہوگا ورنہ جائز یہ نمبر (۲۲۱) ہے اسے جائزات کی فہرست میں ہونا چاہئے۔ (۲۲۲) وہ پانی جس میں ستو گھولا اور پانی گاڑھا ہوگیا۔ (۲۲۳) وہ پانی جو مٹی اور کیچڑ سے گاڑھا ہوگیا ہو۔ (۲۲۴) تا (۲۲۵) کائی، آٹا، پتے، بیلیں، شنجرف، کسم کی زردیاں، چونہ، ریشم کے کپڑے، مینڈک وغیرہ وغیرہ ذموی جانور کے اجزاء۔ چنے، باقلا وغیرہ، اناج کے ریزے، کولتار، روئی کے ذرّے، صابون، اشنان ریحان، بابونہ، خطمی، برگ کنار کچے، برف جو اصل میں پانی ہے۔ یہ تمام چیزیں اگر پانی میں مل کر اس کی رقت کو زائل کردے۔ (۲۵۲) برف جو پانی کو گاڑھا کردے اور پھر پگھل کر پانی کی رقت بحال کردے۔ یہ بھی جائزات کی فہرست میں شامل ہوگا۔ (۲۵۵، ۲۵۶) وہ پانی جو چائے یا کافی کے پکانے سے گاڑھا ہوجائے۔ (۲۵۷) وہ پانی جس میں چائے یا کافی ڈالا اور فوراً نکال لیا۔ یہ بھی جائزات کی فہرست میں شامل ہوگا۔ (۲۵۸، ۲۶۲) عرقِ گاؤزبان، گلاب، کیوڑہ، بید مشک خوشبودار پانی میں اس کی مقدار سے زائد مل جائے۔ (۲۶۳، ۲۶۶) ایسی بےلون چیزیں اگر مزہ پانی کے خلاف رکھتی ہوں کہ نصف سے کم مل کر مزہ بدل دیں۔ (۲۶۷ تا ۲۷۵) نبیذ میں چھوہارے، کشمش خواہ کوئی میوہ، شربت میں شکر، بتاشے، مصری خواہ کوئی خشک شیرینی، خیساندہ میں دوا، رنگ میں کسم، کیسر کی پڑیا روشنائی میں مازو خواہ اور کوئی جزاء جب اتنے ڈالیں کہ پانی اپنی رقت پر نہ رہے۔ (۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸) زعفران حل کیا ہوا پانی، یا شہاب اگر پانی میں مل کر اس کی رنگت کے ساتھ مزہ یا بو بھی بدل دے۔ (۲۷۹) تربوز کا شیریں پانی جب کہ پانی میں پڑ کر رنگ کے ساتھ اس کا ایک اور وصف بدل دیں۔ (۲۸۰) سفید انگور کا شیرہ جب پانی میں مل کر اس کے مزہ پر غالب آجائے۔ (۲۸۱) سفید انگور کا سرکہ جو پانی میں مل کر اس کے مزہ پر غالب آجائے۔ (۲۸۲) رنگت دار سرکہ جب پانی میں مل کر اس کے رنگ اور بو دونوں کو بدل دے۔ (۲۸۳) ایسا سرکہ کہ جس کا مزہ اقوی ہو جب وہ پانی میں مل کر مزہ کے ساتھ اس کے رنگ کو بھی بدل دے۔ (۲۸۴) جس سرکہ کا رنگ قوی تر ہو۔ جب وہ پانی کے رنگ کے ساتھ ایک اور وصف کو بدل دے۔ (۲۸۵) دودھ جب پانی کے رنگ اور مزہ کو بدل دے۔

اس پانی کی تفصیل جس میں حکم منقول ضابطہ زیلعی کے خلاف ہے۔

(۲۸۶، ۲۸۷) نبیذ تمر سے مطلقاً وضو نہ ہونا۔ اس کے سوا تمام نبیذوں سے وضو نہ ہونے پر اجماع ہے۔ مگر ضابطہ زیلعی کا اقتضا ہے۔ اگر اس میں رقت ہے تو وضو درست ہوگا۔ (۲۸۸) شربت سے وضو ناجائز ہے (۲۸۹) خیساندہ وضو کے قابل نہیں۔ (۲۹۰، ۲۹۵) کسم، کیسر، رنگت کی پڑیا جب پانی میں اس قدر ملیں کہ رنگنے کے قابل ہو جائے۔ کسیس، مازو روشنائی پانی میں مل کر حروف کا نقش بننے کے لائق ہوجائے۔ اس سے وضو جائز نہیں (۲۹۶، ۲۹۸) گلاب، کیوڑہ، بید مشک بلاشبہ مزۂ آب کے خلاف مزہ رکھتے ہیں اور ان کی بو قوی تر ہے۔ اور پانی میں مل کر اس کے مزہ کو بدل دیتے ہیں۔ (۲۹۹، ۳۰۰) زعفران حل کیا ہوا پانی یا شہاب اگر اتنا ملے کہ صرف رنگ بدلے۔ (۳۰۱) پڑیا حل کیا ہوا پانی، پانی میں پڑ کر صرف رنگت بدل دے۔ (۳۰۲) آبِ تربوز سے جب پانی کا صرف مزہ بدلے۔ (۳۰۳) سفید انگور کے سرکہ

کی جب بو پانی میں آجائے۔ مزہ غالب نہ ہو۔ (۳۰۴) رنگت والا سر کہ جب کہ اس کی بو سب سے اقوی ہو۔ اور پانی میں مل کر اس کا صرف مزہ اور بو آجائے اور رنگ نہ بدلے۔ (۳۰۵) جس سرکہ کا مزہ رنگ و بو سے اقوی ہو جب اس کے مزہ اور بو پانی میں آجائیں اور رنگ نہ بدلے۔ (۳۰۶) جس سرکہ کا رنگ غالب تر ہو جب اس سے صرف رنگ بدلے۔ (۳۰۷) دودھ سے جب پانی کا رنگ بدلے۔

نوٹ:۔ ۲۸۶ سے ۳۰۷ تک کے اقسامِ آب میں اختلاف ہے۔ حکمِ منقول کچھ ہے۔ ضابطہ زیلعی کا اقتضا کچھ اور ہے اس اختلاف سے میں نے دیدہ و دانستہ پہلو تہی کی ہے کیونکہ میرا موضوع تحقیقِ آب ہے حکم کی تبیین نہیں۔ آپ حکم کی جانکاری کے کے لئے رسالہ ''النور والنورق لا سفار الماء المطلق'' کا مطالعہ فرمائیں۔

پانی کی کچھ جدید قسمیں بحوالہ فصل پنجم:۔

(۳۰۸) آبِ مقطر یعنی قرع انبیق میں ٹپکایا ہوا پانی۔ (۳۰۹) وہ پانی جو حمام کی چھت اور دیواروں سے ٹپکتا ہے۔ (۳۱۰) آبِ غط۔ پانی گرم کیا، بھاپ اٹھ کر سرپوش پر اندر کی جانب پانی کے کچھ قطرے بنے ہوئے ملتے ہیں۔ (۳۱۱) کوئی اور چیز پکانے میں جو قطراتِ بخار ملیں۔ (۳۱۲) اصطبل وغیرہ محلِ نجاسات سے بخارات اٹھ کر ٹپکے۔ (۳۱۳) سونٹھ کا پانی جس کو جنجر بیٹ بھی کہتے ہیں۔ (۳۱۴) میٹھا پانی لیمنیڈا۔ (۳۱۵) کھاری پانی یعنی سوڈا واٹر۔ (۳۱۶، ۳۱۷) بھنگ اور افیون کا پانی۔ (۳۱۸) رقیق چائے بھی خصوصاً اس صورت میں کہ پانی کے جوش میں نہ ڈالیں، بلکہ آگ سے اتار کر رہنے دیں یہاں تک کے وہ اپنا عمل کرے۔ اور اب وہ پانی چائے کہلائے (۳۱۹، ۳۲۰) شلجم، گاجر کے اچار کا تہ نشیں پانی کہ گاڑھا ہوتا ہے اور اوپر کا رقیق۔ (۳۲۱) گلاسوں میں زیادہ مقدار تک پانی بھر کر اوپر سے تیل ڈال کر روشن کرتے ہیں۔ (۳۲۲) کبھی خوبصورتی کیلئے وہ پانی رنگین کر کے ڈالتے ہیں۔ اگر تغیرِ لون اتنا ہو کہ رنگ بدل گیا تو اس سے وضو ناجائز۔ (۳۲۳) ملکِ شام میں بعض لکڑیوں کے ریشے زمین سے نکلتے ہیں انھیں پانی میں ڈال کر بھگوتے ہیں۔ جس سے پانی سرخ ہو جاتا ہے۔ اور دباغت کے کام آتا ہے۔ (۳۲۴) تتہڑے میں دو چار پان خصوصاً بنے ہوئے اگر پڑ جاتے ہین سارا پانی رنگین کر دیتے ہیں۔ (۳۲۵) پان کھایا اور منہ میں اس کا معتد بہ اثر باقی ہے کلیاں کر کے منھ صاف کیا مشاہدہ ہے ان کلیوں کا پانی اتنا رنگین ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد اسی لگن میں وضو کیا جائے تو سارا پانی رنگ جاتا ہے۔ (۳۲۶) جس گھڑے میں گنّے کا رس تھا رس نکال کر پانی بھرا جائے۔ بلاشبہ اس کا مزہ و بو، بدل جاتا ہے۔ (۳۲۷) اسی گھڑے میں اگر پانی گرم کیا جائے تو تغیر اور زیادہ ہو جائے گا۔ (۳۲۸) زخم دھونے کے لئے پانی میں نیم کے پتے ڈال کر گرم کرتے ہیں، جس سے اس کا رنگ اور مزہ بدل جاتا ہے اور بو میں بھی تغیر آجاتا ہے۔ (۳۲۹، ۳۳۰) نطول اور پاشویہ کا پانی بھی قابلِ طہارت ہے۔ (۳۳۱) حقہ کا پانی اگرچہ دھویں کے سبب اس کے سب اوصاف یعنی رنگ، مزہ اور بو بدل جاتے ہیں۔ (۳۳۲) زمین حبش میں ایک درخت ہے جب ہوائیں چلتی ہیں اس سے دھواں سا نکلتا ہے اور مینہ کی طرح برس جاتا ہے۔ یہ بعینہٖ مثل پانی کے ہوتا ہے۔ (۳۳۳) صحرائے حبش میں جہاں پانی نہیں ملتا اہل قافلہ زمین میں گھڑا کھودتے ہیں اور بعض درختوں کی شاخوں سے اسے چھپا دیتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد اس غار کے اندر سے بخارات اُٹھ کے ان شاخوں سے لپٹ جاتے ہیں اور پانی ہو کر ٹپک جاتے ہیں۔ اس گڑھے میں اتنا پانی جمع ہو جاتا ہے کہ قافلے کو کفایت کرتا ہے۔ (۳۳۴) ''ماء القطر'' پانی کہ مٹی کے برتن سے رسے محمود مصفّٰی پانیوں میں ہے۔ (۳۳۵) وہ پانی کہ ہڈیوں، کولوں ریتے پر گزار کر صاف کیا جاتا ہے۔ (۳۳۶) نشاستہ کا پانی کہ جب اجزائے گندم تہ نشیں ہو کر نتھرا پانی رہ جائے۔ (۳۳۷) آش جو کا پانی جو بار بار بدلا جاتا ہے۔ (۳۳۸) ماء العسل کہ شہد میں دو چند پانی ملا کر جوش دیں یہاں تک کہ دو ثلث جل جائے، پانی نہ رہا۔ (۳۳۹) ماء الشعیر۔ (۳۴۰، ۳۴۱) ماء الاصول، ماء البزور۔ (۳۴۲) ماء النون جو کہ اس مچھلی سے ٹپکتا ہے جس پر نمک چھڑکا

جائے۔ (۳۴۳) ''ماء الجمہ'' یہ پانی ایک قسم کی مچھلی سے نکلتا ہے۔ یہ دونوں سرے سے پانی ہی نہیں، (۳۴۴، ۳۵۰) ماء الذھب، ماء الفضہ ماء النحاس، ماء الرصاص، ماء الحدید، ماء السراب۔

یہ ۳۵۰ / پانیوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ حضرات غور کریں پانی کی اتنی لمبی فہرست آپ کو کہیں دستیاب نہ ہوگی۔ نہ کسی کالج میں اور نہ کسی یونیورسٹی میں، نہ ارباب دانش اس کو تیار کر سکے، اور نہ ہی سائنسدان۔ یہ منفرد شخصیت صرف امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنہوں نے یہ لمبی فہرست تیار کر کے دنیا کے سامنے پیش کی۔ یہ اتنا عظیم احسان ہے جس کا بدلہ ہم رہتی دنیا تک چکا نہیں سکتے۔ اور نہ ہی اس کا کائی صلہ دے سکتے ہیں۔ آج ہم امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت، ان کی خداداد ذہانت اور صلاحیت پر جس قدر فخر و ناز کریں کم ہے۔ اس احسان کا بہترین صلہ یہی ہے کہ ان کی تعلیمات اور خدمات کو دور دور تک پہونچائیں۔ تا کہ اس شعر کا بہترین استعمال ہو سکے۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا

پانی کی اس لمبی فہرست کے مطالعہ سے چند باتیں منکشف ہوتی ہیں۔

(۱) ذہنی استحضار اور وسعتِ معلومات، ذرا سوچئے، اور غور کیجئے۔ کہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ معلوم کتنی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ان علمی ذخائر کو جمع کیا ہوگا۔ کم از کم انقسامِ احاد علی الاحاد کے طور پر ۳۵۰ / کتابیں آپ کے زیر مطالعہ ضرور رہی ہونگی۔ پھر یہ کہ ان معلومات کا ذہن میں مستحضر رہنا کوئی معمولی ذہانت کا کام بھی نہیں یہ خداداد ذہانت کا ہی کمال ہو سکتا ہے۔

(۲) ان معلومات میں ترتیب و ہم آہنگی، اور ربط و ضبط کا قائم رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اسے وہی برقرار رکھ سکتا ہے جو قانونِ ترتیب اور ہم آہنگی کے راز سے واقف۔ یہ بھی امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و تخیل اور حسنِ تدبر کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے پہلے آبِ مطلق، کو پھر آبِ مقید کو بیان کیا۔

(۳) سلسلہ جائزات میں پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری پانی کا ذکر اور آخر میں آپ ہی کہ آثار مبارکہ کے پاک غسالہ کو لانا۔ آقائے کائنات ﷺ سے عشق حقیقی و محبت کی علامت ہے۔

(۴) آبِ مطلق کے سلسلہ کو مقدر رکھنا اور آبِ مقید کو تاخر کرنا۔ سائنسی اندازِ فکر کو ثابت کرتا ہے۔ عورت کی طہارت سے بچا ہوا پانی۔ مرد کے ضوو غسل سے بچا ہوا پانی۔ اور اس پانی کا ذکر جس میں استعمالی جوتا یا مشکوک کپڑا گر گیا ہے۔ معاشرتی زندگی کے نشیب و فراز سے اچھی واقفیت کی دلیل ہے۔

(۵) اس پانی کا ذکر جس میں ریشم پکایا گیا۔ اس تالاب کا ذکر جس میں سن گلائی گئی۔ نئی نویلی دلہن کے غسالہ کو بیان کرنا۔ علاقائی تہذیب اور ہندی سنسکرتی تہذیب سے جان کاری کی علامت ہے۔

(۶) زعفران، کسم، کسیس، مازو، رفت، رایتانج، بابونہ، خطمی، گلاب، کیوڑہ، بیدِ مشک، خیساندہ، آب مکوہ وغیرہ وغیرہ طبی معلومات کو ثابت کرتے ہیں۔

(۷) خطِ استوا کے قریب تربوز کا نکلنا، صحرائے حبش میں پانی حاصل کرنے کے لئے گڑھے کھودنا، ملکِ شام کے ان درختوں کا ذکر جن سے دھواں نکلتا ہے اور مینھ کی طرح برستا ہے جغرافیائی معلومات کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ فہرستِ آب اور بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تحقیق، تدقیق، جغرافیائی، تہذیبی، معاشرتی، طبّی، نباتاتی اور حیوانی تحقیق، تدقیق، زلال کی تحقیق ماء النون، ماء الجشمہ، وغیرہ کا ذکر علم حیوانات پر دسترس کو ثابت کرتا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی انہیں خوبیوں کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔ کہ علم و فن، فکر و آگہی ترتیب و ہم آہنگی، وسعت معلومات، افکارِ بدیعہ، افکارِ جدیدہ، علوم کثیرہ، فنونِ عجیبہ، نکات لطیفہ، اسرار دقیقہ،

رموزِ فائقہ اور ان گنت خوبی وکمال، حسن و جمال کا نام امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

حضرات ''رسالہ نور ونورق'' کے اجمالی خاکہ کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اس میں ''فصل اول اور فصلِ پنجم'' جزئیات منصوصہ، اور جزئیات جدیدہ کے لئے مخصوص ہے۔ جس میں پانی کی ایک لمبی فہرست ہے۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی؟ اور متن استفتاء سے اس کا کیا تعلق ہے۔ سائل نے صرف یہ پوچھا تھا کہ آب مطلق، آبِ مقید کی کیا تعریف ہے؟ تفصیلاتِ آب سے اس کے سوال کا نہ کوئی تعلق تھا نہ واسطہ میرے خیال میں ان تفصیلات کا تعلق سوال سے بھی ہے اور سائل کے مقصد سے بھی کیونکہ۔

(۱) آبِ مطلق اور آبِ مقید بظاہر دونوں دو دو لفظ سے مرکب ہیں آب اور مطلق نیز آب اور مقید اس کا مفہوم بہت زیادہ وسیع ہے۔ لفظِ ''آب'' معنیٔ عمومیت رکھتا ہے۔ جس کا تعلق مرتبۂ لابشرط شئی سے ہے۔ لیکن لفظِ ''مطلق'' آب کے لئے قید تو ہے۔ مگر یہ وہ قید نہیں جو کسی عام معنی کو مخصوص کردے۔ بلکہ یہ قید ''قید خلاقی'' ہے۔ جو آب کے معنی عمومیت کو مؤکد کرتی ہے۔ اور اس کی شمولیت کو برقرار رکھتی ہے۔ اس لئے اس مرتبہ کو ''بشرط لاشئی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور آبِ مقید میں مقید ایسی قید ہے جو معنیٔ عموم کو مخصوص کرتی ہے۔ اور اس کے دائرہ کو محدود۔ ظاہر ہے اس معنی ذہنی اور غیر مادی تصور کی تفہیم اس قدر آسان نہیں۔ جس قدر زبان سے آب مطلق اور آب مقید کو ادا کرنا ہے۔ اس کی تفہیم کے لئے، تمہید، تعارف اور تعارفی گفتگو کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ سائل اور قارئین بعد میں اپنے آپ کو آنے والے مضامین کے لئے پورے طور پر تیار و مستعد کرلیں اس کے لئے تفصیلاتِ آب سے بہتر اور کوئی صورت نہ تھی۔ اسی مقصد کے لئے حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آب کی مکمل تفصیل بیان کی اور اس قدیم وجدید قسموں کی خوب وضاحت کی۔

(۲) حضرت سیدنا امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ صرف عالم اور مفتی ہی نہ تھے بلکہ مفکر اسلام بھی تھے۔ اور ہر معاملہ میں سائنٹیفک اندازِ فکر سے کام لیتے تھے۔ ایک ماہر نفسیات کی طرح سوال اور سائل کی شخصیت، اس کی صلاحیت، اور فکر وتخیل بلکہ اس کے نفسیات پر بھی نظر رکھتے تھے۔ اس چیز کا اظہار، امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ابتدائی تاثر میں کیا تھا۔ کہ یہ ''سوال بظاہر چھوٹا اور اس کا جواب بہت زیادہ طول چاہتا ہے۔ یہ مسئلہ معرکۃ الآراء ہے، متنِ سوال بھی تفصیل آب چاہتا تھا۔ اور خود سائل بھی۔ کیونکہ کسی عظیم مقصد کے بغیر اس قسم کا سوال کوئی کرہی نہیں سکتا سائل کا وہ عظیم مقصد یہی تفصیل آب ہے۔ اس اعتبار سے فصلِ اول، اور فصلِ پنجم کے مشمولہ مضامین، سائل کے مقصد، اور سوال کے مطالبہ سے نوع مطابقت رکھتے ہیں۔

(۳) سائنٹفک اندازِ فکر رکھنے والا کوئی بھی مفکر، دانشور سطحی انداز میں بات نہیں کرتا ہے۔ بلکہ وہ مخاطب کے اندر، اور اس کی شخصیت میں تلاش وجستجو اور ذوق وشوق کو بیدار کرتا ہے۔ اس کے بعد پھر گفتگو کرتا ہے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پہلے ایسا ہی کیا۔ کہ انہوں نے فصل پنجم میں آب کی تفصیلات کو بیان کرکے۔ اولاً اور بالذات سائل کے دل میں شوق وذوق اور جذبہ پیدا کیا۔ ''ثانیاً'' قارئین کے دلوں میں تلاش کا مادہ بھر دیا۔ اور ذوق کی لو تیز کردی۔ اس کے بعد آبِ مطلق اور آبِ مقید کی تعریف کی اور بتایا کہ آبِ مطلق کس کو کہتے ہیں۔

فصلِ دوم: کے مشمولات پر گفتگو سے پہلے یہ بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ فہرستِ آب میں کوئی ایسا نمبر شمار نہیں ہے۔ جس میں پانی یا آب کا استعمال اضافت کے بنا ہوا ہو بلکہ جو بھی استعمال ہوا ہے بالاضافت ہوا ہے۔ مثلاً، آبِ دریا، آبِ زم زم، آبِ باراں، ماءالبحر، ماءالبر، ماءالسماء، ماءالنون، اس طرح مینھ کا پانی، برسات کا پانی وغیرہ وغیرہ ان استعمالات میں کون آبِ مطلق ہے؟ اور کون آبِ مقید ہے؟ اضافت کی صورت میں، آبِ مقید اور آبِ مطلق کی شناخت کس طرح

ہو؟ فصلِ دوم میں امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے انھیں دو سوالوں کا جواب دیا ہے۔ سب سے پہلے امام موصوف آبِ مطلق اور آبِ مقید کی تعریف لکھتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) مطلق: وہ کہ نفس ذات پر دلالت کرے کسی صفت سے غرض نہ رکھے نہ نفیاً نہ اثباتاً

مقید: وہ کہ نفس ذات کے ساتھ کسی صفت پر دال ہو۔

(۲) مطلق: وہ کہ اپنی تعریفِ ذات میں دوسری شئی کا محتاج نہ ہو

مقید: وہ کہ جس کی ذات بے ذکرِ قید نہ پہچانی جائے۔

(۳) مطلق: وہ کہ اپنے پیدائش اوصاف پر باقی ہو۔

مقید: وہ کہ اپنے پیدائش اوصاف پر باقی نہ ہو۔

(۴) مطلق: وہ کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی ہو۔

مقید: وہ کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی نہ ہو۔

(۵) مطلق: وہ جس کے لئے کوئی نیا نام نہ پیدا ہوا ہو۔

مقید: وہ جس کے لئے کوئی نیا نام پیدا ہوا ہو۔

(۶) مطلق: وہ ہے جسے دیکھنے والا پانی کہے۔

مقید: وہ ہے جسے دیکھنے والا پانی نہ کہے۔

(۷) مطلق: وہ ہے جسے بے کسی قید کے بڑھائے پانی کہہ سکیں۔

مقید: وہ ہے جسے بے کسی قید کے بڑھائے پانی نہ کہہ سکیں۔

(۸) مطلق: وہ ہے جس سے پانی کی نفی نہ ہو سکے۔

مقید: وہ ہے جس سے پانی کی نفی ہو سکے۔

(۹) مطلق: وہ ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہو۔

مقید: وہ ہے جس سے پانی کا نام زائل ہو۔

(۱۰) مطلق: وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن سبقت کرے بشرطیکہ اس کا کوئی اور نام نہ پیدا ہوا ہو۔

مقید: وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن سبقت نہ کرے اور اس کا کوئی اور نیا نام ہو۔

(۱۱) مطلق: وہ ہے کہ جس کی طرف نامِ آب سے ذہن سبقت کرے اور اس میں کوئی نجاست نہ ہو اور نہ کوئی مانع جوازِ صلاۃ ہو۔

مقید: وہ ہے جو اس کے برعکس ہو۔

(۱۲) مطلق: صرف وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن جاتا ہو۔

مقید: صرف وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جسکی طرف ذہن نہ جاتا ہو۔

یہ کل بارہ تعریفیں ہوئیں۔ جو فقہ کی متعدد کتابوں سے ماخوذ ہیں امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ان میں سے ہر ایک کی تعریف نقل کی ہے۔ پھر اس پر ناقدانہ بحث کی ہے کسی تعریف میں بھول پایا، بیان کر دیا۔ کسی میں منع وارد کیا۔ اور کسی پر معارضہ۔ کسی کے بارے میں فرمایا۔ یہ جامع نہیں اور کسی دوسری قسم کے تعلق سے ارشاد کیا۔ مانع نہیں ان تمام ابحاث کے لئے، فتاوٰی رضویہ جلد اول ص ۵۱۲ سے ۵۱۹ تک مطالعہ فرمائیں۔

نقض ومنع، اور معارضہ سے گھری ہوئی تعریفوں کے مطالعہ کے بعد فطری طور پر یہ خیال ابھرتا ہے۔ کہ اچھا کوئی ایسی تعریف کیجئے جس پر کوئی اعتراض نہ ہو۔ امام احمد رضا بریلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس تشنہ لبی کا بھی احساس کیا۔ "تعریف رضوی" کے نام سے ایک ایسا آبِ زلال مہیا فرما دیا جو کام و دہن کو مکمل طور پر سیراب کرتا ہے اور شیرینیت بھی عطا کرتا ہے۔ آیئے دل کھول کر "تعریف رضوی" کا مطالعہ فرمائیں۔ مگر اس حسن ظن کے ساتھ کہ یہ تعریف رضوی بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک سے بڑھ کر جامع بھی اور مانع بھی۔

تعریف رضوی:۔

مطلق: وہ پانی جو اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہو۔ اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شئی مخلوط و ممتزج نہ ہو جو اس مقدار میں زائد یا مساوی ہو، نہ ایسی جو اس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شئی کسی جدا مقصد کے لئے کہلائے۔

مقید: وہ پانی ہوگا جو مطلق کے بالکل برعکس ہو۔

تعریف رضویہ کا تجزیہ:۔

یہ تعریف اثبات ونفی کے مابین منحصر ہے اس میں اثباتی پہلو ہے۔ مثلاً جو اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہو۔ اور دو منفی پہلو ہیں۔ جو اس طرح ہیں

(۱) اس کے ساتھ کوئی ایسی شئی مخلوط ممتزج نہ ہو جو اس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہو۔

(۲) نہ ایسی جو اس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شئی کسی جدا مقصد کے لئے کہلائے۔

ان میں سے پہلا یعنی اثبات ''مثلِ جنس'' ہے۔ اور دونوں منفی پہلو فصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس طرح تعریف رضوی نے جنس وفصل سے مرکب ہو کر حد کی صورت اختیار کر لی۔ اور اس تعریف کا حد ہونا ہی اس کے جامع اور مانع ہونے کی واضح علامت ہے۔ پانی کی قسم اس حد سے باہر نہیں اور باہر سے غیرِ آب اس میں داخل نہیں۔ حد کے ان تینوں پہلوؤں کو ذہن میں رکھئے۔ اور فہرستِ آب پر نظر دوڑائیے۔ آبِ مطلق سمجھ میں آجائے گا، اور آپ با آسانی، آبِ مطلق اور آبِ مقید کا شعور واحساس کر لیں گے۔ مزید توضیح کے لئے، بحث اضافات کو بھی دیکھئے۔ جو فصلِ دوم کے آخر میں بیان کی گئی ہے۔ ہر قسم کے آب کا استعمال مضاف کی صورت میں ہوا ہے۔ مضاف الیہ جو بھی ہے وہ غیرِ آب ہے۔ اضافت کے توسط سے آپ کس طرح پہچانیں گے۔ کہ مطلق کون ہے اور مقید کون ہے؟ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ان عبارات کو پڑھئے۔

اضافات کی بحث:۔

آب کی اضافت کبھی بطور تشبیہ لائی جاتی ہے۔ جیسے آبِ زر، آبِ کافور، آبِ رصاص وغیرہ یہ مرکبات بظاہر مضاف، مضاف الیہ ہیں لیکن حقیقت میں یہ مشبہ اور مشبہ بہ ہیں۔ ان میں آب مشبہ ہے اور زر، کافور، رصاص مشبہ بہ ہیں۔ یہ آب کہاں مطلق ہوگا اور کہاں مقید، مندرجہ ذیل شقوق سے واضح ہوگا۔

(۱) جب پانی کسی شئے سے بطور تدبیر نکالا جائے تو اس کی طرف آب کی اضافت بطور تقیید ہوئی۔ آبِ مکوہ، عرقِ گلاب، ماء اللحم، ماء النون وغیرہ، اور جہاں ایسا نہ ہو وہاں برائے تعریف جیسے آبِ باراں، آبِ چاہ آبِ دریا وغیرہ۔

(۲) جہاں مضاف کی ماہیت کامل ہوتی ہے وہاں اضافت برائے تعریف ہوتی ہے۔ اور جہاں مضاف کی ماہیت قاصر ہو وہاں برائے تقیید ہوتی ہے۔

(۳) جسے ذکرِ قید کے بنا پانی کہہ سکیں وہاں اضافت برائے تعریف ہوتی ہے۔ اور جہاں ایسا نہ ہو وہاں برائے تقیید ہوتی ہے۔

(۴) جہاں امورِ خارجہ عن الذّات یعنی محل سقف اور مصادر کی طرف اضافت ہو وہ اضافت برائے تعریف ہے۔

(۵) جہاں بے ذکر قید، ماہیت نہ پہچانی جائے۔ وہاں اضافت برائے تقیید ہوئی۔ ورنہ برائے تعریف۔

نوٹ: (۱) اضافتِ تعریف، آبِ مطلق اور اضافتِ تقیید، آبِ مقید کو ثابت کرتی ہے۔

میرے خیال میں ان علامتوں کے ذریعہ آپ پانی کے تعلق سے بہت کچھ سمجھ گئے ہونگے۔ اسی سے جواب استفتاء ہوگیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ رسالہ النور والنورق کی بقیہ تین فصلیں اور فوائد منورہ، بیکار اور استفتاء سے الگ تھلگ ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا بھی تعلق استفتاء اور مستفتی سے ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان بقیہ فصلوں میں، قوتِ فکر ونظر، اور زورِ استدلال کا زبردست استعمال ہوا ہے اسے بھی پڑھئے۔ ان عبارتوں اور مضامین سے رسالہ کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگائیے۔ یقیناً اس کے مطالعہ سے آپ فرحاں وشاداں نظر آئیں گے۔ رسالہ کے تعارف میں اتنا ہی بس ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

☆☆☆☆☆

جہانگیری مشائخ اور بریلوی علماء کے درمیان فکری مماثلت اور باہمی تعلقات پہ ایک نظر

حسن نواز شاہ☆

برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے روحانی، سیاسی اور معاشرتی کرداراور اشاعتِ اسلام میں اس سلسلہ کی مساعی جمیلہ پر ابھی تک تفصیلی کام ہونا باقی ہے۔ میری اب تک کی تحقیق کے مطابق بانیٔ سلسلہ سہروردیہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی علیہ الرحمۃ (۵۳۹-۶۳۲ھ) [اس کے بعد: "شیخ الشیوخ"] کے بتیس (۳۲) خلفاء کرام برصغیر تشریف لائے۔ برصغیر میں اتنے خلفاء کرام کی موجودگی سے متعلق شیخ الشیوخ سے منسوب ایک جملہ بھی ملتا ہے کہ **خلفائی فی الهند کثیرة** [1]۔ (یعنی ہند میں میرے خلفاء کثرت سے ہیں) انہی جملہ خلفاءِ کرام میں سے ایک شیخ الاسلام سید نورالدین مبارک بن عبداللہ الحسینی الغزنوی المعروف بہ میر دہلی علیہ الرحمۃ (م۶۳۲ھ) بھی ہیں۔

اخبار الجمال الملقب بہ اشجار الجمال (ابتداء ۱۱۴۷۔ تکمیل ۱۱۵۳ھ)[2] کی روایت کے مطابق شیخ غزنوی، سلطان شہاب الدین محمد بن سام غوری (م ۶۰۲ھ) کے لشکر کے ساتھ ۵۸۸ھ میں برصغیر تشریف لائے[3] اور سلطان شمس الدین ایلتتمش (م ۶۳۳ھ) کے دور میں شیخ الاسلام رہے۔[4] ان سے "سلسلہ سہروردیہ غزنویہ" [5] کا اجراء ہوا لیکن یہ سلسلہ، قادریہ سہروردیہ کے نام سے موسوم رہا اور اب تک جتنے بھی قدیم وجدید شجرات طریقت اس سلسلہ کے میسر آسکے، ان میں بالترتیب شیخ الشیوخ کے بعد غوث الاعظم شیخ عبدالقادر الجیلانی علیہ الرحمۃ (۴۷۰۔۵۶۱ھ) کا اسم گرامی ملتا ہے بہ نسبت شیخ الشیوخ کے دوسرے خلفاء کرام کے۔ جبکہ دیگر خلفاء کرام کے شجرات میں شیخ الشیوخ کے بعد شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی علیہ الرحمۃ (۴۹۰۔ ۵۶۳ھ) کا اسم گرامی آتا ہے۔

الانتصاح عن ذکر اهل الصلاح کی روایت کے مطابق شیخ غزنوی، شیخ الشیوخ سے سلسلہ قادریہ وسہروردیہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے:

"حضرت ایشان سلسله قادریه و سهروردیه هر دو از حضرت شیخ الشیوخ دارند۔"[6]

اسی برانچ کے پٹنہ میں مدفون معروف صوفی، مخدوم شاہ محمد منعم پاکباز علیہ الرحمۃ (۱۰۸۲۔۱۱۸۵ھ) کے دور میں اسے قادری ابوالعلائی منعمی کہا جانے لگا، کیونکہ مخدوم محمد منعم سلسلہ قادریہ سہروردیہ میں میر سید خلیل الدین علیہ الرحمۃ سے بیعت وخلافت سے سرفراز تھے، لیکن سلسلہ ابو العلائیہ میں بھی مستفیض ہوئے، اور شیخِ استفاضہ میر سید اسد اللہ (م ۱۱۴۵ھ) کے وصال کے بعد ان کے روحانی جانشین کہلائے۔[7]

تیرہویں صدی ہجری کے ابتداء میں اسی سلسلہ کی ایک شاخ شیخ العارفین سید مخلص الرحمٰن الملقب بہ جہانگیر شاہ علیہ الرحمۃ [8] (۱۲۲۹۔۱۳۰۲ھ) [اس کے بعد: "شیخ العارفین"] کی نسبت سے جہانگیری کہلائی۔ اور بعد ازاں اس سے مزید دو اور شاخیں وجود میں آئیں۔

۱)۔ شکوری : تاج الاولیاء شاہ محمد عبدالشکور علیہ الرحمۃ (۱۲۹۴۔۱۳۷۴ھ) کی نسبت سے۔

۲)۔ حسنی : سلطان الاولیاء صوفی محمد حسن شاہ علیہ الرحمۃ (۱۲۹۸۔۱۳۷۹ھ) کی نسبت سے۔

ہمارا موضوع جہانگیری مشائخ اور بریلوی مکتبۂ فکر کے علماء کرام کے درمیان فکری مماثلت اور باہمی یگانگت کا، اب تک میسر مواد کی روشنی میں سرسری جائزہ لینا ہے۔

☆335۔ ماڈل ٹاؤن ہمک، اسلام آباد، suhraward@hotmail.com

شیخ العارفین سید محمد مخلص الرحمٰن المقلب بہ جہانگیر شاہ علیہ الرحمۃ (۱۲۲۹۔۱۳۰۲ھ)

(مؤسسِ سلسلہء جہانگیریہ)

شیخ العارفین ۱۲۲۹ھ کو مرزا کھیل (ضلع چاٹگام / بنگلہ دیش) میں پیدا ہوئے۔[9] علوم منقول و معقول کی تحصیل کے بعد، تصفیہء باطن کے لئے سید امداد علی بھاگلپوری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۰۴ھ) کے ہاتھ پہ بیعت کی۔[10] چھ ماہ بعد شیخ نے انہیں خرقہء خلافت سے نوازا اور جہانگیر شاہ کے لقب سے ملقب فرمایا۔[11] بعد از عطائے خلافت وطن واپس تشریف لائے اور تاحینِ حیات سلسلہ ء عالیہ کی اشاعت و تبلیغ کی۔۱۲ ذیقعد ۱۳۰۲ھ میں وصال ہوا۔ مزار مبارک مرزا کھیل میں زیارتگاہ خلائق ہے۔[12] ان کے احوال و آثار پہ ''سیرت جہانگیری'' کے نام ایک کتاب شائع ہوئی تھی۔[13] جسے حکیم سید سکندر شاہ علیہ الرحمۃ (۱۲۹۸۔۱۳۷۸ھ) نے تالیف کیا۔[14] مگر سرِ دست دستیاب نہیں۔

اسلئے بین المؤ سسین [15] یعنی شیخ العارفین اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ (۱۲۷۲۔۱۳۴۰ھ) [اس کے بعد: ''اعلیٰ حضرت''] کے درمیان تعلقات یا ملاقات کی نوعیت پہ طبع آزمائی ممکن نہیں۔ البتہ دو فکری مماثلتوں کی مختصراً نشاندہی کرتا چلوں۔

۱)۔ جس طرح اعلیٰ حضرت نے شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (۱۱۹۳۔۱۲۴۶ھ) کے افکار اور ان کی معروف تصنیف ''تقویۃ الایمان'' کا ردِ بلیغ فرمایا۔ اسی طرح شیخ العارفین نے بھی ''تقویۃ الایمان'' کا رد ''شرح الصدور'' کے نام سے فارسی میں لکھا جو ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوا۔[16]

۲)۔ اعلیٰ حضرت کی مؤسس سلسلہ قادریہ حضور غوث الاعظم کے ساتھ جو عقیدت و محبت تھی وہ شہرۂ آفاق ہے اور اس پہ ان کے آثار منظوم و منثور گواہ۔ اسی طرح شیخ العارفین کا بھی ایک ارشاد ملتا ہے جس سے ان کی حضور غوث الاعظم سے قلبی وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ العارفین نے فرمایا:

''سب لوگ چار چیزوں (اربعہ عناصر) سے پیدا ہیں، ہم پانچ چیزوں سے ہیں ہم میں ایک (عنصر خلقت) غوث الثقلین کی محبت بھی ہے۔''[17]

فخر العارفین سید شاہ محمد عبدالحیٔ جہانگیری (۱۲۷۶۔۱۳۳۹ھ)

مجدد سلسلہء جہانگیریہ فخر العارفین سید محمد عبدالحیٔ [اس کے بعد: ''فخر العارفین''] ۱۲۷۶ھ کو شیخ العارفین کے ہاں مرزا کھیل میں پیدا ہوئے۔[18] ابتدائی دینی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی[19] اور بعد ازاں لکھنؤ جا کر اپنے ہم نام ابو الحسنات علامہ عبدالحیٔ فرنگی محل علیہ الرحمۃ (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ) کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا۔ ابھی دورۂ حدیث سے تین کتب باقی تھیں کہ انکے استاد (علامہ فرنگی محلی) کا اچانک وصال ہو گیا۔[20] بعد ازاں بقیہ کتب گنگوہ جا کر مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴۔۱۳۲۳ھ) سے تمام کیں اور پورا دورۂ حدیث سماعت فرمایا۔[21] سفر حج کے دوران مکہ معظمہ میں حاجی امداد حسین المعروف بہ امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ (۱۲۳۳۔۱۳۱۷ھ) سے مثنوی مولانا روم کے چند دروس تبرکاً سماعت فرمائے۔[22] ۱۳۰۵ھ میں تحصیل علوم کے بعد لکھنؤ تشریف لائے اور کچھ عرصہ دار العلوم فرنگی محل میں بطور مدرس اپنی خدمات سرانجام دیں۔ فرنگی محل میں جہاں کئی طلباء نے ان سے استفادہ فرمایا وہاں چند مشاہیر مثلاً مولانا عبدالباقی فرنگی محلی (۱۲۸۶۔۱۳۶۴ھ)، شمس العلماء مولانا عبدالحمید فرنگی محلی (م ۱۳۵۳ھ) اور حکیم مولانا عبدالولی لکھنوی (م ۱۳۴۳ھ) نے بھی ان سے پڑھا۔[23] اسی دوران غازی پور میں مدرسہ چشمہء رحمت میں صدر مدرس کی جگہ خالی ہوئی تو مولانا عبدالاحد شمشاد فرنگی محل (۱۲۶۶۔۱۳۳۵ھ) جو اس مدرسہ کے مہتمم تھے کی درخواست پہ دسمبر ۱۸۸۹/۱۳۰۷ھ کو غازی پور تشریف لائے۔[24] اور ۳۱ جنوری

۱۸۹۵ء/۱۳۱۳ھ تک یہاں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔[25] بعدازاں مرزا کھیل تشریف لے گئے اور تمام عمر متوکلانہ گزار دی۔ بقول سید سکندر شاہ آپ کی آمدنی ایک مختصر زمینداری کی تھی جو زمینداری آپ کو والدِ ماجد قدس سرہٗ سے ترکہ میں ملی تھی۔ اس کی آمدنی تقریباً سو روپے سالانہ تھی۔ اسی آٹھ روپے پانچ آنے ۴ پائی ماہوار میں آپ کمال متوکلانہ طریقے سے گزارہ فرماتے رہے نہ کبھی جائداد پر قرض لیا نہ کوئی آمدنی کا طریقہ اختیار فرمایا۔ فرمایا کرتے تھے کہ

''مل گئی تو روزی نہ ملی تو روزہ''[26]

۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو ان کا وصال ہوا۔ مزار مبارک مرزا کھیل میں ہے۔[27] فخر العارفین اور اعلیٰ حضرت کے درمیان ملاقات ہوئی یا نہیں یہ ابھی تک تحقیق طلب ہے۔ البتہ ان دونوں شخصیات کے افکار میں ازحد مماثلت پائی جاتی ہے۔ چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ عبدالنبی/عبدالرسول

''ارشاد ہوا'' قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمة الله (یا نبی!) کہئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو!'' اس آیت کریمہ میں لفظ عباد بہ صیغہء جمع ارشاد فرمایا ہے۔ جس کا مفرد عبد ہے اور اس مفرد لفظ عبد کی دوسری جمع عبید بھی آتی ہے۔ مایبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید۔ (سورۂ ق رکوع ۲) نہیں بدلی جاتی بات میرے نزدیک اور نہیں میں ظلم کرنے والا بندوں پر۔''

اس آیت میں عبید کے معنے مخلوق خدا کے ہیں۔ اور لفظ عبد کے دو معنی ہیں۔ اول بندہ یعنی مخلوق خدا۔ دوم بندہ، مملوک، معنی غلام، آیت قل یا عبادی الذین اسرفوا الخ میں معنی بندہ اور غلام، مملوک کے ہیں۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ہمارے نبی ﷺ سے فرمانا کہ یوں کہہ دیجئے یا عبادی یعنی اے میرے بندو!..... اس کا مطلب یہ ہوا کہ (اے ہمارے محبوب) لوگوں کو اپنا بندہ کہہ کر مخاطب کیجئے! پس جبکہ آیت سے انسان کا بندۂ رسول پکارا جانا صاف طور پر ثابت ہے تو پھر عبدالرسول اور عبدالنبی نام رکھنا بھی صحیح اور جائز ہے۔''[28]

اس موضوع پہ اعلیٰ حضرت کا ایک رسالہ **بذل الصفا لعبد المصطفی** ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[29]

۲۔ علم غیب

''علم غیب کے بارے ارشاد ہوا'' مشکوٰۃ کی کتاب الایمان فصل اول میں حدیثِ جبریل علیہ السلام حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مع اصحاب تشریف فرما تھے کہ ایک بدوی صورت کے شخص آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات کئے، اور آپ نے جوابات دیئے۔ جب وہ بدوی صورت (جو در حقیقت حضرت جبریل علیہ السلام تھے) چلے گئے۔ تو آپ نے صحابہ سے پوچھا تم جانتے ہو کہ یہ کون شخص تھے۔ حضرت عمر نے جواب دیا۔ الله و رسوله اعلم (اللہ اور اللہ کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں)۔

قاعدہ یہ ہے کہ واو حرف عطف، اللہ اور رسولہ، معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے، گویا حضرات صحابہ نے بالاتفاق ''زیادہ جاننے والے'' کی نسبت جس طرح اللہ کی ذات پاک کی طرف کی، اسی طرح رسولِ مقبول ﷺ کی ذاتِ مقدس کی طرف نسبت کی۔ پس اس مسئلہ میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو صحابہء کرام کا ہے۔''[30]

اس موضوع پہ اعلیٰ حضرت نے درج ذیل کتب و رسائل میں تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

انباء المصطفیٰ بحال سرو اخفیٰ

اللؤ لؤ المکنون فی علم البشیر بما کان ما یکون

مالی الحبیب بعلوم الغیب [31]

الدولة المکیة بالمادة الغیبیة[32]

الفیوضات الملکیه لمحب الدولة المکیة، (الدولة المکیہ پہ اعلیٰ حضرت کا حاشیہ)[33]

ظفر الدین الجید ملقب به بطشِ غیب[34]
ابراء المجنون عن افتها که علم المکنون
ماحیة الحبیب بایمان الغیب
میل الهداة لبرء عین القداة
لراحة جوانح الغیب عن لزاحة اهل العیب
الجلاء الکامل لعین قضاة الباطل،[35]
خالص الاعتقاد۔

۳۔علماءِ دیوبند

"فرمایا۔فلاں جماعت کے علماء علی العموم بے ادب اور گستاخ ہیں،عظمتِ انبیاء واولیاء ان کے قلوب میں نہیں،ان کے بحث ومجادلہ کا خاتمہ ہمیشہ تعظیم انبیاء و اولیاء میں ہوتا ہے، کہ خدا کے نزدیک جن کی عظمت ہے (اور جن کا ادب موجب رضائے حق ہے)۔"[36]

۴۔مولانا اشرف علی تھانوی (۱۲۸۰۔۱۳۶۲ھ)

(الف) "ارشاد فرمایا۔ہم نے ایک روز مولوی اشرف علی سے پوچھا (کہ در طریقت قطب و در شریعت بدعتی ایں چہ معنی دارد) طریقت میں قطب اور شریعت میں بدعتی اس کے کیا معنی۔"[37]

اس ارشاد کے تناظر میں حکیم سید سکندر شاہ لکھتے ہیں کہ

"حضرت مولانا فخر العارفین قدس سرہٗ کے اعتراض کی تشریح یہ ہے کہ مولوی اشرف علی، حضرت امداد اللہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے مرید ہیں۔جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ عقیدتِ مریدانہ کی رو سے آپ حضرت حاجی صاحب قبلہ کو کیا سمجھتے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ ولی اور قطب۔لیکن جب ان کے مشرب اور معمولات کے بارے پوچھا جاتا ہے جنہیں انہوں نے اور ان کے حضرات پیران سلسلہ نے کیا ہے، مثلاً قیام میلاد شریف اور فاتحہ مروجہ اور اعراس بزرگان دین وغیرہ (جسے حضرت حاجی صاحب قبلہ نے اپنے رسالہ ہفت مسئلہ) میں جائز اور مباح تحریر فرمایا ہے تو مولوی اشرف علی ان سب کو بدعت کہتے ہیں اور یہ امر تحقیق شدہ مسلمات سے ہے کہ بدعتی قطب نہیں ہوسکتا۔لہذا از روئے طریقت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کو قطب سمجھنا اور ان کے مشرب اور معمولات کو شرعاً بدعت ٹھیرانا اس کے کیا معنی ہیں (یہ اجتماع ضدین ہوا)۔"[38]

(ب) "فرمایا۔خدا کی پناہ۔وہ کہتے ہیں کہ شریعت اور طریقت دو جدگانہ چیزیں ہیں۔حضرت حاجی امداد اللہ صاحب بیشک قطب تھے مگر شریعت میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔

فرمایا۔ان سے پوچھا جائے اگر حاجی صاحب نے شریعت کے خلاف کوئی فعل کیا اور اس فعل کو اپنا معمولِ دائمی بنایا جیسے قیام میلاد شریف وغیرہ تو پھر حاجی صاحب قطب کیسے ہوگئے۔جو شخص بدعت اور نافرمانی خدا کی کرے کیا وہ خدا کا محبوب اور ولی ہوسکتا ہے ہرگز نہیں۔

فرمایا۔مولوی اشرف علی اپنے شیخ کامل کے فرمان اور عمل کو خلاف شرع سمجھتے اور ناجائز بتاتے ہیں۔وہ بے خوف ہے جس نے اپنے پیرومرشد کی بے ادبی کی۔اس سے زیادہ اور کون بے ادب ہوگا۔مولوی اشرف علی کے وہی خیالات ہیں جو مولوی اسمٰعیل دہلوی کے تھے۔"[39]

(ج) "فرمایا۔حضرت رسول مقبول ﷺ کے دستِ حق پرست پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے مگر ان میں سے بعض آپ کی وفات کے بعد مرتد ہوئے۔لیکن یہ سمجھ کر مرتد نہیں ہوئے کہ ہم ترکِ اسلام سے گمراہی کی طرف جارہے ہیں بلکہ یہ یقین رکھتے ہوئے کہ ہم گمراہ تھے اسلام چھوڑ کر اب ہم ہدایت پر آئے ہیں،یعنی کفر کو ہدایت اور ہدایت کو گمراہی سمجھتے تھے نعوذ باللہ۔اب بھی جو لوگ مرتد ہوتے ہیں تو انہیں یقین ہوتا ہے کہ ہم گمراہی سے ہدایت پر آئے۔

فرمایا۔یہی حالت مولوی اشرف علی کی ہے کہ وہ اپنے پیر حضرت حاجی امداداللہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے پھر گئے جو کامل و اکمل بزرگ تھے اور ان کے سلسلہ عالیہ کے تمام بزرگ کامل و اکمل ہوئے ہیں۔حضرت حاجی صاحب قبلہ سے لیکر حضرت رسولِ مقبول ﷺ تک سب پیرانِ سلسلہ کامل ولی اور نور ہی نور ہیں۔لیکن مولوی اشرف علی نے ان سب پیران سلسلہ کی مخالفت کی اور منحرف ہوگئے،ان کی روح

نے انحراف کیا، از روئے طریقت وہ مرتد اور کافر ہیں۔'' [40]

(د) ''مولوی اشرف علی اپنے شیخ کامل کے فرمان و عمل کو خلاف شرع سمجھتے اور ناجائز بتاتے ہیں، وہ بے خوف ہے مولوی اشرف علی کا قلب مردہ ہے اگرچہ وہ سمجھیں کہ میں عین ہدایت پر ہوں مگر درحقیقت مرتدِ طریقت ہیں۔ پیرومرشد نے جس مقام پہ بسم اللہ کہا۔ مرید اس مقام پہ اعوذ باللہ پڑھے تو وہ مرید رہایا مردود۔''

(ہ) ''فرمایا۔ شیعوں کو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ گمراہ ہیں اور درحقیقت وہ گمراہ ہیں کیونکہ ہدایت یافتہ اصحابِ ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو وہ گمراہ سمجھتے ہیں، اور اس گمراہیءعقیدہ کے باوجود اپنے آپ کو عینِ ہدایت پر سمجھتے ہیں، یہی حالت مولوی اشرف علی کی کہ اپنے ہدایت یافتہ شیخ کو اور اپنے پیران سلسلہ کو گمراہ سمجھتے ہیں۔'' [41]

ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمۃ (۱۳۰۳۔۱۳۸۲ھ) نے مولانا تھانوی کے افکار کے رد میں اعلیٰ حضرت کی درج ذیل کتب کی نشاندہی فرمائی ہے۔

الدولة المكيه بالمادة الغيبية

حسام الحرمين على منحر الكفر المين

خلاصة فوائد فتاویٰ

مبين احكام و تصديقات اعلام

الفيوض الملكيه لمحب الدولة المكيه

تمهيد ايمان بآيات قرآن

ظفر الدين الجيد

چابک لیث بر اہل حدیث [42]

۵۔ تذکرۂ غوثیہ

''ایک بار میرٹھ کے مظاہر الاسلام مرحوم خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کسی شخص کا سلام عرض کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ ''یہ کون شخص ہیں؟''، انہوں نے عرض کیا کہ فلاں درویش کے مرید ہیں اور ان کے مقتدیٰ غوث علی شاہ صاحب ہیں جن کے حالات و تعلیمات کی کتاب ''تذکرۂ غوثیہ'' ہے۔ جس کتاب میں لکھا ہے کہ :

''غوث علی شاہ صاحب نے انیس بزرگوں سے بیعت کی، ان گیارہ مسلمان اور آٹھ ہندو تھے۔''

یہ سن کر آپ لاحول ولاقوۃ الا باللہ اور استغفراللہ دیر تک پڑھتے رہے۔ اور فرمایا۔ ''جوگیوں کی شریعت ہمارے لئے ناپاک [illegible] کی طریقت بھی ہمارے لئے ناپاک (پس) جس کا ظاہر ناپاک اس کا باطن کیسے پاک ہوسکتا ہے۔'' اور فرمایا۔ ''ہندوستان میں کیا اندھیر ہے کہ مسلمان ہو کر اور مولوی ہو کر ہندو فقیروں اور جوگیوں سے فقیری سیکھنے گئے، کیا ان لوگوں کے لئے وہ شریعت و طریقت کافی نہ تھی جو تمام شریعتوں کی جامع اور تمام طریقتوں سے افضل ہے اور کامل ترین جس کو رسولِ مقبول ﷺ خدا کے پاس سے لائے کیا ان لوگوں نے طریقت کا منبع اور مخرج حضرت رسولِ کائنات ﷺ کے سوا جوگیوں کو سمجھا ہے؟ نعوذ باللہ (پناہ خدا)

اگر اس مسئلہ کو صاف کرنے اور اس کی خرابی کی اصلاح کرنے کی غرض سے کھلم کھلا میدان تحریر میں لایا جائے تو مخالفین و منکرین کی کج فہمیوں سے احتمال ہے کہ ان کا نفس طریقت اور حقیقت درویشی پر اعتراض (وانکار) کرنے کا موقع مل جائے گا، اس لئے ہم تم لوگوں کے لئے دعا کرتے ہیں کہ خدا اپنی رحمت سے تم لوگوں کو ان خطرات سے محفوظ رکھے اور ہدایت کرتے ہیں کہ جن درویشوں میں فرائض و واجبات کی پابندی اور حرام و حلال کا لحاظ نہ ہو ان سے ہرگز ربط وضبط، میل جول نہ رکھنا (اور ہماری اس وصیت سے) اپنے تمام پیر بھائیوں کو آگاہ کردینا۔'' [43]

تذکرۂ غوثیہ کے بارے فخر العارفین کے ارشادات کے بعد اعلیٰ حضرت کی رائے درج ذیل ہے۔

''کتاب تذکرہ غوثیہ جس میں غوث علی شاہ پانی پتی کا تذکرہ ہے، ضلالتوں، گمراہیوں بلکہ صریح کفری باتوں پر مشتمل ہے، مثل غوث علی شاہ، جگن ناتھ کی چوکی پر اشنان کرتے ملتے کسی نے پہچانا تو بولے کہ

اس شخص (؟) کے دو باپ تھے، ایک مسلمان اس کی طرف سے حج کر آیا ہے، دوسرا باپ ایک پنڈت تھا؟[44] اس کی طرف سے جگن ناتھ تیرتھ کرنے آیا ہے۔ ایسی ناپاک بے دینی کی کتاب کا دیکھنا حرام، جس مسلمان کے پاس ہو جلا کر راکھ کرے۔''[45]

حضرت محمد نبی رضا شاہ الملقب بہ

اسد جہانگیری علیہ الرحمۃ (۱۲۸۴ھ۔۱۳۲۹ھ)

۲۵ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ میں بھینسوڑی (رامپور) میں پیدا ہوئے۔[46] مروجہ علوم کی تحصیل مولوی جمشان خاں، مولوی محمد حسین اور ولایتی میاں صاحبان سے حاصل کی۔[47] ۱۸۸۵ء میں رجمنٹ سیکنڈ بنگال لانسرز میں ملازمت اختیار کی۔ ایک بار کلکتہ میں دوران ملازمت کوئی پہلوان باہر سے آیا اور اس نے شہر کے پہلوانوں کو challange کر دیا جب کوئی بھی اس سے مقابلے کو تیار نہ ہوا تو انہوں نے اس کا چیلنج قبول کیا اور مقررہ دن اس پہلوان کو ہرا دیا یہ مقابلہ دیکھنے سارا شہر آیا، ناظرین میں نواب سر سلیم اللہ خاں رئیسِ ڈھاکہ (۱۸۸۴ء۔۱۹۱۵ء) بھی موجود تھے۔[48] حاجی الحرمین حضرت محمد عنائیت حسن شاہ علیہ الرحمۃ (م ۱۳۶۰ھ) کے بقول

''نواب صاحب ڈھاکہ آپ کا جمالِ جہاں آراء دیکھ کر گرویدہ ہو گئے اور ہر امکانی کوشش کیساتھ آپ کو فوج کی ملازمت سے سبکدوش کرا کر اپنے ہمراہ ڈھاکہ لے گئے اور نہایت اعزاز و اکرام کیساتھ مصاحبت میں رکھا۔ نواب صاحب آپ سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ کسی وقت آپ کو جدا کرنا گوارا نہ تھا اور آپ کی دیانت و امانت کی وجہ سے بڑے بڑے مالی کام آپ کے سپرد کئے جاتے۔''[49]

ایک مرتبہ شاہ نبی رضا، نواب سلیم اللہ خاں، نواب حیدر علی خان (رئیس کروٹیہ، ضلع میمن سنگھ)[50] اور ڈپٹی بدیع العالم اسلام آبادی کے ہمراہ کلکتہ میں قیام پذیر تھے کہ انہی دنوں فخر العارفین کلکتہ میں تشریف فرما ہوئے۔ چونکہ ڈپٹی بدیع العالم علیہ الرحمۃ پہلے ہی فخر العارفین کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔[51] لہذا فخر العارفین کا قیام اسی مکان میں ہوا جہاں یہ حضرات ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہیں ان کی ملاقات فخر العارفین سے ہوئی اور وہیں یہ بیعت بھی ہوئے۔[52] چند سال بعد انہیں خلافت سے سرفراز فرما کر لکھنؤ بھیج دیا گیا۔[53] اور یوں تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں لوگ ان کے دامن سے وابستہ ہو کر ہدایت یاب ہوئے۔ حکیم سید سکندر شاہ نے لکھا ہے کہ

''جناب شاہ نبی رضا خاں صاحب مرحوم سے ڈھاکہ کے نواب سر سلیم اللہ خاں کو محکم رشتۂ اعتقاد تھا، یہاں تک کہ نواب صاحب کے چھوٹے سالے امیر حسن خاں اور بعض اہلِ خاندان جناب شاہ نبی رضا خاں صاحب کے مرید ہوئے۔''[54]

ان کا وصال ۲۴ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ کو لکھنؤ میں ہوا۔ مزار مبارک مسلم قبرستان لکھنؤ میں ہے۔[55] فیض العارفین مولانا شاہ غلام آسی پیا حسنی علیہ الرحمۃ [اس کے بعد: ''فیض العارفین''] (۱۹۱۷ء۔۲۰۰۳ء) نے ان کے اور اعلیٰ حضرت کے باہمی تعلق کے بارے لکھا ہے کہ

''رامپور میں زیادہ تر مغلیہ دور میں افغانی نسل فتحانی قوم ہی آکر بسی ہے۔ جناب پہلوان سہراب خاں صاحب[56] بھی غالباً اسی دور کے فتحانوں میں سے تھے۔ سہراب خاں صاحب لکھنؤ والے حضرت شہنشاہ رضا کے خالہ زاد بھائی تھے اور اعلیٰحضرت فاضل بریلی شریف کے بھی خالہ زاد بھائی لگتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھینسوڑی شریف والوں کا بریلی شریف والوں سے خالہ زادی کا رشتہ ہے۔''[57]

تاج الاولیاء شاہ محمد عبد الشکور علیہ الرحمۃ (۱۲۹۴ھ۔۱۳۷۴ھ)

یہ ۱۲۹۴ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے[58] علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد جہانگیری سلسلہ کے عظیم شیخ حضرت محمد نبی رضا شاہ سے بیعت ہوئے۔[59] چونکہ فکر معاش کے سلسلہ میں یہ نصیر آباد چھاؤنی (اجمیر) میں مقیم تھے، لہٰذا تیس سال تک وہاں سلسلۂ جہانگیری کے روحانی پیغام کو پھیلایا۔[60] اس کے بعد سکندر آباد (ضلع بلند شہر) منتقل ہو گئے۔ کچھ وقت وہاں رہنے کے بعد جالندھر کو مرکزِ توجہ بنایا۔[61] بعد ازاں دوبارہ سکندر آباد تشریف لائے اور تا قیام

پاکستان وہاں مقیم رہے[62] جون ۱۹۴۸ء کو سکندر آباد سے لاہور ہجرت فرمائی۔[63] اور ۲۰ جون ۱۹۵۲ء کو جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن میں باقاعدہ خانقاہ کا سنگِ بنیاد رکھا۔[64] ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۷۴ھ/۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو ان کا وصال ہوا[65] اپنی خانقاہ میں ہی دفن ہوئے۔ نمازہ جنازہ علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ (۱۸۹۶۔۱۹۶۱ء) نے پڑھائی۔

[66] فیض العارفین نے لکھا ہے کہ

''حضرت مولانا عبدالشکور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے غالباً بڑے صاحبزادہ[67] حضرت مولانا صوفی عبدالستار شاہ صاحب علیہ الرحمۃ جو اجمیر مقدس میں ہمارے بہنوئی حضرت صدرالشریعۃ علامہ امجد علی علیہ الرحمۃ (مصنف، ''بہارشریعت'') کی خدمت میں برسوں رہ کر درس نظامیہ عربیہ کی دستار فضیلت حاصل فرمائی اور بڑے جید عالم ہوئے۔ اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر جہانگیری سلسلہ کے جید صوفی ہوئے، مگر آپکی عمر شریف نے وفا نہیں کی۔ عین عالمِ جوانی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اور آپکا مزار پاک بڑا سونا پور نا ریل باڑی بمبئی میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔ اس رشتہ سے علماء بریلی قصبہ نصیر آباد میں جلسہ ہائے شکوریہ جہانگیریہ میں وقتاً فوقتاً تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک بار نصیر آباد میں حضرت مولانا عبدالشکور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے قریبِ فاتحہ وعرس رضائیہ، جلسہ عید میلادالنبی منعقد فرمایا۔ جلسہ گاہ کے دروازہ پر یہ رباعی آویزاں تھی۔

یہ بزم تجلی ہے کس دلربا کی — کہ ہے پیکرِ نور ہر جسمِ خاکی
ولیِ خدا اور صفیِ خدا کی — شہ بوالعلیٰ اور شاہِ رضا کی

جب جلسہ میں حضرت صدرالشریعۃ اور حضرت مفتیءِ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفی رضا خاں تشریف لائے تو سمجھا کہ یہ رباعی ہمارے ہی خاطر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کی شان میں لکھی گئی ہے۔ پھر حضرت مولانا عبدالشکور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ یہ رباعی ہمارے سرکار مرشدِ کامل حضرت خواجہ محمد نبی رضا شاہ لکھنوی علیہ الرحمۃ کی شانِ پاک میں ہے۔ اس جلسہ میں حضرت صوفی محمد عنائیت حسن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ بھی جلوہ گر تھے۔''[68]

سلطان الاولیاء خواجہ صوفی محمد حسن شاہ علیہ الرحمۃ

(۱۲۹۸۔۱۳۷۹ھ)

یہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء کو بھینسوڑی شریف (تحصیل ملک، ضلع رامپور) میں پیدا ہوئے۔[69] چونکہ ابتداء ہی سے ان کا رجحان روحانیت کی طرف تھا، سو علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد تلاش شیخ میں اس دور کے کئی صوفیاء کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے، کچھ عرصہ قریبی قصبہ کیمری کے حضرت مستان شاہ علیہ الرحمۃ[70] (م ۱۳۲۵ھ) کی صحبت سے مستفیض ہوئے لیکن ان کی وابستگی تو حضرت شاہ محمد نبی رضا خاں علیہ الرحمۃ سے مقدر ہو چکی تھی۔ ان سے منسلک ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ شیخ کا وصال ہو گیا۔ شاید قائم چاندپوری (م ۱۲۰۸ھ) نے کسی ایسی ہی کیفیت میں یہ شعر کہا ہوگا کہ۔

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جاکر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا [71]

وصالِ شیخ کے بعد جب اضطراب حد سے بڑھا تو انہوں نے ہندوستان بھر کی خانقاہوں اور آستانوں کا سفر کیا۔ فیض العارفین رقمطراز ہیں کہ

''اس بے چینی اور دیوانگی کے عالم میں حضرت قبلہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور ہندوستان کے تمام آستانوں اور خانقاہوں کی خاک چھان ڈالی۔ یوپی، بہار، پنجاب، سندھ، ممالک متوسطہ بلاد ہند کے تمام صوفیاء، علماء ومشائخ سے ملاقات کی۔ بریلی شریف میں مشہور وقت پیر جناب بشیر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی گئے اور ایک روز سوداگری محلہ، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے، اعلیٰ حضرت کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی پھر وہاں سے بھینسوڑی شریف تشریف لائے۔'' [72]

بالآخر اسی کیفیت میں اپنے جدِ روحانی فخرالعارفین کی خدمت میں پہنچے۔ فخرالعارفین نے کچھ دن انہیں اپنے اپنے پاس رکھا۔ ایک دن فرمایا جاؤ اور اپنے شیخ کے برادر خورد شاہ عنائیت حسن (علیہ

الرحمۃ) کو ساتھ لیکر آؤ۔ چنانچہ یہ واپس بھینسوڑی تشریف لائے اور شاہ عنایت حسن کی خدمت میں فخر العارفین کا پیغام پہنچایا، پیغام ملتے ہی دونوں حضرات نے مرزا کھیل کے لئے رختِ سفر باندھا۔[73] جب وہاں پہنچے تو فخر العارفین نے شاہ عنایت حسن کو سجادہ نشینوں کے حجرے میں ٹھہرایا[74] اور ڈیڑھ ماہ اپنے پاس رکھا۔ شاہ عنایت حسن نے خود لکھا ہے کہ

"حضرت سیدنا فخر العارفین نے ڈیڑھ ماہ تک حاضریء دربار شریف کا فخر بخشا اور علم تصوف کے تمامی مسائل ذہن نشین کر دیئے۔ بہرحال یہ بیان میں نہیں آسکتا کہ کیا ہوا یہ گومگو کا معاملہ ہے۔ جب ہر طرح تسلی ہوگئی رخصت فرمادیا۔"[75]

بوقتِ رخصت سے فخر العارفین نے شاہ عنایت حسن کو ان کے شیخ اور برادرِ اکبر شاہ محمد نبی رضا کا سجادہ نشین مقرر فرمایا اور اس کے بعد شاہ عنایت حسن کو حکم فرمایا کہ اب آپ صوفی محمد حسن شاہ[اس کے بعد: "سلطان الاولیاء"] کی خلافت کا اعلان فرمائیں۔[76] سلطان الاولیاء اور ان کے خلفاء کرام سے سلسلہ کی بہت ترقی ہوئی اور لاکھوں کے حساب سے مخلوق خدا ان سے مستفیض ہوئی۔ سلطان الاولیاء کا ٦ جمادی الاول ۱۳۷۹ھ کو وصال ہوا، مزار مبارک بھینسوڑی شریف میں ہے۔[77] سلطان الاولیاء کے ساتھ معروف بریلوی عالم ومناظر شیر بیشہء اہلِ سنت مولانا محمد حشمت علی لکھنوی علیہ الرحمۃ (۱۳۱۹۔۱۳۸۰ھ) کا رشتۂ عقیدت ومودت تھا۔ فیض العارفین راوی ہیں کہ

"کئی بار پیلی بھیت کی فاتحہ میں حضرت قبلہ نے حضرت شیر بیشہء (اہل) سنت مولانا حشمت علی خان صاحب کو بھی یاد فرمایا بلکہ قوالی بند کرا کے مولانا سے میلاد شریف اور قل شریف پڑھوایا۔ مولانا صاحب علیہ الرحمۃ سے بھی حضرت قبلہ بہت محبت فرمایا کرتے تھے اور حضرت مولانا بھی حضرت قبلہ کا بہت ادب واحترام فرمایا کرتے تھے اور حضرت قبلہ سے انہیں بہت عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار جب ان کے چھوٹے بھائی مولانا محبوب علی خاں صاحب وہابیوں کیساتھ فساد ہو جانے کے باعث گرفتار ہو گئے تھے، وہابی پارٹی چونکہ پیسے والی تھی اسلئے مولانا کی ضمانت ورہائی میں بڑی دشواری پیش ہوگئی تھی۔ حضرت مولانا حشمت علی خاں رحمۃ اللہ علیہ سیدھے اجمیر مقدس حضرت قبلہ کے پاس حاضر ہوئے اور حضرت قبلہ سے بڑی منت وسماجت سے عرض کیا حضور میرا بھائی مولانا محبوب علی خاں گرفتار ہو گیا ہے اسے رہا فرما دیجئے حضرت قبلہ نے فرمایا میں دعا کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ وہ رہا ہو جائیں گے۔ مگر مولانا تو یہ عرض کررہے تھے کہ حضور اپنی زبان سے یہ کہہ دیں کہ میں نے تمہارے بھائی محبوب علی خاں کو رہا کر دیا۔ تو جب حضرت قبلہ نے اپنی فیض ترجمان سے یہ جملہ فرمادیا تو مولانا نے عرض کیا کہ حضور اب میرا بھائی رہا ہو جائے گا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوستوں کی خاطر حقائق اشیاء کو چاہے تو بدل دے مگر دوست کی بات بدلا نہیں کرتا۔"[78]

۱۹۵۱ء میں سلطان الاولیاء حج کے لئے تشریف لے گئے۔ حسنِ اتفاق سے شیر بیشہء اہل سنت بھی اسی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ فیض العارفین نے لکھا ہے کہ

"اسی محمدی جہاز میں حسن اتفاق سے مولانا حشمت علی خاں صاحب بھی حج وزیارت کے لئے جا رہے تھے حضرت قبلہ ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور مولانا حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمۃ بھی شاد ومسرور ہوگئے کہ ایک ولیء کامل کی رفاقت مل گئی اب خوب مل کر نماز پنجگانہ وعظ ومیلاد وصلوٰۃ وسلام پورے چھ دن جہاز میں ہوتے رہے جب احرام کا وقت آیا تو حضرت قبلہ نے مولانا حشمت علی خاں صاحب سے از روئے محبت فرمایا کہ

مولانا تم ہی ہمارے سب مریدوں کا احرام بندھوا دو۔[79]

مولانا غلام جیلانی جو دامن سلطان الاولیاء سے وابستہ تھے۔ جامعہ مظہر الاسلام مسجد بی بی جی بریلی میں شیخ الحدیث رہے۔ بعد ازاں سلطان الاولیاء کے حسب ارشاد دار العلوم فیض الرسول براؤن شریف (ضلع بستی) میں As a شیخ الحدیث اپنی خدمات سرانجام دیں۔[80]

حضرت میر سید محمد احمد صدیق المتخلص بہ قاتل شاہ لکھنوی علیہ الرحمۃ (۱۸۸۵۔۱۹۵۰ء)

یہ ۱۴؍جنوری ۱۸۵۵ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔[81] بعدازاں ان کے والدین اجمیر منتقل ہو گئے[82] علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد فن طبابت کو ذریعۂ معاش بنایا[83] اس کے بعد محکمۂ ریلوے میں ملازمت اختیار کی۔[84]

اسی دوران شاہ محمد عبدالشکور سے بیعت ہو گئے۔[85] ۱۹۲۳ء میں انہیں خلافت واجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا گیا۔[86] قیام پاکستان کے بعد کراچی میں قیام پذیر ہوئے۔اور یہیں ۹ دسمبر ۱۹۵۰ء کو ان کا وصال ہوا۔[87] ان کی نماز جنازہ مولانا عبدالحامد بدایونی علیہ الرحمۃ ([illegible]۹۸۔۱۹۷۰ء) نے پڑھائی اور دعائے مغفرت مولانا ناصر جلالی علیہ الرحمۃ (م ۱۹٦۵ء) نے فرمائی۔[88] شاہِ قاتل قادرالکلام شاعر تھے،ایک بار اپنی ایک غزل بغرضِ اصلاح استاد نواب مرزا خاں المتخلص بہ داغ دہلوی (۱۸۳۱۔۱۹۰۵ء) کو بھیجی، جسے معمولی اصلاح کے بعد ان الفاظ کیساتھ واپس کر دیا گیا کہ اگر ذوقِ سخن کا یہی حال رہا تو ایک دن آپ فن کی بلندیوں کو چھولیں گے۔[89]

شاہِ قاتل کے بریلوی علماء کے ساتھ کافی اچھے مراسم تھے بالخصوص مولانا عبدالحامد بدایونی،مولانا ناصر جلالی اور مولانا ظہورالحسن درس (۱۹۰۵۔۱۹۷۲ء) کے ساتھ۔قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب ملتان میں جمعیت العلماء پاکستان کا اجلاس ہوا تو کراچی سے مولانا ناصر جلالی، مولانا ظہورالحسن درس کے ہمراہ شاہِ قاتل اور ان کے سجادہ نشین میر سید رضاالانبیاء المتخلص بہ رومی شاہ (۱۹۲۷۔۱۹۹۴ء) نے بھی اس میں شرکت فرمائی اور اس اجلاس میں انہیں جمعیت العلماء پاکستان برائے سندھ و کراچی کا امیر مقرر کیا گیا۔کراچی واپس پہنچنے کے بعد انہوں نے علماء و مشائخ کا اجلاس طلب کیا اور دیگر علماء کرام سے مشاورت کے بعد مولانا عبدالحامد بدایونی کو امیر مقرر کر دیا گیا۔[90] علاوہ ازیں ڈھوک وہاب (داخلی، دیوی) تحصیل گوجرخان سے تعلق رکھنے والے لفکرِ اعلیٰ حضرت کے گمنام اور پرجوش مبلغ میر غلام مصطفیٰ علیہ الرحمۃ (م ۱۹۵۰ء) جنہوں نے ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ (۱۷ دسمبر ۱۹۱۸ء) کو اعلیٰ حضرت سے ایک فتویٰ منگوایا تھا۔[91] ان کی روحانی نسبت بھی شاہِ قاتل سے تھی۔[92]

حضرت ابوالرضا شاہ محمد عمر روحی علیہ الرحمۃ (۱۹۰۰۔۱۹۷۷ء)

یہ ۷ صفر ۱۳۱۸ھ/۱٦ مئی ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے[93] علوم ظاہری کے حصول کے بعد مارچ ۱۹۱۷ء میں جودھپور ریلوے میں بطور تار بابو ملازمت اختیار کی اور اس سلسلہ میں مختلف مقامات پر تعینات رہے۔[94] جون ۱۹۱۹ء میں انہوں نے مستقل ملازمت محکمۂ تار و ڈاک میں اختیار کی[95] اور مختلف مقامات پر بطور پوسٹ ماسٹر تعینات رہے، مارچ ۱۹۲۳ء کو ان کا تبادلہ ان کے آبائی وطن ناوہ کچامن میں ہوا۔[96] یہیں ۱۹۲۳ء کے اواخر میں ان کی ملاقات شاہِ قاتل سے ہوئی جو محکمہ ریلوے میں ملازم تھے اور اکثر اجمیر سے قصبہ ناوہ آتے رہتے تھے[97] ان سے ملاقاتیں ہونے لگیں اور بالآخر ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ/۱۷ جولائی ۱۹۲۵ء کو شاہِ روحی دامنِ شاہِ قاتل سے وابستہ ہو گئے۔[98]

۲٦ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/۱۱ ستمبر ۱۹۲۸ء کو انہیں خلافت واجازت بیعت سے نوازا گیا۔[99] اور یوں انہوں نے ملازمت کیساتھ ساتھ سلسلہ کا کام بھی جاری رکھا۔قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد میں سکونت اختیار کی اور یہیں یکم محرم ۱۳۸۹ھ/۱۲ دسمبر ۱۹۷۷ء کو ان کا وصال ہوا۔[100] انہوں نے خودنوشت سوانح ''روئے کتابی'' میں یوں لکھا ہے کہ

''(٦ مئی ۱۹۴۰ء کو) پالی پہنچنے پر وہاں کے مسلمان خصوصاً چھیپے ملنے کے لئے آئے اور انہوں نے ہم سے کہا کہ صدرالشریعۃ مولانا امجد علی صاحب (صاحبِ بہارشریعت) جب تک اجمیر شریف میں درگاہ شریف میں درگاہ کے مدرس تھے ہر سال گیارہویں شریف میں تقریر کے لئے پالی تشریف لایا کرتے تھے لیکن اب وہ دادون ضلع مظفرپور

چلے گئے ہیں، ہم نے انہیں گیارہویں شریف پر بلانے کے لئے خط دیئے ہیں لیکن انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ ہم نے کہا کہ ہم ان کو بلائیں گے، ان سے پتہ لیکر ہم نے انہیں تار دیا کہ اس جواب میں مولانا نے پالی آنے کا اقرار کر لیا۔.......... بڑی گیارہویں شریف پر مولانا امجد علی صاحب پالی تشریف لے آئے اور شام کو چھیپوں کی بڑی مسجد کے سامنے پیارا چوک میں ان کی تقریر ہوئی، ہم نے بھی اور لوگوں کیساتھ سامعین میں تقریر سنی، تقریر ختم کرنے کے بعد مولانا چھیپوں کی بڑی مسجد کے اوپر حجرہ میں جائے قیام کے لئے تشریف لے گئے، ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے اوپر گئے۔ وہ جب جا کر چارپائی پر بیٹھ گئے تو ہم ان کو سلام کیا اور دست بوسی کی، انہوں نے ہمارے حضرت قبلہ (حضرت قاتل شاہ) اور دادا قبلہ (حضرت شاہ عبدالشکور) کی خیریت معلوم کی اور دریافت کیا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا کہ پوسٹ ماسٹر کی جگہ تبدیل ہو کر یہاں آیا ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ نے یہاں کچھ سلسلہ کا کام کیا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے آئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے اگر میرے حضرات کا کرم اور آپ کی دعا شاملِ حال رہی تو ان شاء اللہ سلسلے کا کام شروع ہو جائیگا۔ آپ نے فرمایا کہ کل صبح کا ناشتہ ہمارے ساتھ کرنا۔ میں عرض کیا کہ میرا ڈاکخانہ صبح جلدی سات بجے کھلتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کے بعد جلدی ہی صبح چھ بجے ناشتہ ہو جائے گا۔ آپ ضرور آئیں لہٰذا دوسری صبح فجر کی نماز کے بعد مولانا کے ساتھ ناشتہ کیا دوسرے روز شام کو پھر محلّہ ناڑی میں مولانا کی تقریر بھی عام سامعین کیساتھ سنتے رہے۔ وعظ ختم ہونے کے بعد ہم اسلام علیکم کر کے مصافحہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کہاں بیٹھے تھے؟ یہاں میرے ساتھ تخت پر آ کر بیٹھنا چاہئے تھا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے سامنے بیٹھ کر ہی سننے میں مزا آتا ہے۔ [101]

فیض العارفین مولانا شاہ غلام آسی پیا حسنی جہانگیری

علیہ الرحمۃ (۱۹۱۷ء۔۲۰۰۳ء)

فیض العارفین ۷ ۱۹۱ء کو مشرقی یو پی کے ضلع بلیا کے ایک چھوٹے سے گاؤں سید پورہ میں پیدا ہوئے۔ [102] ان کے والد چونکہ شاہ عبدالعلیم آسی سکندر پوری علیہ الرحمۃ (۱۲۵۰۔۱۳۳۵ھ) سے بیعت تھے سو اسی مناسبت سے آپ کا نام غلام آسی رکھا گیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور دادا سے حاصل کی بعد ازاں انہیں بریلی بھیجا گیا جہاں جامعہ مظہر الاسلام مسجد بی بی جی میں حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ (۱۲۹۲۔۱۳۶۲ھ) محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد علیہ الرحمۃ (۱۳۲۲۔۱۳۸۲ھ) اور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی المتخلص بہ نوری علیہ الرحمۃ (۱۳۱۰۔۱۴۰۲ھ) سے اکتسابِ علوم فرمایا۔ [103] ۱۹۴۰ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ [104] کسبِ علم کے بعد ان کی پہلی Appionment قصبہ آنولہ میں ہوئی۔ جہاں بطور امام وخطیب ایک سال تک رہے [105] فیض العارفین نے اس سلسلہ میں خود لکھا ہے کہ

''یہ بندۂ آسی اسی دور میں حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے در سے دستار فضیلت و سند یافتہ ہو کر مذہب اہل سنت کی اشاعت کے لئے مفتی ہو کر قصبہ آنولہ میں آیا تھا۔ اس وقت میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں بریلی میں شریف میں حضور اعلیٰ کے بڑے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب سجادہ کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا۔ جب حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ مبتلائے مرض موت ہوئے تو میری مصروفیات زیادہ ہو گئیں۔ میں زیادہ خدمت میں رہنے لگا۔ میرے استاد گرامی حضرت مولانا سردار احمد صاحب شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ بھی تشریف فرما رہے تھے۔ بروز شنبہ حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ پردہ فرمانے والے تھے۔ میں سامنے ہی حاضر تھا کہ اچانک حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے دونوں ہاتھ میری جانب بڑھا کر میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر ارشاد فرمایا میں نے تم کو سلسلہ قادریہ میں قبول کیا۔ اس کے بعد فوراً ہی حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ پہ عالم نزع طاری ہو گیا، میں نے

سمجھا کہ حضرت نے اپنی خدمت کا صلہ مرحمت فرمایا ہے، میرے استاد جو قریب ہی تشریف فرما تھے، فرمایا بے وقوف تمہیں نہیں معلوم کہ حضرت نے تم کو قادری سلسلہ میں قبول فرمالیا، پھر اسی دن رات نو بجے کے بعد اپنے ربِ کریم کے حضور روانہ ہوگئے۔'' [106]

بعدازاں مولانا سردار احمد کے حسب حکم جامعۃ القادریہ ہریانہ میں بطور شیخ الحدیث رہے اور وہاں درسِ حدیث دیا۔ [107] ۱۹۴۴ء میں ان کے برادر اصغر غلام رشید المعروف بہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے (۱۹۲۵۔۲۰۰۲ء) جامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے سند فراغت حاصل کی۔ اور فیض العارفین سے استدعا کی کہ وہ استعفیٰ دے کر ناگپور آجائیں تاکہ یہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جائے اور یوں فیض العارفین استعفیٰ دے کر ناگپور تشریف لائے اور دونوں بھائیوں نے مدرسی شمس العلوم کی بنیاد رکھی۔ [108] علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ (۱۳۵۲۔۱۴۲۲ھ) یہیں کے فارغ التحصیل تھے۔ [109] فیض العارفین نے ۱۹۵۲ء تک بطور شیخ الحدیث یہاں پڑھایا۔ [110] اسی سال سلطان الاولیاء خواجہ محمد حسن شاہ علیہ الرحمۃ کے دستِ مبارک پہ بیعت فرمائی اور یوں درس و تدریس کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ [111] سلطان الاولیاء کے اسی دورے میں فیض العارفینے اپنے چھوٹے بھائی علامہ ارشد القادری کی خلافت کی درخواست کی تو سلطان الاولیاء نے وہ تاریخی جملہ کہا کہ جس کی آنے والے وقت نے تصدیق کردی۔ فیض العارفین رقمطراز ہیں کہ

''میں نے (حضرت سلطان الاولیاء سے) اپنے بھائی علامہ ارشد القادری سلمہٗ کی خلافت کے لئے عرض تو فرمایا وہ دوسرے کام کے لئے ہیں انہیں اپنے حال پہ چھوڑ دو۔'' [112]

فیض العارفین کو سلطان الاولیاء کے علاوہ درج ذیل مشائخ سے بھی حاصل خلافت تھی۔

☆ مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی المتخلص بہ نوری علیہ الرحمۃ (۲۲ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ/ ۲۷ جولائی ۱۸۹۲ء۔ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/ ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء) ☆ سید فدا حسین شاہ منعمی علیہ الرحمۃ (م ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء) [113] ☆ علامہ ضیاء الدین احمد مدنی علیہ الرحمۃ (۱۲۹۴۔۱۴۰۱ھ) [114] ☆ علامہ سید محمد مختار اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمۃ (۱۳۳۴۔۱۴۱۷ھ) [115]

فیض العارفین کا ۹ ذی قعد ۱۴۲۴ھ/ ۱۳ جنوری ۲۰۰۳ء کو وصال ہوا۔ [116] مزار بارک اترالہ (ضلع بلرام پور/ صوبہ اترپردیش) میں ہے۔ [117] فیض العارفین اپنے استاد مولانا سردار احمد کو کس قدر عزیز تھے اس کا اندازہ ان کے اپنے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

''حضرت فیض العارفین فرماتے ہیں کہ راجستھان کے علاقہ میں ایک جلسہ کے لئے میں اپنے استاذ و مربی محدث پاکستان حضرت علامہ سردار احمد خاں صاحب کے ساتھ گیا، میرے استاذ و مربی حضرت محدث پاکستان اور حجۃ الاسلام مجھ سے اتنی محبت فرماتے تھے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے سے الگ نہیں فرماتے یہاں تک کہ حضرت محدث پاکستان نے میرا نام غلام آسی سے تبدیل کر کے اپنے بیٹے کے نام پر فضل رسول رکھدیا اور اس کے نام سے پکارنے لگے، چنانچہ جب ہم وہاں پہنچے تو یہ خبر اطراف کے وہابیوں کو بھی ہوئی کہ حضرت علامہ سردار احمد خاں تشریف لائے ہیں تو ان لوگوں نے مناظرے کے لئے انہیں چیلنج کیا، حضرت مجھ پر اہل قدر اعتماد کرتے تھے کہ فوراً ہی بول پڑے کہ ''تم میرے شاگرد فضل رسول (غلام آسی) کو ہی شکست دے دو تو میں اپنی شکست تسلیم کرلوں گا۔'' [118]

صدر الشریعۃ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ (۱۳۰۰۔۱۳۶۷ھ)، فیض العارفین کے بہنوئی تھے [119]، نیز فیض العارفین نے ان سے بھی اکتسابِ علم کیا۔ [120]

حوالہ جات وحواشی

[1]۔ دہلوی، شیخ عبدالحق محدث، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار : دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۹ھ، ص ۳۶

[2]۔ انجم، ڈاکٹر غلام یحییٰ : ''اخبار الجمال'' تاریخ علی گڑھ کا قدیم ماخذ مشمولہ، مجلہ علوم اسلامیہ : علیگڑھ، ۱۹۸۹ء، ۱۵ : ۲/۱، ص ۱۰۹

[3]۔ایضاً : ص۱۱۵ [4]۔دہلوی : ص۴۸

[5]۔پھلواروی ، شاہ حسن میاں ، تذکرۂ حضرت ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی، لکھنؤ ،مطبع مولوی فتح محمد تائب ، ۱۵ جنوری ۱۹۱۱ء، اول ، ص۴۷

[6]۔ کاکوروی ، شاہ علی انور قلندر ، الانتصاح عن ذکر اهل الصلاح : لکھنؤ ،اصح المطابع آسی پریس ، ۱۹۰۹ء دوم ،ص۳۳

[7]۔اسلامپوری ، ابوالفتح سراج الدین محمد عبدالقادر ، انوارولایت : [بہار ؟]

[8]۔انہیں یہ لقب اپنے شیخ ،سید امداد علی بھاگلپوری سے ملا۔ جیسا کہ سیرت فخر العارفین میں مذکور ہے کہ" حضرت شیخ الشیوخ العالم (سید امداد علی بھاگلپوری) نے بہ اشارت غیبی آپ کو خلافت اور اجازت دی اور لقب جہانگیر شاہ سے ملقب فرما کر رخصت فرمایا۔(سکندر شاہ ، مولانا حکیم سید ، سیرت فخر العارفین : ترتیب ، مولانا شاہ عبدالقدیر جہانگیری ، دہلی ، شمع بک ڈپو ، ۱۳۵۴ھ ، اول ، ۱/۱۹)

[9]۔سکندر شاہ : ۱/۱۷ [10]۔ایضاً :۱/۱۸، ۱۹

[11]۔ایضاً : ۱/۱۹ [12]۔ایضاً : ۱/۱۵

[13]۔ایضاً :۱/۱۸

[14]۔رحمت علی ، ڈاکٹر (ہومیو) ، مختصر حالات طیبات ،حق آگاہ حضرت مولانا سید سکندر شاہ صاحب قبلہ قدس اللہ سرہٗ العزیز: ضمیمہ و مشمولہ، سیرت فخر العارفین: کراچی ، ایجوکیشنل پریس ، ۱۳۸۳ھ ، دوم ، ۱/۴۵۱

[15]۔جس طرح شیخ العارفین سلسلۂ جہانگیریہ کے مؤسس ہیں۔اسی طرح اعلحضرت جہاں بریلوی کے سلسلہ قادریہ کی ایک شاخ "رضویہ" بھی ان سے موسوم ہے۔

[16]۔سکندر شاہ : ۱/۲۰ ، نیز شرح الصدور کا سن اشاعت اندازاً لکھا ہے، کیونکہ حکیم سید سکندر شاہ نے سیرت فخر العارفین میں لکھا ہے کہ" (شرح الصدور) تقریباً پچاس برس کا عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکی۔" (سکندر شاہ : ۱/۲۰)،جبکہ سیرت فخر العارفین پہلا ایڈیشن ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوا تھا۔حکیم سید سکندر شاہ نے شرح الصدور کا اردو ترجمہ کیا تھا، جو دہلی سے شائع ہوا۔(رحمت علی : ص ۱/۴۵۴)

[17]۔سکندر شاہ : ۱/۵۶ [18]۔ایضاً : ۱/۵۸

[19]۔ایضاً : ۱/۶۳ [20]۔ایضاً : ۱/۶۸

[21]۔ایضاً : ۱/۷۰ [22]۔ایضاً :۱/۹۸

[23]۔ایضاً : ص۱/۷۵ [24]۔ایضاً : ص۱/۷۵۔۷۶

[25]۔ایضاً : ص۱/۱۰۸ [26]۔ایضاً : ص۱/۱۱۰

[27]۔ایضاً : ص۱/۱۱۹ [28]۔ایضاً : ص۱/۱۹۶۔۱۹۷

[29]۔رضوی، ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری ، حیات اعلیٰ حضرت : ترتیب وتہذیب،مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی،لاہور،مکتبہ نبویہ،۲۰۰۳ء، اول، ص۲/۱۲

[30]۔سکندر شاہ : ص۱/۲۱۵۔۲۱۶ [31]۔رضوی : ص۲/۲۸

[32]۔ایضاً : ص۲/۳۴ [33]۔ایضاً : ص۲/۳۶

[34]۔ایضاً : ص۲/۴۷ [35]۔ایضاً : ص۲/۴۸

[36]۔سکندر شاہ : ص۱/۲۱۹

[37]۔ایضاً:سیرت فخر العارفین: دہلی،شمع بک ڈپو، ۱۳۵۴ھ ، ص۳/۳۲۵

[38]۔ایضاً [39]۔ایضاً : ۳/۳۲۵۔۳۲۶

[40]۔ایضاً : ۳/۳۲۷۔۳۲۸ [41]۔ایضاً : ۳/۳۲۸

[42]۔رضوی،۲/۲۳۸

[43]۔سکندر شاہ:سیرت فخر العارفین: کراچی،اقبال بکڈپو، مارچ ۱۹۷۰ء/ محرم ۱۳۹۰ھ، ص۲/۱۵۵۔۱۵۶

[44]۔تذکرہ غوثیہ میں ہے کہ جب سید غوث علی شاہ قلندر (۱۲۱۹۔۱۲۹۷ھ) پیدا ہوئے تو ان کی والدہ صاحبہ کو ایک قسم کا جنون تھا تو ان کے جد امجد جناب سید ظہور الحسن نے ان کا دودھ پلانا مناسب نہ سمجھا اور ایک پنڈت رام سنیہی کی بیوی نے انہیں دودھ پلایا اور یوں پنڈت رام سنیہی ان کے رضاعی باپ کہلائے۔جن کیلئے اشنان کرنے ہردوار گئے۔(قادری ، شاہ گل حسن، تذکرۂ غوثیہ: لاہور، اللہ والے کی قومی دوکان ، (س۔ن) ، ص۱۶

[45]۔قادری،مولانا شاہ احمد رضا خاں، فتاویٰ رضویہ: مبارک پور اعظم گڑھ، سنی دار الاشاعت ، ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ/اکتوبر ۱۹۸۱ء اول ، ص۶/۱۹۵ اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے :۔ (قادری : ص۴۶۔۴۷) اگرچہ فخر العارفین اور اعلحضرت نے اس کتاب کو انتہائی ناپسند فرمایا لیکن مولانا اشرف علی تھانوی نے صاحب تذکرہ کی تحسین کی۔ان کا ایک ملفوظ ہے کہ" مولوی غوث علی شاہ صاحب پانی پتی کی تعریف میں فرمایا کہ ان کے پاس نائیوں اور بیلوں کا اچھا علاج تھا.........." (فیوض

الرحمٰن ، مولانا ، فیوض الرحمٰن : مشمولہ ، ملفوظات حکیم الامت : ملتان، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ ، محرم۱۴۲۲ھ ، اول،ص ۱۸۶/۱۷)علاوہ ازیں سید غوث علی شاہ قلندر ،علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۲۱۱۔۱۲۷۹ھ) کے والدِ گرامی علامہ فضل امام (م ۱۲۴۴ھ) کے بھی شاگرد ہیں۔(قادری : ص ۱۷۱) تذکرۂ غوثیہ میں ہے:''جب ہم دوبارہ رامپور گئے تو سرائے میں ٹھہرے اتفاقاً مولوی فضل حق صاحب سے ملاقات ہوئی۔نہایت محبت و عنائیت سے پیش آئے اور اپنے نوکر سے کہا جاؤ آپ کا اسباب اٹھالاؤ میں نے کہا حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجئے کہ بہت آرام سے ہوں کہا اچھا آپ خوش رہیں لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ ان خرچ کا حساب ہمارے ذمہ ہے اگر پانچ روپیہ بھی روز اٹھیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہم دین گے لیکن ایک شرط ہے کہ میاں صاحب بلا اجازت ہمارے کہیں چلے نہ جائیں۔ایک روز پچھلی باتوں کا ذکر آ گیا اپنے والد بزرگوار کو یاد کر کے روتے رہے ہم نے کہا مولوی صاحب آپ کو وہ دن بھی یاد ہے کہ مولوی صاحب نے تھپڑ مارا تھا اور آپ کی دستارِ فضیلت دور جا پڑی تھی ہنسنے لگے اور فرمایا کہ خوب یاد ہے وہ عجیب زمانہ تھا وہ قصہ اس طرح......''(قادری : ص ۱۷)

[46]۔عنائیت حسن شاہ،خواجہ محمد،اعجاز جہانگیری:بھینسوڑی شریف (رامپور)، صوفی محمد فصاحت حسن شاہ، دسمبر۱۹۸۴ء، اول ، ص ۱۳

[47]۔عنائیت حسن شاہ : ص ۱۴ [48]۔ایضاً : ص ۱۸

[49]۔ایضاً : ص ۱۸۔۱۹

[50]۔نواب حیدر علی خاں بنی رئیس کرو ٹیہ (ضلع میمن سنگھ) نواب سر سلیم اللہ خاں کے بڑے سالے اور سید نا فخر العارفین کے مرید تھے۔(سکندر شاہ : ص ۳۴۴/۱)

[51]۔اگرچہ شاہ عنائیت حسن نے انہیں فخر العارفین کا مرید و خلیفہ لکھا ہے (عنائیت حسن شاہ : ص ۱۶) مگر حکیم سید سکندر شاہ نے ''سیرت فخر العارفین (ج ۳)'' میں خلفاءِ کرام کے تذکرہ میں ان کا ذکر بطور خلیفہ نہیں کیا۔ڈپٹی صاحب ''یادگار جہانگیری مع آئینۂ جہانگیری'' کے مرتب ہیں اور یہ مجموعہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں دہلی سے باہتمام حضرت شاہ عبدالقدیر دہلوی جہانگیری علیہ الرحمۃ (۱۲۹۹۔۱۳۷۸ھ) شائع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۳۸۳ھ میں باہتمام حضرت سید رحمت علی شاہ جہانگیری علیہ الرحمۃ کراچی سے شائع ہوا۔

[52]۔عنائیت حسن شاہ : ص ۱۷ [53]۔سکندر شاہ : ص ۱۳۰/۳

[54]۔ایضاً : ص ۳۴۴/۱ [55]۔ایضاً : ص ۱۳۶/۳

[56]۔شاہ عنائیت حسن نے جناب پہلوان سہراب خاں کا ذکر رامپور میں اس خاندان کے قابل ذکر افراد میں کیا ہے۔(عنایت حسن شاہ : ص ۹)

[57]۔جہانگیری، مولانا غلام آسی پیا حسنی ، سلطان الاولیاء المعروف بہ چراغ ابوالعلائی : ناگپور ،غلامان حسنی آسی نگر، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء ، اول ، ص ۹۵

[58]۔شکوری، مستان شاہ، ذکر تاج الاولیاء : لاہور، قاضی سنز پبلشرز، فروری ۱۹۷۷ء، اول،ص ۵

[59/60]۔ایضاً : ص ۷ [61]۔ایضاً: ص ۱۳

[62]۔ایضاً : ص ۱۵ [63/64]۔ایضاً : ص ۱۶

[65]۔ایضاً : ص ۲۹ [66]۔ایضاً : ص ۳۱

[67]۔مولانا عبدالستار شاہ المتخلص بہ تیغ علیہ الرحمۃ (م ۱۹۴۶ء)،شاہ محمد عبدالشکور کے منجھلے صاحبزادے تھے۔بڑے صاحبزادے حکیم علی احمد شاہ المعروف بہ علاء الدین شاہ علیہ الرحمۃ (م ۱۹۷۰ء) تھے۔جبکہ سب سے چھوٹے صاحبزادہ محمد عبد الرؤف المتخلص بہ نیر (م ۱۹۷۰ء) تھے۔(شکوری : ص ۲۵۔۲۶)

[68]۔جہانگیری : ص ۴۵۔۴۶ [69]۔ایضاً : ص ۳۲

[70]۔حضرت مستان شاہ نے ۱۳۲۵ھ کو شہر رام پور میں وصال فرمایا،مزار حضرت سید عبداللہ الملقب بہ شاہ بغدادی المعروف بہ بنے میاں علیہ الرحمۃ (م ۱۲۰۷ھ) کی درگاہ کے مشرقی جانب دیوار سے متصل بنا ہوا ہے۔(جہانگیری : ص ۳۹)، (شوق، حافظ احمد علی، تذکرہ کاملان رامپور: تصحیح و اضافہ (۱)،شعائر اللہ خان، تصحیح و اضافہ (۲) حکیم محمد حسین شفا، پٹنہ ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری ، ۱۹۸۶ء ، دوم ، ص ۸۲)

[71]۔چاند پوری، قائم، کلیات قائم (ج۔۱) : مرتبہ، اقتدا حسن، لاہور ، مجلس ترقی ادب، دسمبر ۱۹۶۵ء ، اول ، ص ۴

[72]۔جہانگیری : ص ۴۱

[73]۔بروایت ،مرشدی و مولائی حضرت خواجہ صوفی محمد نواز شاہ مد ظلہٗ العالی (پ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۶ء) ،انہوں نے یہ روایت اپنے شیخ حضرت خواجہ صوفی محمد نقیب اللہ شاہ علیہ الرحمۃ (۱۸۹۵۔۱۹۹۵ء) سے سماعت فرمائی اور انہوں نے اپنے شیخ سلطان الاولیاء خواجہ محمد حسن شاہ علیہ الرحمۃ سے۔

[74]۔جہانگیری : ص۴۴

[75]۔عنایت حسن شاہ : ص۵۹ [76]۔براویت ، مرشدی ومولائی

[77]۔جہانگیری : ص۷۰ [78]۔ایضاً : ص۶۲

[79]۔ایضاً : ص۸۹ [80]۔ایضاً : ص۲۷

[81]۔قاتلی ، ڈاکٹر (ہومیو) محمد امین قادری ، سلطان سندھ : لاہور ، محمد اسحاق رومَوی، محمد اشفاق رومَوی، (س۔ن) ، ص۶

[82]۔بریلوی ، علامہ شمس ، مرقع شاہ قاتل : کراچی ، فضل محمد شاہ قادری قاتلی رومَوی ، (س۔ن) ، ص۱۲۳

[83]۔ایضاً : ص۱۲۴

[84]۔روحی ، شاہ محمد عمر ، روئے کتابی : حیدر آباد ، محمد نظر رضا شاہ ، (س۔ن) ، ص۷

[85]۔قاتلی : ص۱۵ [86]۔ایضاً : ۱۶

[87]۔قاتلی : ص۴۲ [88]۔ایضاً : ص۴۴

[89]۔بریلوی : ص۱۲۷ [90]۔قاتلی : ص۲۱

[91]۔قادری ، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں ، فتاویٰ رضویہ : کراچی ، مدینہ پبلشنگ کمپنی ، جولائی ۱۹۸۸ء ، ص۷/۵۴۰

[92]۔ رجسٹر اندراج غلامانِ جہانگیری (خطی) ، مملوکہ ، شاہ عطاء الرحمٰن (ڈھوک عبدالوہاب رد یوی)

[93]۔روحی : ص۲ ، [94]۔ایضاً : ص۳۔۴

[95]۔ایضاً : ص۴ [97/96]۔ایضاً : ص۷

[98]۔ایضاً : ص۱۶ [99]۔ایضاً : ص۳۷

[100]۔قدر القادری، شاہ قدیر احمد (مرتبہ)، بابِ عظمت: حیدر آباد (سندھ)، مکتبہ سعدیہ، جنوری ۱۹۸۵ء ، اول ، ص۱۱

[101]۔روحی : ص۱۴۱۔۱۴۲

[102]۔خوشترنورانی ، اوراک آن میں ہوئی محفل درہم برہم (خطی)، ص:۱

[103]۔جہانگیری : ص۹۳۔۹۴ ، خوشترنورانی ، ص۱

[104]۔خوشترنورانی ، ص۲

[105]۔جہانگیری : ص۹۴، خوشترنورانی : ص۲

[106]۔جہانگیری : ص۹۴

[107/108/109]۔خوشترنورانی : ص۲

[110]۔اگرچہ مولانا خوشترنورانی نے ناگپور میں تدریس کا دورانیہ تقریباً دس سال لکھا ہے (خوشترنورانی ، ص۲) اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سلطان الاولیاء سے بیعت کے بعد مشغلہ تدریس کو خیر آباد کہا۔ (خوشترنورانی ، ص۳) حالانکہ مولانا آسی نے حضرت سلطان الاولیاء کی ناگپور آمد ۱۹۵۲ء لکھی ہے۔ (جہانگیری، ص۹۶) اور بقول مولانا خوشتر وہ ۱۹۴۴ء میں ہریانہ سے ناگپور تشریف لائے تھے۔ (خوشترنورانی، ص۲) اس حساب سے مولانا آسی نے تقریباً آٹھ سال ناگپور میں پڑھایا۔

[111/112]۔جہانگیری : ص۹۷

[113]۔ان کا تعلق سلسلہ قادریہ ابوالعلائیہ منعمیہ سے ہے۔ یہ اپنے والد گرامی سید شاہ علی حسین منعمی علیہ الرحمۃ کے مرید وخلیفہ وسجادہ نشین تھے، اور وہاں اپنے والد سید شاہ غلام حسین منعمی علیہ الرحمۃ کے، اور وہ سید شاہ قمر الدین حسین منعمی کے اور وہ حکیم مظہر حسین شاہ کے اور وہ شاہ فرحت اللہ المخاطب بہ حسن دوست علیہ الرحمۃ (م ۱۲۲۶ھ) کے اور وہ مخدوم شاہ محمد منعم پاکباز علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ سید شاہ فدا حسین کا مزار پٹنہ میں ہے۔ (نظامی، سید قیام الدین (کراچی، مؤلف، شرفا کی نگری [۱،۲])، ٹیلی فونک گفتگو: ۳۰ جنوری ۲۰۰۶ء)

[114]۔طاہر، حافظ محمد، ضیائے مدینہ : لاہور، رضا دار الاشاعت، اکتوبر ۱۹۹۸ء/رجب ۱۴۱۹ھ ، ص۳۴۰

[115]۔خوشترنورانی : ص۳

[116]۔خوشترنورانی ، ای۔میل : بنام خلیل احمد رانا ، ۱۶، دسمبر، ۲۰۰۵ء

[117]۔خوشترنورانی ، ای۔میل : بنام خلیل احمد رانا، ۳۱، جنوری، ۲۰۰۶ء

[118]۔خوشترنورانی : ص۲ [119]۔جہانگیری : ص۴۵

[120]۔قادری، حافظ محمد عطاء الرحمٰن ، سیرت صدر الشریعہ : لاہور، مکتبہ اعلیٰ حضرت، جمادی الاخر ۱۴۲۳ھ/اکتوبر ۲۰۰۳ء، اول ، ص۲۰۰

حسام الحرمین کی حقانیت وصداقت وثقاہت

علامہ مولانا محمد حسن علی رضوی میلسی*

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برقِ بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں، نہ شر کریں

الحمد اللہ ثم الحمد للہ گستاخانِ رسول منکرین ضروریات دین باغیانِ ختم نبوت کے خلاف اکابر و مشاہیر علماء وفقہا عرب وعجم واعاظم مفتیانِ حرمین طیبین کے حکم شرعی فتاویٰ حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر والمین کو شائع ہوئے ایک سو ۱۰۰ سال ہوگئے اور حسام الحرمین کا پرچم پوری آب وتاب اور جاہ وجلال کے ساتھ لہرا رہا ہے اور خرمن باطل واہل ارتداد پر برقبار ہے۔ یاد رکھنا چاہئے اور ذہین نشین کر لینا چاہئے کہ سیدنا امام اہلسنت سرکار اعلٰحضرت مجدّد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا الشاہ الامام احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی پر بلاوجہ خوانخواہ تکفیر کا حکم شرعی جاری نہیں فرمایا جو عناصر تنقیص الوہیت توہین رسالت اور انکار ختم نبوت کے مرتکب اور منکر ضروریات دین ثابت ہوئے انہیں پہلے ہر شرعی رعایت دی گئی اُن کو اُن کے اقوال کفریہ قطعیہ اور گستاخانہ عبارات سے بذریعہ خطوط مطلع کیا گیا بار بار رجسٹریاں بھیجکر مطلع اور آگاہ کیا گیا گستاخانہ کفریہ عبارات سے توبہ اور رجوع کی تلقین فرمائی گئی آمنے سامنے بیٹھ کر گفتگو کی دعوت دی گئی مگر اہل توہین وتنقیص زمین پکڑ گئے دین کے مسئلہ کو عزتِ نفس کا مسئلہ بنالیا انانیت پر اُتر آئے ضد وہٹ دھرمی کو نصب العین بنالیا ناچار مجدد اعظم اعلٰحضرت امام اہلسنت قدس سرہ نے فرمایا۔

اُف رے منکر یہ بڑھا جوشِ تعصب آخر
بھیڑ میں ہاتھ سے کمبخت کے ایمان گیا
اور تم پہ مرے آقا کی عنایت نہ سہی
منکرو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

امام الاحتاطین امام اہلسنت اعلٰحضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی طرف سے کچھ فرمانے کچھ لکھنے کی بجائے تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان، فتویٰ گنگوہی وغیرہ کی اصل بعینہ عبارات اکابر واعاظم علماء وفقہاء حرمین طیبین کے سامنے رکھ کر حکم شرعی طلب کیا اور توہین پر تکفیر ہوئی اگر کوئی توہین نہ کرتا تکفیر نہ ہوتی اور اگر اہل توہین وتنقیص توبہ اور رجوع کر لیتے تو بھی تکفیر نہ ہوتی مگر آہ افسوس کہ توبہ اور رجوع کرنا اِن کے مقدر میں نہ تھا تو اہل توہین کی توہین آمیز گستاخانہ کفریہ عبارت پر تکفیر کا حکم شرعی حسام الحرمین کی صورت میں اکابر علماء حرمین کی طرف سے جاری ہوا۔

نہ تم توہین یوں کرتے نہ ہم تکفیر یوں کرتے
نہ لگتا کفر کا فتویٰ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں
نہ توہین کرتے نہ تکفیر ہوتی
رضا کی خطا اس میں اغیار کیا ہے؟

۳۵ جلیل القدر اکابر واعاظم مسلمہ علماء وفقہاء حرمین طیبین نے اہل توہین کی اصل کتابیں دیکھ کر مترجمین سے اردو کا عربی میں ترجمہ کرواکر حکم شرعی واضح فرمایا۔ مخالفین کا یہ کہنا ایک حیلہ وبہانہ بلکہ بدترین فریب وفراڈ ہے کہ علماء حرمین اردو نہیں جانتے تھے دھوکہ دیکر فتویٰ لیا۔ یہ اہل توہین ہندی مولوی ٹوٹی پھوٹی عربی جانتے ہیں تو کیا علماء حرمین ہر سال کثیر تعداد میں ہندوستان سے حج کیلئے جانے والے علماء وعوام سے ملکر اردو زبان سے واقف نہ ہونگے اور کیا اُنہیں تکفیر جیسا نازک وحساس فتویٰ لکھتے وقت مترجم میسر نہ آیا ہوگا؟ اتنے عظیم متبحر وتجربہ کار کہنہ مشق مفتیان کرام اور وہ بھی اہل حرم اکابر کو کوئی دھوکہ ومغالطہ کس طرح دے سکتا ہے۔

الشہاب الثاقب والمہند کے مرتبین ومصنفین نے ضرور اپنے اکابر کی عبارات میں کتر بیونت وترمیم وتحریف کی اور مذکورہ بالا کتب میں اپنے اکابر کی عبارت کا حلیہ بگاڑ کر نقل کیں علماء وعوام کو مغالطہ اور صریحاً دھوکہ دیا جس کا دل چاہے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرکے

☆ معروف عالم، محقق اور مصنف

دیکھ لے اکابر دیوبند کی گستاخانہ کتب اور توہین آمیز عبارات تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان، فتویٰ گنگوہی وقوع کذب کی پہلے حسام الحرمین سے مطابقت کرلیں اور پھر المہند، والشہاب الثاقت سے مطابقت کرلیں صاف طور پر واضح ہو جائے گا کہ المہند والشہاب الثاقب میں انہوں نے خود اپنے اکابر کی عبارات کفریہ حلیہ بگاڑ کر نقل کیں اور خود خیانت وبددیانتی کی مثال قائم کی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جب حسام الحرمین پر علماء حرمین طیبین دھوم دھام سے ڈنکے کی چوٹ تصدیقات فرمارہے اور تقریظات لکھ رہے تھے تو بے چارہ مصنف المہند مولوی خلیل انبیٹھوی سلہارنپوری وہیں تھا اور کانگریسی گاندھی مدنی مولوی حسین احمد اجودھیاباشی ٹانڈوی بھی وہیں حجاز مقدس میں رہتا تھا کیونکہ سیدنا اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدددین وملت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت علمی کی تاب نہ لاسکتے تھے وہیں آمنے سامنے گفتگو کیوں نہ کرلی اُسی وقت علماء حرمین کو حسام الحرمین پر تصدیقات کرنے تقریظات لکھنے سے منع کیوں نہ کردیا کہ جناب یہ دھوکہ دیا جارہا ہے مگر وہاں تو یہ لوگ لب باندھے دم سادھے رہے مولوی خلیل انبیٹھوی چھپ چھپا کر چند اشرفیاں بطور رشوت دیکر رئیس العلماء مولانا شیخ صالح کمال کی خدمت میں حاضر ہوا کہ حضور آپ مجھ سے ناراض ہیں رئیس العلماء نے فرمایا تیرا نام خلیل انبیٹھوی ہے؟ مولانا صالح کمال نے فرمایا میں تو تجھے زندیق لکھ چکا ہوں انبیٹھوی نے کہا جو باتیں میری طرف نسبت کی گئی ہیں وہ میری کتاب میں نہیں لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا مولانا صالح کمال نے فرمایا تمہاری کتاب براہین قاطعہ چھپ کر شائع ہوچکی ہے مولوی خلیل انبیٹھوی نے مجبوراً کہا حضرت کیا کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی۔ مولانا نے فرمایا ہوتی ہے مولوی انبیٹھوی اپنی برائین کی کفریہ عبارت سے توبہ کا وعدہ کرکے جدہ بھاگ گیا اور تین سال بعد جوڑ توڑ اور ہیرا پھیری کرکے اپنے تمام اکابر ہند کے تعاون وتصدیقات سے المہند نامی بزعم خود حسام الحرمین کے رد میں لکھ مارا جواز اول تا آخر سراپا کذب صریح جھوٹ اور دروغ گوئی کا بدترین نمونہ ہے مولوی خلیل انبیٹھوی صاحب اپنے خالص وہابیانہ عقائد چھپایا اور خلاف واقع اپنے عقائد سنیوں کے سے ظاہر کیئے وہابیوں اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کو سخت بُرا بھلا، گستاخ وکفر اور علماء اہلسنت کا قاتل قرار دیا۔ میلاد تو میلاد سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی اعلیٰ درجہ کا مستحب قرار دیا خود کوسُنی ظاہر کرکے وہابیوں پر سخت لعن طعن کیا گویا وہابی اِن کے سوا کوئی اور ہے المہند کے سوالات بھی خود گھڑے اور فریب کاریوں کے خول چڑھا کر مغالطہ آمیز جوابات بھی خود ہی دیئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حسام الحرمین پر ۳۳ یا ۳۵ مسلمہ اکابر علماء حرمین کی تصدیقات حاصل کی تھیں جبکہ خلیل انبیٹھوی صاحب سردھڑ کی بازی لگا بمشکل چھ علماء کی تصدیقات المہند پر حاصل کرسکا جن میں دو حضرت مولانا شیخ محمد مالکی مولانا محمد علی بن حسین نے اپنی تصدیقات واپس لے لیں اِن میں ایک مولانا شیخ محمد صدیق افغانی تھے علمائے حرم سے نہ تھے باقی بھرتی ہندی وہابی مولویوں کی تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ المہند میں اپنے اکابر کی اصل کفریہ عبارت بعینہٖ وبلفظہٖ نقل نہ کیں۔ مقام غور ولمحہ فکریہ ہے قارئین کرام المہند کو بغور ملاحظہ کریں وہابیوں اور محمد بن عبدالوہاب شیخ نجدی کو کتنا بُرا بھلا کہا گیا ہے یہ مکاری اور عیاری تھی خلیل انبیٹھوی صاحب کی وہابیوں اور شیخ نجد کے متعلق حاصل حقیقی رائے وہ ہے جو انہوں نے اپنے دو مکتوبات (خطوط) محررہ ۱۲۔ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ اور محررہ ماہ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ کتاب اکابر کے خطوط ص ۱۱۔۱۲ پر مولوی محمد زکریا سابق امیر تبلیغی جماعت کے نواسے مولوی محمد شاہد مظاہری نے شائع کیئے اور ماہنامہ النور تھانہ بھون ماہ رجب المرجب ۱۳۴۵ھ میں مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی نے صفحہ ۲۳ پر شائع کئے جن میں محمد بن عبد الوہاب شیخ نجدی اور نجدی وہابی سعودی حکومت اور اُن کے علماء کی بھرپور قصیدہ خوانی گئی ہے اور والہانہ خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے دیوبندی وہابی مفرور مناظر مولوی منظور سنبھلی نے بھی مولوی انبیٹھوی صاحب کے یہ خطوط اپنی کتاب شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علماء حق ص ۴۳ میں پر نقل کرکے اِن کے مستند ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

مولوی انبیٹھوی اور مولوی ٹانڈوی:۔

دونوں جنہوں نے بزعم خود و بزعم جہالت حسام الحرمین کا نام نہاد برائے نام ردلکھ کر حقیقت وصداقت کا منہ چڑایا مولوی خلیل انبیٹھوی صاحب۔ اور مولوی حسین احمد کانگریسی ٹانڈوی اِن دنوں وہیں حرمین شریفین مین موجود تھے دیکھو ملفوظات اعلحضرت پہلا حصہ بلکہ خود شکست خوردہ مضرور مناظر مولوی منظور سنبھلی مدیر الفرقان نے بھی تسلیم کیا ہے کہ مولوی خلیل انبیٹھوی ان دنوں حرم مکہ معظمہ میں تھا اور تسلیم کیا ہے کہ ''حضرت مولانا حسین احمد مدنی جو ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۳۳ھ تک مسلسل ۱۷۔۱۸ سال مدینہ منورہ میں مقیم رہے تو ان دونوں حضرات نے وہیں امام اہلسنت اعلیٰحضرت مجدد دین ملت فاضل بریلوی قدس سرہا العزیز سے آمنے سامنے گفتگو کیوں نہ کر لی؟ اگر ہمت وجرات اور استعداد قابلیت تھی اور کفریہ گستاخانہ عبارات کے بارے میں ان کا موقف مضبوط تھا علماء طیبین کو حسام الحرمین پر تصدیقات کرتے تقریظات لکھنے سے کیوں نہ روک دیا؟ مگر حقیقت یہ ہے۔

تیرے اعداء میں رضا کوئی بھی منصور نہیں
بے حیا کرتے ہیں کیوں شور بپا تیرے بعد

المہند اور شہاب ثاقب میں ایک فریب وفراڈ اور جعلسازی کا مجموعہ ہے تو دوسرا گالی نامہ ہے جسمیں غلیظ ترین بازاری زبان استعمال کی گئی ہے قارئین کرام خود مطابقت کرلیں کہ حسام الحرمین میں جن جن اکابر ومشاہر علماء مکہ مدینہ کی تصدیقات وتقریظات ہیں مزہ تو جب تھا ان سب علماء المہند وشہاب ثاقب پر تصدیقات حاصل کی جاتیں اور یہ لکھوایا جاتا کہ ہمیں (علماء حرمین) کو دھوکہ ومغالطہ دیکر مولانا احمد رضا خاں صاحب نے حسام الحرمین پر غلط تصدیقات کروائیں اور تحذیرالناس۔ براہین قاطعہ اور حفظ الایمان کی عبارات حق وعین اسلام ہیں۔ مگر ایسا نہ کراسکے تو المہند اور شہاب ثاقب کو حسام الحرامین کا رد اور جواب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ حسام الحرمین کل بھی لاجواب تھا اور آج بھی لاجواب ہے اور انشاء اللہ العزیز صبح قیامت تک لاجواب رہے گا۔

پڑ گیا ہے پشت پر اعداء کے اب کیا جائے گا
تیرے کوڑے کا نشاں احمد رضا خاں قادری
چیرا دعداء کا سینہ دل سے گزری وار پار
تیرے نیزے کی سناں احمد رضا خاں قادری

یاد رہے کہ۔ المہند کا مدلل ومتحقق ایک جواب صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ نے التحقیقات لدفع البلیسات کے نام اور ایک قاہر ردبلیغ شیر بشیۂ اہلسنت مولانا محمد حشمت علی خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فی اُلفور اُسی زمانہ میں لکھ کر شائع فرمادیا تھا اور مولوی خلیل احمد صاحب اور مولوی حسین اور صاحب کو پہنچا دیا تھا جس کے جواب الجواب سے مخالفین عاجز وقاصر وبے بس ہیں۔

حسام الحرمین والمہند کا معنی ومفہوم:۔

حسام الحرمین کا معنی ہے ''مکہ مدینہ کی تیز کاٹنے والی تلوار'' ''مکہ مدینہ کی تیز تلوار''۔ (حسن اللغات ص ۳۱۰، ص ۳۰۸) (المنجد ص ۲۰۹)

المہند کا معنی ہے ''ہندوستانی لوہے کی تلوار'' (المنجد ص ۱۱۴۰) بھلا ہندوستانی لوہے کی تلوار مکہ معظمہ مدینہ منورہ کی تیز کاٹنے والی تیز تلوار کا کیا مقابلہ کرسکتی ہے تلوار اہل ایمان اہل حرمین کا ہتھیار ہے ہندی لوگوں کا اوزار برچھی بھالا ہے برچھی بھالا تلوار کا کیا مقابلہ کرسکتے ہیں؟ صنم کدہ ہند کے ہندی لوہے کی کیا عظمت اور کیا قدر قیمت ہوسکتی ہے مکہ ومدینہ کی تیز تلوار کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت؟

شہاب ثاقب کا معنی ہے ''آگ کا روشن شعلہ۔ آسمان پر ٹوٹنے والا ستارہ (المنجد وحسن اللغات فیروز اللغات۔ امیر اللغات وغیرہ۔ آگ کا شعلہ مکہ مدینہ کی تلوار پر پڑے گا تو بے ادب گستاخ کہلائے گا یا نہیں؟ اور آسمان ستارہ اگر ٹوٹے گا تو مکہ مدینہ کی تیز تلوار کا کیا بگاڑ سکے گا؟ آسمان کے ستارے کم وبیش ہر شب میں ٹوٹتے ہیں بتایا جائے اِن سے کتنی تلواریں کنڈم اور ناکارہ ہوئی ہیں اسی طرح المہند اور شہاب ثاقب بھی آج تک حسام الحرمین کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اگر المہند اور

شہاب ثاقب نے حسام الحرمین کا کچھ بگاڑا ہوتا تو جب سے ابتک المہند اور شہاب ثاقب کے جتنے بھی ایڈیشن چھپے ہیں مخالفین کی بار بار ہر بار ضمنی اور اضافی اور وضاحتی مضامین کا اضافہ کرنا پڑا ہے ہمارے پاس مخالفین قابل اعتراض گستاخانہ کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ومتضاد ہیں اور اِن میں الفاظ وعبارت کی کمی پیشی کی ہے جو احساس کمتری کا نتیجہ ہے یہ لوگ خود بھی اپنے اکابر کی کتابوں کے مندرجات سے مطمئن نہیں ایک سالے میں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے ہم صرف اتنا عرض کریں گے ملتان کے مکتبہ صدیقہ سے چھپنے والے اور کراچی کے مکتبہ تھانوی دفتر الابقا سے چھپنے والے المہند کے ۳۲-۳۲ صفحات ہیں اور عرفی نام عقائد علمائے دیوبند ہے مگر اب کراچی اور کتب خانہ مجیدیہ ملتان اور اتحاد بکڈپو مدرسہ دیوبند یوپی سے جو المہند چھپا ہے اُن میں ضمنی اضافی مضامین کی بھر مار کرکے اُن صفحات ۱۸۸ ہیں اور نام بھی بدل دیا پہلے عقائد علمائے دیوبند عرفی نام تھا اور تین ایڈیشن جو نئے شائع ہوئے اُن کا عرفی نام "یعنی عقائد علماء اہلسنت دیوبند" ہے۔ مقصد یہ کہ کچھ بھی جس طرح بھی بن پڑے عوام کو دھوکہ اور مُغالط دیکر گمراہ کیا جائے۔ بتایا جائے المہند کا یہ معنٰی یعنی عقائد علماء دیوبند یا اب عقائد علماء اہلسنت دیوبند کہاں کس کتاب میں لکھا ہے؟ سیدنا مجدّد اعظم سرکار اعلحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٹھیک ہی تو فرمایا تھا۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والوں جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

یہی حال توہین آمیز گستاخانہ کتابوں کا ہے:۔

فقیر کے پاس تقویۃ الایمان۔ تحذیر الناس۔ براین قاطعہ حفظ الا یمان.......وغیرہ وغیرہ کے کئی کئی ایڈیشن اور چھاپے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہیں مفہوم نہیں عبارتیں بدل دی گئی ہیں .....مگر سیدھے طریقہ سے سچے دل سے پکی توبہ اور رجوع کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی یہ بھی حسام الحرمین کی حقانیت وصداقت وثقاہت کی روشن دلیل ہے بوجہ اختصار چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔ ہمارے پاس کتب خانہ رحیمیہ دیوبند ضلع سہارنپور کا شائع کردہ الشہاب الثاقب ہے جن کے ایک سوگیارہ صفحات ہیں مگر اب جو انجمن ارشاد المسلمین لاہور نے الشہاب الثاقب کا ترمیم واضافہ اور دلیرانہ تحریف وخیانت کے ساتھ جو جدید ایڈیشن شائع کیا ہے اُس کے صفحات دو سو نوے ہیں۔ اور جو عوام کو گمراہ در گمراہ کرنے کیلئے پیوند کاریاں کیں ٹاکیاں لگائیں گالی گفتار سمیت ۵۰۴ صفحات ہیں تحذیر الناس ایک مختصر سا رسالہ تھا کتب خانہ امدادیہ دیوبند اور راشد کمپنی دیوبند اور انارکلی لاہور کے تین ایڈیشن تین چھاپے علی الترتیب ۴۸-۵۲-۶۷ صفحات کے ہیں لیکن اب مکتبہ حفیظیہ مکی مسجد گوجرانوالہ کے شائع کردہ جدید ایڈیشن ۱۲۸ صفحات ہیں جسمیں کذاب مصنف خالد محمود مانچسٹروی نے مقدمہ کے عنوان سے اپنی دوکانداری چمکائی ہے کسی عزیز الرحمٰن نے طویل ترین حاشیے لکھے ہیں اور شکست خوردہ مفرور مناظر کا طویل مقالہ توضیح عبارات کے عنوان سے شامل کیا گیا اور جعلسازی کی قابلیتیں ختم کردیں۔ یہ علیٰ حضرت مجدد دین وملت سیدنا امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اور فتاویٰ حسام الحرمین کی عظیم فتح ونصرت اور بے مثال کامیابی وکامرانی ہے کہ اہل توہین گستاخانہ کتابیں اصل شکل وصورت میں نہ رہیں اور خود مخالفین کو ان پر ترمیمات وتحریفات کے خول چڑھانے پڑے مگر گستاخانہ عبارت سے توبہ مقدر میں نہ تھیں۔

توہین آمیز کتابوں کی عبارتیں بدل دیں۔

یہ مقالہ کوئی مستقل کتاب نہیں اس لئے ہمیں اختصار سے کام لینا پڑ رہا ہے ایک ماہانہ رسالہ اس کا متحمل ہوسکتا قارئین کرام اب ایک نظارہ عبارتیں بدلنے کا بھی دیکھ لیں۔ تقویۃ الایمان کے بیسوں ایڈیشنوں میں لکھا ہے "ف یعنی میں بھی ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں" (میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۷) لیکن اب جدہ اور دیگر مقامات سے چھپنے والے جدید ایڈیشنوں میں لکھا ہے "یعنی ایک نہ ایک دن میں بھی فوت ہوکر آغوش لحد میں جاسوؤں گا"۔ (مطبوعہ جدہ ص ۱۶۴)

تحذیر الناس:۔

میں اجماع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اجماع اُمت کے خلاف جو جدید معنی ومفہوم خاتم النبین کے بیان کئے گئے فتاویٰ حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد تحذیر الناس کی عبارات میں بھی توبہ کرنے کی بجائے کم وبیش ترمیم وتحریف کی گئی مثلاً المہند ص ۱۱ پر تحذیر الناس تینوں عبارات اصل بعینہٖ وبلفظہٖ نقل نہ کیں خلاصہ بیان کیا اور حاشا حاشا وکلا کہہکر جھوٹ بولا گیا۔ اسی طرح شہاب الثاقب میں مولوی حسین احمد کانگریسی نے صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۹۷ تک تحذیر الناس کی عبارات کی من گھڑت وپُر فریب تاویلات کی ہیں پیوندکاری کی ہے یہ مطلب ہے وہ مطلب ہے یہ معنی ہے وہ معنی ہے مگر اصل عبارات بلفظہٖ نقل نہ کیں بھانڈا پھوٹ جانے پول کھل جانے کا اندیشہ تھا۔ اور راشد کمپنی دیوبندوالوں نے تو عبارت میں من مانے الفاظ داخل کردیئے جگہ جگہ نانوتوی صاحب کے صلعم کے برعکس صلے اللہ علیہ وسلم لکھا اور ''بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی ''پیدا ہو کی بجائے'' فرض کیا جائے لکھ دیا (صفحہ ۲۲)

پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے مولوی قاسم نانوتوی کے سوانح نگار مولوی مناظرہ احسن گیلانی خود تسلیم کرتے ہیں۔ ''اُسی زمانہ میں تحذیر الناس نامی رسالہ کے بعض دعاوی پر بعض مولویوں کی طرف سے خود سیدنا امام الکبیر (نانوتوی) پر طعن وتشنیع کا سلسلہ جاری تھا''۔ (سوانح قاسمی جلد اول ص ۳۷۰) مولوی اشرفعلی تھانوی نے لکھا ہے ''جس وقت سے مولانا (قاسم نانوتوی) نے تحذیر الناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا (نانوتوی) کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحی صاحب کے''۔ (الافاضات الیومیہ جلد ۴ ص ۵۸۰) ''جب مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے کتاب تحذیر الناس لکھی تو سب نے مخالفت کی'' (قصص الدکابر ص ۱۵۹) خود محدث دیوبند مولوی انور کاشمیری نے فیض الباری جلد ۳ ص ۳۳۳، ۳۳۴ میں تحذیر الناس پر سخت جرح کی ہے مولوی حسین احمد کانگریسی شہاب ثاقب میں اور مولوی خلیل انبیٹھوی المہند میں کفریہ عبارات کو اسلامی عبارت کو ثابت کرنے اُٹھے تھے مگر انہوں نے بھی برائین قاطعہ کی گستاخانہ عبارت کی نہ تو معقول تاویل کی نہ برائین قاطعہ کی اصل عبارت بعینہٖ وبلفظہٖ نقل کی شہاب ثاقب میں صفحہ ۸۹، تا صفحہ ۹۲ اور المہند میں صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۱۴۔ برائین قاطعہ کی گستاخانہ عبارت کی صفائی پیش کی گئی ہے مگر اصل زیر بحث پوری عبارت نقل نہیں کی رہا وقوع کذب کا گنگوہی فتویٰ تو اصل فتویٰ وقوع کذب باری تعالیٰ کی فوٹو کاپیاں عام ہیں اور متعدد کتابوں میں چھپ چکی ہیں یاد رہے کہ گنگوہی صاحب کا یہ فتویٰ خود اُن کی زندگی میں ۱۳۰۸ھ سے لیکر اُن کے مرنے تک یعنی ۱۳۲۳ھ تک بار بار مختلف مقامات سے چھپکر شائع ہوتا رہا مگر گنگوہی صاحب گُم سم رہے ساکت و جامد ہو گئے نہ فتویٰ سے انکار کر سکے نہ تاویل وتردید کر سکے آج اُن کے کم سن وکیل شیر خوار مناظرین ومصنفین ناحق جھک مار رہے ہیں۔

باقی رہی حفظ الایمان:۔

کی گستاخانہ عبارت تو جناب دیوبندی مصنفین ومناظرین نے نوع بنوع اور مختلف النوع تاویلیں کر کے خود تھانوی صاحب کفر کی دلدل میں دھکیل دیا دیکھئے ابتداً حفظ الایمان ۹۔۱۰ صفحہ کا مختصر سا پمفلٹ تھا جسمیں اُن کی وہ گستاخانہ عبارت تھی جس حسام الحرمین میں تکفیر کا حکم شرعی بیان ہوا۔ چونکہ دیوبندی وہابی اکابرین احساس کمتری میں مبتلا تھے رنگ برنگی عقل شکن تاویلیں کرنے لگے تھانوی صاحب میں مناظرہ کا دم خم نہ تھا مولوی مرتضٰی حسن دربھنگی چاندپوری، مولوی منظور حسین سنبھلی، مولوی عبدالشکور کاکوروی، مولوی ابوالوفا شاہ جہاں پوری نے مناظر بن کر بحث ومباحثہ کا پیشہ اور ذریعہ معاش اختیار کر کے اپنی دوکانداری چمکائی۔ مولوی منظور سنبھلی نے مناظرہ بریلی مولوی مرتضٰی حسن دربھنگی نے توضیح البعیان، خلیل انبیٹھوی نے المہند مولوی عبدالشکور کاکوروی نے اپنی کتابوں میں جو مختلف النوع متضاد تاویلات کی ہیں ایک کی تاویل سے دوسرے پر اور دوسرے کی تاویل

سے تیسرے چوتھے پر اور چوتھے کی تاویل سے ان سب پر تکفیر کا حکم شرعی لگتا ہے اور ان سب کی تاویلات سے جناب تھانوی صاحب پر تکفیر کی شرعی ڈگری ہو جاتی ہے اور حسام الحرمین کا پھریرا آب و تاب وجاہ وجلال سے لہراتا ہوا نظر آتا ہے بالآخر کفریہ گستاخانہ عبارتوں کے وکیلوں نے میدان مناظرہ میں شکستیں کھا کھا کر جناب تھانوی صاحب ترمیم وتحریف کی راہ پر ڈال دیا اور ترمیموں وضمیموں والی حفظ الایمان چھپنے لگی ۹۔۱۰۔ صفحات کی حفظ الایمان جو اب انجمن ارشاد المسلمین، لاہور نے شائع کی ہے اُس کے صفحات اب ۱۱۹۔ ہیں ،مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ تھانوی صاحب کے وکیل میدان مناظرہ میں فیل تھے لہٰذا تھانوی صاحب کو حفظ الایمان کی وضاحت اور تاویل میں بسط البنان لکھنی پڑی اور پھر بسط البنان اور حفظ الایمان کی وضاحت میں عبارت بدل کر تغیر العنوان لکھنی پڑی اور عبارت حفظ الایمان کو مجبوراً یوں کر دیا اور تھانوی صاحب نے حکم دیا کہ ان حفظ الایمام کی عبارت کو یوں پڑھا جاوے ''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے مطابق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل ہیں الخ''۔ اب لاہور اور دیوبند سے جو جدید حفظ الایمان چھپی ہیں انجمن لاشاد المسلمین لاہور اور مکتبہ لغمانیہ دیوبند والوں نے بھی یہ بدلی ہوئی ترمیم وتحریف شدہ حفظ الایمان شائع کی ہے افسوس کہ تھانوی صاحب کو ترمیم کرنے الفاظ و عبارت بدلنے کی سوجھی تو یہ اور رجوع کی توفیق نہ ہوئی بہرحال ان الفاظ بدلنے سے یہ حقیقت اور روشنی کی طرح واضح ہوگئی کہ حسام الحرمین کا حکم شرعی حق اور مبنی بر حقیقت تھا اور المہند وشہاب ثاقب حسام الحرمین کے دلائل قاہرہ کا توڑ نہ کر سکے اور ناکام ونامراد رہے اور کیوں نہ ہو جبکہ امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلٰحضرت مجدد دین وملت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات وہ ہے جن کیلئے کہا گیا ہے۔

یہ وہ دربار سلطان قلم ہے جہاں پر سرکشوں کا سر قلم ہے

تو جناب والا اصل مسئلہ اور تنازعہ توہین وتکفیر کا ہے ہمارا مدمقابل حریف طائفہ تکفیر کو بہت بُرا سمجھتا ہے کبیدہ خاطر ہوتا ہے بلاوجہ تکفیر کردی ناحق تکفیر کردی بریلی میں کفر کے فتوؤں کی مشین لگی ہے مگر یہ نہیں دیکھتے تکفیر کیوں کی گئی وجہ تکفیر کیا ہے تو جناب کتابیں چھپی ہوئی موجود ہیں تحذیر الناس۔ براہین قاطعہ۔ حفظ الایمان کی گستاخانہ کفریہ عبارت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں امام اہلسنت سیدنا اعلٰحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے از خود اپنی طرف سے تکفیر کا شرعی حکم جاری نہیں فرمایا حسام الحرمین میں ۳۵۔ اکابر واعاظمہ علماء فقہاء حرمین کے مبارک مدلل فتاویٰ اور تقاریظ ہیں الصوارم اہندیہ پر ابتک تین سو سے زائد اکابر تصدیقات فرما چکے تصدیقات لکھ چکے ہیں۔ اکابر دیوبند کی گستاخانہ کتابوں کے ہر نئے آنے والے جدید ایڈیشن میں یہ لوگ خود ہی کاٹ چھانٹ ترمیم تحریف کر رہے ہیں نت نئی عبارت بدل رہے ہیں جس کا واضح ومطلب یہ ہے کہ گستاخانہ یہ عبارات خود ان کے نزدیک بھی کفریہ اور توہین آمیز ہیں ناقابل تاویل ہیں جبھی تو عبارات بدل رہے ہیں اگر المہند اور الشہاب الثاقب سچے تھے تو انہی ۳۵۔ اکابر علماء حرمین کے سامنے تحذیر الناس۔ براہین قاطعہ۔ حفظ الایمان فتویٰ گنگوہی کی اصل عبارات رکھ کر تصدیقات حاصل کی جاتیں اور یہ لکھوایا جاتا کہ ہم نے حسام الحرمین پر جو تصدیقات کیں تقریظات لکھیں وہ واپس لیتے ہیں فلانی فلانی عبارات کفریہ اور گستاخانہ نہیں مگر افسوس کہ المہند اور اشہاب الثاقب گونگا بہرہ ہے وہ حسام الحرمین کا جواب نہیں ہے دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے ویسے بھی المہند اور اشہاب ثاقب جیسی جھوٹی کتابوں کے جوابات شیر بیشۂ اہلسنت مولانا حشمت علی خاں صاحب اور فاضل اجل مولانا شاہ محمد اجمل سنبھلی قدس سرہما نے راد المہند اور ردشہاب ثاقب اور صدر الا فاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے التحقیقات کے نام سے شائع فرما دیئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تلمیذِ امام احمد رضا۔

محمد ارشاد احمد رضوی ساحل شہسرامی (ملیگ)*

حضرت ملک العلماء اوران کے فتاویٰ

ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفرالدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ (۱۳۰۳ھ۔۱۳۸۲ھ) اپنے عہد کے ممتاز عالمِ دین، اسلامی دانشور، تدبرآشنا فقیہ، نکتہ سنج مفتی، دقیقہ رس مصنف، ماہر مدرس اور سراپا خلوص، مرتاض پیشوائے طریقت تھے۔ بچپن ہی سے آثارِ کرامت آپ کی پیشانی سعادت پر درخشاں تھے۔ پھر جب اس گلستانِ فکر کو امام احمد رضا کی فضائے نوبہار میسر آگئی تو اس کی شادابی اور درخشانی میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔

حضرت ملک العلماء کے مورث اعلیٰ سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنوی ملقب بہ مدارالملک ومخاطب بہ مَلِک بیا ہیں۔ ان کا نسب نامہ ساتویں پشت میں حضرت محبوب سبحانی قطبِ ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ سید ابوبکر غزنی کے رہنے والے تھے، آپ غزنی سے تین فرہنگ کے فاصلے پر مقامِ بت نگر میں مدفون ہیں۔ سید ابراہیم غزنی سے سلطان فیروز شاہ کے عہد (۷۵۲۔۷۹۰ھ) میں ہندوستان پہنچے اور یہاں آکر شاہی فوج میں ملازم ہوگئے۔ وہ عمر بھی جنگی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے اور بالآخر ۱۳؍ذوالحجہ ۷۵۳ھ کو قلعۂ رہتاس (شاہ آباد، شہسرام، بہار) کی جنگ میں شہید ہوئے۔ قصبۂ بہار شریف کی ایک بلند پہاڑی پر سید صاحب کا مقبرہ ہے جس پر قدیم عالی شان گنبد تعمیر ہے۔ سید ابراہیم کا سلسلہ چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:

۱۔ سید ابوبکر غزنوی بن ۲۔ سید ابوالقاسم عبداللہ بن ۳۔ سید محمد فاروق بن ۴۔ ابوالمنصو رعبدالسلام بن ۵۔ سید عبدالوہاب بن ۶۔ غوث الثقلین حضرت سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی قدست اسرارہم۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت ۱/و)

حضرت ملک العلما کی ولادتِ مبارکہ ۱۰؍محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/ ۱۹؍اکتوبر ۱۸۸۰ء کو صبح صادق کے وقت موضع رسول پور میجراضلع نالندہ، بہار میں ہوئی۔ والد ماجد ملک عبدالرزاق اشرفی علیہ الرحمۃ نے خاندانی طرز کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن کی عمر (۱۳۰۷ھ) میں اپنے مرشد گرامی شاہ چاند بیتھوی کے دستِ مبارک سے آپ کی بسملہ خوانی کرائی۔ ابتداءً والد ماجد کی آغوش تربیت میں رہے پھر قرآن حکیم اور اردو، فارسی کی کتابیں حافظ مخدوم اشرف، مولوی کبیرالدین اور مولوی عبداللطیف سے پڑھیں۔ پھر اپنے نانیہال موضع بین ضلع پٹنہ کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں ۱۳۱۲ھ میں داخلہ لیا جہاں تفسیر جلالین اور میر زاہد تک کی کتابوں کا درس لیا۔ مدرسہ غوثیہ حنفیہ کے اساتذہ نے آپ کی ذہانت دیکھتے ہوئے بہت شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم کا نظم فرمایا۔ آپ وہاں ان اساتذہ کے زیرِ تربیت رہے:

۱۔ مولانا شیخ محی الدین اشرف۔ ۲۔ مولانا شیخ بدرالدین اشرف۔ ۳۔ مولانا مہدی حسن میجروی۔ ۴۔ مولانا فخرالدین حیدر۔ ۵۔ مولانا محمد منعم۔ ۶۔ مولانا معین اظہر رئیس موضع بین۔ ۷۔ مولوی محمد ابراہیم۔ ۸۔ حافظ محمد اسماعیل بہاری۔ ۹۔ منشی اکرام الحق۔

قاضی عبدالودود کے والدِ ماجد قاضی عبدالوحید صدیقی فردوسی رئیس لودی کٹرہ و خلیفۂ امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہما (۱۲۸۹ھ۔۱۳۲۶ھ) نے نے ۱۳۱۸ھ میں پٹنہ کی سرزمین پر ایک عظیم الشان کانفرنس بلائی جو تحریک ندوہ کے اسلام مخالف نظریات کا تردیدی پسِ منظر رکھتی تھی۔ اس کانفرنس میں امام احمد رضا قادری برکاتی بنفس نفیس شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے جہاں دیگر اکابر علمائے اہلِ سنت بھی جلوہ افروز تھے۔ اسی موقع سے قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمۃ نے ایک سنی ادارے کی داغ بیل ڈالی، نام رکھا مدرسۂ حنفیہ۔

☆ ریسرچ اسکالر

اس ادارے کے لئے قابلِ اساتذہ کا انتخاب کیا جن میں مسند وقت حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہٗ (متوفی ۱۳۳۴ھ) بھی شامل تھے۔ مرحوم فردوسی نے اسی ادارے سے ایک علمی رسالہ ''تحفۂ حنفیہ ملقب بہ مخزنِ تحقیق'' جاری کیا جو عرصۂ دراز تک علم وفن اور دین وسنیت کی گرانقدر خدمات انجام دیتا رہا۔

حضرت ملک العلماء نے جب اس مدرسے کی شہرت اور حضرت محدث سورتی کا چرچا سنا تو ۲۵/ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۰ھ کو پٹنہ چلے آئے اور محدث سورتی کی خدمت میں رہ کر مسندِ امام اعظم، مشکوٰۃ شریف اور ملاّ جلال پڑھی۔ کچھ دنوں کے بعد ہی محدث سورتی اپنی علالت سے مجبور ہوکر اپنے وطن پیلی بھیت تشریف لے گئے تو حضرت ملک العلما بھی وہاں سے رخصت ہوکر کانپور پہونچے اور وہاں کے تین مدارس سے بیک وقت علمی فیوض حاصل کئے۔ ۱۔ مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی، ۲۔ مدرسہ احسن المدارس ۳۔ دارالعلوم...... یہاں کے اساتذہ میں شہرۂ آفاق عالم مولانا احمد حسن کانپوری (متوفی ۳/صفر ۱۳۲۲ھ) اور مولانا عبیداللہ پنجابی (متوفی ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ) قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت ملک العلما کانپور سے دوبارہ اپنے ممتاز استاذ حضرت محدث سورتی کی خدمت میں پیلی بھیت حاضر ہوگئے اور ان سے درسِ حدیث لیا۔ پھر ۱۳۲۱ھ میں بانس بریلی حاضر ہوئے اور مدرسہ مصباح التہذیب میں مولوی غلام یٰسین دیوبندی کے درس میں شریک ہوئے لیکن یہاں کی سنیت بیزار فضا سے جلد ہی اوب کر سرچشمۂ علم وادب اور مصدرِ عشق ومحبت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر ان سے ایسے مانوس ہوئے کہ انہی کے ہوکر رہ گئے بلکہ پوری زندگی ان کے مشن کی ترویج واشاعت کے لئے وقف کردی۔

حضرت ملک العلماء کے ذوقِ علم کی برکت ہے کہ امام احمد رضا نے آپ کے اصرار پر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدرسۂ منظر اسلام قائم فرمایا جس کا افتتاح ان دو طالب علموں سے ہوا:

۱۔ ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری رضوی۔ ۲۔ مولانا سید عبدالرشید عظیم آبادی۔ حضرت ملک العلما نے امام احمد رضا سے بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تشریح الافلاک، تصریح، شرح چغمینی کا درس لیا اور فتویٰ نویسی کے آداب سیکھے اور اس طرح علمِ ہیئت، توقیت، جفر، تکسیر اور ریاضی جیسے نادر فنون میں کمال حاصل کیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے سلوک کی ظاہری اور باطنی منزلیں بھی طے کیں۔ تصوف کی مشہور کتابیں رسالۂ قشیریہ اور عوارف المعارف کا سبقاً سبقاً درس لیا، ذکر بالجہر، پاسِ انفاس کے باطنی آداب سیکھے۔ بالآخر آپ کی صفائے باطن سے متاثر ہوکر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے سالِ فراغ کے اخیر میں آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔

سالِ فراغ کے فوراً بعد حضرت ملک العلما نے منظرِ اسلام، بریلی شریف میں تدریس، تصنیف اور افتاء نویسی کا سلسلہ شروع کردیا۔ زیرِ نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بیشتر فتاویٰ اسی زمانے کے ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں معززین شملہ کے اصرار پر شملہ تشریف لے گئے، پھر علی الترتیب ان مدارس کی فضاؤں میں آپ کے پاکیزہ افادات گونجتے رہے:

۱۔ مدرسۂ حنفیہ، آرہ، بہار (۱۳۲۹ھ تا ۱۳۳۰ھ) ۲۔ مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۰ھ تا ۱۳۳۴ھ) ۳۔ مدرسۂ خانقاہ کبیریہ، شہسرام (۱۳۳۴ھ تا ۱۳۳۸ھ) ۴۔ مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء تا ۱۹۵۰ء)

اخیر الذکر مدرسہ کے آپ ۱۹۴۸ء میں پرنسپل ہوئے اور ۱۹۵۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے ڈیڑھ دو سال بعد شاہ شاہد حسین درگاہی میاں سجادہ نشین بارگاہِ عشق، میتن گھاٹ پٹنہ کی استدعا پر ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار، بہار میں جامعہ لطیفیہ، بحر العلوم کا افتتاح فرمایا اور اپنی کوششوں سے اسے کافی فروغ بخشا۔ جب یہ ادارہ مستحکم ہوگیا تو آپ ربیع الاول شریف ۱۳۸۰ھ میں اپنے دولت کدے ''ظفر منزل'' شاہ گنج پٹنہ آگئے۔

پچپن سال کے طویل تدریسی ایام میں ہزاروں تلامذہ آپ کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب کیا۔ آپ نے اس دوران فتویٰ نویسی، وعظ و تلقین، تصنیف و تالیف، بیعت و ارشاد، مناظرہ اور قضا جیسے گوناگوں مشاغل سے رابطہ رکھا۔ ان کثیر مصروفیات کے ہجوم میں صوفیانہ اذکار کے لئے بھی آپ نے اوقات خاص کررکھے تھے۔ قادرِ مطلق نے آپ کے اوقات میں عجب برکتیں دے رکھی تھیں لیکن اس ذیل میں آپ کے اوقات کی منضبط تقسیم کا بھی خاصا دخل تھا۔

حضرت ملک العلما عرصہ سے فشار الدم کے مرض میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے کافی نحیف ہوگئے تھے۔ اس عالمِ نقاہت میں بھی آپ کے معمولاتِ شب و روز میں کوئی فرق نہ آیا، ریاضتوں کے وہی سلسلے تھے اور علمی مصروفیات بھی اپنی جگہ تھیں۔ بالآخر یکشنبہ کا دن گذار کر دوشنبہ کی شب میں ۱۹رجمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸رنومبر ۱۹۶۲ء کو اسمِ ذات کا ذکر بالجہر کرتے ہوئے اس طرح پُرسکون انداز میں اپنے محبوبِ حقیقی کے حضور حاضر ہوگئے کہ حاضرین کو کچھ دیر تک اس بات کا احساس بھی نہ ہوسکا کہ آپ لذت وصال سے شادکام ہوچکے ہیں۔ دوسرے دن حضرت شاہ محمد ایوب شاہدی رشیدی سجادہ نشین خانقاہِ اسلام پور ضلع پٹنہ (متوفی ۱۹۶۷ء) نے، جن سے حضرت کو فردوسی، شطاری وغیرہ سلاسل کی اجازت حاصل تھی، آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور درگاہِ شاہ ارزاں (متوفی ۱۰۲۸ھ) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت ملک علامہ محمد ظفر الدین قادری برکاتی رضوی قدس سرہٗ علم و فن کی بیشتر شاخوں پر دسترس رکھتے تھے خصوصاً علوم اسلامیہ میں امام احمد رضا کے علمی اور فکری جانشین تھے۔ علومِ قرآن، تفسیر، اصولِ تفسیر، تجوید و قرأت، علومِ حدیث، حدیث، اصولِ حدیث، فقہی علوم، فقہ، اصولِ فقہ، عقائد و تصوف، بلاغت، عروض، ادب، لغت، نحو و صرف، معانی و بیان، فلکیاتی علوم، نجوم، ہیت، توقیت، تکسیر، جفر، رمل، عقلی علوم، منطق، فلسفہ، ریاضی جیسی علمی شاخوں سے آپ کو نہ صرف واقفیت بلکہ ان پر دسترس حاصل تھی۔ اس وسعتِ علمی پر ان کی تحریریں بہترین شہادت ہیں جن میں مذکورہ سبھی علوم کی چاندنی پھیلی ہوئی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو دبستانِ رضا کے خوشہ چیں جو ٹھہرے۔ آپ کی اس علمی لیاقت کا اکرامی اعتراف خود آپ کے مربی اور مشفق، استاذ اور مرشد، عبقری الشرق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت، انجمنِ نعمانیہ، لاہور کو ۵رشعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''مکرمی مولانا مولوی محمد ظفر الدین صاحب قادری سلمہٗ فقیر کے یہاں کے اعز طلبا سے ہیں اور میرے بجان عزیز۔ ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیلِ علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسہ میں مدرس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں، سب میں یہ زائد ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا: سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، مصنف ہیں، واعظ ہیں، مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کرسکتے ہیں، علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں......... فقیر آپ کے مدرسے کو اپنے نفس پر ایثار کر کے انہیں آپ کے لئے پیش کرتا ہے۔'' (حیاتِ ملک العلماء۔ ص:۷۔۸۔ مطبوعہ لاہور)

ان تمام علوم میں چند شاخیں آپ کی خاص پہچان تھیں: ۱۔علومِ حدیث ۲۔فقہ و تصوف ۳۔عقائد و مناظرہ ۴۔ہیئت و توقیت ۵۔اور سوانحی ادب

فقہ و تصوف پر آپ کس قدر عبور حاصل تھا، اس کی قدرے وضاحت کے لئے تو یہ مقدمہ ہی تحریر کیا جارہا ہے۔ باقی گوشوں پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالتے چلتے ہیں۔

علومِ حدیث:

حضرت ملک العلماء نے بریلی شریف کے علاوہ جہاں بھی منصبِ تدریس سنبھالا، وہاں علمی صدارت کی شہ نشین آپ کی خدمت

میں ہی پیش کی گئی۔ اسی لئے صحاحِ ستہ کا درس بھی ہمیشہ آپ کے ذمہ رہا۔ اس طور سے درسِ حدیث کی آپ نے پوری زندگی گرانقدر سعادت حاصل کی۔ وعظ و تذکیر میں کثرت کے ساتھ آپ حدیث شریف تلاوت کرتے اور اس کے قیمتی نکات بیان فرماتے۔ فتاویٰ اور مختلف تصانیف میں بھی آپ نے جس کثرت کے ساتھ احادیثِ طیبہ کے حوالے پیش کئے ہیں، وہ آپ کی اس علم شریف پر دسترس کا کافی ثبوت ہیں، لیکن اس فن شریف میں آپ کی سب سے انمول یادگار ہے ''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری''۔ چھ جلدوں میں آپ نے مذہبِ حنفی کی مؤید احادیث کا ذخیرہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہر جلد میں دس ہزار احادیث کا اوسط رکھا۔ مصنف کی حیات میں اس کی صرف دوسری جلد چار قسطوں میں شائع ہوسکی جس کے اندر تقریباً دس ہزار احادیثِ مبارکہ کا ذخیرہ موجود ہے۔

اس عظیم الشان خدمتِ حدیث کو اہلِ علم کے ہر طبقے نے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے ایک مہتم بالشان علمی کارنامہ قرار دیا۔ اس گرانقدر علمی کارنامے کو خراجِ تحسین پیش کرنے والوں میں محدث سورتی، مولانا وصی احمد پیلی بھیتی، مولانا عبدالقدیر پروفیسر حدیث وصدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، مولانا سید حیدر ولی اللہ قادری، ناظم دارالعلوم لطیفیہ خانقاہ حضرت قطب ویلور کرناٹک، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری جیسی شخصیات شامل ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر شخص حضرت ملک العلماء کی علمِ حدیث میں مہارت اور اس کے مختلف گوشوں پر دسترس کی بھرپور شہادت دے گا۔ خاص طور سے ۲۵ صفحات پر پھیلا ہوا اس کتاب کا گرانقدر مقدمہ، اصولِ حدیث کا شاندار گلدستہ ہے جسے پڑھ کر ہر باذوق قاری جھوم اٹھتا ہے۔ حضرت کے یہ سارے حدیثی افادات محدث بریلی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے بحرِ علم کی چند قیمتی موجیں ہیں جس کا اعتراف خود حضرت ملک العلماء نے ان کلمات سے کیا ہے:

"ھذا نھر اصغر من البحر الاکبر من بحار علوم سیدی وشیخی نفعنا ببرکاتہ فی الدینا والآخرۃ"

(صحیح البھاری. کتاب الصلوٰۃ، ۱/۲۶)

عقائد ومناظرہ:

حضرت ملک العلماء کا دورِ معتقداتی معرکہ آرائیوں کا گرما گرم دور تھا۔ اہلِ سنت کی وحدت پارہ پارہ ہورہی ہے اور لوگ نت نئے خیموں میں داخل ہوتے جارہے تھے۔ ابنِ عبدالوہاب نجدی کے مسموم عقائد اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کے ذریعہ متحدہ ہندو پاک کے خطوں میں پھیل رہے تھے۔ اس لئے ملت کے پاسبان بھی شیرازۂ ملی کو سمیٹنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس خصوص میں اسمٰعیل دہلوی کے ہم درس اور مکتب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاص فیض یافتہ علامہ فضل حق خیر آبادی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے حمایتِ حق اور باطل کی سرکوبی کا جو مستحکم سلسلہ شروع کیا تھا اسی کی کڑیاں ملاتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے بھی حق کی حمایت اور باطل کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ چھیڑ رکھا تھا جس نے باطل کے منہ زور بڑھتے سیلاب پر کامیاب بند باندھا۔ حضرت ملک العلماء بھی مکتبِ رضا کے فیض یافتہ تھے اس لئے آپ نے بھی باطل سے مختلف محاذ پر لوہا لیا اور انہیں فاش شکستیں دیں۔ آپ کے مناظرے کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ حریف کو اسی کے اسلحے سے اس شائستگی سے زیر کرتے تھے کہ ذوقِ لطیف پر ذرا سی بھی خراش نہ آتی۔ شائستہ اور متین تنقید پر آپ کی پہچان کہی جاسکتی ہے۔

آپ نے وہابیت کی جملہ شاخوں غیر مقلدیت، دیوبندیت اور آریوں، مسیحی مشنریوں کے مبلغوں سے بہت کامیاب بحثیں کیں اور انہیں شکست سے دوچار کیا۔ آپ کا دور تو دیوبندیت اور وہابیت پر دارو گیر کا خاص دور تھا، اس لئے ان سے رزم آرائیاں تو تھیں ہی، آریہ سماجیوں اور عیسائی مشنریوں نے بھی بھولی بھالی عوام کو پھانسنے کے لئے

جال پھیلا رکھا تھا۔ اس لئے علمائے اسلام ان کے خلاف بھی صف آراء ہوتے۔ ملک العلماء نے بھی اس محاذ پر اسلام کی پاسبانی کے حقوق ادا کئے۔ آپ جہاں کہیں حمایتِ حق کے لئے تشریف لے گئے، نصرت خداد آپ کی رفیق رہی۔ آپ کی اسی فاتحانہ شوکت کو شفقیانہ تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کے شفیق مربی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ۔

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے　　　اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

ملک العلماء کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد لکھتے ہیں:

"مجھے یاد آتا ہے کہ میرے بچپن میں وہ (حضرت ملک العلما) آریہ سماجیوں اور مسیحی مبلغین سے مناظرے کے لئے جلسوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ غیر مقلدین وغیرہم سے مناظرے کے لئے بھی وہ دور دراز کے علاقوں سے مدعو کئے جاتے تھے۔ ایک مناظرے کے لئے وہ برما بھی تشریف لے گئے تھے۔"

(حیاتِ ملک العلما۔ ص:۱۶)

حضرت ملک العلما، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے حکم پر فیروز پور میوات کے علاقے موضع جھرکا میں دیابنہ سے مناظرے کے لئے تشریف لے گے اور فتح یاب ہوکر بریلی شریف واپس ہوئے۔ "اس موقع پر اعلیٰ حضرت نے ایک اونی جبہ عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا: یہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔" (حیاتِ اعلیٰ حضرت ۱/۵۵)

اس مناظرے کی پوری روداد آپ کے مرتبہ رسالہ "شکستِ سفاہت" (۱۳۲۶ھ) میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی کئی رسالے آپ نے تصنیف فرمائے:

۱۔الحسام المسلول علیٰ منکر علم الرسول (۱۳۲۳ھ) ۲۔ سجم الکنز ہ علیٰ الکلاب الممطر ۃ (۱۳۲۸ھ) ۳۔ النبر اس لدفع ظلام المنھاس (۱۳۲۹ھ) ۴۔ رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ) ۵۔کشف الستور عن مناظرۃ رامپور (۱۳۳۴ھ) ۶۔ظفر الدین الجید (۱۳۲۳ھ) ۷۔گنجینۂ مناظرہ (۱۳۳۴ھ) ۸۔ظفر الدین الطیب وغیرہ رسائل بھی مناظراتی تحریریں ہیں۔ زیرِ نظر مجموعے میں بھی کئی فتاویٰ مناظراتی انداز کے ہیں جن پر گفتگو بھی آتی ہے۔ یہ تمام چیزیں حضرت ملک العلماء کے مناظراتی معیارِ فن کو متعین کرتی ہیں اور معتقداتی پہلوؤں اور تقابلِ ادیان کے وسیع اور متنوع علوم میں آپ کی دسترس کے شواہد فراہم کرتی ہیں۔

ہیئت وتوقیت:

یہ فنون حضرت ملک العلماء کی پہچان تھے اور آپ ان میں معاصرین کے درمیان یکتائے روزگار۔ اس امتیاز کے لئے امام احمد رضا کی یہ شہادت کافی ہے:

"(مولانا ظفر الدین قادری) علمائے زمانہ میں علمِ توقیت سے تنہا آگاہ ہیں۔ امام ابن حجر مکی نے زواجر من اس علم کو فرضِ کفایہ لکھا ہے اور اب ہند بلکہ عام بلاد میں یہ علم، علما بلکہ عام مسلمین سے اٹھ گیا۔ فقیر نے بتوفیقِ قدیر اس کا احیا کیا اور سات صاحب بنانا چاہے، جس میں بعض نے انتقال کیا، اکثر اس کی صعوبت سے چھوڑ بیٹھے، انہوں نے بقدرِ کفایت اخذ کیا اور اب میرے یہاں کے طلوع وغروب ونصف النہار ہر روز وتاریخ کے لئے اور جملہ اوقات ماہِ رمضان شریف کے لئے بھی بناتے ہیں۔" (حیاتِ اعلیٰ حضرت ۱/۲۴۴)

حضرت ملک العلماء نے اس علم کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بارگاہ میں رہ کر سیکھا اور اس میں مکمل مہارت حاصل کی۔ ہند و پاک کے دائمی اوقاتِ صلوٰۃ تخریج کئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے زبانی افادات اور اپنی ذاتی توضیحات کو یکجا کر کے کئی رسائل ترتیب دیئے: ۱۔الجوہر والیواقیت فی علم التوقیت معروف بہ توضیح التوقیت (۱۳۳۰ھ) ۲۔ بدر الاسلام لمیقات کل الصلوٰۃ والصیام معروف بہ موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ) ۳۔توضیح الافلاک معروف بہ سلم السماء (۱۳۴۰ھ) ۴۔مشرقی اور سمت قبلہ/مشرق کا غلط مسلک (۱۳۵۸ھ) جیسی حضرت کی قیمتی تحریریں انہیں فنون سے

تعلق رکھتی ہیں۔

توضیح التوقیت کی ترتیب کے سلسلے میں ملک العلماء اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ نے علمِ توقیت کے قواعد کتابی شکل میں مدون نہیں فرمائے بلکہ میری تعلیم کے زمانے میں قواعد زبانی فرمایا کرتے تھے جس کو میں اردو زبان میں لکھ لیتا اور میرے دوست وہم سبق حکیم سید عزیز غوث صاحب بریلوی فارسی میں لکھ لیا کرتے اور شرکائے درس میں کوئی ان سے، کوئی مجھ سے سیکھا کرتا۔ بہر کیف! ایک زمانے تک وہ سب رڈی پرزے کی شکل میں رہے۔ اس کے بعد میں نے بعض احباب کی فرمائش سے ان سب کو کتابی شکل میں جمع کر دیا اور اس کو آسان سے آسان تر کرنے کے لئے مثالوں کے علاوہ تشریح مقاماتِ متعلقہ کے عنوانات سے ہر قاعدے کو اتنا واضح کر دیا کہ اس کتاب کو پیشِ نظر رکھ کر ہر شخص اس فن کو بہ آسانی گھر بیٹھا سیکھ سکتا ہے۔ کہیں شبہ ہو تو بذریعہ خط دریافت کر لینا کافی ہے۔'' (حیات ملک العلماء ص:۲۹)

حضرت نے نہ صرف یہ کہ اس علم کے افادات تحریری شکلوں میں عام کئے بلکہ اسے سفینوں کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی منتقل کیا اور کئی ایک نامور تلامذہ پیدا کئے۔ بہتیرے شائقین اس فن میں آپ سے خطوط کے ذریعہ استفادہ کرتے۔ ان مستفیدین میں مولانا حاجی محمد ظہور نعیمی مراد آباد اور مولانا مفتی سید محمد عمیم الاحسان ڈھاکہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں اول الذکر نے متحدہ ہندو پاک کے سارے مشہور مقامات کے اوقات صوم وصلوٰۃ ''ظہور الاوقات'' کے نام سے تخریج کئے ہیں۔ اس کتاب کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں ہر مقام کا سمتِ قبلہ بھی تحریر ہے۔ یہ اس قابل ہے کوئی ادارہ اسے نئے انداز سے ایڈٹ کر کے شائع کرے۔

ان فنون میں آپ کے باضابطہ تلامذہ میں مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور (متوفی ۱۹۷۱ء)، مفتی نظام الدین بلیاوی الہ آباد، اور مولانا یحییٰ بلیاوی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

سوانحی ادب:

حضرت ملک العلماء بہت شستہ اور نکھرا ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی تحریریں چاہے جس موضوع سے تعلق رکھتی ہوں، بیان کی شائستگی اور لہجے کی شگفتگی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ مناظرانہ اور تنقیدی تحریروں میں بھی کہیں سوقیانہ لب ولہجے کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اسی شگفتہ نثر میں سیرت وسوانح کے موضوع پر بھی آپ نے قیمتی تحریریں چھوڑی ہیں:

۱۔ شرح الشفا للقاضی عیاض (نامکمل) ۲۔ مولودِ رضوی (۱۳۶۰ھ) ۳۔ مبین الہدیٰ فی نفی امکان مثل المصطفیٰ (۱۳۲۴ھ) ۴۔ تنویر السراج فی ذکر المعراج (۱۳۵۳ھ) ۵۔ اعلام الاعلام باحوال العرب قبل الاسلام (۱۳۴۱ھ) ۶۔ خیر السلوک فی نسب الملوک (۱۳۳۳ھ) ۷۔ جواہر البیان فی ترجمۃ خیرات الحسان (۱۳۳۳ھ) ۸۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت/ مظہر المناقب (۱۳۶۹ھ) ۹۔ چودھویں صدی کے مجدد (۱۳۶۷ھ) المجمل المعدد لتالیف المجدد (۱۳۶۷ھ) یہ ساری تحریریں آپ کے سوانحی ادب کا شاہکار ہیں۔

یوں تو حضرت کی ساری تصانیف اخلاص اور عقیدت کے جذبے سے سرشار ہو کر معرضِ تحریر میں آئیں لیکن مذکورہ بالا تصانیف میں عشقِ رسول اور محبتِ رضا کے شیریں جذبے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہیں۔

شفائے قاضی عیاض کی عربی حاشیہ نگاری کا آغاز ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ بروز چہارشنبہ ہوا۔ اس کے آغاز میں لکھتے ہیں:

انی نذرت للرحمن انه لما تمت هذه الحاشية اصلی مائة ركعة ان شاء الله''

''میں نے خدا کے حضور نذر مانی ہے کہ جب یہ حاشیہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا، اس وقت سو رکعت نمازیں شکرانہ نفل کی پڑھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ اساحل

مجدد دِملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ سے آپ کو بہت گہری عقیدت تھی۔ آپ نے امام احمد رضا کے اتباعِ رسول اور عشقِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی خوشبوؤں میں بسے شب و روز دیکھے، ان کی شفقتیں، ہمدردیاں، انسانیت نوازی اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کا مشاہدہ کیا،علم وفن اور فکر وقلم کی عبقریت ملاحظہ کی۔اس لئے ان سے شیفتگی کے والہانہ جذبات انتہا کو پہونچے ہوئے تھے۔ ''من احب شیئا اکثر ذکرہ'' محبوب کے ذکر سے روح کو بالیدگی ملا کرتی ہے۔اس لئے امام احمد رضا کا ذکر بھی حضرت ملک العلماء کی تسکینِ روح کا سامان تھا۔جلوت وخلوت ہر جگہ امام احمد رضا کا ذکرِ جمیل حرزِ جاں رہتا۔آپ کے خواجہ تاش، خلیفۂ امام احمد رضا، مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شہسرامی جب کبھی ''ظفر منزل'' پٹنہ تشریف لاتے تو پوری پوری رات اعلیٰ حضرت کے ذکرِ جمیل میں گذر جاتی۔

پروفیسر مختار الدین احمد کے لفظوں میں:

''رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اوران کے فضائل ومناقب میں پوری رات گذر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف،تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اوران کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔دونوں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے عاشق جوٹھہرے۔''

(ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء ص:۶۱)

جب تک اعلیٰ حضرت حیات سے رہے، ملک العلماء نے ہمہ دم خودکوان کی ہرممکن علمی خدمت کے لئے مستعد رکھا۔کارِ افتاء میں معین رہے،منظرِ اسلام کی تدریسی ذمہ داری سنبھالی،حضرت صدر الشریعۃ اور ملک العلماء نے بڑی تندہی سے اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی حفاظت اور اشاعت کی جانب توجہ فرمائی۔اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی رحلت کے بعد حضرت مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا قادری برکاتی نوری قدس سرہٗ کی خواہش پر ملک العلماء بریلی شریف تشریف لے گئے اور تین چار مہینے کی جانکاہ محنت کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ڈھیروں تصانیف کے مبیضے تیار کئے،منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کی اور یوں بہتیری تصانیفِ رضا کو ضائع ہونے سے بچالیا،لیکن ایک شیفتۂ رضا کی یہ جاں نثارانہ خدمات کچھ تنگ نظر حضرات کوایک آنکھ نہ بھائی اور وہ ان تصانیفِ رضا کی اشاعت میں تاخیر کرنے کے حیلے کرنے لگے۔اس سے کبیدہ خاطر ہوکر حضرت ملک العلماء بریلی شریف کے ایک دوست کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں:

''میں نے تین مہینے کس جانفشانی سے کام کیا اور خدا کا شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو ضائع ہونے سے بچالیا مگر جو قدر دانی کی گئی، وہ آپ کے اور سب کے پیشِ نظر ہے۔اگر تصنیفات کی اشاعت ہی کا سلسلہ جاری ہوتا تو دینی فائدہ کثیر ہوتا۔''

(حیات ملک العلما۔ ص:۲۷)

مولانا امجد رضا خاں نوری کوایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ العزیز کی جملہ تصانیفات و تالیفات وتحریرات چھپ جائیں تو سنیوں کو کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔تفسیر، حدیث، فقہ،تصوف،عقائد،اخلاق کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت،توقیت، حساب، جبر و مقابلہ،تکسیر، جفر، زائچہ، کون سے علوم ہیں جن میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف نہیں۔جس وقت یہ کتابیں جناب کی ہمت ومحنت وتوجہ سے چھپ جائیں گی، اس وقت لوگوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اعلیٰ حضرت کیا تھے۔''

(حیاتِ ملک العلما۔ ص:۲۶)

احسان شناسی کے جذبوں سے لبریز حضرت ملک العلماء کی ذات گرامی نے اپنے سارے محسنوں کے حقوقِ محبت ادا کئے۔آپ کے ذخیرۂ مکاتیب اور قلمی یادداشتوں کے مجموعے اس کی تصدیق کے لئے کافی سے زائد مواد فراہم کرتے ہیں۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کے سب سے زیادہ منت کش تھے، اس لئے ہمیشہ ان کی یادوں میں مگن اوران

کے ذکرِ جمیل میں رطب اللسان رہے۔ پوری زندگی ان کے فکری مشن کی اشاعت کے لئے وقف رکھی، ان کی نگارشات کے تحفظ اور طباعت کے لئے حضرت صدر الشریعہ اور ملک العلماء یکساں طور سے مضطرب نظر آتے ہیں۔ آپ اپنے دامن سے وابستہ حضرات کو ''ظفری'' کے بجائے ''رضوی'' لکھنے کی تاکید فرماتے۔ اعلیٰ حضرت کی تصانیف کی سب سے پہلی شیرازہ بندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ ''المجمل المعدد لتالیف المجدد'' میں سب سے پہلے آپ نے امام احمد رضا کی تقریباً آٹھ سو تصانیف کی موضوعاتی فہرست پیش کی ہے۔ امام احمد رضا کے حوالے سے آپ کا سب سے عظیم کارنامہ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کی تدوین ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ کا وصال شریف ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں ہوا۔ آپ کے وصال کے سترہ سال بعد تک آپ کی حیات و خدمات پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ چند مقالات، تاثرات یا مختصر کتابچے، ظاہر ہے، مشرق کے اس عبقری کا کیا تعارف کراسکتے تھے۔ اس راہ میں کئی چیزیں حائل ہوئیں۔ ۱۹۲۱ء کا زمانہ خلافت موومنٹ اور نان کوآپریشن تحریک کی شورشوں سے لبریز زمانہ تھا۔ پھر سلطنتِ عثمانیہ کے سقوط، ۱۹۲۵ء سے آریہ سماج کا شدھی سنگھٹن اور پھر ۱۹۳۰ء سے دو قومی نظریے میں آئی شدت اور قیامِ پاکستان کے تصورات نے ایسا ماحول پیدا کردیا تھا جس نے اسلامیانِ ہند کے دل و دماغ ہلا کر رکھ دیئے تھے۔ ماحول کی ابتری اور دینی اور سیاسی قائدین کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے ذہنوں میں قنوطیت کی ایسی برف جما رکھی تھی کہ فکریں قریب قریب شل ہوچکی تھیں۔ رفتہ رفتہ حالات نے سنبھالا لیا اور برف پگھلنے لگی اور پھر امام احمد رضا کے حوالے سے اس جمود کے حصار سے جو ذاتِ گرامی سب سے پہلے نکلی وہ منظورِ نگاہ اعلیٰ حضرت، حضرت ملک العلماء کی ذات کریم تھی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے کمرِ ہمت کسی اور اس ''ہفت خواں'' کو طے کرنے کی ٹھانی۔ اس راہ میں وابستگانِ رضا میں سے جاں نثار اعلیٰ حضرت، مولانا سید ایوب علی قادری رضوی نے آپ کا پورا پورا تعاون کیا بلکہ انہوں نے بے مثل ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پاس موجود سارا سوانحی مواد حضرت ملک العلماء کے حوالے کردیا۔ بارہ سال کی محنت کے بعد چار جلدوں میں یہ تصنیف مکمل ہوئی۔ ۱۹۵۵ء میں اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہوا۔ دوسری جلد اب تک دستیاب نہ ہوسکی، تیسری اور چوتھی جلد پہلی جلد کے ہمراہ نصف صدی طے کرنے کے بعد اب شائع ہونے جارہی ہے۔ اس طور سے دیکھا جائے تو حضرت ملک العلماء نے سوانحی ادب پر بھی خاصے علمی آثار چھوڑے ہیں۔

فقہ و تصوف:

''مَنْ تَفَقَّهَ وَ لَمْ يَتَوَّ فْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهُ فَقَدْ تَزَنْدَقَ'' (امام مالک)

''جس نے عالم شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ طرز صوفیا کی پیروی نہ کی، وہ بے عمل ٹھہرا اور جس نے صرف زہد اختیار کیا اور شریعت کے علم سے بے بہرہ رہا، اس کے ایمان کا بھی بھروسہ نہیں'' ۔۱۲ ساحل

اس ارشاد مالکی کی روشنی میں فقہ اور تصوف کا آپس میں گہرا ربط نظر آتا ہے بلکہ ابتدا میں دونوں ایک ہی دائرہ علم میں آتے تھے۔

علامہ محبّ اللہ بہاری ''مسلم الثبوت'' میں تحریر فرماتے ہیں۔:

''ان الفقه فی الزمان القديم كا متنا ولا لعلم الحقيقة و هی الا لهيات من مباحث الذات والصفات وعلم الطريقة وهی مبا حث المنجيات والمنلكات وعلم الشريعة الظاهرة''

''زمانہ قدیم میں علم فقہ، علم حقیقت کے مباحث پر مشتمل ہوتا تھا جسے علم الٰہیات کہتے ہیں اور جس میں خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات سے بحث ہوتی ہے۔ یونہی نجات بخش اور ہلاکت آمیز چیزوں کے علم، علم طریقت اور شریعت مطہرہ کے ظاہری علوم بھی اس علم کے دائرے میں آتے تھے'' ۱۲۔ساحل

بعد کے زمانوں میں تمدن کے پھیلاؤ نے جب علم کی شاخوں کو

ضرب دینا شروع کیا تو فقہ اور تصوف دونوں نے اپنی الگ الگ ممتاز شناختیں بنالیں لیکن ہزار دوری کے باوجود قدیم رفاقت کا اثر تو رہنا ہی تھا۔اسی لئے حضرت امام غزالی ایک فقیہ کو تصوف کے رنگ میں ہی رنگا دیکھنا چاہتے ہیں۔فقیہانہ اوصاف کی یہ غزالی تشریح دیکھئے۔فرماتے ہیں:

''فقیہ وہ ہے جو دنیا سے دل نہ لگائے اور آخرت کی طرف ہمیشہ راغب رہے، دین میں کامل بصیرت رکھتا ہو، طاعات پر مداومت اپنی عادت بنالے، کسی حال میں بھی مسلمانوں کی حق تلفی برداشت نہ کرے، مسلمانوں کو اجتماعی مفاد ہر وقت اس کے پیش نظر ہو، مال کی طمع نہ رکھے، آفات نفسانی کی باریکیوں کو پہچانتا ہو، عمل کو فاسد کرنے والی چیزوں سے بھی باخبر ہو۔راہ آخرت کی گھاٹیوں سے واقف ہو، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر قابو پانے کی قوت بھی اپنے اندر رکھتا ہو، سفر و حضر اور جلوت و خلوت میں ہر وقت دل پر خوف الٰہی کا غلبہ ہو۔'' (احیاء العلوم)

فقہ اور فقیہ کی ان تشریحات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں تو حضرت ملک العلماء قدس سرہ، ایک ممتاز فقیہ اور پرسوز صوفی نظر آتے ہیں۔ تصوف پر آپ کی کوئی باضابطہ تصنیف تو نہیں ملتی لیکن آپ کی جملہ فقہی اور دینی تصنیفات میں حضرات صوفیہ کی رواداری اور اخلاص کے جذبے رونق افروز ملتے ہیں۔ آپ کی پاکیزہ زندگی کے شب و روز معمولات صوفیہ اوراذکار واشغال سے معمور دکھائی دیتے ہیں۔تعصب اور تنگ نظری سے کوسوں دور، قلبی پاکیزگی اور طہارت باطن کا نگارخانہ تھی آپ کی ذات گرامی۔معاند سے بھی کبھی آپ کو سوقیانہ کلام کرتے نہ دیکھا گیا۔تحریروں کی شائستگی اور جذبوں کی سادگی کہتی ہے کہ یہ کسی مرد خدا کے بول لگتے ہیں۔ زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ کے کتاب الحظر والا باحۃ میں کئی صوفیانہ فتاویٰ شامل ہیں۔حضرت امام غزالی نے ایک فقیہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں، وہ سارے اوصاف حضرت ملک العلماء کی پاکیزہ، تقویٰ شعار، خداترس اور سراپا اخلاص ذات گرامی میں موجود ملتے ہیں۔

حضرت کی فقیہانہ شان پر کچھ گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ و افتا کے تعلق سے بھی کچھ بنیادی معلومات اور ان کے مختلف مراحل کا اجمالی تعارف پیش کردیا جائے تاکہ قارئین، کتاب کے مندرجات اور خود صاحب کتاب کی شان کمال کا اندازہ کرسکیں۔

ہم حضرت ملک العلماء کی فقہی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ایک ممتاز فقیہ، متبحر مفتی اور تجربہ کار اسلامی دانشور نظر آتے ہیں۔ آپ نے چون سال تک افتا نگاری فرمائی، کثیر فقہی موضوعات پر رسالے تحریر فرمائے اور نجی محفلوں میں ہزاروں لاکھوں مسائل بیان فرمائے۔

۱۔ مواہب ارواح القدس لکشف حکم العرس (۱۳۲۳ھ)۔
۲۔ اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد (۱۳۲۵ھ)۔
۳۔ التعلیق علی القدوری (۱۳۲۵ھ)۔۴۔ بسط الراحۃ فی الحظر والاباحۃ (۱۳۲۶ھ)۔۵۔ الفیض الرضوی فی تکمیل الحموی (۱۳۲۶ھ)۔
۶۔ رفع الخلاف من بین الاحناف (۱۳۳۲ھ)۔۷۔ القول الاظہر فی الاذان بین یدی المنبر (۱۳۳۳ھ)۔۸۔ تحفۃ الاحباب فی فتح الکوۃ والباب (۱۳۳۶ھ)۔۹۔ نہایۃ المنتہی فی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ)۔۱۰۔ تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۴۸ھ)۔
۱۱۔ نافع البشر فی فتاویٰ ظفر (۱۳۴۹ھ)۔۱۲۔ نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب (۱۳۵۴ھ)۔۱۳۔ جامع الاقوال فی رویۃ الہلال (۱۳۵۷ھ)۔۱۴۔ عید کا چاند (۱۳۷۰ھ)۔۱۵۔ تنویر المصباح للقیام عند حی الفلاح (۱۳۷۱ھ) جیسی آپ کی قیمتی تحریریں فقہ و افتا کے موضوع سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

مفتی اور فقیہ کا جو معیار حضرت امام غزالی نے پیش کیا تھا، اس کی روشنی میں احقر نے منصب افتا کے ذمہ دار کے لئے خصائص کے دو خانے ذکر کئے تھے جن میں سے ایک کا تعلق اس کی ذاتی سطح سے تھا اور دوسرے کا علمی سطح سے۔ دونوں سطحوں کا معیار، ان کے لوازمات اور تقاضوں پر گذشتہ اوراق میں گفتگو ہو چکی۔ان کے تناظر میں ہم جب

حضرت ملک العلماء کے اوراق حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ان دونوں معیار پر کھرے اترتے کھائی دیتے ہیں۔

آپ کا اخلاقی معیار اتنا روشن ہے کہ بس دیکھا کیجئے۔ احقر نے حضرت کی خودنوشت یادداشتیں، قلمی سرمائے، خطوط کے ذخیرے اور مختلف گرانقدر اوراق کی زیارت کی ہے۔ کسی مبالغہ اور تردد کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ہر قدم پر مخلص سنت، مصلح امت، پر سوز داعی، خداترس، بندۂ طاعت شعار، دردمند طبیعت اور سوز دردوں سے لبریز ایک اچھے انسان نظر آئے۔ آپ کے یہاں حرص وآز کا گذر نہیں، قناعت پسندی شیوۂ فطرت تھی، تنگ دستی کے باوجود ہر کار خیر مین سبقت فرماتے۔ کثیر مدارس، خانقاہوں اور مکتبوں کی اپنی جیب خاص سے مدد فرماتے۔ ملت کے مفادات پر ذاتی مفاد کو بے دریغ قربان کردیتے، ہر آڑے وقت پر کام آتے۔ آپ کے ساتھ جس نے بھی احسان کیا، اسے ہمیشہ یاد رکھا بلکہ اس کا حق احسان ادا کرنے کی کوشش کی۔ فتنوں سے بے زار اور ہمدردیوں سے ہمیشہ قریب رہے۔ ان باتوں کی قدرے تائید دیکھنی ہو تو اس مجموعۂ فتاویٰ میں شامل رسالہ مبارکہ ''تحفۃ الاحباب فی فتح الکوٰۃ والباب'' کا مطالعہ کیجئے۔ اسی طرح ''ہادی الھداۃ لترک الموالات (۱۳۳۹ھ) اور ''سدّ الفرار لھا جری بہار'' (۱۳۶۶ھ) جیسی تحریروں میں بھی آپ نے بہت سوز دل کے ساتھ ملت کی صحیح راہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

میں یہاں کتاب السیر کے ایک فتوے کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے حضرت کے سوز دروں اور خیر خواہی امت کا قدرے اندازہ ہو جائے گا۔ ہنود کی دل آزاری کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کرنے پر تنبیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''لَا یَا لُوْ نَکُمْ خَبَالاً'' کی تصدیق دیکھئے کہ ہاتھ ملاتے ہی قربانی پر نظر شفقت پھیری۔ بظاہر ترک اضحیہ بقر کی خواستگاری ہے مگر اہل اسلام کی مذہبی حالت، احکام خدا کی تعمیل میں توانی (سستی) ومساہلت، ہر ایک کے پیش نظر ہے۔ آج جب روپے، ڈیڑھ روپے میں واجب اضحیہ ادا ہو جاتا ہے، جب تو یہ حالت ہے کہ سیکڑے تیس، جن پر قربانی واجب ہے، نہیں کرتے۔ پھر جب چھ سات روپے صرف ہونے لگیں گے، سیکڑے ستر اسی اس ثواب سے محروم رہا کریں گے۔ بقیہ کا کرنا بھی اس صورت پر موقوف ہے کہ برادران وطن سچے دل سے اس کی اجازت دیں۔ ورنہ دل آزاری کا وہ نایاب نسخہ ہاتھ لگا ہے کہ نہ صرف قربانی بلکہ اذان، تکبیر، جمعہ، جماعت، وعظ، نصیحت، جس کام کو چاہیں گے، بند کرادیں گے اور پھر دوست کے دوست۔

مسٹر گاندھی وغیرہ لیڈران ہنود کا مسلمانوں سے اتفاق واتحاد ظاہر کرنا، خلافت خلافت چلاّ نا، صرف اپنا الّو سیدھا کرنے، گاؤ کشی ترک کرانے کے لئے ہے۔ اخباروں کے کالم ان واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ اخبار حقیقت لکھنؤ ۳۰ جنوری ۱۹۲۰ء کا مضمون جس کی سرخی ''انسداد گاؤکشی پر مسلمانوں کا شکوہ'' ہے۔ ملاحظہ کرنے سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ انسداد گاؤکشی میں مسٹر گاندھی نے سب سے پہلے ابتدا کی ہے۔ انہوں نے اپنی دلی محبت سے مسلمانوں سے اتحاد عمل کرلیا ہے اور اس طرح وہ گایوں کی جانوں کو بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ غرض ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آنا اور ابتدائے ا ام سے اس وقت تک مسلمانوں پر جو جو مظالم ہوتے آئے ہیں، خصوصاً حال کے واقعات شاہ آباد و کٹار پور وغیرہ کو اس قدر جلد بھلا دینا، مسلمانوں کی سخت نادانی اور غلطی ہے۔''

علمی سطح پر حضرت ملک العلماء کی جامعیت کا ایک زمانہ شاہد ہے۔ رائج دینی علوم کا کون سے ایسا گوشہ ہے جو آپ کی نگاہ میں نہ تھا۔ اس وسیع النظری پر قدرے گفتگو پہلے بھی ہو چکی ہے۔ فقہی زاویے سے چند شواہد یہاں بھی پیش ہوتے ہیں۔

وسعت نگاہ:

حضرت ملک العلماء جملہ اسلامی اور فلکیاتی علوم اتھارٹی تھے۔ ان کی تصانیف کی فہرست سے ہی ان کی علمی سعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ زیر نظر مختصر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی آپ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کے شواہد بکھرے پڑے ہیں۔ میں یہاں اس کے چند اشارے دیتا ہوں۔

احقر نے جب حضرت ملک العلماء کے موجودہ فتاویٰ کے مآخذ

کتب کی فہرست تیار کی تو یہ کتابیں تین سو سے اوپر جا پہنچیں۔ ان میں تقریباً تیس کتابیں فن تفسیر سے متعلق ہیں، ستر سے زائد کتب حدیث اور تقریباً ڈیڑھ سو فقہی کتابیں۔

فتاویٰ کے دوران جب آپ تفسیر وحدیث اور فقہی کتابوں کے حوالے پیش کرنے پر آتے ہیں تو مستند حوالوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔

کتاب الصوم کے آغاز میں آیت کریمہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ" کی تفسیر پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

"فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ چند اقوال جو اس وقت نظر فقیر میں ہیں، قلمبند ہوتے ہیں۔

(۱) تفسیر بیضاوی، جلالین، مدارک، تفسیر خازن، ابن جریر طبری، تفسیر نیشاپوری، درمنثور، تفسیر واحدی، تفسیر حسینی، معالم التنزیل، تنویر المقیاس، روح المعانی، بحر المحیط، النہر تفسیر کبیر، تفسیر کشاف، تفسیر ابن کثیر، فتح البیان قنوجی، میں ہے: واللفظ للاول "فمن حضر فی الشهر ولم يكن مسافرا فليصمه" یعنی جو شخص رمضان کا مہینہ اپنے گھر میں پائے اور مسافر نہ ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

(۲) تفسیر بیضاوی، تفسیر حسینی، روح البیان، بحر المحیط میں ہے: واللفظ للبیضاوی "فمن شهد منكم هلال شهر فليصمه" یعنی جو شخص تم میں سے رمضان کا چاند پائے تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔

روح المعانی میں اتنا اور بڑھایا "وتيقن به" یعنی رمضان کا چاند پائے اور اسے تیقن ہو تو اسے چاہئے کہ روزہ رکھے۔ بحر المحیط میں یہ معنی لکھ کر محاورہ کے اعتبار سے اس معنی کو ضعیف کہا کہ محاورہ شهدت الهلال نہیں کہتے بلکہ شاهدت۔

کتب حدیث اور طرق حدیث کے ذخیروں پر بھی وسیع نگاہ تھی۔ ستر سے زائد کتابوں کے حوالے تو اسی مجموعے میں ملتے ہیں۔ ایک مضمون کی دسیوں حدیث پیش کر دیتے ہیں۔ ایک حدیث کے دسیوں طرق بیان کر جاتے ہیں۔ تعمیر مسجد کے فضائل پر مختلف رواۃ کی چودہ حدیثیں بیان فرمائیں۔ اسی ذیل کی دوسری حدیث بیان فرمائی تو گیارہ ائمہ حدیث کی نو صحابہ کرام سے مرویات بیان کر دیں اور لطف یہ کہ متن کے مختلف اضافے بھی ذکر فرمائے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

"دوسری حدیث میں ہے: من يبنى لله مسجدا جو شخص خدا کے لئے مسجد بنائے وفی رواية ولو كمفحص قطاة اگرچہ قطاۃ کے گھونسلے جیسی وفی رواية او اصغر یا اس سے بھی چھوٹی وفی رواية يذكر الله عز وجل فيه تاکہ اس میں ذکر خدا ہوئے (نہ کہ مسجد ضرور کہ تفریق بین المسلمین وتقلیل جماعت کی غرض سے بنائی جائے) بنى الله له بيتا فى الجنة اللہ اس کے لئے گھر جنت میں بنائے گا فی رواية من درّ ويا قوت موتی اور یاقوت کے رواہ ابن ماجه وابن حبان وسيدنا ابو حنيفة وابن خزيمة والبزار فى مسنده والطبرانى فى الصغير والترمذى وهو فى الكبير والاوسط وابن عدى والنسائى عن سيدنا عثمان وعمرو جابر بن عبدالله وابى ذروانس بن مالك وابى امامة وابى هريرة واسماء بنت الصديق وعمرو بن عبسة رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين۔"

حضرت ملک العلماء کے فتاویٰ میں فقہی مراجع بھی کثرت سے استعمال ہوئے ہیں آپ کے علم اور مطالعہ کی وسعت کا روشن ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس مجموعۂ فتاویٰ میں شامل فقہی رسالے "تنویر المصباح" "نصرة الاصحاب" "اعلام الساجد" میں کثیر در کثیر فقہی کتب کے حوالے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں ایک مختصر سے فتوے میں بائیس کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تفسیر، حدیث اور فقہی مراجع کی اس قدر کثرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے علمی فیضان کی برکت ہی کہی جا سکتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ اس تنوع، کثرت اور ہمہ جہتی میں بہت ممتاز ہے۔

آداب افتا کی رعایت:

مفتی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فقہا اور کتب فقہ کے

مراتب اور رسم المفتی سے مکمل واقفیت رکھتا ہو اور اس کی روشنی میں فتویٰ دیتا ہو۔ حضرت ملک العلماء آداب افتا پر بصیرانہ عبور رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ میں ان کا پورا پورا خیال رکھتے بلکہ اوروں کو جب ان کی حدود پھلانگتے دیکھتے تو ان کا بھرپور تعاقب کرتے اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے۔ اس کی بہت سی نظیریں اس مجموعے میں مل جائیں گی۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: امام کی جائے قیام عام مقیدیوں کی جگہ سے پانچ انگل بلند ہے یا امام دہلیز میں کھڑا ہے تو نماز میں کچھ قباحت تو نہیں؟۔ امام احمد راضا نے جواب مرحمت فرمایا: ''یہ صورت مکروہ ہے'' حوالے پیش فرمائے، وجہ بتائی پھر اس کا مناسب حل پیش فرمایا۔ یہی استفتا ایک اور صاحب افتا کے پاس بھیجا گیا، ان کا جواب تھا: ''پانچ انگل بلند ہو تو کچھ حرج نہیں'' انہوں نے بھی حوالے پیش کئے، علت بیان کی۔

مستفی نے وہ سوال اور یہ دونوں جوابات حضرت ملک العلما کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت ملک العلمانے آداب افتا سے غافل مفتی کا بھرپور تعاقب کیا۔ میں حوالوں کی عبارات حذف کر کے اس جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جواب سید مولوی ابراہیم رشیدی محض غلط ہے اور دعویٰ محض بے دلیل.....فتاوی عالمگیر یہ سے مقدار ارتفاع قامہ اور ذراع جو لکھا ہے، یہ دونوں بوجہ مخالفت ظاہر الروایۃ غیر معتبر ہیں۔ ظاہر الروایۃ (جس پر عمل وافتا متعین اور اس کے خلاف پر فتویٰ دینا جہل وخروق اجماع ہے) وہی ہے جو حضرت مجیب اول **متع اللہ المسلمین بطول بقائہ** نے اختیار فرمائی ہے۔..

شرح عقود بلکہ باوجود وضوح وشیوع اس کے آپ جیسے تیز فہم کے لئے علمانے تصریح فرمادی کہ جب کبھی فتویٰ لکھنے بیٹھنا تو ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا۔ کیونکہ اس کے خلاف پر افتا جہالت و نادانی وخروق اجماع ہے۔

ثانیا: یہ امر مسلم ہے کہ اتباع اس روایت کا کیا جائے گا جس کے موافق درایت ہو اور احادیث ابی داؤد و حاکم وابن حبان وغیرہم کی اس باب میں مطلق ہیں اور ظاہر الروایۃ قدر ممتاز ہے۔ پھر اس سے عدول فقاہت سے دور بلکہ کار جہول ہے۔

ثالثا: تصحیح اور فتویٰ جب مختلف ہو تو عمل میں اعتبار، موافقت اطلاق متون کا ہوتا ہے۔ اور متون سارے کے سارے یک زبان یہی کہہ رہے ہیں: **یکرہ ان یقوم فی مکان اعلیٰ من مقام القوم اذالم یکن بعض القوم معه**. تو اس سے عدول محض جہالت و نادانی ہے۔

رابعاً: بحر الرائق میں ثابت کہ مخالف ظاہر الروایۃ کا مرجوع عنہ ہوتا ہے۔ اور وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا پھر باوجود ایماء حنفیت امام کے خلاف فتویٰ دینا، سواء مستثنیات خاصہ مصرحہ فتح وشامی وغیرھا کے، خلاف دیانت وعقل ہے۔

خامسا: آپ کا فرمانا **اذ اتعا رضا امامان الخ**. محرر صاحب! اولاً تو یہ مسئلہ ہی اختلافی ہے۔ جس در مختار سے آپ سند لائے اس میں ہی مرقوم ہے:.......

''ولعینی علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاویٰ خیریہ لنفع البریہ میں فرمایا کہ علامات افتا کے بعض الفاظ بعض سے اقویٰ ہوتے ہیں جیسے اصح کہ اقویٰ ہے صحیح سے، تو یہ صحیح پر مقدم کیا جائے گا''۔

سادساً: ذرا یہ تو ارشاد ہو کہ یہاں صحیح اور اصح میں اختلاف کہاں؟ بلکہ اسی روایت کو بعض علماء نے اوجہ لکھا **کما فی الدر** ۔ محقق علی الاطلاق ابن ہمام نے فتح القدیر میں وجیہ فرمایا، فافہم۔ صاحب! یہاں تو ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جہاں ظاہر الروایۃ ہی پر افتا متعین، جسے آپ نے پس پشت ڈال کر یا اپنے پرانے کی نقل بنا کر جہل اور خرق اجماع کی راہ لی **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**.

جب آپ انتقادیات میں اہل سنت کیا بلکہ اہل اسلام کے مخالف ہیں۔ اس شخص کے، جس کے گلے میں علماء عرب وعجم نے تکفیر کی طوق ڈالی ہو، مرید مستفید تو پھر آپ کو ان مسائل میں جو فقہیہ ہیں، جو مائین ہمارے علماء کے مختلف فیہ ہو، عمل وقال کی کس عقلمند نے راہ بتائی؟؟ گر

اپنے زعم میں فقیہ ہو، کچھ تحریر کرنا چاہتے ہو، تو چشم ما روشن دلِ ماشاد۔ کلمہ پڑھو، علمائے حرمین محترمین کے موافق اپنے عقاید بناؤ، تب ان باتوں میں پڑنا ورنہ ایسی ہی خرافات پر جمے رہو۔ ان اختلافی فرعیات میں بحث کرنا تو احمق نمبر۲ بننا ہے۔ جیسے کوئی قادیانی یا ہندو کسی سنی حنفی سے مناظر ہو اور کہے کہ آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالاخفاء؟ تو ہرادنیٰ عقل والا بھی کہے گا کہ ارے او مسخرے! پہلے اسلام لا، سنی بن پھر ان باتوں میں منھ کھولنا۔ اللہ تعالیٰ اصدق الصادقین کی تکذیب کریں، حضور اقدس افضل الناس واعلم الناس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کریں، ابلیس لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتائیں اور فقہیات میں خامہ فرسائی کریں؟ اپنے کو پانچویں سواروں میں بتلائیں؟ ع شرم بادت از خدا واز رسول۔

ایسے جائل مطلق جو آداب مفتی سے محض جاہل اور اس پر طرہ تحریر کا شوق کرے، تو اس سے فتاویٰ عالمگیریہ، **اذا تعارض اماما، درالمختار، حررہ العبد محمد ابراھیم سنی حنفی چشتی رشیدی،** لکھنے کی کیا شکایت؟ ان سب میں الف تو ہضم ہوا ہی تھا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا مگر حافظ جی اسے بھی چٹ کر بیٹھے۔ بالجملہ جواب اول صحیح ہے اور تحریر ثانی غلط صریح، جہل قبیح ہے''۔

یہ اقتباس جہاں حضرت کی آداب افتا سے پوری واقفیت، تفقہ اور دقیقہ رسی کو واضح کر رہا ہے، وہیں آپ کی ظرافت بلیغ اور تیکھی تنقید کے دلچسپ اسلوب کا بھی آئینہ دار ہے۔

تفقہ:

مقامات دین کے فہم اور اصول دین کی بصیرت کو تفقہ کہتے ہیں۔ یہ ملک العلماء کے مربی اور مرشد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا خاص رنگ تھا جو ان کے پورے علمی وجود پر چھایا ہوا تھا۔ حضرت ملک العلماء نے بھی اس بارگاہ فیض سے حصہ لیا ہے۔

اس لئے آپ کے یہاں بھی گہری فقاہت ملتی ہے۔ گو آپ کو شہرت ایک محدث، ایک مصنف، ایک مناظر، ہیئت وتوقیت کے ماہر اور جفاکش مدرس کی حیثیت سے ملی لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ کے یہاں فقاہت کا جو ہر بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس دعوے کی تصدیق کے لئے اسی مجموعے سے اخذ کر کے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

سنی حنفی المذہب کی بنائی ہوئی مسجد میں ایک غیر مقلد صاحب امامت کا شوق رکھتے ہیں۔ مسئلہ پیش ہوتا ہے ملک العلماء کی بارگاہ میں یہ سوال تو دستیاب نہ ہو سکا لیکن جواب کی تفصیلات بتاتی ہیں کہ سوال میں بہت ساری جزئیات تھیں۔ جواب میں حضرت ملک العلماء نے جس جزئیات نگاری، ژرف نگاہی اور دقیقہ رسی سے کام لیا ہے، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ حضرت کی فقاہت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ پورا لطف تو اصل فتوے کے مطالعہ سے ہی اٹھایا جا سکتا ہے۔ میں یہاں اکیس نکات پر پھیلے اس فتوے کے خاص خاص گوشوں کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ابتدا ہوتی ہے: غیر مقلد کا استحقاق امامت کا دعویٰ باطل محض ہے کیونکہ بانی اور مصلی سب سنی ہیں اور اہل محلہ بھی جسے چاہیں گے، وہی امام ہوگا۔ غیر مقلدین بد مذہب کی تو قیر حرام۔ اس لئے امامت کا اعزاز اسے نہیں دیا جا سکتا۔ بد مذہب حدیث اہل نجران کو سند میں نہیں پیش کر سکتے کہ دیکھو وہ کافر مستامن تھے، حضور نے انہیں مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بھلا ایک کلمہ گو کو مسجد سے کیسے روکا جا سکتا ہے؟۔ حضرت نے مختلف حوالوں سے اپنا موقف مستند بنانے کے بعد اخیر میں خوب فرمایا:

''غیر مقلدین اگر حدیث نجران سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پہلے اپنی کلمہ گوئی سے انکار کریں اور یہ ہی کافی نہیں بلکہ اپنے کافر اصلی ہونے کا ثبوت دیں۔ پھر سلطنت اسلام میں امان لے کر آجائیں۔ سلطان اگر مناسب جانے گا تو انہیں بھی کفار نجران کی طرح چند روز امان دے گا اور اتنے دنوں اپنی مسجدوں میں نماز سے نہ روکے گا''۔

غیر مقلد امام نے وقف کا استحقاق ایسا عام سے فائدہ اٹھانا چاہا تو حضرت نے ترکی بہ ترکی جواب سے اس کی بولتی بند کر دی:

''غیر مقلدین کے نزدیک اگر وقف کا استحقاق ایسا عام ہے تو کیا

وہ نوشتہ دے سکتے ہیں کہ ان کی مسجدوں میں ہنود و نصاریٰ و یہود و مجوس وروافض وغیرہ ہم جو فرقہ چاہے جائے اور اپنے طور پر عبارت کرے۔ ناقوس پھونکیں، گھنٹے بجائیں، آگ جلائیں، چلیپا قائم کریں، انہیں کچھ انکار نہ ہوگا؟"

گفتگو آگے بڑھی ہے اور غیر مقلدین کی دراندازی کی ممانعت مختلف وجوہ سے ثابت کی جاتی ہے۔"ان کی آمد سے سینوں کی دل آزاری ہوتی ہے، فتنے اٹھتے ہیں، عوام بدکتی ہے اور وحشتیں، فتنے، دل آزاریاں مسجد سے دور رکھی جائیں گی"۔ آگے چل کر اچھوتی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ان کی مداخلت سے مسجدیں ویران ہوتی ہیں۔ رقم طراز ہیں:

"غیر مقلدین اگر حنفیہ کی مسجدوں میں نہ آئیں تو یہ مساجد ویران نہ ہوں گی کہ ان کے بانی، ان کے نمازی سنی حنفی، ان کے آباد کرنے والے کثیر و وافر ہیں لیکن انہیں اگر حنفیہ کی مساجد پر قبضہ دیا جائے تو رعایا و ملک کے بڑے حصے کو دو سخت ضرروں میں سے ایک ضرر ضرور پہنچے گا:

۱۔ یا تو وہ اپنی نہ چھوڑیں اور غیر مقلدین کی مداخلت واقوال وافعال دل شکنی کے باعث فتنے اٹھیں اور مسجدیں ویران ہوکر جیل آباد ہوں۔

۲۔ یا حنفیہ اپنی عزت، اپنی عافیت عزیز رکھ کر اپنی مسجدیں چھوڑ بیٹھیں۔ ہر طرح غیر مقلدین کا قبضہ ان مساجد کی ویرانی کا سبب ہے اور بحکم قرآن عظیم جس کے آنے سے مسجدیں ویران ہوں، وہی ظالم ہے۔ اس کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں"۔

اس سے نرالی توجیہ ایک ہندوستانی قانون کی روشنی میں ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"شارع عام اور اسی طرح سر راہ افتادہ غیر مملوک زمینوں میں قانوناً تمام رعایا کا حق بلا تفاوت یکساں ہے۔ سڑکیں، راہیں یا وہ زمینیں ہنود کی بنائی ہوئی ہیں، نہ مسلمانوں کی، نہ ان میں کوئی ان کا مالک یا کسی وجہ سے زیادہ حقدار ہے۔ باایں ہمہ قانوناً مسلمانوں کو وہاں قربانی کی ممانعت ہے۔ یہ قانون غیر مقلدین کو ہماری مسجدوں میں سے ممانعت کی ایک اعلیٰ نظیر قائم کرتا ہے۔ غیر مقلدوں کی نماز اگر ان کا مرمذہبی ہے، تو قربانی کیا ہمارا امر مذہبی نہیں؟ بفرض غلط اگر غیر مقلدین حنفیہ کی مساجد میں آکر فتنہ نہیں اٹھاتے بلکہ حنفیہ ہی کو اشتعال طبع ہوکر فتنہ پیدا ہوتا ہے تو مسلمان بھی سڑکوں پر قربانی کرنے میں ہرگز خودلڑائی کی ابتدا نہ کریں گے بلکہ ہنود ہی کو اشتعال طبع ہوکر فساد ہوگا۔ مسلمانوں کو اگر شارع عام پر قربانی کرنا ضرور نہیں بلکہ اپنے گھروں یا قرارداد مذبحوں میں ادا کرسکتے ہیں تو غیر مقلدین کو بھی شرعاً حنفیہ کی مساجد ہی میں نماز پڑھنا ضروری نہیں۔ اپنی مسجد میں بلا تکلف پڑھ سکتے ہیں۔ پھر کیا وجہ کہ مسلمان شارع عام سے منع کئے جائیں، جس میں وہ حق مساوی رکھتے ہیں اور غیر مقلدین، حنفیہ کی مساجد سے نہ روکے جائیں، جن میں انہیں ہرگز حق مساوی بھی نہیں۔ بلکہ شارع عام درکنار مسلمان ایسے گھروں، اپنی خاص مملوک زمینوں میں قربانی سے باز رکھے جائیں، معدود مواضع مقرر کردیئے جائیں، حالانکہ گھروں میں قربانی ہنود کے پیش نظر بھی نہ ہوگی۔ ایک قوم کا اشتعال طبع کہ سنی کی بناء پر فرض کرلیا جائے، دوسری قوم کو اپنا امر مذہبی خاص اپنے ملک میں بجالانے سے باز رکھے اور غیر مقلدین کے آنے سے اشتعال طبع کہ خاص نظر کے سامنے اور وہ بھی ان مساجد میں جو حنفیہ کی بنائی ہوئی ہیں اور انہیں کا حق ان میں مقدم ہے، غیر مقلدوں کو ان مساجد سے منع نہ کرے؟ یہ انصاف سے بہت دور ہے"۔

اخیر میں دو اور عقلی رد ذکر کرتے ہوئے جواب مکمل فرماتے ہیں۔ چونکہ یہ دونوں شقیں بھی خالص منطقی ہیں اور تفقہ کی چاشنی سے لبریز۔ اس لئے ان کے اقتباسات ذرا طویل ہونے کے باوجود پیش کرتا ہوں۔ حضرت ملک العلماء رقم طراز ہیں:

☆ "ان کی کتابیں شاہد ہیں کہ وہ ہمیں مشرک جانتے ہیں اور مشرکوں کی بنائی ہوئی مسجدیں شرعاً مسجد نہیں۔.........تو غیر مقلدین حقیقۃً ہماری مسجدوں کو مسجد ہی نہیں جانتے۔ دھوکا دینے کے لئے اسے مسجد کہنا اور یہ ادعائی اسلام، اپنا حق ان میں مساوی ہونے کا دعویٰ کرنا،

خود ان کے اپنے مذہب کے خلاف اور محض ایذ ادہی و آزار رسانی و بدنیتی ہے۔ کوئی استحقاق، کوئی دعویٰ انہیں ہماری مساجد پر نہیں ہوسکتا۔ یہ بعینہ ایسا ہے کہ چند ہنود ہماری مساجد پر دعویٰ کریں کہ یہ ہمارے مذہب کے مقدس تیرتھ ہیں۔ ہمیں ان میں پوجاپاٹ کی اجازت ملے۔ حالانکہ یہ دعویٰ صراحۃً فریب اور خود ان کے برخلاف مذہب ہوگا۔ مذہبی معاملے میں خود اپنے مذہب کے خلاف ایک بات کا دعویٰ دوسروں کے حق پر قبضہ پانے کے لئے کرنا، سوائے بدنیتی و آزار رسانی کے کیا ہوسکتا ہے؟ ایسے ناجائز دغا سد المبنیٰ دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتے۔ لہذا حنفیہ کی مساجد کو فریق مخالف کے دست تعرض سے محفوظ رکھنا ہی قرین انصاف ہے۔

☆ اس سے تنزل کرتے ہیں کہ غیر مقلدین مبتدع نہیں، مگر اس قدر تو یقیناً معلوم، جس سے کسی جریق کو انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا ان کا اختلاف عقائد میں ایسا ہے کہ دونوں فریق سے ایک ضرور بد مذہب و گمراہ ہے۔ ...... اس کے ثبوت کے لئے فریقین کی بکثرت کتابیں کہ چھپ کر شائع ہو چکیں، کافی ہیں۔ بلکہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں تم ہمیں گمراہ کہتے ہو اور ہم تمہیں۔ اور اگر تم اس وقت مصلحۃً نہ کہو تو ہمارا فریق تو ضرور تمہیں گمراہ و بددین کہتا اور لکھتا اور چھاپتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم فی الواقع گمراہ تو مطلب حاصل۔ یا واقع میں تم ہدایت پر ہو؟۔ تو جو فریق ہدایت کو ضلالت جانے، وہ گمراہ ہے۔ اب یا تو تم ہمیں، ہمارے جمیع اعتقادیات میں حق پر جانتے ہو یا نہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ ہمارے بعض اعتقاد تمہارے نزدیک حق نہیں۔ اور اگر ہاں، تو ہمارے اعتقادیات سے ایک یہ بھی ہے کہ تم گمراہ و بددین ہو، یہ بھی حق ہوا۔ بہر حال دونوں تقدیر پر ایک ضرور گمراہی پر ہے۔ اور شرع مطہر کا اہل حق کو حکم ہے کہ گمراہوں سے میل جول نہ کریں۔ ان سے دور بھاگیں، ان کی نماز میں نہ شریک ہوں، اور وہ بیمار پڑیں تو عیادت کو نہ جائیں، وہ مرجائیں تو جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔ اب اگر معاذ اللہ ہم گمراہ ہیں تو تم کو حکم ہے کہ ہم سے دور ہو، ہماری نماز میں شرکت نہ کرو۔ اور اگر تم اہل بدعت ہو تو ہم کو حکم ہے کہ ہم اپنی نماز میں تمہیں شریک نہ ہونے دیں۔

ان اقتباسات سے حضرت کے ذہن عالی کی برّاقی اور جزئیات نگاری پر گرفت پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی طرح کتاب النکاح میں ایک فتوے کی تردید اور اصلاح میں آپ کی جودت طبع اور روشن دماغ نے جو جولانی دکھائی ہے، وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ آپ نے جواب اول کی فاش غلطیاں ایسی ورق آشکار کی ہیں کہ بخیئے ادھیڑ دیئے ہیں۔ (پورا فتویٰ ص...... پر موجود ہے) یونہی ''کھڑکی کا فیصلہ'' میں آپ نے جس دیدہ ریزی سے فیصلے کی پوری مسل کا فقیہانہ جائزہ لے کر اس کی خامیاں طشت از بام کی ہیں اور درست شرعی فیصلے کی جانب جیسی مدبرانہ راہنمائی فرمائی ہے، وہ آپ کی تدبر آشنا فکر اور فقیہانہ بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ (پورا رسالہ کتاب القضا میں دیکھئے)

حضرت کا رسالہ مبارکہ ''اعلام الساجد بصرف جلود الاضحیۃ فی المساجد'' میں بالکل امام احمد رضا کا فقہی رنگ دمکتا نظر آتا ہے۔ وہی جزئیات نگاری، وہی دقیقہ رسی، وہی کثیر حوالجات، وہی استنباطی رنگ۔ میں یہاں صرف ایک اقتباس پیش کرتا ہوں۔

سوال تھا: قربانی کی کھال بیچ کر اس کی رقم سے مسجد کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟۔ جواب اثبات میں ہے۔ عالمگیری کی ایک عبارت پیش کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''عبارت ہذا تحریر بالا کی روشن دلیل ہے۔ اور اس سے ہر ذکی، متفطن، سلیم الطبع، جزئیات مسائل متعلقہ پوست اضحیہ، ادنیٰ تامل سے نکال سکتا ہے۔ مگر تعمیم نفع کے لئے ایک ضابطہ و قاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے جو قلب فقیر پر ارواح طیبہ اساتذہ کرام و مشائخ عظام حصہم اللہ العلام بالطف العام سے فائض ہوا۔ جس سے ہر عاقل فہیم تمام جزئیات بہ آسانی نکال سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ و ہو حسبی و نعم الوکیل۔

ظاہر ہے کہ پوست، گوشت اضحیہ دونوں منتفع بہ ہیں اور شریعت مطہرہ نے بعد اراقت دم اس سے انتفاع کا حکم دیا۔ کما قد منا عن الھندیۃ عن المحیط۔ اور انتفاع دو حال سے خالی نہیں۔ دینی ہوگا

یا دنیاوی۔اول ہرطرح جائز ہے عین سے ہو یابدل سے۔ لما مرمن قوله و يتصدق بجلدها وقوله و لو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لانه قرنة كا لتصدق.

ثانی بھی دوحال سے خالی نہیں ۔ یابعینہ ہوگا یابدلہ۔اول مطلقاً جائز ہے۔لما فی عررالا حکام "اويجعله آلة كجراب وخفّ وفرو"اه وفی الخانية :"ولاباس بان يتخذمن جلد الاضحية فرواًاو بساطاً و متكئا يجلس عليه"اه وفی الكافی والهداية :"او يعمل منه الة تستعمل فی البيت كا لنطع والجراب والغربال ونحوها" اه كالد لوو السفرة والقرب عينی.

ثانی بھی دوحال سے خالی نہیں یا بدل ثمن ہوگا یانہیں ۔ اول ناجائز ہے۔تکملہ بحرالرائق وتبیین وخلاصہ میں ہے:ولا ينبغی بالدراهم لينفق الدراهم علی نفسه وعياله"

ثانی یعنی بدل ثمن نہ ہو بلکہ مثمن ہووہ بھی دوحال سے خالی نہیں، یامستہلک ہوگایاغیرمستہلک،اول ناجائز ہے۔لما فی الهداية والتبيين والكافی والطحاوی خزانة المفتيين:"ولا يشتری به مالا ينتفع به الا بعد استهلاكه كا لخل والا بازير اعتبارا با لبيع بالدراهم والمعنی فيه انه تصرف علی قصد التمول.

ثانی جائز ہے.لما فی الهدايةو شرح الكنز لملا مسكين والكافی والتبيين والطحاوی وخزانة المفتيين: "ولا باس بان يشتری به ماينفع بعينه فی البيت مع مقائه استحسانا".

یایوں خیال کیا جائے کہ قربانی کرنے والا گوشت اضحیہ کواپنے صرف میں لائے گایاغیر کے۔عام ازیں کہ کوئی شخص معین ہویاغیرمعین جیسے رفاہ عام۔ثانی ہرطرح جائز ہے۔اوراپنے صرف میں لانے کی چارصورتیں ہیں۔دوجائز،دوناجائز(۱)اس کی کوئی چیز بنائے(۲)اس سے کوئی غیرمستہلک چیز بدلے توجائز ہےاور(۳)اگرروپیوں سے بیچا (۴)کوئی مستہلک چیزخریدی توناجائزوممنوع۔وقد مضت الا دلة آنفاً".

تصوف:۔

حضرت ملک العلماء خشک فقیہ نہیں تھے بلکہ سوزعشق اورنفس سوختہ سے معمورایک خوش طبع درویش فقیہ تھے۔یہی سبب ہے کہ آپ کی تحریروں میں ملّا نہ خشکی نہیں ملتی بلکہ صوفیانہ لطافت پیرتی محسوس ہوتی ہے۔دل آزاری سے گریز،تنقید میں بھی شائستگی کا برتاؤ،سوقیانہ پن سے اجتناب،اخلاص کی خوشبو،ہمدردانہ جذبے،غمگسارانہ لہجے کیا ہیں؟ صوفیانہ خصائل ہی تو ہیں جن کارچاؤ ہرجگہ نظرآتا ہے،لیکن عام صوفیانہ روش سے ہٹ کرخاص صوفیانہ مسائل پربھی آپ نے خامہ فرسائی کی ہے۔کتاب الحظر ولاباحۃ میں اس طرز کے کئی ایک فتاویٰ شامل ہیں۔

ص...... پرسوال ہے کہ کیا زید اپنے والد کی مرضی کے بغیر اشغال صوفیہ میں منہمک ہوسکتا ہے؟۔اس کا جواب بہت ژرف نگاہی کے ساتھ دیا گیا۔اطاعت والدین کے فضائل پرمشتمل کثیراحادیث کریمہ بیان کرنے کے بعدتحریرفرماتے ہیں۔

"پس صورت مستفرہ میں جب کہ باپ اس کا شیخ کے یہاں جانے، حلقے میں شامل ہونے سے روکتااور کہتا ہے کہ اس میں میری سخت ناراضگی ہوگی،ہرگزاس شخص کواجازت نہیں کہ والدین کوناراض کر کے حلقہ میں شامل ہو۔

(حدیث مبارک ذکرکرکے)جب بےاجازت والدین جہادکی اجازت نہ ہوئی........توباپ کوناراض کرکے حلقہ میں شامل ہونے کی کیوں کراجازت دی جائے گی؟اس شخص کوچاہئے کہ شیطان کے دھوکہ سے باز آئے،والدکی فرمانبرداری کرے،ان کوایذانہ دے،عاق نہ بنے،والدین کی رضابہت بڑی نعمت ہے۔اس کی قدرکرے۔

(دوسری جانب باپ کوتلقین کرتے ہیں)اگراس کاباپ اسے روکنے میں کوئی مصلحت شرعیہ دیکھتا ہے یااسےاپنےایذاکاخیال ہے کہ اسے تنہاچھوڑکروہ اپناکام نہ کرسکے گا،توکوئی حرج نہیں۔اگراس کاکوئی حرج نہیں توذکروفکر،شغل واذکارسے وہ اپنے بیٹے کونہ روکے،کیونکہ

اس کو اجازت نہیں وہ کام کرے جو اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہو"۔

توجہ تشبیہی کے جواز کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"توجہ لینا اپنے پیر و مرشد سے اور مرشدوں کا اپنے مریدین کو توجہ دینا جائز اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔ کتاب الترھیب حافظ ذکی الدین عبدالعظیم منذری مطبع فاروقی دہلی ص ۱۳۰۱ س ۹ پر ہے: **وعن یعلیٰ ابن شداد قال حدثنی ابی شداد ابن اویس وعبادۃ بن الصامت حاضر یصدّقہ قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط فقال ھل فیکم غریب یعنی اھل الکتاب قلنا کا یارسول اللہ ! فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم وقولو الا الہ الا اللہ .فر فعنا المیعاد ثم قال ابشروا فان اللہ قد غفر لکم.**

یعنی مروی ہے یعلیٰ بن شداد سے، کہا مجھ سے بیان فرمایا میرے باپ حضرت شداد بن اویس نے اور حضرت عبادۃ بن صامت تشریف رکھتے تھے اور میرے باپ کی تصدیق فرماتے تھے۔ کہا، تھے ہم نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی یہودی یا نصرانی ہے؟ ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم۔ پس حضور نے دروازہ بند کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تم اپنے ہاتھوں کو اٹھا کر لا الہ الا اللہ کہو تو ایک ساعت تک ہم لوگوں نے ہاتھوں کو اٹھایا۔ پھر حضور نے دعا فرمائی کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ابھی تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ بھیجا اور اس پر مجھے جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ پھر فرمایا کہ خوش ہو کہ عزوجل نے تم کو بخش دیا۔ **رواہ الامام احمد باسناد حسن والطبرانی وغیرھما**

یہ خاص توجہ لینے اور دینے کا جزئیہ ہے ورنہ لا الہ الا اللہ کی تعلیم کو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کی طرف بھیجے گئے۔ پھر اس پوچھنے کے کیا معنی تھے کہ ھل فیکم غریب تم میں کوئی اجنبی تو نہیں؟ پس اس پوچھنے ہی پر بس نہ فرمایا بلکہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا کہ غیر کا دخل نہ ہو؟ تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی خاص تلقین لا الہ الا اللہ تھی جس میں خاص ہی خاص حضرات کا حصہ ہے۔ اور یہ وہی توجہ ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین کو دیتے ہیں۔ وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔"

حضرت کے اس استدلال نے یہ معاملہ بھی طے فرمادیا کہ حضرت صوفیہ کے معمولات، کتاب وسنت کے اسرار باطنی سے ماخوذ ہیں، یونانیوں اور ویدوں کی تعلیمات کا ملغوبہ نہیں۔

بیعت کی شرائط بیان کرتے ہوئے خالص صوفیانہ طرز کا جواب سپردقلم کرتے ہیں:

"پیر میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

اول یہ کہ وہ صاحب اجازت، خلیفہ اپنے شیخ کا ہو اور وہ اپنے شیخ کا وعلیٰ ھذا القاس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اس کا مسلسل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسائل شرعیہ ضروریہ سے واقف اور اس کا عامل ہو اور ادائے حقوق شرع میں قاصر ومتہاون نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقیدۃً اہل سنت والجماعت ہو، بدمذہب نہ ہو۔ جاہل سے بیعت درست نہیں کہ ع

بے علم نتواں خدا راشناخت

جو شخص خود خدا کو نہیں پہچانتا دوسرے کو کیا پہنچوائے گا۔

اوخویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور مقولہ ہے "جاہل پیر شیطان کا ٹٹو ہے"

ابریز میں ہے: **اذالم یکن علم لدیہ نظاھر ولا باطن فاضرب بہ ل جج البحر قال الشیخ رضی اللہ عنہ مرادہ بعلم الظاھر علم الفقہ والتوحید ای القدر الواجب منھما علیٰ المکلف ومرادہ بعلم الباطن معرفۃ اللہ تعالیٰ.**

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ پیر کے لئے ضروری ہے کہ کسی مدرسہ سے دستار فضیلت پائے ہوئے ہو بلکہ اس کو علم باللہ اور علم باحکام اللہ ہو۔ مسائل اعتقادیہ عملیہ فقہ وقلبیہ تصوف سے بے بہرہ و بے علم نہ ہو۔ حضرات سادات کرام کی فضیلت سید ہونے کی وجہ سے سر اور آنکھوں پر

ہے۔مگر یہاں نسبی بزرگی کی ضرورت نہیں بلکہ مرید ایسے شخص سے ہونا چاہئے جس کے متعلق اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اس زمانہ میں تمام لوگوں سے تربیت مرید کے لئے اعلیٰ و افضل ہے، ورنہ اس کو بیعت نہ کرنی چاہئے،

ابریز فی علم سیدنا عبدالعزیز میں ہے:

لا تقد من قبل اعتقادک انه مربّ ولا اولیٰ بها منه فی اںعصری(ای) ولا تقد من علی شیخ بقصد الد خول فی صحبة حتیٰ تعتقد انه من اهل التر بیه وانه لا احق منه بها فی زمنه .

"یعنی مرید ہونے کے لئے کسی کی خدمت میں اقدام نہ کر، اور اس کی صحبت میں داخل ہونے کا ارادہ نہ کرو جب تک یہ اعتقاد نہ کرلو کہ یہ شخص تربیت کا اہل ہے اور اس طرح زمانہ میں اس سے زیادہ کوئی شخص اس کام کے قابل نہیں"۔

تو اگر کسی غیر سید کے ساتھ اس کو اس طرح وابستگی ہے تو اسی کے ہاتھ پر مرید ہونا چاہئے اور سید صاحب کے ساتھ ہے تو اس کے ہاتھ پر ہو۔ غرض یہ معاملہ معشوق بنانے کا ہے۔کسی عاشق سے پوچھئے کہ سید پر عاشق ہونا چاہئے یا غیر سید پر؟ جو جواب اس کا ہے، وہی جواب اس کا سمجھے۔

ہمہ شہر پر زخوباں، منم وخیال ماہے۔ چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بکس نگاہے۔

تنقید:۔

حضرت ملک العلماء کو نقد ونظر کی بھی ایک خاص قسم کی استعداد عطا کی گئی تھی۔آپ حریف کو اسی کے ہتھیار سے زیر کرنے کے قائل تھے۔اس طرز کی تحریریں آپ کے مناظراتی رسائل میں خاص طور سے ملتی ہیں۔زیر نظر مجموعۂ فتاویٰ میں بھی بہت سارے تنقیدی جوابات ملتے ہیں جن میں طرز انشا کی خوشگوار تیکھی تنقید اور دلچسپ ہجو ملیح کے نمونے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں۔میں یہاں آپ کے ایک مفصل فتوے کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

فاتحہ کے جواز اور عدم جواز کے سلسلے میں تحریری معرکہ آرائی چل رہی تھی۔نقد ونظر کے لئے فریقین کی تحریریں استفتا کی صورت میں ملک العلماء کے حضور پیش کی گئیں۔آپ نے ان تحریروں کا بڑا فاضلانہ محاسبہ کیا اور تنقید کا حق ادا کر دیا۔یہ پورا فتویٰ بارہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔میں اس کے چند دلچسپ اقتباس پیش کرتا ہوں جو ہیں تو قدرے طویل لیکن افادیت سے لبریز ہیں۔آپ رقم طراز ہیں:

"علمائے اہل سنت کی تصریحات کے تو دریا اُمڈ رہے ہیں۔کہاں تک کوئی لکھے۔اب دو فتویٰ وہابیہ حال کے معتمد الکل فی الکل مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ سے نقل کیا جاتا ہے۔جس سے صاف معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے نزدیک بھی اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اگرچہ وہ وسعت علم وفسحت ذکاء وفہم سے اپنی تحریر کو بھی نہ سمجھیں اور اصل اشیاء میں اباحت ہونے کو پر'نا مغا' یہ اور دھوکے کی ٹٹی کہتے جائیں۔

چونتیسویں سوال "رنگین کپڑے پہننا، نیلا تہہ باندھنا، موٹی تسبیح رکھنا، بال سر کے بڑھانا اس خیال سے کہ اگلے پیشواؤں کا معمول ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت ہے یا نہیں؟" کے جواب میں ہے "ان ہیئات میں کوئی معصیت نہیں۔ بری نیت سے برا، بھلی نیت سے بھلا ہے۔ فقط"۔ یہ جواب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تو بے کھٹکے بول اٹھے کہ کوئی معصیت نہیں۔ مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی کی طرح (جیسے انہوں نے فاتحہ کے لئے کہا) یہ نہ کہا کہ "فقہ کی کتاب میں ان ہیئات کا کہیں نام ونشان نہیں۔لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک بے اصل ہے"۔ نہ محشی صاحب کی طرح یہ کہا کہ "بہت سے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ اصل اشیاء میں حظر یعنی ممانعت ہے۔تو جب تک اس کا جواز ادلۂ فقہیہ سے نہ ثابت ہو ممنوع وناجائز رہے گا" نہ مجتہد صاحب کی طرح یہ کہا کہ "اصل اشیاء میں اباحت پرانا مغالطہ ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیں، یہ تمام اشیاء بالفراد ہا جائز ہیں تو جو امور بانفراد ہا جائز ہوں ان کو مجموعہ کرکے یہ ہیئت بنالینا، دھوکے کی ٹٹی ہے" نہ ٹکے کی پانچ والی دو ورقی کے مشتہر کی طرح یہ لکھا کہ "یہ فعل حضرت اور ان کے صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین سے منقول نہیں (ص۳س۲۶) اور جو غیر منقول ہو اور حضرت کی تعلیم سے زیادہ ہو، بدعت جانیں۔(ص۱س۱۱) نہ یہ کہا کہ 'ہیئت کسی کتاب میں منقول

نہیں تو جب تک ان ہیئات کا منقول ہونا یا اس کسی مجتہد کا نیک گمان کرنا ثابت نہ کریں گے، تب تک یہ ہیئات بدعتِ سیئہ رہیں گے اور جو برائی بدعتیوں کی اوپر قریب ہی بیان ہوئی یعنی جس نے اس کی توقیر کی گویا اس نے مدد کی اسلام کے ڈھانے پر یا ایسے شخص اور جو اسے جگہ دے، اس پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی، سب کی اور قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے نفل اور نہ فرض وغیرہ ذٰلک من الاحکام، وہ سب اس ہیئت والے پر ثابت ہوگی'' **ولا حول ولا قوة الا با لله العلی العظیم**''۔

رہا محشی روداد اور ''صاحبِ فاتحہ مروجہ کا فیصلہ'' کا عبارت درمختار سے دھوکا کھانا اور اصل اشیاء میں توقف بتانا، اباحت کو رائے معتزلہ کہنا، اصل اشیاء میں اباحت کے قائل کو معتزلیت کا مقر بنانا، محض ''پادرہوا'' اور ''رود رقفا'' اور بناء فاسد علیٰ الفاسد ہے۔ جس کا کشف بغورعز وجل فقیر نے اپنے رسالہ ''مواہب ارواح القدس'' میں بروجہ تام وما لاکلام کردیا ہے۔ فلتطا لع۔ صاحب ''**دافع التلبیسات**'' نے اسی مضمون کے متعلق زیرِ قول دوم وسوم، صادق مجیب تحریر محمد عبدالرحیم کو لکھا: ''ناقل کی اعلیٰ درجہ کی حماقت و جہالت ظاہر ہوتی ہے۔ بندہ اعبارت کا ترجمہ بھی نہ سمجھا، حق تحریف خوب ادا کیا وغیر ذٰلک''۔

راقم الحروف ان پاکیزہ الفاظ کے جواب میں صرف **المـــرء یقیس علی نفسه** کی شہرت پر اکتفا کرکے اس بات کا جواب دینا منا سب جانتا ہے کہ فرماتے ہیں: **الا صـل فـی الا شیـاء الا باحتـه**، حنفیہ کا متفق علیہ قاعدہ نہیں الخ، عقلمند عالم! عبارت سمجھنے والے! تحریر میں یہ رقم ہے کہ جمہور حنفیہ کا مختار یہ ہے۔ اس میں کیا حماقت و جہالت ہوئی؟ عبارتِ تحریر ابن ہمام والی یہ ہے۔ ''**المختار الا با حته عند جمهور الحنفية و الشا فعية**'' اس عبارت کا ترجمہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ تو مجیب یہ سمجھا سکے۔ انصاف سے کہئے! یہ تینوں گرامی اوصاف آپ کے ہوئے یا مجیب کے؟ ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھوتو سرا پا کس پر

مزید آگے لکھتے ہیں:

مصباح الضحیٰ میں لکھا کہ ''معانوہ غیر قدوم سفر کا با جماع حنفیہ و شافعیہ کے مکروہ ہے''۔ حالانکہ ان کے اقراری امام، محقق وفقیہ ومحدث جلیل شیخ محقق قدس سرہ شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں: ''فقہاء را در جواز معانقہ و کراہتِ آں اختلاف و تفصیلے ست وصحیح جوازِ اوست اگرچہ در غیر قدوم سفر نیز باشد''۔ نہ معلوم ڈپٹی صاحب کے نزدیک اجماع کس چڑیا کا نام ہے؟ اعظم گڑھی صاحب! تحیف اسے کہتے ہیں مصنف کچھ فرمائے، آپ کچھ اس کے سرتھوپ رہے ہیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ صرف اپنے مطلب کے دو لفظ لے لئے، باقی سے آنکھیں میچ لیں۔ تحریف اسے کہتے ہیں کہ دعویٰ بے دلیل کردیا، جو منہ میں آیا کہہ بیٹھے۔ دیکھئے اعظم گڑھی صاحب! تحریف اسے کہتے ہیں جو مولوی بشیر قنوجی نے کی۔ ''تفہیم المسائل'' ص ۲۷ پر انکارِ استمداد کے لئے ''مطالب المومنین'' سے نقل کیا ''**یکـره الا نتـفـاع با لقبر**'' اس کا مطلب یہ لکھا کہ ''قبور سے مدد مانگنا جائز نہیں''۔ حالانکہ اصل عبارت اس کی یہ ہے: ''**یکـره التـمـتـع بـا لـمـقبـرة و ان لم یبق آثـاره**'' قبرستان سے فائدہ لینا مکروہ ہے اگرچہ اس کے آثار باقی نہ رہیں۔

آپ کے اتنا بھی عربی پڑھا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں زمین مقبرہ سے تمتع اور اسے اپنے تصرف میں لانے کا ذکر ہے۔ اسی لئے ''اگرچہ'' کہہ کر ترقی کرتے ہیں کہ قبر کا نشان نہ رہنے کے بعد جوازِ انتفاع کا گمان ہو، لہٰذا تصریح کردی کہ گو اثر نہ رہے تاہم انتفاع روا نہیں۔ قنوجی صاحب! وہ لفظ جو بالکل ان کے خلاف مطلب بلکہ صریح رد تھا، اڑا گئے اور براہِ دانشمندی مقبرہ کو قبر بنالیا؟ کہئے یہ تحریف ہوئی یا نہیں؟ کہو ہوئی!''

ایسی ہی ظریفانہ اور شستہ نثر سے آپ کی ساری تنقیدی تحریریں آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہیں۔ احقر زیرِ نظر مجموعۂ فتاویٰ کے اتنے ہی فنی تعارف پر اکتفا کرتا ہے۔

امام احمد رضا خاں کی حیات اور ان کے تعلیمی نظریات سے متعلق ریسرچ اسکالر جناب سلیم اللہ جندران کے لکھے ہوئے مضامین کی فہرست

محترم سلیم اللہ جندران صاحب پنجاب یونیورسٹی' لاہور میں پی۔ ایچ۔ ڈی ریسرچ اسکالرز ہیں۔ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے تعلیمی نظریات وافکار پر ایک عرصہ سے تحقیقی مقالات لکھ رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ امام احمد صاحب علیہ الرحمۃ کے تعلیمی نظریات پر ایک سند ہیں تو بے جانہ ہوگا۔ آپ نے جامعات کے ایم۔ اے ایجوکیشن اور ایم۔ ایڈ کے طلباء کو اعلیٰ حضرت کے تعلیمی افکار ونظریات کے حوالے سے تحقیقی مقالات لکھنے کی ترغیب دی اور ان کی نگرانی بھی فرمائی۔ سلیم اللہ جندران صاحب اب تک امام احمد رضا کے تعلیمی نظریات کے حوالہ سے تسلسل کے ساتھ گذشتہ بیس سال میں تقریباً ۱۸ مقالات ومضامین تحریر کر چکے ہیں جو ملکی اور بین الاقوامی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ہم قارئین کرام خصوصاً تعلیم سے متعلق کالج اور جامعات کے اساتذہ، طلباء اور ریسرچ اسکالر کی رہنمائی کے لئے ان مقالہ جات کی ایک فہرست جناب سلیم اللہ جندران صاحب کے شکریہ کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جندران صاحب نے اعلیٰ حضرت کے تعلیمی افکار کی مختلف جہتوں پر تحقیقی (ایم۔ فل۔ ر پی۔ ایچ۔ ڈی) کام کے لئے عنوانات کی ایک جامع فہرست بھی مرتب کی ہے جو انگریزی معارف رضا ۲۰۰۶ء میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ جو اسکالرز/محقق حضرات دیئے ہوئے عنوانات کو اپنا مرکزِ تحقیق بنانے کے خواہشمند ہوں وہ جناب سلیم اللہ جندران صاحب کے دیئے ہوئے فون نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ آفس: 0456-622142 رہائش: 0456-622273 ای میل: sujundran66@yahoo.com

۱۔ ملی تشخص کی بیداری میں حضرت امام احمد رضا کا عہد ساز کردار ۹۸۔۱۹۹۷ء، الاستاذ (ص: ۸۲۔۸۹) گولڈن جوبلی گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فیصل آباد۔

۲۔ امام احمد رضا خان کے نظریہ تعلیم کی چیدہ چیدہ حضوصیات

i (۱۹۹۹ء)، مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس (ص: ۶۹۔۷۱) ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔

ii (جولائی ۱۹۹۹)، تعلیمی زاویے (ص: ۹۱۔۹۸) سہ ماہی مجلہ پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن اسلام آباد

iii (مئی ۲۰۰۰ء)، ماہنامہ آموزگار (ص: ۴۔۱۱)، جلسگاؤں، مہاراشٹر، (انڈیا)

iv (جنوری تا جون ۲۰۰۰ء، رمضام المبارک تا صفر المظفر ۱۴۲۳ھ)، افکار رضا (سہ ماہی) ممبئی جلد ۸، شمارہ ۳۱ تحریک فکر رضا، ممبئی (انڈیا۔۴۰۰۰۰۸)

۳۔ مقاصد تعلیم امام احمد رضا کی نظر میں (۱۹۹۹ء) معارف رضا (ص: ۱۳۶۔۱۴۶) سالانہ انٹرنیشنل ایڈیشن ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

۴۔ امام احمد رضا خان کا تجویز کردہ ابتدائی تعلیم کا نصابِ تربیت (جنوری ۱۹۹۹ء) نوائے اساتذہ (ص: ۲۰) ماہنامہ لاہور

۵۔ دو قومی نظریہ اور امام احمد رضا خان محدث بریلوی کا کردار (شعبان ۱۸۲۰ھ نومبر دسمبر ۱۹۹۹ء) الجامعہ (ص: ۵۴) ماہنامہ جلد نمبر ۱۵ شمارہ نمبر ۸ جامعہ محمدی شریف جھنگ۔

۶۔ درس نظامی کے نصاب میں شامل عقلی علوم مثل فلسفہ، منطق،

حکمت پر امام احمد رضا خان کا تبصرہ وتنقید (رمضان المبارک ۔ ۱۴۲۰ھ/ دسمبر ۱۹۹۹ء)، الجامعہ (ص:۳۶) ماہنامہ جامعہ محمدی شریف جھنگ

۷:۔ اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں امام احمد رضا کا کردار (مئی/ جون ۲۰۰۰ء)

ماہنامہ معارفِ رضا (ص:۴۰۔۴۷) خصوصی شمارہ امام احمد رضا کانفرنس نمبر ۲۰۰۰ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔

۸:۔ امام احمد رضا خان اور ردّ بدعات ومنکرات (جولائی ۲۰۰۰ء) ماہنامہ کنز الایمان (ص:۱۷۔۲۸) لاہور کینٹ، جلد ۱۰، شمارہ ۱

۹:۔ امام احمد رضا خان کا طریقہ تدریس

i (جولائی ۲۰۰۰ء) تعلیمی زاویے (ص:۷۰۔۷۶) تعلیمی وتحقیقی جریدہ (سہ ماہی) پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن اسلام آباد

ii (اپریل تا جون ۲۰۰۴ء/ ۱۴۲۵ھ) سالنامہ معارفِ رضا (صفحات ۱۲۷۔۱۳۳)، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان کراچی)

۱۰:۔ علمیات: امام احمد رضا خان کی نظر میں (دسمبر ۲۰۰۰ء)

علم کی روشنی (ص:۳۲۔۴۵) ششماہی جریدہ علامہ اقبال یونیورسٹی اسلام آباد جلد ۲، شمارہ ۲

۱۱:۔ منظر اسلام کا تاریخی تناظر میں آغاز وارتقا اور ہمہ جہت کردار کا جائزہ (جولائی تا ۲۰۰۱ء)

معارف رضا (ص:۸۰ تا ۹۷) صد سالہ جشن دار العلوم منظر اسلام بریلی نمبر، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی

۱۲:۔ امام احمد رضا بریلوی (جنوری ۲۰۰۶ء) ماہنامہ کنز الایمان (ص:۴۳۔۴۶) لاہور کینٹ، جلد ۱۲، شمارہ ۱

۱۳:۔ دوقومی نظریہ کے احیاء اور تحریک پاکستان میں امام احمد رضا کا کردار (قسط اول) (جنوری ۲۰۰۲ء)، ماہنامہ معارف رضا (ص:۱۶۔۲۰)، شمارہ نمبر ۴۴، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی۔

۱۴:۔ دوقومی نظریہ کے احیاء اور تحریک پاکستان میں امام احمد رضا کا کردار، (قسط دوم) (فروری ۲۰۰۲ء)، ماہنامہ معارف رضا (ص ۱۷۔۲۲)، شمارہ نمبر ۴۵، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی۔

۱۵:۔ بدعات ومنکرات کے سدباب کے لئے امام احمد رضا کی مساعی (۲۰۰۴ء/ ۱۴۲۵ھ) مجلّہ یادگارِ رضا (ص:۵۶۔۷۳)، رضا اکیڈمی، ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ، بمبئی (انڈیا)

۱۶:۔ عالمی جامعہ امام احمد رضا ۔۔۔ وقت کی اہم ضرورت، (۲۰۰۵ء) سالانہ ایڈیشن معارفِ رضا (ص:۲۸۰۔۲۸۳)، شمارہ نمبر ۳، جلد نمبر ۲۵، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔

۱۷:۔ امام احمد رضا خان بریلوی کا تجویز کردہ ابتدائی تعلیم کا نصابِ تربیت۔ (نومبر ۲۰۰۵ء) ماہنامہ ضیائے حرم (ص:۴۱۔۴۳)، جلد نمبر ۳۶، شمارہ نمبر ۲، لاہور۔

۱۸۔ امام احمد رضا خان کے تعلیمی افکار پر تحقیقی کام کا اجمالی مطالعہ، (۲۰۰۵ء جولائی) جرنل آف دی ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، جلد نمبر xxxii، شمارہ نمبر ۱، ص:۲۲۷۔۲۸۱، یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور۔

☆☆☆
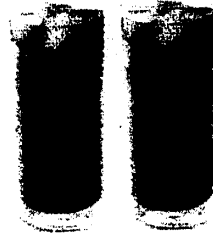
۲۶ ویں سالانہ امام احمد رضا انٹرنیشنل

کانفرنس کے موقع پر ادارہ ہذا کی شائع کردہ کتب